بسم الله الرحمن الرحیم

تفسیر مرتضوی

سورۃ الحمد سے سورۃ النساء کی آیت ۱۳۹ تک

از

آیۃ اللہ علامہ سید مرتضی حسین صدرالافاضل
(فاضل لکھنوی) رح

سہ ماہی توحید، تہران
جلد ۱ شمارہ ۱ سے، جلد ۹، شمارہ ۶

علامہ آیۃ اللہ سید مرتضی حسین صدرالافاضل
(فاضل لکھنوی) رح

تفسیر

- قرآن مجید کے رہنما اشاروں کا بیان۔
- مختصر و سادہ معنی و مطالب۔
- فرد اور معاشرہ کی اصلاح، تعمیر و ترقی۔
- اسلام اور قرآن کا پیام زندگی۔
- حدیث کی روشنی میں۔
- مناظرے اور مباحثے سے احتیاط۔

مرتضیٰ حسین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ الذی انزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا والصلوٰۃ والسلام علی النبی الذی جاء بالقرآن داعیاً الی اللہ باذنہ وسراجا منیراً وعلی آلہ الہداۃ المعصومین ولاسیما علی الحجۃ المنتظر الذی جعلہ اللہ سلطاناً نصیرا:

قرآن مجید وہ انقلابی کتاب ہے، جو فکری، نفسیاتی، علمی و عملی زندگی میں صدیوں سے جان ڈال رہی ہے۔ کلام مجید نے جس طرح عرب و افریقہ کے عہد جہالت کو دور نور و اقدار میں بدلا، اسی طرح سارے جہاں کے بتوں کو توڑ کر واحدویت معبود برحق کی طرف انسانوں کی نگاہوں کو موڑا۔ تعمیر ذات، تطہیر ضمیر، اصلاح معاشرہ، تکمیل انسانیت کبریٰ میں قرآن مجید ہی حرارت و روشنی و زندگی و توانائی کا سرچشمہ ہے۔ قرآن حکیم کا وہ معجزہ جو آج سب نے دیکھا، وہ انقلاب اسلامی ایران ہے۔ وہ انقلاب جس کے داعی کہتے تھے "ما شاہ نمی خواہیم قرآن می خواہیم" ــ شاہ نہیں قرآن ــ دنیا کی تمام طاغوتی طاقتیں طوفان برق و باران اور سیلاب یم بریم بن کر چار سال سے اس قرآنی معجزہ کے مٹانے میں سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں مگر خدا کا وعدہ پورا ہو رہا ہے۔

علم و عقل، فکر و عمل، ترقی و تسخیر کائنات اور احترام ہر فرد بشر کا داعی و ھادی قرآن اپنے پیغام بر و مفسر حضرت خاتم الانبیا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و تعلیم کے ساتھ آواز دے رہا ہے:

اِقرأ باسم ربك الذی خلق *
خلق الانسان من علق * إقرأ
وربك الاكرم الذی علم بالقلم
علم الانسان ما لم يعلم *

اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا۔
انسان کو لوتھڑے سے انسان بنایا۔
پڑھو اور تمہارا رب بہت مکرّم ہے۔
وہ جس نے قلم کے ذریعے علم دیا۔
انسان کو وہ علم دیا جس سے وہ ناواقف تھا۔

- تحریک علم کے لیے، دعوت تفکر و تدبّر فی القرآن کے لیے۔
- دعوت اتحاد و توجہ الی اللہ، حصول منزل تقوی کے لیے۔
- قرآن و سنّت سے دائمی تعلق کو مزید مستحکم رکھنے کے لئے۔
- وصیت حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر عمل کی خاطر یہ مختصر تفسیر شروع کی جا رہی ہے۔

انی تارك فيكم الثقلين: كتاب الله وعترتی اهل بيتی
ما ان تمسكتم بهما لن تضلّوا بعدی حتی يردا علیَّ الحوض.

اسی بنیاد پر قرآن مجید کے رہنما اشاروں کا مختصر بیان،
اختصار اور سادگی کے ساتھ حاضر ہے۔
انقلاب ذات، تعمیر معاشرہ اور فکری ارتقا
اور عقیدۂ توحید و وحدت کلمہ کے لئے ایک پیش کش ہے۔

توحید ۱۳

سورة فاتحة الكتاب مكية

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱﴾ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ

نَسْتَعِيْنُ ﴿۴﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۵﴾

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ

الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾

وهي سبع آيات
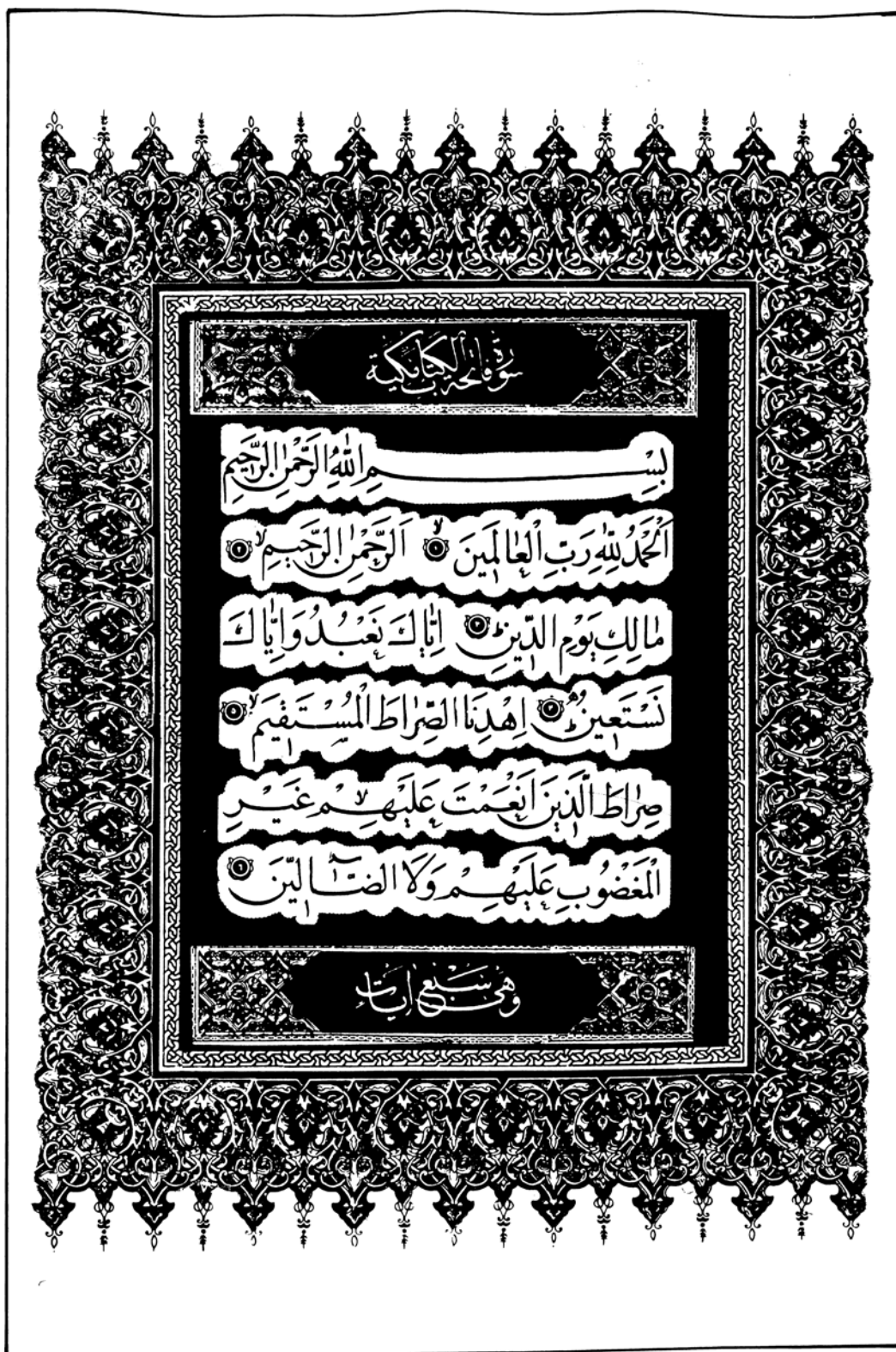
ترجمہ :

اللہ کے نام سے ، بڑا مہربان بے حد رحم کرنے والا(۱) ہر طرح کی حمد
اس اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے(۲) بڑا مہربان ،
بے حد رحم والا ہے(۳) مالک ہے روز جزا کا (۴) اللہ ، ہم تیری ہی
عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں(۵) تو ہمیں صراط مستقیم
(سیدھی راہ) پر ثابت قدم رکھ(۶) ان لوگوں کا راستہ جن لوگوں
پر تو نے نعمت نازل کی ۔ ان کا راستہ نہیں جن پر تیرا غضب ہے اور
راستہ(۷)

سورۃ : آیات کا وہ مجموعہ جو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع اور چند آیات پر تمام ہو
سورۂ براءت کے علاوہ بسم اللہ ہر سورہ کا جزء ہے۔

کچھ سورتیں مکی ہیں کچھ مدنی۔ مکی : کا مطلب یہ ہے کہ آیات مکۂ مکرمہ یا
اس کے قریب اتریں۔ اسی طرح مدنی۔ بعض مکی سورتوں میں مدنی اور مدنی سورتوں
میں مکی آیتیں بھی موجود ہیں۔ جن کی طرف سورے کے نام و عنوان میں اشارہ
کر دیا جاتا ہے۔

رکوع :۔ آیات کے اس مجموعے کو کہا جاتا ہے جو بہت قریب اور باہم
مربوط مطالب پر مشتمل ہوتا ہے۔

آیت : وہ کلام جو اشارۂ وحی سے حسب مصلحت فقرہ بند ہوا۔

بسم الله الرحمن الرحیم

اللہ ۔ اسم ذات ہے ۔ "اللہ" کے معنی ہیں وہ ذات جو کمال کے تمام صفات اور جلال و جمال کے تمام عقلی و وجودی معانی سے عبارت ہے ۔ اللہ ۔ اسم اعظم ہے ۔ اللہ ۔ کا ترجمہ دوسری زبانوں میں اور اس کی تشریح طویل تقریروں میں ممکن نہیں ۔ قرآن کا آغاز اور وحی کا سرنامہ اللہ کا نام ہے ۔

رحمن و رحیم اللہ کے نام سے ابتدا کرنا ۔ توجہ الی اللہ کا تقاضا کرتا ہے ۔ توجہ الی اللہ کے لئے معرفت خدا، احساس خداوندی و بندگی ضروری ہے ۔ اللہ، کمال و جلال و جمال ہے اور معبود لاشریک ہے ۔ ہم، سراپا زوال و نقص و کوتاہی اور بندۂ گنہ گار ہیں اس لئے ۔ اس کا نام کیسے لیں ؟ اس کے حضور میں کیوں کر جائیں ؟ آخر بندے کا خدا سے ربط کیسے ہو ؟ سب کا جواب ہے ۔ رحمن و رحیم ۔ چونکہ وہ رحمن و رحیم ہے اس لئے اس کا نام لے کر قدم اٹھاتے ہیں، کام کر رہے ہیں ۔ اس کی مہربانی ضرور سہارا دیتی ہے ۔ اس کا رحم یقیناً پردہ پوشی کرتا ہے ۔ اس انداز سے ہر ابتدا ذہن میں پاکیزگی اور نظر کو یکسوئی عطا کرتی ہے ۔ تعلیم و تربیت کا اہم ترین مرحلہ یہ ہے کہ بسم اللہ سے ہر کام شروع کیا جائے ۔

۔ الحمد للہ

ارادہ و عمل کا پہلا قدم نام خدا سے آگے بڑھا ہے تو زندگی و توانائی، معرفت معبود و فراوانی انعامات کا خیال کر کے اللہ کی حمد کرنا چاہئے ۔ آخر نیند سے آنکھ کھلنے اور مرنے کے بعد زندہ ہونے میں کیا فرق ہے ؟ اس نے دوبارہ قوت بخشی ہے جب ہی تو فکر کو زندگی ملی، یہ اس کا رحم ہے کہ بندے کو حاکمیت و محکومیت کے درمیان رکھا، وہ رحمن ہے اس لئے ہم زندگی کے باریک و نازک مراحل سے گذرے ہیں، ٹھوکریں کھاتے ہیں وہ معاف کرتا ہے وہ رحیم کہ آئندہ بھی ہماری لغزشوں سے درگذر فرمائے گا ۔ عجیب اہتمام ہے کہ الوہیت کی صفت رحمن و رحیم بتائی اور حضرت ختمی مرتبت کی صفت بھی " رحمۃ للعالمین " بیاں کی کہ بندۂ گنہ گار رحمتوں سے مایوس نہ ہو

یہ سورت دو مرتبہ نازل ہوئی ۔ یہ سورت نماز پنجگانہ کی پہلی دو رکعتوں میں دو مرتبہ ضرور پڑھی جاتی ہے ۔ اس سورت میں جس طرح کلمۂ و اسم "اللہ" دو مرتبہ آیا ہے ۔ اسی طرح "رحمن" دو مرتبہ اور "رحیم" دو مرتبہ آیا ہے ۔ قرآن مجید نے بندگی کو حوصلہ دیا اور اسلام نے اللہ کی طرف توجہ کے لئے صفت رحمن و رحیم کو بنیاد بتایا ہے ۔ اور کلام اللہ کا اعجاز سمجھ میں آیا ۔

رَبّ العالمین—

(یہ ترکیب قرآن مجید میں تقریباً بیالیس مرتبہ استعمال ہوئی ہے)
اللہ کی حمد بے پایاں، وہ جہانوں کا رب ہے۔ بے شمار جہان، لاتعداد کرّے، ہر کرے کا محور الگ، دائرہ الگ، مرکز ثقل الگ اور اس کی دنیا جدا، ہر دنیا کا خالق اور ہر جہان کی مخلوقات کے احتیاجات پورے کرنے والا، وجود ولوازم زندگی، استحکام ونظام کے مالک وسربراہ روزی رسان، مہربانی ورحم کرنے والے رب کی حمد — زبان کو ادب اور فکر ونظر کو مرکز بخشتی ہے۔ اس حمد گذاری سے تزکیۂ نفس وطہارت ضمیر کا عمل شروع ہوتا ہے۔ حمد کا مرتبہ شکر سے بلند ہے، حمد اقرار ربوبیت کا اظہار ہے اور ربوبیتِ عالمین کا اعتقاد عظیم ترین مالک سے تعلق اور غیر اللہ سے لاتعلقی کی حس کو بیدار کرتا ہے۔ یہی لاالٰہ الا اللہ کا مطلب اور یہی مردمومن کا اوّل وآخر ہے۔ چونکہ اللّٰہ — اور — ربوبیت عالمین۔ انتہائی عظمت وجلالت وقدرت کے الفاظ ومفاہیم ہیں۔ اس لئے رحمٰن ورحیم کے صفات سے یاد کرنا بندگی کو ملتجیانہ پہلو اور فکر ونظر کو تدریجی ترقی کی راہ پر ڈالنا مقصود ہے۔

—مالک یوم الدین

یہاں سے فکری ترقی اور تعلیم کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ کہ جب نامعلوم جہانوں کا وجود مان چکے پھر ان کائناتوں کا رب، پرورش کرنے والے اللہ پر عقیدہ استوار کر کے تمام اقسام حمد اس کے حضور پیش کر چکے۔ تو اب غیب کی بات، مستقبل پر یقین اور جزا وسزا کا اعتقاد رکھنے اور اس اعتقاد کے برملا اظہار کی باری ہے۔ قرآن مجید اپنے ماننے والوں کو " مالکِ یوم حساب "۔ جزا اور عوض کے دن اور اس دن کے مالک کو یاد رکھنے، پکارنے کی تعلیم دیتا اور ہدایتِ ابدی کی راہ دکھاتا ہے۔
اب تک اللہ اور بندے، بندے اور عمل، عمل اور جزا کی بات تھی۔ پورے کلام الٰہی میں انہیں موضوعات کو پھیلا کر قرآن اور سمیٹ کر سورۂ فاتحہ کا نام دیا گیا ہے۔

—ایّاکَ نَعْبُدُ

ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اس عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتے نہ کبھی کسی اور کی عبادت کریں گے۔ اس موقع پر بندہ خدا کے روبرو ہے۔ تربیت وتزکیۂ نفس کا یہ درجہ، قربت وحضور اور ایمان وایقان کا درجہ ہے، یہاں سے تقوے کے ہر لحظہ بڑھنے کے امکانات پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں "انا للہ وانا الیہ راجعون" کے راز ہائے سربستہ کھلنا شروع ہوتے ہیں، یہاں

سے منزلِ حقیقی کی شاہراہ ملتی ہے اور مومن قدم بڑھاتا ہے اور قرآن کہتا ہے کہ جب بندگی فقط اس کی ہے تو غیر کے سامنے ہاتھ پھیلانا بھی چھوڑ دے۔ جو بے طلب دیتا ہے اسی سے مانگو کہ عزتِ نفس اور تقویٰ یہی ہے۔

ایاک نستعین

اعانت و امداد تجھ ہی سے طلب کرتے ہیں، تیرے سوا کوئی بے نیاز ہے ہی نہیں تو نیازمندوں سے مدد مانگنا آدابِ بندگی و ادبِ خداوندی کے خلاف ہے۔ انسان کا انسان سے ڈرنا، انسان کا انسان سے دبنا، ایمان کا نقص ہے۔ جب اس کے بندے ہو لیے تو طاغوت کے سامنے ہاتھ پھیلانا اور اپنے جیسوں سے آنکھ جھکانا کیا؟ اللہ کی عبادت کرو، ہر معاملے میں اللہ کا نام لو اسی پر بھروسہ رکھو، اسی کی مدد فتح مندی ہے۔ ہر قدم پر ثبات اور پیش رفت کا دھیان رکھو، ضمیر سے ڈرو کہ اسی کمین گاہ میں شیطان ہے، کہتے رہو۔

اھدنا الصراط المستقیم

ہم اسلام و ایمان اور تیری معرفت و اطاعت کی راہ پر چل رہے ہیں اسی راہ پر کھڑے ہیں، اب آگے جو بڑھیں تو استقامت کے ساتھ پیش روی کی توفیق بھی دیتے رہنا۔ ہر قدم نازک ہے، کہاں سے فطرتِ خام رخ موڑ دے؟ کہاں سے انسان ارادہ بدل دے، کہاں سے غرور راستہ کھوٹا کر دے، کہاں سے خود نمائی راہ کج کر دے، کسے معلوم۔ قرآن نے ضابطہ دیا ہے کہ تقویٰ، صلاح و فلاح کو پیش نظر رکھو اور خدا کی بندگی خدا کی نصرت پر یقین رکھ کر ہر گام اس سے توفیق راست روی طلب کرتے رہو، ہر لمحہ استقامت کی کوشش جاری رکھو۔؟

صراط الّذین انعمت علیھم

جس صراطِ مستقیم کی ہدایت طلبی میں تسلسل اور جس سیدھے راستے پر استقامت کا درس ہے، وہ فقط اپنی فکر و نظر، اپنی اسمت و جہت نہ ہو کہ عرفان حاصل کر لیا (بگمان خود، اور رسول و امام سے رشتہ توڑ لیا) متقی بن گئے تو راستہ کی خود دریافت کرنے لگو اور کہو کہ خدا نے براہ راست ہماری ہدایت کی ہے اسی کی مدد سے صراطِ مستقیم پر چلتے رہیں۔

الذین انعمت علیھم

انبیا و مرسلین، ائمہ و اولیا، صالحین و شہدا کا راستہ، زندۂ جاوید افراد کا راستہ،

منزل پر پہنچے ہوئے حبیب خدا حضرات کا راستہ، جنھیں اللہ نے نعمت رضا، نعمت نبوت، نعمت رسالت، نعمت امامت، نعمت شہادت دی ان کا راستہ ہی صراط مستقیم، ان کی یاد عبادت کا جزو ان کا تذکرہ خدا کو پسند اور وہی عبادت کے خلوص اور مددطلبی کے معیار بتانے والے ہیں۔

غیر المغضوب علیہم ولا الضالّین

نعمتوں سے سربلند اور انعامات سے سرفراز لوگوں کا تذکرہ تربیت بالمثال اور سمعی وبصری ذرائع تعلیم کا نہایت اعلیٰ انداز تھا۔ مثبت نمود اور محبوب افراد کی تمثیل کے بعد، سوجھ بوجھ بدلنے والی عقل کو بدصورت، بدفطرت اور گمراہ کن رہروؤں سے بچنے کی بات، طاغوت کی قیادت میں آنے سے بچاؤ کی تدبیر، غضب خدا کے نشانوں اور عذاب کے مستحق لوگوں اور ان کی راہوں سے دور رہنے کی تعلیم دی ہے۔ واضح طور پر اللہ کے پسندیدہ بندوں (حزب اللہ) کا راستہ اور ہے اور یہودیوں، نصرانیوں، بت پرستوں، مشرکوں کا راستہ طاغوت اور مادی طاقت پرستوں کا راستہ۔ صراط مستقیم کی ضد ہے۔ اللہ والے اس راستے کو نظر بھر کبھی نہیں دیکھتے۔
آغاز درس یہ ہے کہ ابتدا نام خدا سے کرو اور انجام کار میں یہ دیکھو کہ کہیں تمہارا ڈانڈا اعدا کے دشمن اور گمراہ لوگوں کی راہ سے تو نہیں ملا۔ اگر محاسبۂ ذات وضمیر ہیں، اگر راہ ومنزل میں تم حقیقت آشنا رہے ہو تو کہو۔

الحمدللہ رب العالمین

آخری آیتوں پر ذرا سا غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ مؤمن ومؤمنہ سے اللہ کی حضوری صراط مستقیم (جو قرآن کا ایک نام اور محمد وآل محمدؐ کا راستہ ہے) پر استقامت کے مضبوط ارادہ کا عہد لیا گیا ہے اور گمراہ و معذّب افراد سے بچنے کو اصول قرار دیا گیا ہے۔ پہلی بات کا نتیجہ خدا کا وعدہ ہے کہ

«ان ہذا القرآن یہدی للّتی ھی أقوم» (الاسراء: ۹)

اور دوسری بات تقویٰ کی اساس ہے۔
مجموعی طور پر یہ سورہ کم از کم ایمان کامل اور تقوے کا دستور ہے۔ تمام اقسام حمد وشکر کا اللہ کی ذات کے لئے مختص سمجھنا، یہ عقیدہ کہ سب نعمتیں وہی عطا کرتا ہے۔ دنیا وآخرت میں اسی کو مالک ومختار جاننا، خلوص و عاجزی کو اپنانا۔ ذاتی نمود ونمائش سے بچنا۔ ہر کام میں اسی

سے مدد چاہنا اور اسی پر توکل کرنا، ہر لمحہ ہدایت مانگنا، ہر قدم استواری چاہنا۔ اچھے کو اچھا، بُرے کو بُرا کہنا (حسن و قبح عقلی) اچھوں سے دوستی اور معصوموں کی پیروی۔ بروں سے بچنا اور ان سے علیحدگی ـــ کا مطالبہ ہے۔

جب بھی اسے پڑھیے، سمجھیے کہ آپ خدا سے عہد کی تجدید کر رہے ہیں۔ اس سے تقوے کی حس بیدار ہوگی اور احساس تقوی قوی ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۙ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ:

اللہ کے نام سے آغاز جو دنیا میں بے حد رحم کرنے والا اور آخرت میں بے حساب رحم کرنے والا ہے۔ الٓمٓ (۱) (قرآن) وہ (عظیم) کتاب ہے جس میں شک و شبہ ہے ہی نہیں۔ پرہیزگاروں کی رہنما ہے۔(۲) جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔ (۳)۔ اور وہ لوگ جو (اے رسولؐ) آپ پر نازل شدہ اور آپ سے پہلے نازل کی گئی (وحی و تعلیم) پر ایمان لائے اور آخرت کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں۔(۴)۔ یہی لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔(۵)۔

تفسیر:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ الٓمٓ ۔ رحمن و رحیم کے معنے بہت وسیع ہیں، ہم ترجمہ میں اشارہ کرتے جائیں گے ۔ ان میں سے ایک معنے وہ ہیں جو امام جعفر صادق علیہ السلام نے بتائے جس کا خلاصہ ہے کہ رحمن، یعنی سب پر رحم کرنے والا اور رحیم یعنی مومنین پر رحم کرنے والا۔

الٓمٓ (آل عمران مدنی کے علاوہ چار مکی سورتوں، العنکبوت، الروم، لقمان، السجدہ کا آغاز بھی الٓمٓ سے ہوا ہے۔) حروف سادہ ہیں، ان کا جواب لاؤ، مشکلات میں ٹھہر کر غور کرو ۔ رمز و اشارات ہیں ان سے غافل نہ ہونا جنھیں اللہ نے علم کتاب دیا ہے ۔ قرآن قول و فعل رسول و آل رسول علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے بغیر کماحقہ سمجھنا مشکل ہے اور اس سے نتائج حاصل کرنا مناسب نہیں۔

ذلك الكتاب...

ذالك دور کے لئے اشارہ ہے، یہاں بلندی کتاب کا اظہار ہوتا ہے ۔ جب خدا کو مان لیا، رسول کو پہچان لیا تو اس کتاب میں شبہے کی گنجائش کہاں رہتی ہے ۔ اللہ کا کلام رسول کا معجزہ قیامت تک کا دستور ہے نہ کل کسی دانشمند کو اس کے معجزے میں شک تھا نہ آج کے دانشور اس کی عظمت کا انکار کرتے ہیں، مسلمانوں کا خیر سرمایہ افتخار رہے ہی ۔

هدىً للمتقين...

قرآن کا موضوع ــ ہدایت ــ ہے ۔ لیکن اس ہدایت کے پہلے مستحق، متقی لوگ ہیں، گذشتہ سورت میں یہ متقی ہدایت طلب کر چکے ۔ قرآن یہاں انہیں اطمینان دلاتا ہے ــ ہدایت ــ وسیع الذیل مفہوم ہے، جن میں سے ایک مفہوم ہے ــ وسائل سعادت کا مہیا ہونا ــ متقی ــ شعور و وجدان میں غیب سے وہ رابطہ رکھنے والا جو ایمان کے کمال اور تقرب باری تعالیٰ کی وجہ سے ہمہ تن حضور و شہود کے عالم میں رہتا ہے ۔ تقویٰ : بندگی و ربوبیت کے عرفان کا نتیجہ ۔ کرامت کی اساس یہی تقویٰ ہے جو لوگ توحید کو مان کر، عرفان الٰہی حاصل کر کے، نفس کو پاک اور کردار کو نکھار چکے، خوف خدا سے سرشار، خوف طاغوت سے آزاد ہیں، قرآن ان کا دستگیر ہے ۔ اس کی ہدایت کے دروازے ان کے لئے کھلے ہیں ۔

الّذين يؤمنون بالغيب...

متقی کون ہیں ؟ متقی کی پہچان کیا ہے ؟ قرآن کی لفظوں میں متقی وہ ہیں جن کے اعتقاد و یقین میں "غیب" برحق ہو ـــ آیت اللہ العظمی سید روح اللہ خمینی نے فرمایا :

"انکار مجہول ـ جو نہ معلوم ہو اس کا انکار ـ کفر کی ایک قسم ہے (اگر چہ اسے کفر شرعی نہیں کہا جائے گا) انسان کی اکثر پریشانیوں کا سبب ہی یہ ہے کہ وہ کسی واقعیت کا ادراک نہیں کر سکتا تو فوراً انکار و سرکشی کر بیٹھتا ہے ـ اس کی مجبوری یہ ہے کہ وہ اس درجے پر نہیں پہنچ سکا جہاں اولیاء اللہ پہنچ چکے ہیں ـ یہ انکار "کفر ہے ـ" (تفسیر سورۂ حمد، چوتھی تقریر)

غیب سے مراد ماجاء به النبی ص (جن باتوں کی آنحضرت ص نے اطلاع و تعلیم دی، قرآن و کتب سابقہ) حشر و نشر، رجعت و وجود حجت اسی ضمن میں ہے ـ

سورۃ الانبیا میں حضرت موسی و ہارون علیہما السلام کے بارے میں ارشاد ہے :

ولقد اٰتینا موسٰی وهٰرون الفرقان وضیاءً وذکراً للمتقین ۝ الّذین یخشون ربّهم بالغیب وهم عن الساعة مشفقون

اور ہم نے موسیٰ ع و ہارون کو فرقان اور متقین کے لئے روشنی عطا کی تھی ـ
وہ لوگ اپنے بے دیکھے رب سے ڈرتے اور قیامت کے آنے سے خائف رہتے ہیں

جناب موسیٰ و ہارون اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و علیہم اجمعین کو وحی کے ذریعے ہدایت بشر کا منصب سونپا گیا ـ لیکن پیغام رسالت کا فہم و ادراک نازک کام تھا ـ ہر شخص کو آزادیٔ فہم و تعبیر کا حق مل جاتا تو نظام الٰہی تحریف و انحراف کی بدولت تباہ ہو جاتا ـ

قرآن پر غور کیجیے سعادت ہے ـ مگر قرآن کا دوسرا ساتھی رسول و امام معصوم ہے ـ

و یقیمون الصلٰوة...

قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کی صلاحیتوں سے سرفراز لوگ ایمان بالغیب کے عقیدہ اور نماز قائم کرنے کے عمل ـــ اور

ومما رزقنا هم یُنفقون...

اللہ نے انہیں جو کچھ دیا ہے اسے راہ خدا میں صرف کرنے سے پہچانے جاتے ہیں ـ علم و ایمان ہو یا تجربہ و عرفان، مال و دولت ہو یا فکر و قوت بندۂ مومن کی صفت اور مسلمان کا طور طریقہ

توحید ۳۲

یہی ہے کہ وہ جو کچھ خدا سے حاصل کرتا، قوت بازو سے کماتا ہے دوسروں کو دیتا اور سب کو شریک بناتا ہے وہ ناجائز زراندوزی کا بھی حامی نہیں۔ دراصل اسلام کا نظام زر مستقل فلسفہ ہے اور مشرقی و مغربی فلسفوں سے الگ ہے۔

یہ بات انتہائی توجہ طلب ہے کہ متقی کی عام پہچان یہ ہے کہ وہ نماز پڑھتا ہو اور انفاق کرتا ہو۔ متقی کی پہلی شناخت نماز ہے اور دوسری انفاق، نماز بھی خدا و رسول کے حکم کے مطابق ہونا چاہیے اور انفاق بھی شریعت کی صواب دید سے ہم آہنگ ہو۔ بعض حضرات اپنی پسند سے خیرات کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں انہیں دھیان رکھنا چاہیے کہ ان کی خیرات مطابق شرع پیغمبر ہے بھی؟ یہاں سے متقی و غیر متقی کے راستے جدا ہوتے ہیں۔

والّذین یؤمنون بما انزل

متقی وہ لوگ ہیں۔ قرآن سے فائدہ اٹھانے کا حق انھیں ہے جو آنحضرت سے پہلے نازل ہونے والے صحف و کتب انبیاء پر ایمان اور قیامت پر اعتقاد رکھتے ہوں۔ جزا و سزا، رضا و غضب کا دن نہ مانا تو ایمان کیسا اور تقویٰ کہاں کا۔

أولئك على هدىً من ربّهم...

یہ لوگ قرآن عظیم کے مفاہیم و تشریع کو مانتے اور کردار و عقیدہ میں شعور کی گہرائیوں سے نبوّتوں کے نظام کو تسلیم کرتے ہیں لہٰذا متقی ہیں اور چونکہ متقی ہیں لہٰذا یہ ہدایت پر ہیں اور کامیاب ہیں۔ ان کی کامیابی بندگانِ ہوا و ہوس اور غلامانِ لذت و شکم جیسی نہیں۔ ان کی کامیابی رضائے خدا سعادت و نجات کی سند حاصل کرنے والوں کی کامیابی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

ترجمہ:

یقیناً جو لوگ انکار کر چکے (کافر بن چکے) ان کے لئے یکساں ہے خواہ آپ انھیں ڈرائیں (دھمکائیں) یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے (۶) اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈالدئے اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔ (۷)

انّ الذین کفروا سواءٌ علیہم...

مومنین و متقین کے مقابلے میں کچھ نفسیاتی مریض، کچھ بات نہ ماننے کے عادی افراد بھی ہیں، ان کے تذکرے سے پسندیدہ و ناپسندیدہ کردار آمنے سامنے رکھنے سے تیسرے آدمی کو فیصلہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔ منکرین غیب و نظام دین جو اپنی نظر و عقل ہی کو معیار حق و باطل سمجھتے ہیں، جو اللہ کو اس لئے نہیں مانتے کہ اسے دیکھا نہیں، وہ رسول کا انکار کرتے ہیں کہ ان کا تعلق عالم غیب سے ہے۔ یہ لوگ دراصل ضدّ دین و اہل ایمان ہیں۔ انھیں رحمت کا پیام اور سرزنش کا اثر ہو ہی نہیں سکتا۔

ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم...

ان کے شعور و سماعت جو حق کا ادراک اور پیام حق سننے سمجھنے کی صلاحیت کھو چکے تو بطور سزا اللہ نے انھیں بند کر دیا۔ ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے کہ دلائل و مشاہدات سے فیض نہیں اٹھا سکتے، ان کی توفیق روک دی، چونکہ ظاہر و باطن افکار دین کے دشمن ہیں لہذا سخت ترین عذاب کے سوا انھیں کیا ملے گا۔

قلب: قرآن و حدیث میں نفس کی قوت مدرکہ کا نام ہے۔ مطالعۂ قرآن مجید کے اس لمحہ ذرا ٹھہرنا ضروری ہے کہ اس آئینے میں دو کردار نظر آتے ہیں۔ یقینی طور پر قرآن سے ہدایت پانے والے متقی۔ یقینی طور پر قرآن مجید کے فیض سے محروم۔ کافر۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فِىْ قُلُوْبِهِمْ
مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝

توحید ۲۴

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۝
أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ ۝ وَإِذَا قِيلَ
لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا
إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ۝

ترجمہ:

اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ اور روز قیامت پر
ایمان رکھتے ہیں ۔ حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔(۸)۔ وہ دھوکا دیتے ہیں
اللہ اور مومنوں کو، حالانکہ وہ در اصل اپنے آپ کو دھوکا دے رہے
ہیں اور ان کو شعور ہی نہیں (۹) ان کے دلوں میں مرض تھا ، اللہ نے
مرض اور بڑھا دیا اور ان کے لئے بہت تکلیف دہ عذاب ہے اس بناپر
کہ وہ جھوٹ بولتے تھے ۔(۱۰)۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین
میں فساد نہ کرو ، وہ کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے لوگ ہیں (۱۱)
ہوشیار رہنا ، یہی لوگ فسادی ہیں مگر سمجھتے نہیں ہیں ۔(۱۲)۔
اور جب ان سے کہا گیا ، جس طرح سب لوگ ایمان لاچکے
تم بھی ایمان لے آؤ ۔ تو انھوں نے جواب دیا : کیا ہم
اسی طرح یقین کریں جیسے بے وقوف لوگوں نے یقین
کرلیا ۔ ہوشیار ، یہی لوگ کچی عقل والے ہیں ، لیکن یہ
جانتے نہیں (۱۳)

ومن الناس من یقول آمنا...

متقین نقطۂ عروج پر اور کافرین نقطہ پستی پر ہیں ۔ ان کے علاوہ ایک انتہائی
خطرناک گروہ ہے ، سازشی ، برخود غلط ، دوسروں کو گمراہ اور دنیا میں فساد کرتے والے ۔
منافقین ، ان خطرناک افراد کے عادات ونفسیات کا بیان ہے تاکہ اس پس منظر میں خوش کرداری
وعالی ظرفی کی حس ابھرے ۔
یہ مدعی ہیں کہ اللہ کو مانتے اور قیامت کو برحق جانتے ہیں ۔ لیکن یہ مومن نہیں ہیں ۔ وہ

اپنے عیّار ہونے پر ناز کرتے ہوئے کہتے ہیں

یخادعون اللہ...

ہم مومن ہیں، اس طرح وہ اللہ، رسول اور مومنوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں ــ اللہ کو دھوکا دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منافقت برتنا ہے۔ مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ جس کے دل میں چور ہو وہ کسی کو فریب دینے کے بجائے خود فریبی میں مبتلا ہوتا ہے۔ ظاہر و باطن کا فرق آدمی کو کہیں کا بھی نہیں رکھتا۔

فی قلوبہم مرض...

ان کا شعور و لاشعور مریض ہے وہ نفس کی قوت ادراک کمزور کر چکے ہیں تو اللہ نے اس کی سزا یہ دی کہ ان کے مرض کو بڑھا دیا کہ شاید مسیحا کے پاس جائیں اس دکھ سے آنکھیں کھلیں، ورنہ خدا و رسول کو جھٹلانے کا عذاب بہت دردناک ہے جو ان کے مقدر ہو چکا ہے۔

واذا قیل لھم لا تفسدوا...

اسلام، فساد کا دشمن ہے، اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا وہ فساد پیشہ منافقوں کو فساد سے روکتا ہے۔ فرد اور معاشرے کے فساد کی اصلاح پیغمبر کا اہم ترین کام تھا جسے روکنے کے لئے منافقین پیش پیش رہے آج بھی قرآن، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ اور ائمہ اطہار علیہم السلام کے حکم کے مطابق امر بمعروف و نہی عن المنکر کی بات سن کر لوگ فساد کی راہیں سوچتے ہیں اور خود مصلح بن کر ہدایت کے بجائے گمراہی پھیلاتے ہیں۔ قرآن ان لوگوں کے بارے میں خبردار کرتا اور اس قسم کے افراد کو مفسد بتاتا ہے۔ ان لوگوں کے شعور مر چکے، دل زنگ آلود ہو گئے، سوچ سمجھ سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

واذا قیل لھم آمنوا...

دین کے بارے میں ایک گروہ کا رویہ اور اس کی فکری افتاد یہ ہے کہ انھیں اسلام کی دعوت دی جاتی ہے تو جواب دیتے ہیں: کیا خوب! ہم بے وقوف لوگوں کی طرح ایمان لے آئیں؟ کہاں ہم صاحب عقل و خرد، سائنس و نفسیات، اقتصاد و سماجیات کے ماہر، کہاں یہ دو رکعت کے امام! اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ " الا انھم ھم السفہاء ولکن لا یعلمون "۔ ارے ان کی بات کا برا نہ مانو یہ لوگ لاعلم ہونے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں درحقیقت یہ خود ہی حواس باختہ ہیں۔ کیونکہ دین عقل

دونوں ساتھ ہیں، اسلام علم وعقل کو فروغ دینے آیا ہے یہ لوگ آئین و اخلاق قرآن کے بجائے ہوس رانی و نفس پرستی چاہتے ہیں جو عقل کے بجائے حیوان کا راستہ ہے۔

پہلا گروہ شورش پسند تھا اور آج بھی ہے۔ دوسرا گروہ اپنے مفروضہ علم پر بھروسہ رکھ کر حکمت قرآن و فلسفہ اسلام جاننے والوں کو اپنی سطح سے کمتر جانتا ہے۔ قرآن نے پہلے گروہ کو "لایشعرون" اور دوسرے طبقے کو "لایعلمون" کہا ہے۔ اسلام کی اساس عقل و تقویٰ ہے اس لئے معاشرے کے ان طبقات سے اہل ایمان کو باخبر رہنا چاہیے۔ ہر تیز رو یا ہر مدعی کے پیچھے چلنے سے بچو۔ دیکھو اہل کون ہے اور ترجمان کتاب و سنت کون ہے۔ خواہ آج ہو یا کل۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ:

اور جب اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لا بھی چکے اس کے بعد جب اپنے شیطانوں کے ساتھ نجی ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں ــ ہم تمہارے ہی ساتھ ہیں۔ ہم تو ان کو بناتے ہیں (۱۴)۔ اللہ، ان کو بناتا ہے اور ان کو ڈھیل دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی کے عالم میں ہاتھ پاؤں مارتے رہیں۔ (۱۵)۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت دے کر گمراہی خریدی۔ پھر ان کی تجارت ہی نے فائدہ نہ دیا اور یہ لوگ ہدایت حاصل کرنے والے تھے بھی نہیں۔ (۱۶)

واذا لقوا الّذین آمنوا قالوا آمنا...

یہ آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کا حال بتا رہے ہیں۔ یہودیوں کی شرارتیں، مشرکین کا طریق کار، سازشی گروہوں کی مخالفت اور اس پس منظر میں آنحضرت ص کی استقامت،

آپ کے ساتھیوں کی دلیری اور اللہ کی نصرت کا تذکرہ ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی ہدایت کے لئے اور ہماری رہنمائی کے لئے آج بھی قرآن مجید موجود ہے اور یہیں ہر موڑ پر روشنیاں بہم پہنچاتا ہے۔ معاشرے میں ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو مسلمانوں سے ملتا ہے تو انہیں اپنے مسلمان ہونے کا یقین دلاتا ہے اور جب اپنے لیڈروں اور شرپسند رہنماؤں سے ملتا تو ان سے کہتا ہے، ارے ہم تو ان کا مذاق اڑانے ان کے یہاں آتے جاتے ہیں، ہم تمہارے ہی ساتھ تھے اور اسی طرح تمہارے وفادار رہیں گے۔ یہ سازشی، یہ جاسوس جس طرح کل تھے آج بھی مسلم ممالک، مسلم معاشرے اور مسلم قوموں میں فساد کا سبب ہیں۔

اللہ یستہزیٔ بہم...

ان لوگوں کے دو رخے پن کا علاج یہ ہے کہ مومن اپنے اندر استحکام پیدا کریں، اللہ نے انھیں ڈھیل دی ہے کہ وہ اپنی شرارتیں اور شورشیں کر کے عریاں ہو جائیں، اللہ ان کے مذاق کا جواب دے گا۔ سورہ المطففین میں ہے "فالیوم الذین آمنوا من الکفار یضحکون" آج قیامت کے دن مومن کفار کا مذاق اڑائیں گے، یہ لوگ جنت میں ہوں گے اور وہ گروہ جہنم میں...

أولئك الذين اشتروا الضلالة...

جان بوجھ کر بات نہ سننے والے کس قدر بدنصیب ہیں، یہ ساز باز کرنے والے کیسے حواس باختہ ہیں کہ اسلام (شریعت و اصول اسلام) کے بدلے گمراہی و بے دینی کا سودا کرتے ہیں۔ یہ کاروبار اصل سرمایہ کو ہاتھ سے دینے اور ہدایت سے ہمیشہ کے لئے ہاتھ دھونے کا سبب ہوا۔ ہدایت ، اللہ اس کے رسولؐ اور جانشینان معصوم پیغمبر کی فرمان برداری تھی انہوں نے ان کی راہ چھوڑ کر یہود و نصاریٰ اور دشمنان اسلام کی راہ اختیار کی، اب یہ اسلامی افکار و کردار کہاں سے پیدا کریں۔ ہو سکے تو آج توبہ کریں اور قرآن کی راہ پر آجائیں۔ آج ساری راہیں فلاح و کامرانی کی کھل سکتی ہیں۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ

الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ
وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ۝ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ
لَا يَرْجِعُونَ ۝ أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَ

رَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُونَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَھُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَھَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ترجمہ:

(الف) ان کی مثل اس (بے رہنما مسافر) آدمی کی ہے جس نے (لق ودق بیابان میں) آگ جلائی اور جب آگ نے ہر طرف اجالا کیا تو اللہ نے اس (شخص کے ساتھیوں) کی روشنی ختم کر دی اور سب کو ایسی تاریکیوں میں ڈال دیا کہ کچھ دیکھتے ہی نہیں۔ (۱۷)۔ بہرے گونگے اندھے ہوچکے اب (کفر وانکار) سے پلٹ نہیں سکتے۔ (۱۸)۔

(ب) یا ان کی مثل ایسی ہے جیسے بارش، جس میں اندھیرے ہی اندھیرے ہیں گرج کے ساتھ بجلی چمکے موت کے ڈر سے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں، حالانکہ اللہ نے انھیں گھیرے میں لے لیا ہو۔ (۱۹)۔ قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھوں کی روشنی چھین لے۔ جب بھی انھیں روشنی نظر آتی ہے وہ چلنا شروع کر دیتے ہیں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو تو رک جاتے ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت و بصارت کھو دیتا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔ (۲۰)

مثلهم كمثل الذي استوقد ناراً...

ہدایت دے کر گمراہی لینے والوں کی ذہنی اور عملی حیرت کو دو مثالوں سے واضح کیا گیا ہے۔ یہ لوگ حق کی راہ و منزل چھوڑ کر بیابانوں میں سراسیمہ نکل کر روشنی تلاش کرتے ہیں کبھی عقلوں کے الاؤ جلاتے ہیں، کبھی دوسروں کے آسرے ذراسی چمک کو راستے پہچاننے میں مددگار سمجھ کر ادھر ادھر دوڑتے ہیں، لیکن الاؤ بجھ کر آنکھوں کو بے کار اور راستے کو بے نشان کر دیتے ہیں اور یہ حیران رہ جاتے ہیں۔

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خدا کسی کو یوں نہیں چھوڑتا جیسے مخلوق کو مخلوق اور آدمی کو آدمی چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ کا چھوڑنا یہ ہے کہ جب انسان، اسباب و توفیقات سے منہ موڑ لیتا ہے کفر و ضلالت و جہالت میں رہنے پر اصرار کرتا ہے تو اللہ اپنے توفیقات و الطاف کے دروازے بند کر دیتا ہے، یہ نہیں کہ اس کے اختیار کم کر کے اسے مجبور بنا دیتا ہے بلکہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے (عیون اخبار)

صمٌّ بکمٌ عمیٌ...

اسلام کو پس پشت ڈالنے اور اللہ سے مقابلہ کرنے والوں کے حواس بے کار ہو چکے، اب یہ بولتے ہیں تو بے سلیقہ، سنتے ہیں تو بے فائدہ، دیکھتے ہیں تو بے نتیجہ۔ یہ لوگ سرتاسر پتھر بن چکے، ارے خدا نے نور اتارا، رسول نے منزل دکھائی، ائمہ نے رہبری کی حق پر استقامت کی دعوت دیتے رہے مگر انہوں نے لبیک کہنے، بات سننے کی قسم کھا رکھی تھی، آنکھوں پر پردے ڈال لیے تھے نتیجہ آخر کار وہاں جا پہنچے جہاں سے پلٹ کر آ نہیں سکتے۔

أو کصیبٍ من السماءِ...
یکاد البرق یخطف أبصارهم...

کافروں، منافقوں اور حق کی بات نہ ماننے والوں کی یہ دوسری مثال ہے کہ اندھیرے راستے میں بارش کا سامنا ہوا۔ کالے بادل میں گرج کے ساتھ کوندا لپکا تو خطرہ ہوا کہ اب کان اور آنکھ پر بنے گی مگر کریں کیا، بجلی چمکی تو دوڑے، اندھیرا ہوا تو ٹھہر گئے۔ یہ لوگ اللہ کی گرفت میں آ چکے۔
اس مقام پر قرآن کی زبان، تمثیل کا بیان اور نتائج کی توضیح کا انداز کسی دوسری زبان میں منتقل ہونا ناممکن ہے اور یہی قرآن کا معجزہ ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا

رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَ

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا

تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا

نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ

مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ

تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ

لِلْكَافِرِينَ ۝ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ

لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا

مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ

مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا

فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي

بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ

عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ

وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٢٧﴾ كَيْفَ تَكْفُرُونَ
بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ
تُرْجَعُونَ ﴿٢٨﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ
اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيمٌ ﴿٢٩﴾

ترجمہ

(الف) لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، جس نے تم کو اور تم سے پہلے والوں کو پیدا کیا تاکہ تم اس سے تقویٰ اختیار کرو (۲۱) جس نے زمین کو تمھارا فرش اور آسمان کو سائبان بنایا اور بلندی سے پانی برسایا پھر اس سے اناج (پھل) پیدا کیے جو تمھارا آذوقہ ہے۔ پھر اب تو جان بوجھ کر اللہ کے حریف (و شریک) نہ بناؤ (۲۲)

(ب) ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر نازل کیا (اس کے بارے میں) اگر تمھیں کچھ شک ہو تو ایک سورہ ایسا ہی بنا لاؤ! اور اپنے حاضر باشوں کو بھی بلا لو ۔ اللہ کے علاوہ ۔ اگر تم سچے ہو (۲۳) پھر اگر ایسا نہ کرو اور ہرگز نہ کر سکو گے، تو اس آگ سے بھی ڈرتے رہو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں وہ آگ صرف کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے (۲۴)

(ج) اور بشارت دیجئے، ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کو، ان لوگوں کے لئے حتمی طور پر باغ ہیں جن کے نیچے ندیاں بہتی ہیں اور جب بھی انھیں کھانے کے لئے ان میں سے کوئی پھل ملے گا تو وہ

کہیں گے یہی تو ہم کو پہلے بھی (دنیا) میں دیا جاچکا ہے۔ حالانکہ انھیں
(دنیا کے میووں سے) ملتے جلتے (پھل اور میوے) دیے جائیں گے
اور ان کے لئے ان باغوں میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ سب
ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۲۵)

(د) بے شک اللہ کو مچھر کی مثل بیان کرنے میں کوئی شرم نہیں، نہ اس سے
بڑھ کر کسی مخلوق کی اب مومن تو جانتے ہی ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے
ہے اور برحق ہے۔ رہے کافر تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ کا اس مثل سے مقصد
کیا ہے؟ اللہ، اس سے بہت سے لوگوں کو توفیق ہدایت سے محروم کرتا اور
بہت سے لوگوں کو توفیق ہدایت دیتا ہے۔ حالانکہ اس سے صرف فاسقوں
کو گمراہ کرتا ہے (۲۶) جو اللہ سے عہد و پیمان کرکے پھر توڑ دیتے
ہیں اور جن سے اللہ نے وصل کا حکم دیا اس سے فصل کرتے ہیں اور
ایسے ہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں (۲۷)

(ھ) تم لوگ اللہ کا انکار کیسے کرتے ہو؟ حالانکہ تم بے جان تھے اس نے
تمھیں جان عطا کی، پھر تم کو موت دے گا پھر تم کو دوبارہ زندہ کریگا
پھر تم اس کے حضور میں حاضر کیے جاؤ گے (۲۸) وہی اللہ تو ہے
جس نے زمین میں جو کچھ ہے وہ سب تمہارے لئے پیدا کیا، پھر
آسمان کی جانب توجہ فرمائی، تو برابر و ہموار سات آسمان بنائے اور
وہی ہر چیز کا کما حقہ علم رکھنے والا (۲۹)

۲۱۔ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا ....

قرآن مجید میں "یا ایہا الناس" بیس جگہ آیا ہے اور اس خطاب کے بعد اللہ نے اپنی
عطا کردہ نعمتیں یاد دلائی ہیں، مثلاً سورۃ النساء کی ابتدا ہے "یا ایہا الناس اتقوا ربکم الذی
خلقکم" لوگو! اپنے اس رب سے تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو پیدا کیا۔
یہ بتایا جاچکا ہے قرآن متقین کے لئے ہدایت ہے۔ اس کے بعد تمام انسانوں کو مخاطب کیا

جارہا ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ قرآن تم سے بات نہیں کرتا۔ اللہ نے تو سب کو پیدا کیا ہے، سب کو زندگی کی نعمت دی ہے وہ سب کو کامل و معزز بنانا چاہتا ہے۔ اس کا خطاب سب سے ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرو وہ معبود ہے، عبادت کروگے تو منزل تقوی تک پہنچنے میں آسانی ہوگی۔ کافر و منافق چونکہ عبادت و اطاعت ہی نہیں کرتے اس لئے ہم انھیں قابل خطاب نہیں سمجھتے۔

۲۲۔ اَلَّذِی جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا ....

اللہ نے تم کو پیدا کیا اور کائنات کو تمھارے لئے آسائشوں کا گہوارہ بنایا، غور کرو کتنی بڑی زمین تمھارا فرشِ پا انداز ہے۔ اس کو روندو، اس کو جوتو، اس کے شکم سے پھل پھول اور غذا اور لذت آفریں چیزیں پیدا کرو۔ یہ تمھاری ہے، تم اس کے مختار ہو۔ آسمان کو چھت بنایا، یہ ہوا کی تہہ بہ تہہ شفاف چادریں جو کشش زمین کی حد بندی کرتی ہیں تمھاری زندگی کے لیے کتنی ضروری ہیں؟ پھر اس سخت زمین پر پانی برسایا، جس سے اناج اور پھل پیدا کئے۔ یہ سب تمھارے لیے ہے۔ اتنے مشاہدات و دلائل یکتائی کے بعد تو کسی کو اللہ کے برابر نہ جانو۔ وانتم تعلمون (اور تم جانتے ہو) یعنی تمھاری فطرتِ آزاد اور ضمیر بیدار جانتی ہے کہ بت ہوں یا مصنوعی خدا اور بادشاہ ہو یا اس جیسا کوئی اور طاغوت نظامِ ربوبیت کا مالک نہیں ہوسکتا۔ پھر غیروں کے سامنے کیوں سر جھکاتے ہو؟ کرامتِ بشریہ ہے کہ وہ صرف خدا کے سامنے جھکے۔

۲۳۔ وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا ....

یہ قرآن جس کے بارے میں مومن و متقی کو تو شک ہے ہی نہیں، اگر تم (کافروں/منافقوں) کو اس وحی و کتاب میں شک ہے تو اس کا جواب لاؤ، چلو، ایک سورہ ہی اس جیسا لکھ لاؤ، اکیلے نہیں لکھ سکتے تو یہ لوگ جو ہر وقت تمھارے ساتھ رہتے سہتے[1]، علم و دانش کا

[1] قال ابو اسحٰق الشهيد من اسماء الله الامين فی شهادته. قال وقيل: الشهيد الذی لايغيب عن علمه شیٔ والشهيد الحاضر (لسان العرب)۔ شہید: اللہ کا نام، گواہی میں امین۔ وہ ذات جس کے

دم بھرتے ہیں، انھیں بلاؤ باہم صلاح مشورہ کرکے جواب تیار کرو۔ مگر یاد رہے کہ قرآن کا جواب نہیں ہو سکتا۔ لوگوں نے اسلام کے خلاف سب کچھ کیا، مگر دنیا کے دانشوروں نے آج تک قرآن کے ٹکر کی کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ معاصر حریفوں سے لے کر آج تک کے دشمن جوابِ قرآن لانے سے عاجز تھے اور ہیں، اسی کو معجزہ کہتے ہیں (عاجز بنانے والی شے)

۲۴- فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي ....

اور اگر جواب نہ لاسکے — اور ہرگز قرآن کا جواب نہ لاسکو گے۔ تو پھر اس آگ سے بچنے کی تدبیر سوچ لو، جس میں انسان اور پتھر (بت) ایندھن کا کام دیں گے خود بھی جلیں گے دوسروں کو بھی جلائیں گے۔ اور جہنم سے بچنے کی تدبیر قبول اسلام اور اطاعت خدا و رسولؐ و ائمہ[۴] ہے۔

۲۵- وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ....

اللہ، رسول اور تعلیمات قرآن پر اعتقاد کامل کے ساتھ عمل صالح کرنے والے مومنوں کو جنت کی بشارت ہے۔ عمل صالح سے مراد وہی اچھے کام ہیں جو قرآن و سنّت کے مطابق ہوں۔ جو کام صرف ہمارے آپ کے نزدیک اچھے ہیں۔ انھیں اللہ و رسول و ائمہ بھی اچھا کہیں، ضروری نہیں ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ہم کلمہ پڑھنے کے بعد فکر و عمل میں ان حضرات کے پابند ہیں یا وہ ہمارے مؤید ہیں؟ در اصل شریعت نے جسے معروف کہا، شریعت نے جسے واجب یا سنت کہا وہی اچھا ہے اور ہمیں اپنی پسند کو فقہ کی روشنی میں پرکھنا چاہیے کہ عمل کا پیمانہ ہی اتباع رسول و ائمہ ہے۔ گذشتہ آیت میں جہنم کا بھیانک نقشہ دو لفظوں میں کھینچا اور یہاں جنت کا حال تین سطروں میں ہے کہ غضب پر رحمت

ء علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو۔ شہید حاضر کو کہتے ہیں (لسان) "ولقد شهدت الخيل يوم طرادها" فوج کشی کے دن میں ساتھ تھا قوم شہود: حاضر لوگ۔ شاھد: وہ باپ جو ہمیشہ اپنے بیٹے کے ساتھ رہے جیسے اس سے نحقی ہو (الذی یخرج مع الولد کانہ مخاط) آیت میں وادعوا شهداءکم من دون الله سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے مدعیان علم ساتھیوں ہر وقت ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں کو بلاؤ، اللہ کے سوا۔

توحید ۱۶

کا غلبہ سمجھ میں آئے۔ جنتیں ایسی جس کے نیچے چشمے رواں، نہریں اور دریا بہتے ہوئے، پھلوں سے لدے درختوں کا جو میوہ جنتیوں کو دیا جائے گا وہ ان کے لئے شک و اجنبیت سے بلند ہوگا۔ وہ نفسیاتی طور پر صورت آشنا ہوں گے۔ تعجب سے کہیں گے ارے یہ تو ہم کھا چکے ہیں۔ حالانکہ وہ بعینہ وہ نہ ہوگا۔ اس میں پاک پاکیزہ زندگی کی رفیق ہوں گی۔ یہ مومن و خوش عمل اس عالم میں دوامی طور پر رہیں گے۔

۲۶۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ....

مثال بیان کرنا مثل اور ضرب المثل اعلے ادبی کلام میں حسن بڑھانے والی چیزیں ہیں خصوصًا قادر الکلام ادیب کے قلم و زبان سے۔ مگر کچھ لوگوں کو خوردہ گیری کی عادت ہوتی ہے۔ خود لکھ نہیں سکتے لکھنے والوں کے عیب ہی بیان کرنے کو استادی جانتے ہیں۔ قرآن نے جو اسلوب بیان رکھا ہے اس میں، امثال کا ایک فکری اور تفہیمی مقام ہے۔ مثلاً عاجزی و بے چارگی کے لئے:

ان الذین تدعون من دون الله لن یخلقوا ذبابا ولواجتمعوا له وان یسلبهم الذباب شیئا لا یستنقذ وه منه ضعف الطالب والمطلوب

سورۂ عنکبوت کی اکتالیسویں آیت ہے:

مثل الذین اتخذوا من دون الله اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتا وان اوهن البیوت لبیت العنکبوت لوکانوا یعلمون

ایک آیت میں مشرکوں کے دیوتاؤں کی مجبوری بتائی ہے کہ ان کے جسم پر مکھی بیٹھی ہو تو ہلا نہیں سکتے ان کا کچھ اٹھالے تو مکھی سے چھین نہیں سکتے۔ دوسری آیت میں خود مشرکوں کی بے بسی کا حال سمجھایا ہے کہ یہ ایسے ہیں جیسے مکڑی اپنے گرد جالا تنتی ہے اسے گھر بناتی ہے، یہ بھی عقائد کے کمزور جال میں پھنسے ہیں نہ اس کے جال میں قوت نہ ان کے عقیدے میں جان۔

چاروں مثالیں اپنی معنویت میں کتنی جاندار ہیں اسے تو ارباب ادب ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کو اعتراض تھا یا ہے تو ان سے خطاب ہے کہ اللہ کو مکھی مچھر کی مثال بیان کرنے میں شرم کے بجائے حکمت آفرینی معلوم ہوتی ہے ۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جو محمدؐ کو سچا جان چکے ہیں وہ ان حقائق کو اپنے رب کی حقانیت کی دلیل سمجھتے ہیں اور جن کا کام حق کا انکار ہے وہ ان کا مقصد سمجھنے سے عاری ہیں۔ وہ کہتے ہیں "ان باتوں سے بہت لوگ گمراہ اور بہت لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے"۔ قرآن کا جواب یہ ہے کہ اس اسلوب بیان سے گمراہ وہی ہوں گے جو اچھائی کی مخالفت اور حق سے انحراف کو اپنا شیوہ بنا چکے ہیں۔

۲۷۔ اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ . . . .

فاسق، کل کے لوگ ہوں یا آج کے، ان کی پہچان یہ ہے کہ اللہ سے پختہ عہد کر کے اس سے منحرف ہو گئے ہوں، اللہ نے جن رشتوں کو مضبوط کرنے کا حکم دیا ہے انھیں توڑنا اور زمین میں فتنہ وفساد کرنا ان کا مشغلہ ہو۔ تعلیم اسلام کے مطابق یہ لوگ معاشرے کے غلط افراد ہیں، اوران کو اس رویّے سے کبھی فائدہ نہ ہوگا۔

عزیزوں سے حسن سلوک اسلامی اخلاق کا اہم ترین ستون ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے متعدد احادیث و واقعات موجود ہیں جن میں سے ایک حدیث یہ ہے "صلۂ رحم سے بستیاں آباد ہوتی ہیں، عمریں بڑھتی ہیں خواہ وہ لوگ نیک نہ بھی ہوں"۔ دوسری حدیث ہے: "اپنے رشتے داروں سے حسن سلوک کرو خواہ ایک گھونٹ پانی ہی کیوں نہ ہو سب سے بہتر صلۂ رحمی یہ ہے کہ ان سے ان کے دکھ دور کرو۔

۲۸۔ کَیْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا . . . .

فاسقوں اور منکروں کو سمجھنا چاہیے کہ معدوم تھے موجود کیا، موجود ہو، موت پاؤ گے، مرنے کے بعد زندہ ہوگے، پھر اسی قادر وخالق کے حضور میں جواب دہی کے لئے حاضر ہوگے۔ ایسے اللہ کا انکار کیسے کر سکتے ہو، سوچو اور غور کرو۔

آواگون (تناسخ) اس آیت سے باطل ہوتا ہے کہ موت محض اور فنا سے زندگی اور زندگی سے موت اور پھر خدا کے حضور میں حاضری کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا میں آنے سے پہلے کچھ نہ تھے اور موت بعد زندگی کے بعد قیامت تک موت ہی موت ہے۔

رجعت کا عقیدہ چونکہ سب انسانوں کی واپسی نہیں بلکہ خاص تعداد کی زندگی پر مبنی ہے اور آیت عمومی بحث کر رہی ہے اس لیئے استثنا میں کوئی خلل نہیں اور استثنا بھی قرآن ہی میں ہے۔

۲۹. هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ....

آیت میں زمین میں آسائش حیات پر انسان کی ملکیت اور برتری کے عظیم انعام کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ غور کرنا چاہیے نیست سے انسان کو ہست کرنے والے معبود نے اس کے لئے کیا کیا انتظام فرمائے ہیں؟ پہلے یہ آدم زاد فقط زمین کی مخلوق اور حقیقتوں کو تو دیکھے، کیا وہ اس زمین اور اس کی ساری مخلوق کو سمجھ گیا؟ پھر اس کے سات آسمانوں کی تہہ دریافت کرے اور یہ بھی طے کرلے کہ وہ قادر مطلق ہے یا عاجز؟ اور جب بڑے سے بڑا سائنس دان ہر مرحلۂ کامیابی پر یہ کہے کہ یہ کام نقطۂ آخر نہیں خدا جانے کل کیا بات نئی معلوم ہو تو ماننا چاہیے کہ اللہ ہی ہر چیز کا عالم و دانا ہے، ہمیں تو جتنا بھی علم ملتا جائے کم ہی ہوگا اور ناواقفیت باقی ہی رہے گی۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ قَالُوا سُبْحَانَكَ

لاَ عِلْمَ لَنَآ اِلاَّ مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۞ قَالَ
يٰاٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ
لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ
وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۞

ترجمہ

اور جب تمھارے رب نے ملائکہ سے فرمایا: میں زمین پر خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔ ان سب نے کہا: کیا تو زمین میں ایسے کو (خلیفہ) بنائے گا جو وہاں فساد کرے اور خون ریزی کرے، حالانکہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں! فرمایا: جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے (۳۰) اور آدمؑ کو سب نام بتائے، پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا، اس کے بعد انھیں حکم دیا: اگر تم سچے ہو تو ان کے نام مجھے بتاؤ (۳۱) ملائکہ نے عرض کی: تیری شان عالی! ہمیں تو اتنا ہی معلوم ہے جتنا علم تو نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ بے شک علم و حکمت کا مالک تو ہی ہے (۳۲) حکم دیا: اے آدمؑ! ان کے نام ملائکہ کو بتا دو۔ چنانچہ جب آدمؑ نے ان کو نام بتلائے تو، (اللہ نے) فرمایا: کیوں؟ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمان و زمین کی پوشیدہ باتوں سے آگاہ ہوں اور جو کچھ تم ظاہر کر رہے ہو اور جو کچھ چھپا رہے ہو اس سے بھی خوب واقف ہوں (۳۳) اور جس وقت ہم نے ملائکہ سے کہا: آدمؑ کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا اس نے انکار کیا، وہ اکڑ گیا اور (نتیجہ یہ ہوا کہ) کافروں میں ہو گیا (۳۴)

۳۰۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ . . . .

چونکہ قرآن میں یہ پہلا واقعہ پڑھ رہے ہیں اور معجزہ کی بات یہ ہے کہ پہلا واقعہ آیا تو پہلے ہادی اور ابوالبشر کا ہے، اس لئے غور کرنے کا مقام اور فکر کی جگہ ہے۔ یہ بات

اس زمان و مکان، اس پس منظر اور ماحول سے متعلق ہے جس کا آج کے فکری ماحول اور زمان و مکان و زبان و بیان میں اندازہ لگانا اور مسئلہ کو سمجھنا سمجھانا بے حد مشکل یا ناممکن ہے۔ بات اس وقت کی ہے جب خدا جانے کس عالم میں صدا گونجی کہ ہم زمین پر "خلیفہ" بنانے والے ہیں۔ پھر ملائکہ نے تخلیق آدمؑ کا منظر دیکھا۔ خالق کل نے ارادۂ کن سے آدم علی نبینا و علیہ السلام کو خلق فرما دیا۔ اس نے موجودِ اول بشر کی تخلیق کا پس منظر بتا کر غیب سے ایک پردہ اٹھایا تو ہم چیخ اٹھے۔ یہ خمیر آب و گل کہاں ہوا؟ کیسے ہوا؟ ملائکہ نے آدمؑ کو سجدہ کیوں کیا؟ سجدہ کس قسم کا تھا؟ پھر یہ سوال کہ آدم کو تعلیم دے کر ملائکہ سے مقابلہ کیوں کرایا؟ کلمات کیا تھے؟ آدم کس اور کہاں کی جنت میں تھے؟ درخت کون سا تھا؟ شیطان جنت میں کیسے پہنچا؟ شیطان نے آدم علیہ السلام کو گمراہ کیسے کیا؟ آدم نے گناہ کیا؟ بے شمار سوال اور بے حساب شبہے پیدا ہوتے ہیں۔ یقیناً انسان کا ذہن بال کی کھال نکالنا چاہتا ہے۔ مگر جوشِ طلب کے ساتھ ہوشِ قوت پرواز پر بھی نظر رکھنا ضروری ہے۔ سوچنا چاہیے کہ ہمیں ماضی کی بات سمجھنا مشکل ہوتی ہے چہ جائے کہ ماضی سے پہلے کی بات۔

قصۂ تخلیق آدم علیہ السلام کے بارے میں قرآن نے کئی جگہ اشارے کئے ہیں جس سے ہمیں کم از کم یہ ہدایت ضرور حاصل ہوتی ہے کہ انسان اول مسجودِ ملک ہے۔ خلیفۂ مخصوص ہے۔ علم میں ملائکہ سے افضل ہے۔ اس کی آمد کا اہتمام ہوا، اس کی تخلیق سے پہلے عالم نور و حضور، فضا ء حمید و تکبیر و تہلیل میں ایک آواز گونجی: "ہم زمیں پر ایک خلیفہ بنانے والے ہیں"!

مخلوقِ نور و سجادہ نشینانِ قدس نے آرزو مندیِ منصب کے لہجے میں عرض کی: تیری مصلحت ہے، تو ہی مالک و مختار ہے، مختلف عناصر و اجزا، مختلف رجحانات و خواہشات رکھنے والا انسان تو زمین میں فساد و خونریزی ہی کرے گا۔ اس کے مقابلے میں ہم تیرے تسبیح خوان اور فقط تیرے ہی عبادت گذار فرشتے ہیں: نیک ہی نیک، پاک ہی پاک۔ جواب ملا: میرے علم و حکمت کی تمہیں کیا خبر!

۳۱ - ۳۳ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ . . . .

خلافت کے مستحق اور خلافت کے امیدواروں میں مقابلہ کا امتحان ہوا - آدم کو ادراک و بیان، فطرت میں ملا تھا ان کا علم تکوینی تھا "خلق الانسان علّمہ البیان" خلقت کے ساتھ قوت اظہار عطا کی جا چکی تھی - نام بتا دیے تھے - چیزوں میں امتیاز - حفظ اسمار اور مطابقت مسمّیٰ کی صلاحیت آدم علیہ السلام میں تھی اور ملائکہ اس معاملے میں کمزور تھے - اللہ عزاسمہ نے ان افراد و ذوات کو سامنے لا کر کہا : بتاؤ یہ کون ہیں ؟ ان کے نام کیا ہیں ؟ ملائکہ جواب نہ دے سکے ، اپنی جہالت کا اقرار اور خدا کی ثنا و صفت کر کے چپ ہو گئے - حکم ہوا آدمؑ تم نام بتاؤ : آدم علیہ السلام نے ان ذوات کے نام بتا دیے - وہ ذات اور نام میں تطبیق کرنے میں کامیاب ہو گئے - فرشتے ان اشخاص و ذوات کو دیکھ چکے ہوں گے (کیونکہ وہ نوری تھے) مگر نام نہ دریافت کر سکے - آدمؑ نام جانتے تھے ذوات کو پہلی مرتبہ دیکھ کر پہچان لینا ان کی برتری کی دلیل تھی - یہ برتری علم و ادراک ، سوال اور برمحل جواب کی تھی اس سے معلوم ہوا کہ خلافت کا معیار علم ہے - عبادت و مَلَکیت نہیں ــــ اسم : وہ کلمہ ہے جس کے معنی اور حقیقت زمانے کی قید سے آزاد ہو - اصطلاحات و حقائق فکر یہ کا بھی یہی حال ہے - خلیفۂ اوّل کو اسمار کونیہ بتائے گئے ؟ اسمار حسنیٰ بتائے گئے ؟ اسمار نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ اور ائمہ علیہم السلام کے نام بتائے گئے ، یہ بات واضح ہے کہ غیب کی باتیں اور مستقبل کے مسائل تھے - آدمؑ ان حقائق سے باخبر تھے اور فرشتے بے خبر - اور اللہ عزاسمہ ان سب سے بڑا غیب و شہود کا عالم بلکہ عین علم ہے -

قرآن مجید میں لفظ خلیفہ دو جگہ ہے ایک زیر نظر آیت میں اور دوسرے سورۂ صٓ کی آیت ۲۶ میں :

یٰداؤد انّا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوٰی فیضلّک عن سبیل اللّٰہ . . . .

اے داؤد ! ہم نے تمھیں زمین پر خلیفہ قرار دیا ، تم لوگوں میں برحق فیصلہ کرو

اور خواہشات و رجحانات کے پیچھے نہ چلو ورنہ یہ بات تمھیں راہ خدا سے بہکا دے گی۔

دونوں جگہ "خلیفہ" اللہ کے نمایندۂ خاص کے معنی میں ہے اور خاص قدرت و اختیار کے حامل معصوم و پاک نبی کو اللہ نے یہ منصب دیا ہے۔ اسی بنا پر اسے اصول عقائدِ اسلام میں ایک اصل مانا جاتا ہے۔

اللہ، معبود و حاکم مطلق و مالکِ کل ہے اور بندۂ عبادت گذار، محکوم اور مملوک چونکہ اس تک نہیں پہنچ سکتے اس لیے اصول حکمت کے مطابق مالک کی ذمہ داری تھی کہ وہ محکومین کے لئے کسی معلّم و مختار و نگران کو بھیجتا۔ اس نے یہی کیا۔ زمین کا والی، انسانوں کا باپ مخلوق کا ہادی آدمؑ کو بنایا۔ آدم علیہ السلام نے زمین آباد کی اس کو استعمال کیا، وہ خدا کے مختار عام تھے۔ انھوں نے نسل پیدا کی، وہ پدر بزرگوار تھے، انہوں نے اللہ کی راہ دکھائی نتیجے میں ایک ہابیل بنا ایک قابیل ــــ معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام حاکم مطلق اور اللہ کے ترجمان و مختار مکمل تھے، ان کے تین کام تھے، زمین کو آباد کرنا، معاشرہ کی تخلیق و تعمیر، عبادت کے اصول و احکام بتانا اور سب کی رہنمائی کرنا۔

جناب داؤد علیہ السلام کو خلیفہ بناتے ہوئے ارشاد ہوا کہ "لوگوں میں قانون کا نفاذ حق کے ساتھ کرو۔" یعنی خلیفہ کا ایک کام قانون کا نفاذ، اطلاق، فیصلہ اور اس کی حفاظت ہے۔ قرآن مجید نے امت محمدیہ میں ایک ضابطہ جاری کیا:

یٰایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔ (النساء ۵۹)

اللہ کی اطاعت اصل اصول ہے اس کی خلافت رسول کو ملی لہذا رسولؐ کی اطاعت بھی اصل و بنیاد، کیونکہ رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے" اولی الامر" رسولؐ کا جانشین ہے اس کی اطاعت نہ کرنا، اللہ اور رسولؐ سے بغاوت ہے۔ تو خلافت دراصل نیابت الٰہی کا منصب ہے اس کے دو معنی ہیں ایک خاص معنی جس کے

توحید ۲۳

حامل نبی و رسول و امام ہیں ۔ دوسرے معنی ان آیات سے واضح ہوتے ہیں، جہاں زمین اور انسانی معاشرے کو الہی نظم ونسق کے مطابق چلنے اور چلانے کا حکم ہے ۔ ظاہر ہے کہ قانون کا مقصد ہے نفاذ اور فائدہ ۔ اسلام ایک قانون ہے تو اسے نفاذ بھی پانا چاہئیے۔ ظاہر ہے کہ نفاذ کنندہ کے بغیر بے معنی ہے اور اسلام کو عملی جامہ پہنانے کی ذمہ داری ہر مسلمان پر ہے ۔ ظاہر ہے کہ سب مسلمان مل کر اس وقت نافذ کر سکتے ہیں جب ان کا کوئی ذمہ دار سربراہ ہو اور وہ ذمہ دار سربراہ، علم و کردار، قوت و اقتدار میں سب مسلمانوں سے بہتر یا اکثر سے بالاتر ہو ۔ ہم اس کو شرط عدالت و اعلمیت کہتے ہیں ۔

۳۴۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا ....

حضرت آدمؑ کی عزت افزائی اور ان کے صلب میں انبیاء و اوصیاءؑ و ائمہ کے احترام میں سجدے کا حکم دیا گیا تو فرشتے سجدے میں جھک گئے ۔ ابلیس نے نافرمانی کی اس نے سجدہ نہ کیا (وہ ملائکہ میں تھا بھی نہیں) اس نافرمانی کی بنا پر اللہ نے اسے کافر ملعون قرار دیا ۔ گویا خلیفہ خدا کے علم و قدرت، عظمتِ خلافت و ترقی انسان کے مقابل میں غیرِ کامل کا سرِ تسلیم جھکانا قابل ستائش و مغفرت ہے اور آدم و فخر آدم سے سرتابی موجب کفر و لعنت ہے ۔ یہ اللہ کا قانون روز اول سے جاری ہو چکا، اب یہی دستور اللہ والوں کا راستہ ہے ۔ اس سلسلے میں بعض حضرات نے نبی آخر الزمانؐ اور ائمہ طاہرین کی اطاعت و احترام میں جھکنے اور ان کے مزار پر جانے کو جائز قرار دینے کی سند جانا ہے بہ شرطیکہ قربۃً الی اللہ ہو۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا
رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا
كَانَا فِيْهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ

فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

(ب) اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمھاری زوجہ اس جنت میں رہو اور جہاں جہاں سے چاہو خوشی خوشی خوب کھاؤ (پیو)، مگر تم دونوں اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ دونوں نافرمانوں میں شمار ہوگے۔ (۳۵) شیطان نے ان دونوں کو وہاں سے نکالنے کی تدبیر کی اور جس حال میں وہ دونوں تھے اس میں ان دونوں کو نہ رہنے دیا (وہاں سے دونوں کو نکال لیا) اور ہم نے حکم دیا کہ نیچے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے اور زمین تمھارے لئے رہنے کی جگہ اور وہیں سرمایہ حیات ہے۔ (۳۶) پھر آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے۔ اس کے بعد اللہ نے ان کی توبہ قبول کی، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے اور بے حد رحم کرنے والا ہے (۳۷)

(ج) ہم نے حکم دیا کہ تم سب نیچے ہی رہو۔ پھر تمھارے پاس میری طرف سے ہدایت ضرور پہنچے گی، اس کے بعد جو لوگ میری ہدایت کے مطابق چلیں گے انھیں کوئی خوف اور گذشتہ پر کوئی غم نہ ہوگا (۳۸) اور جن لوگوں نے انکار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی جہنمی ہوں گے اور وہ اس دوزخ میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے (۳۹)

۳۵. وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ . . . .

یہاں پر قرآن نے معاشرتی زندگی کا پہلا حوالہ پیش کیا ہے۔ ایک جوڑا، اس دنیا کی آبادی اور اس کے سیاق و سباق سے دور، انجان عالم اور، رفاہیت کی جگہ آباد ہوتا اور آبادکاری کے ساتھ ہی ایک قانون کا پابند بنا دیا جاتا ہے۔ اس جنت میں کھانے پینے پر کوئی پابندی نہیں، پابندی ہے تو صرف اتنی کہ فلاں درخت کے پاس نہ جانا۔ جیسے ہمارے باغوں میں لکھا ہوتا ہے پھولدار درختوں کو نہ چھوئیں۔ پھول نہ توڑیں۔ اگر کوئی پھول توڑ لے تو اسے سزا نہیں دی جاتی، باغ کا محافظ ڈانٹتا ہے اور زیادہ سے زیادہ باغ سے نکال دیتا ہے۔ بظاہر صرف وجودِ قانون کا احساس دلانے کی طرف توجہ موڑنا اور یہ کہ پہلا انسان بھی قانون سے آزاد نہ تھا خلیفۃ اللہ پر بھی قانون نافذ ہوتا ہے۔ اگر بعد میں آنے والوں پر قانون کی بالا دستی ہو تو گھبرائیں نہیں۔ قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کو "ظالم" "نافرمان" اور "بے راہ" رو کہا جاسکتا ہے۔

۳۶۔ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا ....

شیطان نے انھیں بہکایا، جس راحت و آرام میں تھے وہاں سے اس نے ان دونوں کو نکلوادیا۔ یہ شیطان۔ اذیت، دشمنی، سرکشی اور غلط روی کا محرک ہے۔ اسے انسان کی روحانی ترقی کے مرحلے میں منفی قوت بنایا گیا ہے۔ فطرت اصلی اور طینتِ پاک کے تقاضوں کے خلاف ابھارنا اس کا کام ہے۔ اس نے جنت میں آدمؑ و حوا کو راہ میں ڈگمگا کر ہر صاحب ہوش کو کھٹکھٹایا ہے جس کا مزید تذکرہ اللہ نے سورۂ طٰہٰ میں فرمایا ہے۔

شیطان۔ مخلوق خاص بھی ہے اور اہل عرفان کی زبان میں نفسِ امارہ بھی ہے، دونوں کا کام ایک ہے، راستے سے موڑنا، نافرمانی پر ابھارنا۔ انسان کو دونوں سے خبردار رہنا چاہیئے۔

یہ نکتہ ذہن میں رہے کہ حضرتِ آدمؑ کا عہد۔ اللہ کی ممانعت۔ جناب آدم کا درخت

کے پاس جانا۔ ایسی باتیں ہیں جن کا تعلق "غیب" سے ہے۔ ان حقائق کا دائرِ تکلیف سے تعلق نہیں ہے۔ محلِ تکلیف زندگانی ارضی ہے۔ جنت میں واجب و حرام کے وہ معنی نہیں جو زمین پر زندگی بسر کرنے والوں کے لیے معین کیے گئے ہیں۔ وہ اطاعت و نافرمانی، شیطان کا اثر جس کا ہم احساس کرتے ہیں وہ یقیناً اس جنت اور عالم قبل استحقاق جزا و سزا سے غیر متعلق ہے۔ معاملات آدم و جنت و ماورا در دنیا پر اپنے معاملات کو یا ان حقائق کو اپنے مسائل پر قیاس کرنا خلاف دستورِ عقل ہے۔ امام رضا علیہ السلام نے ایک حدیث میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حضرت آدمؑ خلافتِ ارضی کے لیے نامزد ہو چکے تھے، ان کی سکونت جنت کی مدت تمام ہوئی۔ تو حکم ہوا یہاں سے اترو، تم لوگوں میں نفسیاتی کشیدگی اور ایک دوسرے سے عداوت ہوگی۔ یہ نہیں فرمایا کہ اللہ تمھارا دشمن ہوگا۔ زمین میں چند روزہ زندگی اور اس میں سرمایۂ مستعار موجود ہے۔ رہو سہو، پیام خدا پہنچاؤ اطاعت خدا کرو۔ انسانی معاشرے کے دو اساسی نکتوں کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ باہمی روابط اور زمین پر چند روزہ زندگی میں فوائد کا حصول۔

۳۷۔ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ ....

اپنی مخلوق کی ٹھوکر پر رحمت نے دستگیری کی اور آدم کو دوبارہ وہی درجہ حاصل کرنے کی راہ بتائی، محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ناموں کے ذریعہ توبہ کرنے کو کہا۔ آدمؑ نے توبہ کی تو اس توبہ کو قبول کرنے والے نے اپنی رحیمیت سے گذشتہ معاملہ ختم کر دیا۔ اس سے یہ سبق ملا کہ لغزش ہو تو فوراً توبہ کرو، توبہ کرو اللہ کے تعلیم کردہ کلمات کے ذریعہ۔

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا نظام جزا و سزا خود کردہ خود بھرو کی بنیاد پر ہے اور عیسائیوں کا عقیدۂ فدیہ صحیح نہیں ہے۔

۳۸۔ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ....

توبہ قبول ہوچکی، اب زمین پر جاؤ، وہاں اللہ کا حکم ملے تو اس کی پیروی کرنے والوں کو کوئی خوف اور غم فردا نہیں ہوگا۔ زمین پر اطاعت و نافرمانی کی بنیاد پر خدا کے دوست اور اس کے نہ ماننے والے دو گروہوں میں بٹیں گے۔

۳۹۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ....

پہلا گروہ غم، عذاب و فکرِ جہنم سے آزاد ہوگا اور دوسرا گروہ یعنی کافروں کے لئے ہمارا دائمی اصول ہے کہ ہماری ہدایت، ہمارے ہادی اور ہمارے قانون کو نہ ماننے والے یا اسے جھٹلانے والے بہرحال جہنم میں جائیں گے اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۞ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۞ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۞ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۞ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۞ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۞ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۞

اے بنی اسرائیل ! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو تمہیں انعام میں دے چکا اور تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا اور صرف مجھ سے ڈرتے رہنا (۴۰) اور جو میں نازل کر چکا ہوں اس پر ایمان لاؤ، کیونکہ جو (کتاب و دین) تمہارے پاس ہے وہ اس کی تصدیق کرتا ہے اور میری آیتیں تھوڑی قیمت پر نہ بیچو اور صرف مجھ ہی سے تقویٰ (خوف) رکھو (۴۱) اور حق کو باطل سے نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ (۴۲) اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو۔ (۴۳) کیا تم دوسروں کو تو نیکی کرنے کا حکم دیتے ہو ؟ اور خود کو فراموش کر جاتے ہو ! حالانکہ کتاب پڑھتے ہو۔ کیا تم یہ بات سمجھتے نہیں (اور شعور ہی نہیں رکھتے) (۴۴) اور صبر و نماز کو سہارا بناؤ اور یقیناً وہ (نماز) بھاری ہے مگر ان خوف (خدا) رکھنے والوں پر گراں نہیں (۴۵) جو اپنے خدا کے حضور حاضری کا اعتقاد رکھتے ہیں اور یہ کہ وہ لوگ پلٹ کر اسی کی طرف جائیں گے (۴۶)

۴۰۔ یٰبَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡٓ . . . .

یہاں سے بنی اسرائیل کے عقائد و اعمال، ان کے رویّے اور کردار کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ اسلام کو مکّے اور مدینے (بلکہ آغاز دعوت) سے آج تک اس گروہ سے عجیب طرح کے مقابلے کرنا پڑے ہیں۔ یہ قوم استدلال کے بجائے، جھوٹ، فساد اور تحریف یا اپنی بدکرداری سے معاشرے میں تباہی مچاتی اور مسلمانوں کو ستاتی رہی ہے۔ یہ قوم دولت و بدکاری کی پجاری اور صرف اپنے آزاد مفادات کی طلب گار ہے، سود خواری اس کا پیشہ اور اقوام دشمنی اس کی تاریخ ہے۔ انسانوں نے صدیوں سے اسے مسترد کر رکھا ہے اور دنیا اسے حقیر ترین مخلوق مانتی ہے۔ مگر اس پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا۔

اسلام، ہر انسان اور ہر آدم زادے سے خطاب کرتا رہا، اس نے احترام آدمیت کو ملحوظ رکھا اور دعوت رد کرنے والوں کو نظرانداز کیا، مگر کینہ جو اور فساد پرور افراد و اقوام کا محاسبہ بہت سخت کیا۔ مکہ و مدینہ میں یہودیوں کی فکری اور سیاسی و معاشرتی سرگرمیاں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ قومی جنتری سے لے کر ملک کی پیداوار تک ان کے قبضے میں تھی اور جھوٹے قصے کہانیوں کے پرچار سے لے کر اللہ، انبیاء و مرسلین پر گندے حملوں تک ان کی دست درازیاں تھیں۔ قرآن مجید نے مکے میں اسرائیلی کہانیوں کو رد کیا اور مدینے میں ان کو عملی و فکری سطح پر زک دی۔ زیر نظر آیات مدنی ہیں جب کہ اس قسم کے بیانات عموماً مکی آیتوں میں آئے ہیں۔ آغاز قرآن میں ان کا تذکرہ ہدایت اور تاریخی فوائد کے لیے ہے۔

حضرت ابراھیم بارگاہ خدا میں بڑے بلند مرتبہ پیغمبر تھے۔ اللہ نے ان کی اولاد کو نبوّت و امامت کے منصب دیے۔ جناب اسحاقؑ نبی تھے ان کے بیٹے حضرت یعقوبؑ ان کے فرزند حضرت یوسف، علیٰ نبینا وعلیہم السلام جلیل القدر انبیا گذرے

بنی اسرائیل:

حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا۔ تفسیر نمونہ میں قاموس کتاب مقدس سے نقل ہے "وہ شخص جو خدا پر غالب آیا"... یہ لقب حضرت یعقوب ابن اسحاق کو فرشتۂ خدا فنیئیل سے کشتی میں اسے چت کرنے پر حاصل ہوا۔" اسی کتاب میں یعقوب کے ذیل میں ہے: انھوں نے اپنے ثبات و استقامت ایمان کے ایسے مظاہرے کیے کہ خدا نے ان کا نام بدل کر اسرائیل رکھا اور وعدہ کیا کہ انھیں بڑے بڑے خاندانوں کا باپ بنائے گا.... انتہائی بڑھاپے میں رحلت کی اور بادشاہان دنیا کی طرح دفن ہوئے بنی یعقوب و اسرائیل ان کی پوری قوم کو کہا جاتا ہے۔

ہمارے لغات و تفاسیر میں ان خرافات کو رد کیا گیا ہے اور علما نے لکھا ہے کہ "اسر" غلام و عبد کو، اور "ئیل" اللہ، خدا کو کہتے ہیں اس بنا پر "اسرائیل" کے معنی ہوئے "عبد اللہ" اسی سے یہودیوں کی ذہنی ساخت اور مسلمانوں کی فکری لطافت کا

اندازہ ہوسکتا ہے۔ کہاں وہ اساطیری لہجہ کہاں یہ صاف شفاف علمی، تاریخی اور ثقافتی بیان۔ سبحان ربی الاعلی وبحمدہ۔

عہد اسرائیل:

اس خاندان کو خدا نے مدتوں پیامبری کی عزت سے سرفراز رکھا۔ اس لیے یہ لوگ اطاعت خدا، پیروی انبیا، علم کتاب اور عمل براحکام خدا کے ذمہ دار تھے، (عہد کے کچھ جزئیات کا بیان آیت ۸۳ و ۸۴ میں آرہا ہے۔ نیز دیکھیے تفسیر آیت ۴۳، بقرہ) ان کی کتابوں میں آخری نبی کی بشارت اور اس پر ایمان لانے کا حکم اس لیے ان کو یہ عہد پورا کرنا چاہیے تھا، مگر یہ قوم آنحضرت کی دشمنی پر کمربستہ ہوگئی اس لیے آیت نے سابقہ انعامات و عہد سے منحرف ہونے پر تنبیہ کی۔ اگرچہ آیت کا خطاب بنی اسرائیل سے ہے مگر حکم و ہدایت عام ہے، یعنی آج بھی کسی مومن بالقرآن کے لیے زیب نہیں دیتا کہ انعامات خدا کو فراموش کرے اور عہد خدا کو توڑے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: "اوف بعہدکم" تم سے اپنا عہد پورا کروں گا کے معنی ہیں " اوف لکم الجنۃ" تمھیں جنت دوں گا جس کا وعدہ تم سے کیا ہے۔

۴۱۔ وَاٰمِنُوا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ . . . .

تمھارے پاس جو کتابیں ہیں ان کے مطابق اس رسول پر ایمان لاؤ۔ توریت و انجیل میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے مطلع کیا جاچکا ہے۔ مشرکوں کے مقابلے میں تمھارا انکار رسالت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غلط ہے، تم کو پہلا کافر ہونے کے بجائے پہلا مومن ہونا چاہیے، تم اسلام قبول کروگے تو بے کتاب قومیں بھی ایمان لائیں گی۔

آیتوں کا کاروبار:

یہودی اپنے فکری و معاشرتی نظام میں مصلحتوں کے پرستار تھے، بڑوں کے

حکم سے مہینوں کی ترتیب تو خیر بدلتے ہی تھے، غضب یہ تھا کہ حسب موقع اور حسب قیمت کتاب مقدس کی آیتیں بھی بدل دیتے تھے (سورۂ مائدہ کی آیت ۱۲ و ۱۳ اور سورۂ بقرہ کی آیت ۸۰، و ۸۹ دیکھیے) ایک روایت کے مطابق کعب ابن اشرف اور حی ابن اخطب کے اعزاز میں یہودی ایک شاندار دعوت کیا کرتے تھے جہاں معاشرتی و سیاسی و اعتقادی مسائل پر بحث ہوتی ہوگی اور فیصلہ کے مطابق توریت یا اس کے مفہوم میں تبدیلی کا اعلان ہوتا تھا، انھی تبدیلیوں میں آنحضرتؐ کے صفات و آمد کا بیان بھی تھا۔

جیسے ابھی تین سال قبل وٹیکن میں پوپ پال نے اعلان کیا تھا کہ حضرت یسوع کے قتل کے مجرم آج سے یہودی نہ مانے جائیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

صفات پیغمبرؐ کی تبدیلی اور آیات کی تحریف سے جو بھی نفع ملتا ہو وہ انعام خدا کے مقابلے میں بہرحال کم ہی تھا۔

اور آج بھی قرآن کے معانی و تفسیر میں تحریف اور بیان صفات محمد و آل محمد میں کوتاہی برتنے والا۔ اسی طرح کا مجرم ہے۔

۴۲۔ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ . . . .

حق و باطل کے شبہے میں ڈالنا اور حق کو چھپانا بدترین جرم ہے۔ تم ربیّون کو محمدؐ کی رسالت اور اسلام کی حقانیت معلوم ہے مگر اس کا اظہار و اقرار نہیں کرتے اور دوسروں کو جھوٹ سچ ملا کر دھوکا دیتے ہو۔ آل عمران میں ہے " ان یہودیوں میں کچھ لوگ زبان سے کچھ ادا کرتے ہیں۔ بڑبڑاتے ہیں کہ لوگ سمجھیں توریت پڑھ رہے ہیں حالانکہ وہ کتاب کی عبارت نہیں ہوتی، پھر لوگوں کا شک دور کرنے کے لیے کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ بات اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی وہ لوگ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹی بات تھوپتے ہیں۔

مرد مومن، عالم قرآن و سنّت کو ہر موقع پر یہ نصیحت قرآن یاد رکھنا چاہیے کہ

توحید ۳۲

لوگوں کی خوشنودی اور داد حاصل کرنے کی خاطر حق و باطل کی آمیزش یہودیوں کا وطیرہ ہے اور غیرت دار مسلمانوں کو یہود کے قریب بھی نہ جانا چاہیے کہ یہ پیشہ ور حق کے مخالف بننے میں دیر نہیں لگاتے ہیں۔

۴۳۔ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ . . . .

سورۂ مائدہ میں عہد نامہ کا تذکرہ ہے، جس میں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی شقیں بھی تھیں۔ اس مقام پر اسی کی یاد دہانی ہے کہ ہمارا رسولِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ تم سے کوئی نئی بات نہیں کہہ رہا ہے یہ تمھارے عہد نامہ میں پہلے سے ہے اب اٹھو اور جہاں نمازی کھڑے ہوں ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ اگر رکوع میں ہوں تو رکوع ہی میں مل جاؤ نماز کا ثواب دوگنا اور رکوع میں شرکت کامل رکعت کے لیے کافی ہے۔

رکوع:

قیام حاضریِ دربار الٰہی ہے اور سجدہ معراج مومن، ان دونوں کے درمیان رکوع قوس صعود و نزول ہے جو عارف کے لیئے مقام خاص ہے اور صاحب دل کے لیے خضوع و خشوع کی منزل۔

۴۴۔ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ . . . .

نصیحت کے آداب میں یہ بات داخل ہے کہ نصیحت گر اپنی بات کی سچائی پر یقین رکھتا ہو اور یقین کا ثبوت مثبت عمل ہوتا ہے۔ یہودیوں کی طرح کتاب پڑھنا امر معروف کرنا اور خود اس کے مطابق عمل نہ کرنا بے عقلی کی بات ہے۔ اہل علم کے قول و فعل کا تضاد لوگوں کو انکار و بغاوت پر ابھارتا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

ہمارے شیعوں کو یہ پیغام پہنچا دو کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ حسرت اسے ہوگی جو عدل و انصاف کی تعریف کرے اور خود دوسروں پر ظلم کرے۔

۴۵۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ

۴۶۔ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

انسان اپنی جبلّی کمزوریوں سے گبھرا کر حق سے فرار کا جواز نکالتا ہے۔ قرآن مجید اس موقع پر حوصلہ بڑھاتا اور نسخہ بتاتا ہے۔ وہ سمجھاتا ہے کہ ایسے مرحلوں میں صبر و صلوٰۃ سے سہارا لو۔

صبر: مضبوط ارادے پر قابو رکھنا اور مادی و ظاہری مشکلات کے سامنے عزیمت کے ساتھ کھڑے رہنا اور راضی برضا رہ کر مخفی طاقتوں کو ابھارنا ہے اور صبر و عزیمت ارادہ و عمل کا بڑا نمونہ روزہ ہے۔

نماز: اللہ عزّ اسمہ سے ربط کا ذریعہ ہے۔ دونوں باتیں ان لوگوں کیلئے آسان ہیں جنھیں قیامت کا یقین اور حضورِ باری تعالیٰ میں حاضری کا اعتقاد ہو۔ جنھیں یہ مقام حاصل نہیں ان کے لیے یہ عمل گراں گذرے گا۔ مگر معرکۂ حیات میں اس سے بہتر کوئی قوت ہے بھی نہیں۔

يٰبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

ترجمہ :

اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو کہ میں نے تم کو جہانوں پر فضیلت دی تھی (۴۷) اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی ذات کسی شخص کے کام نہ آسکے گی اور نہ کسی شخص کی اس کے بارے میں سفارش قبول کی جائے گی اور نہ کوئی "بدلہ" لیا جائے گا اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی (۴۸)

۴۷۔ يٰبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا ....

دوبارہ پھر اولاد یعقوبؑ کو سابقہ اعزاز یاد دلائے جا رہے ہیں اور خدا کی دین کو جس طرح پامال کیا اس پر ناراضگی و سرزنش کی جا رہی ہے ۔آیت تاکید الذم بمایشبہ المدح ہے ، دیکھنے میں تعریف حقیقت میں مذمت

عالمین پر فضیلت :

کسی قوم کے اتنے پیغمبروں کا تذکرہ قرآن نے نہیں کیا جس قدر بنی اسرائیل کے انبیا کا بیان کیا ، اتنی تفصیل کسی قوم کے بارے میں نہیں جتنی روشنی اس قبیلے کے بارے میں موجود ہے لیکن پورے قرآن میں ان کا ماضی داغدار ان کا کردار سیاہ ، ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی فساد سے لبریز ہے ، خدا نے زمین اچھی دی ، اجداد اچھے دیے ، لیکن ان لوگوں نے ناقدری و سرکشی کی حد کر دی ۔ زمین میں وہ حرکتیں کیں کہ ہمسر قوموں نے رہنے نہ دیا ، اپنے انبیا کو ستایا اور قتل کیا دشمنی خدا و رسول و تحریف و توہین کا یہ حال ہے کہ موجودہ توریت ، سفر پیدائش کے ۳۲ ویں باب میں ہے ـــ نقل کفر کفر نہ باشد :

توحید ۱۲

— خدا نے یعقوبؑ سے کشتی لڑی مگر یعقوبؑ کو زیر نہ کر سکا۔ کہنے لگا: اب مجھے چھوڑ دو — (معاذ اللہ)

جس قوم کو خدا نے وہ عزت دی ہو وہ قوم آج اپنے فکری و عملی زوال کے ہاتھوں کس قدر ذلیل ہے۔ اتنی عزت کے بعد اتنی بڑی ذلت خدا کی پناہ۔ اللہ کا قانون ہے: بانّ اللّٰہ لم یکُ مغیراً نعمۃ انعمھا علٰی قوم حتی یغیّروا ما بانفسھم۔ سورۂ انفال کی ترپنویں آیت ہے کہ اللہ جس قوم کو کسی نعمت سے سرفراز کرتا ہے اسے اس وقت تک نہیں چھینتا جب تک وہ قوم خود اپنے اندر سے وہ صلاحیتیں گم نہ کر دے۔

۴۸۔ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ ....

اس قیامت سے ڈرو جس کے چار صفات ہیں (الف) ایک دوسرے کے کام نہ آ سکے گا۔ (ب) کسی کی شفاعت قبول نہ ہوگی (ج) کسی کے بدلے کوئی فدیہ و ہدیہ نہیں لیا جائے گا (د) لوگوں کی مدد نہیں کی جا سکے گی۔

شفاعت:

یہود و نصاریٰ عقیدۂ کفارہ و فدیہ کو اساس مانتے ہیں۔ یہود کہتے ہیں ہم، انبیا کی اولاد ہونے کی بنا پر بخشے ہوئے ہیں، جزا و سزا کے مرحلے میں ان کے بزرگ کام آئیں گے۔ نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام قوم کے گناہوں کا کفارہ بن گئے۔ ان کا سولی پانا فدیۂ گناہ گاران امت ہے۔ بت پرست عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے ہدیے اور قربانیاں قیامت کے دن اعمال بد کا عوض بن کر نجات کا سبب بنیں گی۔ ربّی، پوپ، پنڈت مدد پہنچائیں گے۔

قرآن ان عقائد کی نفی کرتا ہے، ہم جو چاہیں کریں وہ ہماری بخشش کرا دیں گے۔ یہ عقیدہ اسلام کی نفی ہے، انبیاؑ کے تعلیمات کی نفی ہے۔ دین، ہم سے عقیدہ میں علم و استواری چاہتا ہے۔ حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا: اول الدین معرفتہ وکمال معرفتہ توحیدہٗ۔ دین کا حرف اوّل عقیدۂ توحید ہے اور اس عقیدہ کا اعلان نماز ہے۔ دین کی فکری اساس قیامت ہے اور قیامت یوم دین ہے۔ وہاں ہر شخص کا عمل تولا جائے گا۔ جس عمل میں توحید و عدل و نبوّت و امامت و قیامت کی فکر قوت آفرین نہ ہوگی وہ عمل سبک اور بے فائدہ ہوگا۔ لیکن اگر عقیدہ ہی عقیدہ ہے (اگرچہ اسلام) بے عمل کے

عقیدہ کو درخور اعتنا نہیں سمجھتا) تو نامۂ اعمال سادہ ہوگا۔ اسلام بات کا تو قائل ہی نہیں وہ کہتا ہے "لِمَ تقولون ما لا تفعلون" جس پر عمل نہیں کرتے اسے کہتے کیوں ہو؟ اللہ کو مانتے ہو، اطاعت غیر اللہ کرتے ہو؟ "کبر مقتا عند اللہ" قول بلا فعل پر اللہ کا عظیم غضب ہے۔ خدا کے احکام اور قانون شریعت بے مقصد تو نہیں ہیں، ان پر عمل کرنا ہی تکمیل انسانیت ہے۔ البتہ عمل کے درجے ہیں۔ بے جان عمل، جیسے جاہل کا عمل۔ جاندار عمل جیسے عالم کا عمل۔ رضاء خدا کا حامل و نمونہ، جیسے انبیاء و ائمہ علیہم السلام کا عمل۔ ان باعمل افراد کے عمل میں اللہ کی رحمانیت و رحیمیت بارش کرم کی کے شادابی بخشے گی۔ رحمۃ للعالمین کی رافت و رحمت سہارا دے گی، ان کے لیے ان کی تو بہ و صلوٰۃ ان کے لیے ملائکہ کی طلب مغفرت اور شافعین علیہم السلام کی شفاعت فائدہ مند ہو گی، مگر بطور فدیہ نہیں۔

حضرت آیت اللہ خمینی نے "پرواز در ملکوت" میں لکھا ہے:

> اگر کسی کو شفاعت کی خواہش ہے تو اسے دنیا میں کوشش تمام کے ذریعے اپنے شفیعوں سے رابطے کو مضبوط رکھنا چاہیے اور یہ بھی سوچنا چاہیے کہ شافعین محشر عبادت و جفاکشی میں کس بلند درجہ پر فائز تھے۔ فرض کیجیے کہ اگر گناہوں کا بوجھ اور مظالم کا بار لاد کر دنیا سے گئے تو برزخ و قبر کے عذاب میں شفاعت کیسے ہوگی۔"
>
> (مزید بحث آگے ملاحظہ فرمائیں) یعنی شفاعت کے ساتھ استحقاق شفاعت کو بھی فراموش نہ کرنا چاہیے۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ

ترجمہ:

اور جب ہم نے تم کو فرعونیوں سے چھٹکارا دلایا جو تمہارے ساتھ بد ترین اذیت ناک سلوک کرتے تھے، تمہارے (نومولود) لڑکوں کے سر کاٹتے اور

عورتوں (لڑکیوں) کو زندہ چھوڑ دیتے تھے ان حالات میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری سخت ترین آزمائش تھی (۴۹) اور (وہ دن یاد کرو) جب ہم نے سمندر میں تمہارے لیے راستہ بنایا اور تمھیں پار اتارا اور ہم نے فرعونیوں کو اس میں غرق کردیا اور تم دیکھ رہے تھے (۵۰)

۴۹۔ وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ ....

یہاں سے انعام شماری کا باب شروع ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں یہودیوں کے کرتوت بیان ہوتے ہیں۔

۱۔ تاریخ کا کتنا بڑا واقعہ ہے کہ خاندانِ فراعنۂ مصر اپنے سیاسی و معاشی عروج پر تھا اور بنی اسرائیل اپنی بدکرداری کی وجہ سے بدترین زندگی گذار رہے تھے۔ انبیا کے ساتھ ان کے ناروا سلوک نے انھیں مبتلائے بلا کر رکھا تھا۔ ان کے مرد قتل اور ان کی عورتیں لونڈیاں ہوچکی تھیں۔ قبطی ان کے دشمن اور حکمران ان کے خون بہا رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو آزادی و نجات کی نوید دی اور فرعونیوں سے بچا کر انھیں مصر سے لے گئے۔ (سورۂ ابراہیم آیت ۶ نیز سورۂ قصص آیت ۴ میں مزید گفتگو آئے گی) اس نجات کو نعمت عظیم کہا گیا ہے۔

اس موقع پر توجہ طلب بات یہ ہے کہ دعویدارانِ خدائی فرعون نما افراد جب بھی عروج پاتے ہیں، دین کے قائد عوام کو ظلم سے نجات دلاتے ہیں۔ اور مثل ہے "ہر فرعونے را موسیٰ" فرعون کے مقابل فرعون نہیں آتے۔ موسیٰ صفت ہی لوگ سامنے آتے ہیں۔

۵۰۔ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰكُمْ ....

بنی اسرائیل پر ایک اور تاریخی انعام یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام انھیں لے کر مصر سے چلے، رات آدھی ہوچکی تھی، حکومت سے بات چیت کے بعد کوئی خطرہ باقی نہ تھا چلتے چلتے صبح ہوگئی، روشنی جو ہوئی تو اسرائیلیوں کے حواس جاتے رہے ان کے پیچھے فرعون

بذات خود فوج لیے تعاقب کر رہا تھا، سامنے سمندر پیچھے دشمن۔ یہ سمجھے کہ اب خیر نہیں، وہ سمجھا کہ اب بھاگیں گے کیسے؟ ادھر موسیٰ علیہ السلام کو خدا کی پشت پناہی حاصل تھی، اشارۂ قدرت ہوا کہ بحر قلزم کی سطح پر عصا مارو، راستہ ہم دیں گے۔ پانی کی دیواروں کے درمیان قوم اتری تو زمین خشک تھی۔ سب کے سب سمندر پار ہو گئے۔ فرعون نے بھی ساتھیوں سے کہا انھی راہوں میں اتر چلو وہ اترے تو سب غرق ہو گئے۔

اے بنی اسرائیل اگر موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہو، اور اتنے بڑے فضل و انعام خدا کو نہیں بھولے تو محمد (مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ توریت میں تو ان کی بشارت پڑھ چکے ہو۔ قرآن مجید پر غور کرنے والے کم از کم یہ تو محسوس کر سکتے ہیں کہ دین کی راہ میں سامنے آنے والی مشکلات سے وہ نہیں ڈرتے جو انبیا کے دستور پر چلتے ہیں خدا ایسے لوگوں کی مدد اس عالم میں کرتا ہے جب نہ راہ رفتن ہو نہ پائے ماندن۔

سورۂ اعراف، آیت ۱۳۶ ــ انفال ۵۴۔ اسرا: ۱۰۳، شعراء: ۶۳ و ۶۶ زخرف ۵۵، دخان: ۱۷ بعد میں یہ واقعہ آ رہا ہے۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾
ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾
وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾
وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِىٕكُمْ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىٕكُمْ فَتَابَ عَلَیْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۴﴾

ترجمہ:

اور (وہ وقت) جب ہم نے موسیٰ ؑ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا، اور تم نے

ان کی غیر حاضری میں بچھڑے کو خدا بنالیا حالانکہ تم اپنے اوپر ستم ڈھا رہے تھے (۵۱) ہم نے اس کے بعد بھی تم کو معاف کر دیا تاکہ تم شکر کرو (۵۲) اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان (حق کو باطل سے جدا کرنے والی کتاب) سے نوازا تاکہ تم ہدایت حاصل کرو۔ (۵۳) اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا، اے قوم! تم نے بچھڑے کو خدا بنا کر اپنے اوپر ظلم کیا، اب تم لوگ اپنے خالق سے توبہ کرو۔ اس کے بعد اپنے لوگوں کو قتل کرو۔ تمھارے پیدا کرنے والے کی بارگاہ میں تمھارے حق میں یہی بہتر ہے۔ پھر اللہ نے تمہاری توبہ قبول کی۔ بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے (۵۴)

۵۱۔ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى ....

۵۲۔ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ....

۵۳۔ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ ....

۵۴۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ ....

گائے کی پوجا اور اس کی سزا

خدا کے عظیم احسانات میں ایک توراۃ بھی ہے۔ لیکن بدنصیب قوم نے آمدِ توریت سے آج تک اس کا احترام نہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے لیے طلبِ خدا سے طور پر جانے لگے تو ہارون کو اپنا وزیر و جانشین بنا گئے حضرت موسیٰ کے جاتے ہی قوم خوب کھل کھیلی، کسی نے جناب ہارون کی نہ سنی۔ لوگوں نے سونا چاندی جمع کرکے ایک شخص کو دیا۔ اس نے گائے کا بچہ بنایا اور ترکیب ایسی رکھی کہ وہ مجسمہ آواز بھی دیتا تھا۔ کسی نے کہا اسے پوجو! معاصر قومیں پوجتی ہی تھیں یہ بھی لگے پوجا کرنے۔

طور پر چالیس دن رات گذرنے کے بعد جناب کلیم اللہ کو توریت عطا ہوئی جس کا نام "الکتاب" اور "الفرقان" بھی تھا۔ یہ کتاب حق و باطل کے امتیازات اور حلال و حرام، احکام و عقائد پر مشتمل تھی، حضرت جب توراۃ لے کر واپس آئے تو جس قوم کو پہلے سے سب کچھ سمجھا گئے تھے اسے مصروف بت پرستی دیکھ کر سخت ناراض ہوئے۔ لوگ گھبرائے، معذرت کی تو اس ارتداد اور جرم کی سزا یہ سنائی

کہ سب لوگ غسل کریں کفن پہنیں اور گنہ گار صف بستہ ہوں اور اپنے ہاتھوں سے اپنے عزیزوں کو قتل کریں۔ مجبوراً ایک نے دوسرے پر حد جاری کرنا شروع کردی، کچھ دیر کے بعد فرمایا: جاؤ، توبہ قبول ہوئی۔ اب نعمتوں کی ناشکری نہ کرنا۔

نبیؑ کے سامنے وصی نبی کے منع کرتے پر اہل توحید کا بت پرست ہونا قابل گردن زدنی فعل ہے اور جب قوم فکری و اعتقادی وعملی گمراہی میں اس حد تک اتر جائے تو گنہ گار اور خاموش تماشائی دونوں کو ایک ہی سزا دینا، اللہ کی حکمت کے مطابق ہے۔ (مزید گفتگو سورۂ اعراف و سورۂ طٰہٰ میں آئے گی۔

وَاِذْ قُلْتُمْ
يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ
الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: وہ زمانہ (یاد کرو) جب تم نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ ہم ہرگز تم پر ایمان نہ لائیں گے مگر یہ کہ اللہ کو عیاں دیکھ لیں۔ عین اسی حالت میں ایک کوندے نے تمھیں آ لیا اور تم دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے ﴿۵۵﴾ پھر ہم نے تمھیں موت کے بعد زندگی بخشی کہ تم اس نعمت ہی پر شکرِ خدا بجا لاؤ ﴿۵۶﴾

۵۵۔ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ ....

۵۶۔ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ ....

رؤیتِ باری تعالیٰ

یہودیوں کی گستاخی اور اللہ کی سزا، گناہِ عظیم، پھر تباہی۔ اس کے بعد دوبارہ رحمت کا نزول دیکھیے، جو لوگ کلیم اللہ کے ساتھ میقات میں گئے تھے انھوں نے طور کے قریب پہنچ کر خدا کو بچشم خود دیکھنے کا مطالبہ کر دیا۔ ظاہر ہے کہ جسم و ترکیب و محدودیت سے پاک ذات کو کوئی

کیسے دیکھ سکتا ہے اور کیسے نشانۂ نگاہ بن سکتا ہے، اگر نظر کی شعاعیں کسی کو مس کریں تو وہ اللہ کیسے کہا جا سکتا ہے، ایک محال خیال اور باطل تصور اور مہمل مطالبہ تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے سمجھایا وہ نہ مانتے، آخر اس کی سزا یہ ملی کہ ایک زبردست کڑک ہوئی اور ایک شعلہ نے سب کو بھسم کر دیا تاکہ آئندہ یہ سوال زبانوں پر نہ آئے۔ پھر دوبارہ انھیں زندگی بخشی، کہ دوسروں کو آپ بیتی سنائیں اور پیغمبروں کے حکم سے سرتابی چھوڑ دیں۔

رجعت:

جناب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کا مرنا اور دوبارہ مبعوث ہونا، اسی زمین وزمان کی بات ہے اور قرآن اس کا ترجمان ہے، جس کا انکار مسلمان کے لیے دشوار ہے۔ فخر کلیم کے زمانے میں اگر یہی عمل رجعت ہو تو انکار پر اصرار بے معنی ضد ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ رویت باری اور اللہ عز اسمہ کو دیکھنا محال ہے مگر سب کا مرنے کے بعد جی اٹھنا محال نہیں ہے۔
(سورۂ نساء کی آیت ۱۵۳ بھی ملاحظہ کریں)

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ
أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ
مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُونَ ۝ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا
حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ
نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِينَ
ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا
رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝

اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ ڈالا اور ہم نے تم پر من اور سلویٰ اتارا (کہ تمھاری پذیرائی کرنا تھی) پاکیزہ روزی جو تمھیں دی ہے اسے کھاؤ۔ اور ان لوگوں

نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ خود اپنی جانوں پر ستم ڈھایا (۵۷) اور جب ہم نے کہا اس بستی میں داخل ہو اور اس میں جہاں سے چاہو، جو چاہو خوب کھاؤ پیو اور دروازے میں سجدہ کر کے (جھک کر) جاؤ اور "حطّۃ" کہنا۔ ہم تمھاری خطائیں بخش دیں گے اور نیک عمل لوگوں کو زیادہ سے زیادہ دیں گے۔ (۵۸) جو بات ان سے کہی گئی تھی ظلم کرنے والوں (بدکرداروں) نے اسے بدل دیا۔ پھر جیسی وہ نافرمانی کرتے رہتے تھے اس کے بدلے ہم نے ظلم کرنے والوں پر آسمان سے عذاب نازل کیا (۵۹)

۵۷ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ ....

بنی اسرائیل فرعون کی مملکت سے نکل کر فلسطین کی طرف چلے تو حضرت موسیٰؑ نے ان سے کہا، فلسطینیوں سے جنگ کرنا ہو گی، ان لوگوں نے بڑی بے ادبی و گستاخی کے جواب دیے، (سورۂ المائدۃ ۲۰، ۲۱، ۲۲) خدا نے اس گستاخی پر صحرائے سیناؔ میں انھیں سرگردانی کی سزا دی چالیس سال کے بعد ان کے رونے گڑگڑانے پر معافی ملی۔ اس آیت میں اس وقت کے دو انعام یاد دلائے گئے ہیں ۱۔ لگاتار سرگردانی، صحرا، دھوپ اور مجبوری کے عالم میں اچانک بادلوں کا سایہ دیا گیا۔ ۲۔ بے سروسامانی میں "من و سلویٰ" سے نوازا، بہترین غذا مرحمت ہوئی۔

من: خاص انعام و احسان، وہ شہد جو پہاڑیوں میں چھتہ لگانے والی مکھیوں نے جمع کیا انھیں اچانک ملا۔ یا شبنم کی طرح فضا سے برسنے والا مادّہ جو روٹی کی طرح جمتا تھا۔

سلویٰ: بھنے ہوئے پرندے۔ یا حبشہ و افریقہ سے بھاگ کر آنے والے طائر جو اس وقت بنی اسرائیل کے لیے نعمت غیر مترقبہ بنے۔

اللہ نے جو سزا دی تھی وہ خود ان کے کرتوت اور ان کے ناروا سلوک کی وجہ سے تھی، انہوں نے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری۔

---

[۱] سورۂ مائدہ میں اس کی تفصیل آئے گی، سردست "دائرۂ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور سے تیہ یا فحص التیہ کی جغرافیائی حیثیت نقل ہے: "جزیرہ نمائے سینا کے اندرونی حصے میں ایک صحرا کا نام جو ملک شام و مصر کے درمیان حد فاصل ہے۔ یہ صحرا فلسطین کا انتہائی جنوبی علاقہ ہے جس کے مشرق میں یروشلم ہے پتھریلی اور ریتیلی زمینیں ہیں۔ نمک کی دلدلیں بھی ہیں اور سنگ سرخ کی پہاڑیاں بھی۔ چشمے بھی ہیں اور کھجور کے درخت بھی۔

۵۸۔ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا . . . .

۵۹۔ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا . . . .

ایک اور نعمت کا تذکرہ ہے۔ سفر کی ایک بڑی منزل آئی، تھکی ہوئی قوم کو بستی تک پہنچایا اور ان سے کہا: بستی میں داخل ہو، مگر جب سرحد اور دروازے پر پہنچنا تو سجدہ کرکے اور حِطَّۃٌ کہہ کر اندر جانا، وہاں اسباب زندگی مہیا ہیں خوب کھانا پینا، راحت آرام سے رہنا سہنا مگر قوم کا مزاج ہی ٹیڑھا تھا، جو ان سے کہا گیا تھا اس کے بجائے کچھ اور ہی بکنے لگے وہ جملہ ہی بدل دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کی بدکرداری کی سزا دی اور آسمان سے رجز برسا، ذلت و خواری مقدر ہوئی۔

قریہ: اریحا۔ یا اس سے پہلے کی کوئی منزل جس کا نام لینا قرآن نے ضروری نہیں سمجھا کیونکہ قرآن حکایات و واقعات کے بجائے صرف وہ اجزا بیان کرتا ہے جس سے فکری، اخلاقی، معاشرتی اور دینی نکتہ روشن ہو۔

حطّۃ: اترنا، بوجھ کا نیچے آنا۔ گناہوں کا دور ہونا۔ سر جھکانا۔ نئے مفسر کہتے ہیں کہ مراد شہری اور معاشرتی قوانین کو تسلیم کرنا ہے۔ اب تک جنگلوں صحراؤں میں رہتے تھے آزادہ روی کا دور ختم ہوا، اب قانون کی حد بندی میں داخلہ ہے تو اقرار احترام قانون کرو۔

معصوم نے فرمایا ہے "ہم بابِ حِطّہ" ہیں۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ہم شہر قانون اسلام و شریعت کا دروازہ اور سرتسلیم خم کرنے کی جگہ ہیں۔ "انا مدینۃ العلم وعلی بابھا" سے مراد چوکھٹ بازو اور دو پٹوں سے کھلنے والا دروازہ نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے نعمت دی انھوں نے شرطِ نعمت کو ٹھکرایا تو انھیں اللہ نے عزتوں سے محروم کر دیا۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ

مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا
وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٦٠﴾ وَإِذْ
قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ
يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ مِن بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا
وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۖ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ
بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ ۗ
وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ
اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ
النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٦١﴾

اور (وہ وقت بھی یادگار تھا) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا تو ہم نے حکم دیا کہ (خاص) پتھر پر اپنا عصا مارو۔ اس کے بعد ہی بارہ چشمے اس پتھر سے پھوٹ بہے ہر ایک قبیلے، نے اپنا چشمہ پہچان لیا۔ اللہ کی روزی سے کھاؤ پیو (مگر) زمین میں تباہ کاری نہ پھیلاؤ (۶۰) اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ایک ہی خوراک پر تو ہرگز اکتفا نہیں کر سکتے، آپ اپنے خدا سے کہیے کہ زمین سے اگنے والی سبزیاں جیسے ساگ پات، ترکاری (گیہوں) لہسن، مسور، پیاز۔ (ہمیں دے)۔ موسیٰؑ نے کہا: گھٹیا درجے کی چیز سے بہتر کو بدلنا چاہتے ہو؟ (تو پھر) کسی شہر میں پڑاؤ کرو وہیں تمہاری طلب کی چیزیں ملیں گی۔ اور ان پر رسوائی اور محتاجی کی پھٹکار پڑی۔ اور وہ سب خدا کے غضب کی زد پر آ گئے۔ کیونکہ وہ آیات الٰہی کو مانتے نہ تھے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ سبب یہی تھا کہ نافرمانی اور تجاوز کاری کو پیشہ بنا چکے تھے (۶۱)

۶۰۔ وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ ....

یہ دسواں احسان ہے جو امت موسیٰؑ پر ہوا۔ کہ صحرا نوردی میں قافلے پیاس سے تڑپنے لگے۔ حضرت موسیٰؑ سے طلب آب میں اصرار بڑھا، یعنی صبر نہ کر سکے، جناب موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی حکم ہوا اپنا معجز نما عصا فلاں پتھر پر مارو! خدا نے بارہ اسباط کے لیے بارہ چشمے بہا دیے۔ تاکہ ہر قبیلہ اپنے اپنے چشمے سے پانی پیے اور راستے میں جھگڑا نہ کریں، بفراغت کھائیں، پییں۔ فساد میں مبتلا نہ ہوں۔ اللہ فساد کو بہت ناپسند فرماتا ہے۔

دریائے نیل عبور کرتے وقت عصا نے سطح آب میں بارہ راستے بنائے اور یہاں پتھر سے بارہ چشمے۔ منکرین معجزہ نے بنی اسرائیل کی طرح دہاں جھگڑا کیا کہ صاحب وہ آبنائے تھی، درّے سے نالے گذرتے تھے۔ ان نالوں میں راستے تھے۔ اب یہاں بھی کہا کہ موسیٰؑ لکڑی ٹیکتے پہاڑ پر چڑھے نیچے اترے تو پانی کے چشمے رواں تھے۔ قرآن مجید کا اسلوب اور انعام شماری کا طریقہ بتاتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ نے خاص انعام اور خرق عادت احسان کے طور پر کیا تھا، آخر خدا کے قادر ماننے میں پس و پیش کیوں کیا جائے۔

۶۱۔ وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ ....

ایک مرتبہ پانی نہ ملنے پر احتجاج تھا، اب وہ موقع آیا کہ بہترین غذا ملنے سے دل تنگ ہیں۔ ”لن نؤمن“ اور ”لن نصبر“ لہجے کی درشتی پر دلیل ہے۔ ہم من و سلوی پر ہرگز اکتفا نہیں کر سکتے، لہسن پیاز، چاہیے، چنا، مسور کھانے کو دل چاہتا ہے (فوم کے معنی لہسن گیہوں، چنا ہر وہ دانہ جس سے روٹی پکائی جا سکے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صبر و تحمل، درس ہدایت ہے کہ رہنما کو قوم کی سرکشی کے باوجود کس حد تک صابر و متحمل ہونا چاہیے۔

حضرت موسیٰؑ نے سمجھایا، ارے اتنی عمدہ نعمتوں کو چھوڑ کر کیا مانگ رہے ہو؟ سوچو تو ذرا۔ مگر نہ مانے۔ تو کہا اچھا پھر شہر میں رہو، وہاں روز نئی چیز ملے گی۔ مگر آزادی کے بجائے پابندی اور خود مختاری کے بجائے غلامی نصیب ہوگی اور بنی اسرائیل تھے بھی اسی قابل۔ انبیا کو ستانا، انھیں قتل کرنا خدا کی نافرمانی کے بعد ان کا نام زشت و زبوں ہونا ہی چاہیے تھا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾

ترجمہ:

یقیناً مسلمان و یہودی اور نصرانی و صابی لوگوں میں جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں ان کو ان کے رب کی بارگاہ سے اجر ملے گا، اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے (۶۲)

اور جب ہم نے تم سے میثاق (عہد) لیا اور ہم نے طور کو تمھارے سروں کے اوپر معلّق کیا۔ جو ہم نے تمھیں (پیام) دیا اسے مضبوطی سے سنبھالو، اور جو کچھ اس میں ہے اس کا دھیان رکھو! تاکہ تم متقی بن سکو (۶۳)

اس کے بعد تم نے روگردانی کی، پھر اگر اللہ کا فضل و رحم تم پر نہ ہوتا تو تم سب گھاٹا اٹھانے والے ہوتے (۶۴)

اور یقیناً تم اپنے ان آدمیوں کو تو جانتے ہو جنھوں نے "سبت" کے بارے میں زیادتی کی، تو ہم نے ان سے کہا: تم (مسخ ہو کر) ذلیل بندر ہو جاؤ (۶۵)

ہم نے اس واقعہ کو، جن کے سامنے ہوا تھا اور ان کے بعد والوں کے لیے، عذاب (وعبرت) اور متقیوں کے لئے نصیحت قرار دیا (۶۶)

تفسیر:

۶۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا ....

آیت میں یہودیوں کی قومیت کو رد کیا گیا ہے، وہ خدا کے قبیلے، بخشے ہوئے خاندان اور تنہا خدا پرستی کے ٹھیکیدار ہونے کے مدعی تھے، اللہ نے گذشتہ زمانے کی نعمت شماری و استحقاقِ عذاب کے بعد ارشاد فرمایا کہ مسلمان، یہود، نصاریٰ اور صابی چار گروہ ایک ہی زمرے میں شامل ہیں، ان میں سے کوئی بھی صرف گروہی بنیاد پر عفو و اجر کا مستحق نہیں، بلکہ خود مسلمان بھی جب تک توحید و قیامت پر مضبوط عقیدہ اور حسب فرمانِ الٰہی اعمال بجا نہیں لاتے انعام و جزا نہیں پائیں گے۔ ہاں، عقیدۂ توحید و اطاعتِ رسولؐ کے بعد دنیا و آخرت میں عذاب سے بے خوف رہنا چاہیے۔

۶۳۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ ....

۶۴۔ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ....

ایک بات ہو تو کہی جائے یہ بنی اسرئیل عجیب ہیں اللہ نے انھیں اپنے عظیم دین کا ذمہ دار بنایا ان سے کہا کہ موسیٰ پر عقیدہ رکھو، تورات کا احترام کرو۔ قانون کے پابند رہو۔ اس بات کو دل نشیں کرانے کے لیے کوہ طور کا ایک حصہ اتنا بلند کیا کہ سروں پر آگیا۔ اس معجزے کو دیکھ کر انھیں عقیدہ و عمل میں استواری اور راہ تقویٰ میں پائیداری حاصل کرنا چاہیے تھی۔

لیکن انھوں نے عہد شکنی کی۔ اس کے باوجود اللہ کی رحیمیت و رحمانیت آگے بڑھی ورنہ یہ لوگ بڑے عذاب سے دوچار ہوتے۔

---

[1] صابئ: ایک قدیم گروہ جو اصولاً بعض انبیاء یا سلف کو مانتا ہے، مگر اس کی کتاب/کتابیں الگ، دستور الگ اور تاریخ الگ ہے۔ ان کے چند فرقے ہیں۔ کچھ موحد ہیں۔ کچھ مشرک۔ کچھ ستارہ پرست، کچھ بتوں کو بھی مانتے ہیں۔ آج کل یہ لوگ، حرّان و اہواز و عراق میں پائے جاتے ہیں۔

۶۵۔ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ . . . .

۶۶۔ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا . . . . . .

بنی اسرائیل کے لیے ہفتہ کا دن محترم تھا اس دن شکار کھیلنا منع تھا۔ مگر شرپسند لوگ حسب دستور مخالفت پر اتر آئے اور مچھلیاں پکڑنے لگے۔ جب جرم کا احساس ختم ہو جائے اور آدمی سمجھانے بجھانے سے باز نہ آئے تو سزا میں سختی حکمت کے مطابق ہے اور اس حالت میں سزا نہ دینا بسا اوقات قانون کی اہمیت کھو دیتا ہے۔ چنانچہ ان بدکاروں کے لیے اللہ نے فضا میں کوئی ایسی تبدیلی کی جس کے اثر سے، یا پھر ایسا عذاب بھیجا کہ آناً فاناً سب بندر بن گئے اور تین دن میں سب تمام ہو گئے (خاسئین کے معنی ہیں، ہر خیر سے دور، ہر بھلائی سے بے نصیب)

یہ سزا، اللہ نے معاصر قوموں کے لیے عبرت اور مستقبل میں آنے والوں کے لیے نصیحت قرار دی۔
امام محمد باقر علیہ السلام نے "وما خلفها" سے مسلمان مراد لیے ہیں اور اسی قوم کے متقین کو واقعاً ان تذکروں سے تقوے کا درس زیادہ ملتا ہے۔

نیز ملاحظہ ہو سورۃ الاعراف ۱۶۳ ــ ۱۶۶۔ سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶۰۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ
قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا
بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا
مَا تُؤْمَرُوْنَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ
قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۝
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ

وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا
بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ
فِيْهَا قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

ترجمہ :

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا، اللہ تم کو تاکید حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔ ان لوگوں نے کہا: کیا تم ہم سے دل لگی کرتے ہو؟ موسیٰ نے کہا: میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ جاہل بنوں (۶۷) ان لوگوں نے کہا: اپنے رب سے ہماری خاطر درخواست کرو کہ وہ ہمیں بتائے کہ گائے کیسی ہو؟ موسیٰ نے کہا: وہ تاکید فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ بہت بوڑھی ہو نہ بچھیا، ان دونوں میں اوسط درجے کی ہو۔ جو حکم تم کو دیا گیا ہے اسے فوراً بجالاؤ (۶۸) انھوں نے کہا: اپنے رب سے ہماری خاطر یہ درخواست کرو کہ وہ ہمیں بتائے کہ اس گائے کا رنگ کیا ہو؟ موسیٰ نے کہا: وہ تاکید فرماتا ہے کہ وہ گائے حتمی طور پر خوب گہرے زرد رنگ کی ہو، دیکھنے والوں کو خوش کر دے (۶۹) ان لوگوں نے کہا، اپنے رب سے درخواست کرو کہ وہ ہمیں واضح کرے کہ وہ گائے ہو کیسی؟ بلاشبہ گائے تو ہمارے لیے مبہم بن گئی ہے۔ اور اگر خدا نے چاہا تو ہم پتہ لگالیں گے (۷۰) موسیٰ نے کہا: وہ تاکید فرماتا ہے کہ وہ گائے حتمی طور پر نہ اتنی سدھی ہوئی ہو کہ زمین جوتے نہ کھیتی سینچنے والی ہو۔ اچھی خاصی، یک رنگ، بے داغ ہو۔ ان لوگوں نے کہا: اب مطلب کا حق تم لوگوں نے ادا کیا۔ پھر انھوں نے ایسی گائے ذبح (تو) کی لیکن وہ یہ کرنے پر مائل نہ تھے (۷۱)

تفسیر :

۶۷۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ . . . . . .

گائے کا قصیہ ــــ اسی تذکرے کی بنا پر اس سورت کا نام "البقرہ" مشہور ہے۔ یہ عجیب و غریب

قوم جسے حضرت موسیٰؑ جیسے عظیم نبی نے مصریوں کی غلامی سے نجات دلائی، جو فرعون کو شکست دے کر ان سب کو ارضِ مقدس کی طرف لائے۔ حق تو یہ تھا کہ سب ان کے شکرگذار و اطاعت شعار ہوتے مگر اس قوم نے ایک بات بھی خوشی سے نہ سنی اور ایک کام بھی اطاعت گذاری کے طور پر انجام نہ دیا۔ نتیجہ میں قیامت تک کے لیۓ ملعون ٹھہری۔ قرآن مجید تمام انسانوں کو ان کی تاریخ و کردار سے مطلع کر کے ہدایت کی راہیں روشن کرتا ہے۔

گائے مصریوں کے یہاں مقدس تھی، بنی اسرائیل نے مصر میں رہ کر اس جانور سے محبت سیکھی آقاؤں کو مدتوں پوجا کرتے دیکھا تو خود بھی پوجا کرنے لگے ہوسیٰ علیہ السلام نے ہر قسم کے بتوں کو توڑا حتیٰ کہ فرعون کو (جو انسان نما بت تھا) سرنگوں کیا۔ ان کی اس توحید خالص کے نظام میں جانور پرستی کیسے روا ہوسکتی تھی؟ اللہ نے حکم دیا، موسیٰؑ! انھیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دو۔ سادہ سی بات تھی، گائے ذبح کر دیتے، فرمانبرداری کی سند ملتی اور نبی کا مدعا بھی پورا ہوجاتا، مگر انھوں نے تابڑ توڑ سوال پر سوال کیے اور آخر میں چھوٹا منہ بڑی بات کہہ ڈالی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کیا کرایا اکارت گیا۔ اور نفرین کا قلادہ گردن میں پڑا۔

موسیٰؑ نے کہا: گائے ذبح کرو۔ انھوں نے اسے مذاق کہا۔ حضرت موسیٰؑ نے یہ نہیں کہا کہ، میں مذاق نہیں کرتا۔ یہ فرمایا۔ کہ خدا کی پناہ میں اور نادانوں کی بات کروں۔ یعنی دین و احکام کے معاملے میں مذاق کرنا، بے وقوفوں، بے علم اور ناسمجھ لوگوں کا شیوہ ہے۔ مومن و عالم ایسے مقامات پر سرِ تسلیم جھکاتے ہیں چہ جائے کہ ایک اولوا العزم نبی۔ مگر یہ جواب سننے کے بعد بھی وہ لوگ چپ نہ رہے۔

۶۸ ۔ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا ....

پہلا سوال یہ کیا: موسیٰؑ! وہ ہو کیسی؟ لیکن اس بات کے لیے دو گستاخانہ باتیں کیں ۱۔ آپ خود جواب نہ دیں، خدا سے پوچھ کے بتائیں ۲۔ خدا ہی سے نہیں۔ اپنے خدا سے۔ ہمارے لیے پوچھیں۔ پھر سوال بھی یہ کہ "ماھی" وہ ہے کیا؟ وہ ہو کیسی؟ گائے، یعنی چہ!

جناب موسیٰؑ نے نہایت نرمی سے فرمایا، خدا کی رضا ہے کہ گائے اوسط عمر، اوسط درجے کی ہو۔

توحید ۱۴

فافعلوا ما تؤمرون ۔ جس کا حکم دیا گیا اس کی تعمیل جلدی سے کر ڈالو۔ اسی میں بندگی کا اظہار ہے یہی طریقۂ مومن ہے۔ حضرت موسیٰؑ تربیت و اصلاح کردار چاہ رہے ہیں۔

۶۹۔ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْنُهَا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

قوم نے دوبارہ اسی بگڑے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ اپنے رب سے پوچھ کر ہمیں اس کا رنگ بتائیے؟ حضرت نے فرمایا: اللہ کا حکم ہے، گائے زرد اور جاذبِ نظر رنگ کی ہو۔
عمر معلوم کر کے چپ نہ ہوئے، رنگ پوچھا، تسلی نہ ہوئی۔

۷۰۔ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۔ ۔ ۔ ۷۱۔ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ ۔ ۔ ۔ ۔

کہنے لگے، اپنے رب سے یہ بھی پوچھیے۔ وہ ہو کیسی؟ یعنی وہی پہلا سوال، وہی الفاظ، وہی سرکشی۔ اضافہ یہ کہ، گائے کی دو صفتیں اور مطلوبہ عمر و رنگ سمجھنے کے بعد بھی ۔ حکم مشتبہ ہے مسئلہ صاف نہیں ہوا جواب ملا۔ ہل چلانے اور کنویں سے پانی کھینچنے والی نہ ہو۔ وہ پھر بھی کم قیمت مل جاتی۔ یک رنگ خوشنما زرد ہو اور ایسی کہ دوسرے رنگ کا ذرا سا بھی نشان نہ ہو۔ تاکہ ایسی گائے تلاش کرنے میں زحمت اور قیمت میں زیادتی برداشت کرنا پڑے۔

قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

پانچویں مرتبہ پھر بولے۔ اب آپ حق لائے۔ گویا، اب تک جو ہوا وہ کچھ اور تھا۔ نعوذ باللہ۔
یہ ہے سرکش انسان کے ضمیر کی پستی۔
بہر حال، با دل ناخواستہ، گائے ذبح کی۔ اور اگر اللہ، اس قدر اصرار نہ کرواتا اور موسیٰ ذرا بھی چپ ہو جاتے تو گائے کی محبت میں وہ یہ عمل انجام نہ دیتے۔
آج بھی کبھی کبھی منیٰ میں جانوروں کی قربانیوں پر کچھ اسی قسم کے خیالات سننے میں آتے ہیں۔ قرآن مجید نے اپنے معجزہ آفرین انداز میں ان کو بہت پہلے سمجھا دیا کہ جب ایک کام کرنا ہے تو اپنی پسند کے لیے نہیں اپنے خدا کی رضا کی خاطر اور حق بندگی ادا کرنے کے لیے ہنسی خوشی انجام دو کہ انعام پاؤ اور متقی کہلاؤ۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْىِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِىَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ :

اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا، پھر تمہارے اندر اس بارے میں پھوٹ پڑ گئی، اور اللہ، وہ بات ظاہر کرنا چاہتا تھا جسے تم چھپانا چاہتے تھے (۷۲) لہذا ہم نے کہا، اس گائے کا کوئی ٹکڑا لے کر اس (مردہ) کے جسم پر مارو، یوں اللہ مردے کو زندہ کرتا ہے اور تم کو اپنی آیتیں دکھاتا ہے تاکہ عقل کو استعمال کرو (بات سمجھو) (۷۳) اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے۔ وہ دل پتھر جیسے یا اس سے بھی زیادہ سخت (ہو بے درد) حالانکہ پتھروں میں ایسے پتھر بھی ہیں جن سے پانی نکلتا ہے، ان میں ایسے بھی ہیں جو خوفِ خدا سے گرتے ہیں۔ اور اللہ، جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے غافل نہیں ہے (۷۴)

تفسیر :

۷۲۔ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا . . . .

فادّارأتم : دَرَءَ ۔ دفع کیا۔ ادّرء (اُختُلِفَ) ادّرأتم فیھا۔ تم نے اس معاملے میں جھگڑا کیا، ایک دوسرے کو قاتل ٹھہرایا (قاتل کا پتہ نہ بتایا)

۷۳۔ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا . . . .

گائے ذبح کرنے میں ان کی بحث گائے سے محبت کے علاوہ ان کی ایک کمزوری کا نتیجہ تھی، کسی نے اپنے قریبی رشتہ کے بھائی کو قتل کر دیا تھا، اور قاتل خود یا اس کا خاندان دوسرے شخص کو قاتل کہتا تھا جھگڑا تھا کہ قاتل کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام کے لیے دو صورتیں تھیں یا قتل کا فیصلہ نہ کریں یا خدا سے مدد لیں خدا کی طرف سے کہتے ہیں کہ فلاں قاتل ہے تو قوم جھٹلائے گی۔ اللہ نے ان لوگوں کی رسوائی و بدفطرتی خود ان کے ہاتھوں ظاہر کرنے کے لیے حکم دیا، گائے ذبح کریں، اس ذبیحہ کا ایک ٹکڑا مقتول کے بدن سے مس کریں، مقتول زندہ ہو کر خود بتائے گا، قاتل کون ہے۔ گائے کے معاملے میں وہ لوگ جھگڑے تو ایک جوان مومن کو اس کی گائے کے بدلے بڑی قیمت ملی (گائے کا مالک ایک بوڑھا تھا جس نے اپنے جواں بیٹے کے حسن کردار سے خوش ہو کر وہ رقم اسے دیدی) ذبیحہ کا ایک ٹکڑا چھوا یا گیا۔ مقتول نے زندہ ہو کر اپنا قاتل بتا دیا۔ واقعہ کی یہ ترتیب کردار نمایاں کرنے اور متعدد فوائد کے نقطۂ نظر سے معجزہ ہے۔

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

اس معجز نمائی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ مرنے کے بعد زندہ ہونے اور خدا کے قادر مطلق محی و ممیت ہونے کا عقیدہ مستحکم ہو جائے۔ جیسے یہ مردہ زندہ ہوا ہے اسی طرح خدا مردوں کو جس طرح چاہے زندہ کر سکتا ہے۔ اسی قسم کے دو واقعے اسی سورے کی آیت ۲۵۹ ــ ۲۶۰ میں بیان ہو رہے ہیں

۷۴۔ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ . . . .

معجزہ دیکھنے، اور ایک نبی سے بحث کرنے اور وحی کے بعد وحی سننے کے بعد عقل روشن ہونا چاہیے تھی مگر ان کے اور تم یہودیوں کے احساسات مردہ اور دل پتھر بلکہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ قرآن (مشبہ بہ) پتھر اور پہاڑ کی خوبیاں بیان کرتا ہے۔

(الف) پتھروں سے چشمے پھوٹتے ہیں۔ خود عصائے موسیٰؑ سے پتھروں نے پانی دیدیا تھا

(ب) پتھر خوف خدا سے ریزہ ریزہ ہوتے ہیں۔ طور کا عالم دیکھا جا چکا ہے۔ مگر بنی اسرائیل

وہی پتھر بلکہ اس سے بدتر ثابت ہوئے (یعنی مشبہ وجہ شبہ میں ادنی ہے) اس تشبیہ سے مذمت میں تاکید کا فائدہ ہوا جو اعجاز کلام کی ایک جہت ہے۔

آخر میں تنبیہ ہے۔ کہ اللہ، ہر ایک کے عمل سے باخبر ہے، کوئی یہ نہ سمجھے کہ نیتوں کے بھید اور خفیہ کام اس پر عیاں نہیں۔

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ
مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ
وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا
وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ
عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ أَوَلَا
يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝ وَمِنْهُمْ
أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا
يَظُنُّونَ ۝ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ
ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ
فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ۝

ترجمہ:

کیا تم لوگ آرزو رکھتے ہو کہ یہ (تمھارے قانون و نظام پر) تمھارا جیسا ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان میں سے ایک گروہ وہ تھا جو، کلام اللہ کو سنتا اور سمجھنے کے بعد اسے الٹ پلٹ کر دیتا تھا، اور وہ سب جانتے بوجھتے تھے (۷۵) اور جب ایمان لانے والوں سے ملتے تو کہتے ہم ایمان لاچکے، اور جب آپس میں ایک دوسرے سے ملتے تو کہتے کیا (مسلمانوں کو) تم وہ بتا دو گے جو اللہ نے تم پر عیاں کیا ہے؟ اس طرح وہ تمھارے

رب کے حضور تم پر حجّت تمام کریں گے، کیا تم عقل کھو بیٹھے ہو؟ (۷۶) لیکن کیا وہ لوگ
یہ نہیں جانتے کہ بلاشبہ اللہ، جو (باتیں وہ) چھپاتے ہیں اور جو علانیہ کرتے ہیں انھیں
خوب جانتا ہے (۷۷) اور ان میں سے کچھ ان پڑھ (عوام) ہیں جو کتاب خدا کو چند
خیالات و مجموعۂ تمنّا کے سوا کچھ نہیں جانتے وہ لوگ پندار میں مبتلا ہیں (۷۸) ان لوگوں
پر عذاب، جو کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ کر (اپنی اپچ سے تفسیر کر کے) کہتے ہیں یہ اللہ
کی طرف سے ہے، مقصد یہ ہے کہ تھوڑی سی قیمت پر اسے بیچ ڈالیں، مگر وائے اس
پر کہ جو ان کے ہاتھوں نے لکھا اور وائے ان پر کہ جو (اور جس طرح کہ وہ) کماتے ہیں (۷۹)

تفسیر

۷۵۔ اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَکُمۡ . . . .

بنی اسرائیل کے یہ کردار اس تفصیل سے یوں بیان کیے گئے کہ مسلمان سوچتے تھے کہ یہودی
جلد ہی ایمان لے آئیں گے۔ ان کے پاس توریت اور اس کا علم ہے، ہمارے نبیؐ کے اوصاف سے
باخبر ہیں۔ مخلص مسلمانوں اور سادہ لوح عوام کی یہ خواہش کہ یہودی جلدی اسلام قبول کر لیں، ان کے لیے
نفسیاتی پریشانی بنی ہوئی تھی۔ ان لوگوں کو وحی کے ذریعے حوصلہ دیا گیا اور قرآن نے سمجھایا کہ یہ لوگ
اور دعوت حق قبول کریں؟ ان کے باپ دادا جو حضرت موسیٰؑ سے براہ راست کلام خدا سن کر
تحریف کیا کرتے تھے، بات سمجھتے تھے مگر الٹ دیتے تھے، جانتے تھے۔ مگر جھوٹ سے باز نہ آتے
تھے۔ پھر یہ کیا ماننے والے بن سکیں گے۔

۷۶۔ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا . . . .

آج ان کا حال تمھارے سامنے ہے، مومنوں سے ملتے ہیں تو مدعی ایمان اور اپنوں میں
بیٹھتے ہیں تو جواب طلبیاں کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے پاس کیوں گئے تھے؟
امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا، کچھ یہودی بہت زیادہ دشمنی کا اظہار نہ کرتے تھے بلکہ

مسلمانوں کو تورات میں لکھی باتوں کا حوالہ بھی دے دیتے تھے۔ یہ خبر سربراہوں نے سنی تو انہوں نے ڈانٹا کہ محمدؐ کے اوصاف تورات کے حوالے سے کیوں بتاتے ہو۔ تمھاری اس بات سے تمھارے خدا کے حضور مسلمانوں کی حجت تمام ہو جائے گی اور تم رسوا ہو گے تم عقل کھو بیٹھے ہو، پاگل ہو گئے ہو۔

بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ـــ جو راز، جو معانی اللہ نے تمھیں بتائے ہیں۔ اس مقام پر ہمارے لیے یہ درس ہے کہ تعلیمات الٰہی کے بیان کرنے میں ملامت کرنے والوں کی پرواہ نہ کرنا چاہیے۔

۷۷۔ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ . . . .

کیا ان یہودیوں کو یہ معلوم نہیں کہ ان کے تعلیماتِ تورات چھپانے اور نبی آخر الزّمانؐ کی دشمنی دل میں رکھنے، اور زبانی اظہار ایمان یا انجان بننے کی حقیقت کو اللہ جانتا ہے؟ نہیں، یہ خوب جانتے ہیں کہ اللہ، عالم ظاہر و باطن ہے۔ دراصل حق جاننے کے بعد چھپانا بدترین بات ہے۔

۷۸۔ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ . . . .

امانی: جمع اُمْنِيَّہ: جھوٹ۔ خودساختہ تمنّائیں۔ پندار۔ تلاوت۔

صورتِ حال یہ ہے کہ ان میں کچھ لوگ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے، تورات کے تعلیمات سے بے خبر ہیں، تحریف پسند ربّیوں سے جو سنا، اسی کے مطابق اعتقاد بنالیا، وہ اپنے پندار و گمان میں مگن ہیں، کبھی آباؤاجداد کی بڑائیوں کا خیال کرتے ہیں کہ "نحن ابناء اللّٰہ"۔ مائدہ ۱۸۔ کبھی کہتے ہیں "لن تمسّنا النار الّا ایّامًا معدودۃ۔" ہمیں تو کچھ ہی دن دوزخ جلاسکے گا۔ ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا۔ بھلا ایسوں سے عقل و خرد کی بات ماننے کی توقع ہی کیا۔ یہ فقط کل کی بات نہیں، آج بھی علم و خرد سے ہاتھ دھونے والوں اور سنی سنائی باتوں کو گرہ میں باندھ کر بزعم خود غلط اندیش آدمیوں کا یہی حشر ہے۔

۷۹۔ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ . . . .

ویل: ہلاکت۔ تباہی۔ تباہی و بربادی کے وقت کہتے "ویلٌ"۔

توحید ۲۰

عذاب و تباہی ان لوگوں کے لیے جو اپنی لکھی ہوئی باتوں کو خدا کا پیام و کلام بتاتے ہیں، ان تحریروں اور دعووں کا مقصد ان کی تھوڑی سی قیمت اور چند ٹکے ہیں، بربادی ہے، جو ان کے ہاتھوں نے لکھا اور ہلاکت ہے، جو انھوں نے کمایا۔ اللہ کی کتاب میں من مانی تاویلیں اور کلام اللہ میں رد و بدل، چند پیسوں کی خاطر نبی کریمؐ کے صفات جو توراۃ میں لکھے ہیں انھیں بدلنا۔ صرف دوکانداری کے لیے منشاء باری کو بدلنا سخت نفرین کا سبب ہے اس لیے ایک آیت میں تین مرتبہ "ویل" کہا گیا ہے۔ نعوذ باللہ۔ کل کے یہودی آج کے وہ لوگ ہیں جو بقول اقبالؔ ؎

آہ محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق
خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ بَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

ترجمہ :

اور وہ لوگ کہتے ہیں ہمیں گنتی کے چند دنوں کے سوا آگ چھوے ہی گی نہیں۔ آپ (جواب میں) کہیے کیا تم لوگوں نے اللہ سے عہد لے رکھا ہے کہ اللہ (تمھارا پابند ہوگیا)۔ اپنے قول و قرار کے خلاف ہرگز نہ کرے گا۔ یا اللہ پر بے سمجھے بوجھے طوفان باندھتے ہو۔ (۸۰) ہاں! جو برے کرتوت کرے گا اور اس کی خطائیں اسے گھیر لیں گی۔ وہی جہنمی ہیں۔ وہ سب اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں (۸۱) اور جو لوگ ایمان لائے، جنھوں نے اچھے کام کیے وہ جنتی لوگ ہیں وہ اس بہشت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں (۸۲)

تفسیر

۸۰۔ وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا . . . .

یہودی اپنے تئیں اونچی ذات، خدا کا فرزند (نعوذ باللہ) جانتے اور لوگوں میں پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ، ہمارا کیا، جہنّم میں گئے بھی تو صرف اتنے دن جن میں گوسالہ پرستی کی تھی یا سات دن مدّتِ تخلیق آسمان آگ ہماری اوپری جلد کو مس کرے گی اور بس، غرور و خود فریبی۔ لن تمسنا الناس۔ کا زور ہرگز ہرگز آگ چھوئے گی نہیں مگر چند روز۔ جواب کا تیور و جلال دیکھیے۔ "ہرگز" کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے خدا سے دستاویز لکھوالی ہے؟ ذرا ان سے پوچھیے۔ اگر ایسا نہیں۔ یعنی ہرگز ایسا نہیں اللہ عادل ہے، وہاں رحم کی درخواست تو ہو سکتی ہے مگر قانونِ انصاف کے خلاف فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی اس کے خلاف کہتا ہے تو خدا پر بہتان باندھتا ہے۔ اس کا قانون دیکھنے کے لیے نہیں عمل کے لیے بنا ہے۔ عمل کے بعد جزا و سزا نہ ہو تو فائدہ ہی کیا؟ (دیکھیے آیت ۱۱۱)

آیت نمبر ۹۴ میں یہی خیال اور اس کا جواب آرہا ہے۔

۸۱۔ بَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً . . . .

امامؑ نے فرمایا ہے "سیئہ محیطہ" یہ ہے کہ آدمی گناہ پیشہ بن کر حدودِ آئینِ خدا سے یکسر نکل جائے ولایتِ خدا و رسولؐ و ائمہ کا عملاً منکر بن جائے، یہی شرک بخدا اور یہی کفر بہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و دشمنی ائمہ علیہم السلام ہے۔ اس کے بعد آدمی نہ مستحق رحم ہے، نہ حقدار شفاعت۔

۸۲۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ . . . .

جو لوگ ایمانِ تابدار اور عمل صالح کے مالک ہیں، راہِ رضا پر چلتے رہے۔ ایسے مومن عقیدۂ توحید و اتباعِ سنت و پیروی اہل بیتؑ کو نصب العین بنائے رکھنے کی وجہ سے ہمیشہ جنّت میں رہیں گے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ
لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ
وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا
الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ
مُعْرِضُونَ ۝ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ
وَلَا تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ
تَشْهَدُونَ ۝ ثُمَّ أَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ
فَرِيقًا مِنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ تَظَاهَرُونَ عَلَيْهِمْ بِالْإِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ وَإِنْ يَأْتُوكُمْ أُسَارَىٰ تُفَادُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ
عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ
بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ
وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ أُولٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ
يُنْصَرُونَ ۝

ترجمہ :

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے "میثاق" لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین، یتیموں اور مسکینوں سے حسن سلوک کرنا اور لوگوں سے بات اچھی کرنا، اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دیتے رہنا۔ اس کے بعد تم میں سے کچھ افراد

کے علاوہ تم سب منحرف ہو گئے، اور تم ہی لوگ منہ پھیرنے والے ہو (۸۳)

اور جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا کہ تم آپس میں خونریزیاں نہ کرنا اور اپنے لوگوں کو اپنی بستیوں سے نہ نکالنا، پھر تم نے اقرار کیا اور تم اس کے گواہ بھی ہو (۸۴)

پھر وہی تم ہو کہ خود اپنوں کو قتل کرتے ہو اور ایک گروہ کو ان کی بستیوں سے نکالتے ہو، ان کے خلاف گناہ اور زیادتی کرنے میں ایک دوسرے کی پشت مضبوط کرتے ہو اور اگر تمہارے پاس قید کرکے لائے جاتے ہیں تو تم خود ان کا فدیہ لیتے ہو۔ حالانکہ تم پر ان کا نکالنا ہی حرام کر دیا گیا تھا۔ کیا تم لوگ "کتاب" (تورات) کے بعض حصے کو مانتے ہو اور کچھ حصے کے منکر ہو؟ اب تمہاری سزا تو یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں ناکام و رسوا رہو اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں دھکیل دیے جاؤ۔ اور اللہ، جو کچھ تم کرتے ہو (اس سے) غافل نہیں ہے (۸۵)

یہی لوگ ہیں جنھوں نے آخرت کے بدلے زندگانی دنیا خریدلی، اس کے بعد نہ ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی اور نہ وہ لوگ مدد سے نوازے جائیں گے (۸۶)

تفسیر:

۸۳۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ . . . .

۸۴۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ . . . .

یہود مدینہ کو تنبیہ کی جارہی ہے اور تمام مسلمانوں کو عہد قدیم یاد دلایا جارہا ہے۔ وہ میثاق جو آج بھی تعمیر ذات و معاشرہ کے لیے بلکہ نظم و نسق ملک و ملت کے لیے ہدایت آفرین ہے۔

یاد کرو! ہم نے تمھارے بزرگوں سے عہد لیا تھا:

۱۔ صرف اللہ کی عبادت کرنا اور کسی کو معبود نہ سمجھنا۔

۲۔ ماں باپ پر احسان اور حسن سلوک کرنا۔ اللہ کے بعد یہ دونوں تربیت آدم زاد

کے ذمہ دار ہیں۔ ان کا احترام خدا کے بعد، ان پر احسان دوسروں سے پہلے اس لیے کہ آداب بندگی وسلیقہ اطاعت وسرداری آجائے۔

۳۔ رشتے داروں، یتیموں اور نادار لوگوں کو نوازتے رہنا کہ سرمایہ داری کی خو اور عوام کو ادنیٰ درجے کا سمجھنے کی حس پیدا نہ ہونے پائے۔ غرور نہ آجائے۔ الگ الگ رہنے کی عادت سے معاشرے میں ہم آہنگی نہیں رہتی۔

۴۔ ہر انسان سے شیریں زبانی اور نرم گفتاری برتنا۔

۵۔ نماز پڑھتے رہنا۔ کہ حضور خدا میں حاضری سے احساسات متأثر و لطیف ہوتے ہیں۔ انسان پر یہ سب سے پہلا حق ہے۔ یہ حق اللہ کی طرف سے ہے۔

۶۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ اس میں غریبوں کا حق ہے۔ حق الناس ہے۔

۷۔ باہم خوں ریزی نہ کرنا۔ امن انسانی اقدار کے فروغ کا باعث ہے، جنگ درندگی اور بداخلاقی کو جنم دیتی ہے۔

۸۔ کسی کو اس کے گھر یا وطن سے نہ نکالنا۔ اس سے زندگی بے لطف اور معاشرتی مشکلات پیدا ہوتے ہیں۔

۹۔ جب کوئی بنی اسرائیلی قید ہو، تو سب اس کی رہائی کی قانونی سعی کرنا، فدیہ دینا یا ضمانت ادا کرنا۔

توراتی یہ عہد نامہ تھا، اسلام نے بھی اس کے بارے میں تاکید فرمائی۔ یہ اللہ کا نظام ہے اسرائیلی، نظام خداوندی سے منحرف ہو کر ذلیل اور قانونی مراعات سے محروم ہو گئے۔ انہوں نے نہ اللہ کے حق ادا کیے نہ بندوں کے۔ معدودے چند افراد پابند اصول البتہ رہے۔

۸۵۔ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ . . . .

ان سب باتوں کو جاننے اور میثاق خدا کے بعد تم اے اہل یثرب! آپس میں جنگ و قتل و جلاوطنی و قید و بند کے عمل کر رہے ہو، پھر مزہ یہ ہے قیدیوں کو چھڑاتے ہوئے شرارت کرتے ہو۔ خود قید کرتے اور خود جرمانہ وصول کرتے ہو پھر تورات کا حوالہ دیتے ہو؟ شرم کرو! اپنا محاسبہ

توحید ۲۵

کرد۔ اس عمل کی سزا دنیا و آخرت میں بہت سخت ہے ۔ اور یہ بنی اسرائیل ہی کے ساتھ نہیں،
خدا کا عام دستور یہی ہے کہ پیامِ خدا کو مانو تو سب کچھ مانو، ورنہ سزا سے بچ نہیں سکتے ۔

بنی قریظہ اور قبیلہ اوس یہودی تھے، دونوں میں باہمی فوجی معاہدہ تھا، ان کے حریف خزرج
بت پرست تھے، ان کا معاہدہ بنو نضیر کے ساتھ تھا۔ جنگ کے موقع پر خوب لڑتے تھے۔ جنگ کے بعد
قیدیوں کی رہائی میں تورات کے حوالے دیکر کام نکالتے تھے۔ قرآن میں ان لوگوں کی سرزنش
کی گئی ہے۔

بعض روایات کے مطابق " ثُمَّ اَنْتُمْ ہٰؤُلَاءِ " کے مخاطب اس وقت کے مسلمان ہیں، کہ تم خاندانِ
رسالتؐ، سیدالشہداءؑ اور اصحابِ پیغمبرؐ ابوذرؓ جیسوں کے ساتھ یہ سلوک نہ کرنا ورنہ رسوائی بھی ہوگی
اور عذاب کے مستحق بھی ہوگے ۔ اور آج بھی یہ تنبیہ برقرار ہے ۔

۸۶۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا . . . .

فسادی لوگ، قانونِ الٰہی کے ایک حصے کو ماننے کا دعویٰ کرنے والے دنیا کے بندے ہیں
انھوں نے دین کا دنیا سے سودا کرلیا ہے ۔ اس لیے وہ شفاعت سے محروم اور پوری سزا کے مستحق
ہوں گے ۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا
مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ
بِرُوْحِ الْقُدُسِ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ
اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝ وَقَالُوْا
قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب (تورات) دی اور ان کے بعد بہت سے پیغمبروں کو
ان کے قدم بہ قدم لے چلے اور عیسیٰؑ بن مریمؑ کو واضح و روشن معجزے دیے اور

ان کی روح القدس (جبرئیل) کے ذریعے مدد کی۔ کیا تم (اس قدر بد دماغ ہو گئے ہو کہ) جب کوئی پیغمبر تمہارے پاس تمہاری خواہش نفسانی کے خلاف کوئی حکم لے کر آیا اور تم اکڑ گئے اس کے بعد کچھ لوگوں نے ان (پیغمبروں) کو جھٹلایا اور کچھ لوگوں نے ان کو قتل کر دیا (۸۷) اور انھوں نے کہا "ہمارے دل غلافوں میں ہیں" (یہ بات نہیں) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی ہے۔ تو (ان میں سے) کچھ لوگ ہی ایمان لاتے ہیں (۸۸)

تفسیر:

۸۷۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ . . . .

مذکورہ بالا میثاق اور اس کی تفصیل کتاب کی صورت میں وحی کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی گئی۔ یہ کتاب اتنی جامع تھی کہ اس کے انبیاء اور صاحبان صحف کے لیے عرصے تک بطور دستور باقی رہی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو اللہ نے ان کو مزید معجزات دیے۔ روح القدس یعنی جبرئیل کے ذریعے ان کی امداد کی اور انھیں انجیل دی۔

مگر تمہارا دستور یہی رہا کہ پیغمبر اگر تمہاری خواہش کے مطابق حکم دیتے تو قبول کرتے اور خلاف پسند بات کہتے تو اپنی بڑائی اور عقلمندی جتاتے۔ کچھ پیغمبروں کو ماننے سے انکار کیا، کچھ پیغمبروں کو تم نے قتل کیا۔ کسی بھی قوم کی بات ہو اصول یہ ہے کہ رسول خدا کو مانو تو اس کے ہر حکم کو برحق جانو، تب جا کر بندگی کامل ہوتی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

فبعث فیهم رسله وواتر الیهم انبیاءه . . . .

پھر اللہ نے ان انسانوں میں اپنے رسول بھیجے اور لگاتار پیغمبروں کا سلسلہ جاری فرمایا تاکہ وہ اس آدم زاد سے اس کی فطرت کے تقاضوں کو پورا کرائیں اور فراموش شدہ نعمتوں کو یاد دلائیں، پیغام خدا پہنچا کر حجت تمام کریں اور چھپی ہوئی عقل کی قوتوں کو بیداری بخشیں۔

۸۸۔ وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ .... ۔

سرکشی جب بڑھ جائے تو آدمی کہتا ہے، ہم سنتے ہی نہیں ۔ ہماری عقل پر تو پتھر پڑ چکے ہیں یہودی کہتے تھے " دل غلافوں میں بند ہو گئے "۔ احساسات مر چکے ہیں اثر کیسے ہو ؟ آپ بیکار یہ باتیں کرتے ہیں ۔ جواب ملا ۔ اس انکار شدید کی بنا پر ان لوگوں پر اللہ لعنت کرتا ہے ۔ ان سے بات ہی نہ کرو یہ ایمان لانے والے نہیں ۔ ان میں بہت کم افراد ایمان قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ أَن يَكْفُرُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ بَغْيًا أَن يُنَزِّلَ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ ۚ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٩٠﴾

ترجمہ :

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے (قرآن جیسی) کتاب آگئی ، وہ اس کی تصدیق بھی کرتی ہے جو (تورات) ان کے پاس ہے ۔ اور وہ لوگ اس سے پہلے (کہ قرآن و نبی آخر الزماں آئے) کافروں پر فتح یاب ہونے کی دعائیں کیا کرتے تھے ۔ جب ان کی جانی بوجھی چیز (شخصیت یا کتاب) آگئی تو انکار کر بیٹھے ۔ اس کے بعد ان کافروں پر اللہ کی لعنت ہے (۸۹) انھوں نے جس چیز کے بدلے اپنی ضمیریں بیچی ہیں وہ کس قدر قابل نفرت ہے ۔ اللہ نے اپنے بندوں میں سے جس بندے پر چاہا اپنے فضل (و کرم) سے جو چاہا نازل کیا (کتاب ہو یا منصب) اب اس حسد کی بنا پر اللہ نے جو کچھ نازل کیا اس سے انکار کر بیٹھے ۔ اس کے بعد وہ (منکر) اللہ کے

غضب در غضب کا نشانہ بن گئے۔ (وہ قہر الٰہی میں گھر گئے) اور کافروں کے واسطے
رسوا کن عذاب ہے (۹۰)

تفسیر:

۸۹۔ وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ ....

یہودیوں کو آنحضرتؐ کے ظہور کی خبر تھی، ان کے دانشور آپ کی آمد و بعثت کے منتظر بھی تھے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق یہودیوں کو مقام ہجرت بھی معلوم تھا اسی لیے ان کا ایک گروہ، تیما، فدک اور خیبر تک پہنچا جہاں کوہ عیر و احد تلاش کر کے انھیں یقین ہو گیا کہ تورات کے تمام علامات اسی علاقے میں پائے جاتے ہیں۔ انھوں نے واقفان حال کو خط بھی لکھے کہ ہم نے وہ جگہ پالی جہاں نبی موعود آئے گا (صافی) اور ہم اس کا ساتھ دے کر دشمنوں پر فتح پائیں گے۔

جب نبی اکرم، رسول خاتم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچے اور یہودیوں کے ربّی ملے تو انھوں نے سب کچھ سوچا سمجھا، جیسا پڑھا تھا ویسا پایا تو ان کی قومی خصلتیں پلٹ آئیں آج بھی بات اور شخصیت، انا اور ذات کی خاطر حق کو رد کیا جاتا ہے۔ کل بھی یہی ہوا تھا۔ کج روی کا مزاج یہی ہے کہ بحث کے بعد بات مانی جائے پھر اس کا تدریجی یا مجموعی انکار کر دیا جائے۔ قرآنی فلسفۂ تعلیم یہ ہے۔ اصول خداوندی مان لو۔ پھر جو حکم دیا جائے اس پر عمل کرو۔ اگر اقرار کر کے مکرو گے تو خدا کی لعنت کے مستحق ہو گے۔

۹۰۔ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ ....

اللہ نے ان لوگوں کی سرزنش فرمائی ہے جو اللہ سے اپنی خواہش کے مطابق احکام سننا چاہتے ہیں۔ اور جب اللہ ان کے پسند کے مطابق ان کے ہادی نہیں بھیجتا تو یہ لوگ انکار کر بیٹھتے اور مخالفت پر اتر آتے ہیں۔ حالانکہ اللہ مختار مطلق ہے کسی کو اس کے بھیجے ہوئے پیشوا

پر حق اعتراض کیسے ہو سکتا ہے ۔

وَاِذَا
قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا
وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ
قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ
وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ
الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا قَالُوْا سَمِعْنَا
وَعَصَيْنَا وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَ
مَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ :

اور جب ان سے کہا گیا کہ جو (قرآن) اللہ نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ ۔ انھوں نے (جواب میں) کہا ہم تو اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم (بنی اسرائیل) پر نازل کیا گیا ہے اور اس کے بعد جو (قرآن و اسلام) آیا اس کو نہیں مانتے ۔ حالانکہ وہ (کتابِ محکم) حق ہے اور جو ان کے پاس (تورات) ہے اس کی تائید بھی کرتی ہے ۔ (اچھا خیر) ان سے کہیے کہ پھر تم ماضی میں انبیاء اللہ کو قتل کیوں کرتے رہے ، اگر (ان پر) ایمان رکھتے تھے ؟ (۹۱) اور موسیٰ تمہارے سامنے صاف دلیلیں (کھلے معجزے) لائے اس کے باوجود ان کی عدم موجودگی میں تم لوگوں نے گاؤ سالہ (بچھڑے) کو (معبود) بنالیا ، اس حالت میں تم ہی ظالم تھے (اور تم ہی کفر ڈھا رہے تھے) (۹۲) اور جب ہم نے تمہارا قول و قرار لیا تھا اور طور کو تمہارے

اوپر لٹکا یا تھا، جو احکام ہم تم کو دیتے ہیں، عزیمت (و پختگی) سے لو اور سنو (بات پر دھیان دو) - (جن کو تم مومن کہتے ہو) انھوں نے کہا: ہم نے سن لیا مگر عمل نہ کیا۔ اور انکے دلوں میں ان کی بے ایمانی کی وجہ سے گوسالہ سما گیا تھا۔ آپ فرما دیں کہ جن کاموں کا حکم تمھارا (مفروضہ) ایمان تمھیں دیتا رہا وہ بہت ہی برے ہیں۔ اگر تم (بقول خود) اہل ایمان ہو (۹۳)

تفسیر:

۹۱- وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا . . . .

مدینہ کے یہودی پیام اسلام کے جواب میں کہتے تھے ہم تو اس کتاب و شریعت پر ایمان لا چکے جو ہم پر ہمارے خاندان، ہمارے انبیاء پر نازل ہوئی تھی۔ کسی غیر پر نازل ہونے والی شریعت ہم نہیں مانتے۔ ان یہودیوں سے کوئی پوچھے کہ عقل دشمنی کی کوئی حد بھی ہے۔ قرآن تو خود گذشتہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ قرآن گذشتہ پیغمبروں کی دعوت کو آگے بڑھانے والا پیام ہے۔ دراصل ان لوگوں کا جواب جس تاریخی اور خود ان کے روایتی پس منظر پر مبنی ہے وہ ہے ان کی ہٹ دھرمی۔

۹۲- وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ . . . .

موسیٰؑ، کیا کیا دلیلیں نہ لائے، کیا کیا معجزے تھے جو بنی اسرائیل نے نہ دیکھے، مگر اطاعت حکم رسول تو کیا تم نے تو خدا کے مقابلے میں گائے کا بچہ پوجنا شروع کر دیا۔ موسیٰ تورات و احکام لے کر طور سے پلٹے تو تم گائے کی محبت میں دیوانے ہو رہے تھے۔ اور دین خدا پر بلکہ خود اپنی عقل پر اور انسانیت پر ظلم ڈھا رہے تھے۔

۹۳- وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا . . . .

اللہ نے میثاق لیا (جس کا تذکرہ آیت ۸۳ میں گذرا) مگر عہد کرنے کے بعد دلوں میں کھٹکا تھا، اللہ نے طور کی پہاڑی ان کے سروں پر لٹکا دی، جس سے وہ ڈرے تو (آیت ۶۳) لیکن بات سن کر ٹال دی، نافرمانیاں کرتے رہے۔

گائے کی محبت نے دلوں کو سیراب کیا۔ یہ ایمان ہے؟ تو تمھارے ایمان نے کتنے برے کام تم سے کروا لئے۔ شرم کرو۔

اسلام کا دعویٰ اور اسلام دشمن عمل، معقول آدمی کی شان کے خلاف ہے۔ آدمی کو اللہ کا پیام سننے کے بعد سراپا تسلیم ہونا چاہیے۔ کج بحثی تعمیر ذات میں رکاوٹ بنتی ہے۔

قُلْ

اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ترجمہ:

ان سے کہیے، اگر (دعوے کے مطابق) منزلِ آخرت خدا کی طرف سے تمہارے ہی لیے ہے دوسروں کے لیے نہیں ہے۔ تو موت کی تمنّا کرو۔ اگر سچے ہو ﴿۹۴﴾ لیکن یہ لوگ ایسی تمنّا ہرگز نہیں کریں گے کیونکہ یہ اپنے ہاتھوں کیے ہوئے کرتوت وہاں بھیج چکے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ﴿۹۵﴾ تم ان لوگوں کو زندگانیِ دنیا پر بے حد گرویدہ (لالچی) پاؤ گے حتی کہ مشرکوں سے بھی زیادہ، ان میں کا ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ ہزار برس جیے، حالانکہ اتنی طویل عمر بھی انھیں عذاب سے بچا نہیں سکے گی۔ اور جو کچھ یہ کرتے ہیں اللہ ان کے بارے میں (دانا اور) بینا ہے ﴿۹۶﴾

تفسیر

۹۴۔ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ .....

دارِ آخرت، جنّت بھی ہے، جہنّم بھی۔ اگرچہ یہودی دعویدارانِ جنّت ہی تھے، مگر قرآن نے "دارِ آخرت" کہہ کر ادبی معجزہ برتا ہے جو اس کی خصوصیت ہے مطلب

یہ ہے کہ یہودی پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ جنّت ان کی ہے وہ جہنّم جائیں گے ہی نہیں اور اگر گئے بھی تو چند روز وہاں رہیں گے اور اس مدت میں آگ ان کے جسم کو نہ چھوے گی ـ آیت نمبر ۸۰ بھی دیکھیے ـــ جہنّم میں چند روز کے لیے جانا اور آتش جہنم کی اذیت سے بچے رہنا ایمان کامل وعمل صالح کے بعد اللہ کی رضا چاہتا ہے اور اگر تم نے سند لکھوا رکھی ہے ؟! اور جنّت تمھاری ہی ہے تو پھر دنیا میں کیوں ہو، دعا کرو، جلدی موت آئے کہ جنّت ملے ـ دنیا چھوڑو اور آرزوے آخرت میں سرگرمی دکھاؤ ـ سچائی کا تقاضا تو یہی ہے.

۹۵ـ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ......

چونکہ انبیا کی تعلیم سن چکے ہیں کہ خدا عادل ہے ـ وہ مجرم کو سزا دے گا ـ اور یہ لوگ ظلم و بداعمالیاں کرتے رہے ہیں، اس لیے جہنّم سے ڈرتے اور موت سے بھاگتے ہیں.

اسلام میں آرزوئے شہادت کا فلسفہ ہی یہ ہے کہ اگر مومن ہو تو آگے بڑھو، راہِ خدا میں ہر لمحہ ایسا جہاد کرو جو سنّت وسیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے. اس راہ میں مروگے تو جنّت پاؤگے اور مردہ نہ کہلاؤگے ـ

۹۶ـ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ ......

ان یہودیوں کی طرف سے جنّت کے دعوے اور جہنّم سے معافی کا پروپیگنڈا غلط ہے، یہ لوگ بڑے لالچی اور عہد شکن ہیں انھیں بہرصورت دولت چاہیے ـ حصولِ زر کے لیے ان کو قتلِ نبی یا تحریف توریت سے بھی عار نہیں، اسی دولت کی خاطر وہ ہمیشہ زندہ رہنا چاہتے ہیں ـ تو کیا ہے، سو نہیں ہزار سال جی کے دیکھ لیں آخر کار جہنّم میں ٹھکانا ہوگا ـ کیونکہ ان کے اعمال ہی اتنے بد ہیں کہ جنّت کی بو سونگھنے کا حق بھی نہیں رکھتے جنّت میں جانا تو بڑی بات ہے ـ

رسولؐ اسلام کی تعلیم ہے کہ حساب کے دن سے پہلے اپنا حساب روز کا روز کرتے رہو ـ اس کے بعد جمع تفریق میں غلطی ہوگی تو خدا رحمٰن و رحیم ہے ـ مگر یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ

جنّت تمھاری ہے۔ یہی تقویٰ کی بنیاد ہے۔ اُمید نجات سے مایوس نہ ہونے اور قربِ الٰہی کی سعادت حاصل کرنے کی خاطر مومن آدمی موت سے خوشی محسوس کرتا ہے ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم   چو مرگ آید تبسّم بر لبِ اوست

قُلْ مَنْ كَانَ
عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ مَن كَانَ عَدُوًّا
لِّلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ
اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ ۝ وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ
وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ۝

ترجمہ :

اس سے کہہ دیجیے جو جبریل کا دشمن ہے کہ بلاشبہ وہی تو اللہ کے حکم سے آپ کے قلب پر قرآن لائے وہ ان چیزوں (کتب آسمانی و دین خدا) کی تصدیق کرتا ہے جو اس (قرآن) کے سامنے موجود ہیں اور مومنوں کے واسطے ہدایت و خوش خبری ہے ﴿۹۷﴾ جو شخص اللہ اور اس کے ملائکہ اور پیغمبروں اور جبریل و میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ بھی کافروں کا دشمن ﴿۹۸﴾ اور ہم نے آپ پر واضح و روشن آیتیں اتاریں اور ان کا انکار نہیں کریں گے۔ مگر بدکار و نافرمان لوگ ﴿۹۹﴾

تفسیر :

۹۷۔ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ ......

۹۸ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ ......

یہودی جبریل علیہ السلام سے دشمنی رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ابن صوریا، فدک سے چند یہودی لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور حضرت سے مختلف سوالات کے اطمینان بخش جواب سن کر کہنے لگا۔ اچھا، یہ بتایئے کہ آپ کے پاس وحی لانے والے فرشتے کا نام کیا ہے؟ اگر آپ نے اس کا بھی صحیح جواب دیا تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضرت نے جبرئیل کا نام لیا۔ یہ جواب بھی صحیح ملا تو اس نے بدباطنی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: جبریل تو ہمارا بڑا دشمن ہے۔ اس نے تو ہمیشہ ہمارے لیے مشکلات ہی پیدا کی ہیں۔ البتہ میکائیل اچھا فرشتہ ہے اگر وہ وحی لاتے تو ہم اسے مان کر اسلام لے آتے۔

اللہ نے فرمایا: جبریل ہوں یا میکائیل یا کوئی اور فرشتہ یا پیغامبر، سب اللہ کے محبوب ہیں ان کا دشمن اللہ کا دشمن ہے اور کافر ہے۔ اور کافر سے خدا محبت نہیں فرماتا۔ آیت میں جبریل کے دشمن کو اللہ نے پہلے اپنا دشمن قرار دیا ہے۔ اور ملائکہ و مرسلین کے بعد جبریل و میکائیل کا نام ان کی اہمیت جتانے کے لیے لیا ہے۔

جبریل علیہ السلام تو قرآن جیسی کتاب لائے اور قرآن گذشتہ نازل شدہ کتابوں اور انبیا کے تعلیمات کی تائید کرتا اور اللہ کے پیام کو آگے بڑھاتا ہے وہ ہدایت ہے اور مومنوں کو بشارت ہے۔ گویا، جبریلؑ بھی قابل ستائش اور قرآن بھی لائق محبت ہے۔

[قرآن مجید میں جبریل کا نام سورۂ نحل سمیت تین مرتبہ ہے اور ی سے پہلے ہمزہ نہیں ہے اور دو جگہ ان کی صفت "روح القدس" اور "روح الامین" بتائی گئی ہے۔ صحیفۂ کاملہ و نہج البلاغہ خصوصی طور پر ان ملائکہ کی تعریف دیکھنے کے قابل ہے]

۹۹ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ....

ابن صوریا جیسے لوگ کہتے ہیں۔ آج بھی اگر کوئی یہ بات کہتا یا سوچتا ہے کہ آپ کوئی

ایسی دل کش بات کہیے کہ ہم سنتے ہی مان لیں؟ جواب دیا گیا کہ بد کار و غلط اندیش لوگوں کی بات بیکار ہے، رہے اہل فکر و دانش تو ان کے لیے یہ آیتیں واضح بھی ہیں اور روشن بھی ایمان افروز اور عقل کو اپیل کرنے والی ہیں ہی۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا
عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝
وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ
فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ
كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ:

کیا جب بھی کوئی قول و قرار کریں گے تو ایک فریق ان میں سے اسے (ضرور) مسترد کرے گا۔ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ ایمان رکھتے ہی نہیں (۱۰۰)
اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے رسول آیا جو تائید (تصدیق) کرتا ہے اس کی جو ان لوگوں کے پاس (توریت) ہے۔ تو جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی ان کے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا گویا وہ لوگ جانتے ہی نہیں۔ (۱۰۱)

تفسیر:

۱۰۰۔ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا . . . .
ان یہودیوں پر آج بھی بھروسہ نہ کرنا، ان کا دستور ہے کہ جب یہ کوئی معاہدہ کرتے ہیں تو فوراً انھیں میں سے ایک گروپ اسے توڑ دیتا ہے۔ کوہ طور پر میثاق لیا گیا کہ تورات پر عمل کریں گے، مگر عمل نہ کرنا تھا نہ کیا۔
بنو نضیر و بنو قریظہ نے آنحضرتؐ سے معاہدہ کیا مگر خندق میں مشرکین مکہ سے جا ملے۔

توحید ۱۴

ان پر بھروسہ عقل مندی کے خلاف ہے۔

۱۰۱ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے بارے میں یہودی اپنی مقدس کتاب اور اکابر اہل علم سے سنتے چلے آتے تھے۔ مگر جب وہ وقت سعید آیا اور حضورؐ نے اعلان دعوت فرمایا تو ان لوگوں نے انھیں یوں جھٹلایا جیسے تورات بھول گئے اس کے تعلیمات پس پشت ڈال کر لاعلم بن گئے۔ حالانکہ آنحضرتؐ تورات و تعلیمات انبیا کے مؤید تھے اسے مسترد کرنے والے نہ تھے۔

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۚ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۚ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۚ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ:

اور پیچھے پڑ گئے اس کے جو شیاطین، سلیمان کی بادشاہی میں جپا کرتے تھے،

حالانکہ سلیمان نے کفر اختیار نہیں کیا تھا، لیکن شیطانوں نے کفر اختیار کیا، وہ عوام کو جادو سکھاتے تھے اور بابل میں دو فرشتوں، ہاروت و ماروت پر جو (علم) نازل کیا گیا۔ حالانکہ وہ دونوں کسی کو تعلیم ہی نہ دیتے تھے جب تک وہ یہ نہ کہہ دیتے تھے کہ ہم دونوں تو فقط آزمائش ہیں لہٰذا تم اس پر عمل کر کے بے ایمان نہ ہو جانا۔ اس کے بعد بھی لوگ ان سے وہ (عمل) سیکھتے تھے جس سے میاں بیوی میں جدائی ڈال دیں۔ حالانکہ حکم خدا کے بغیر وہ کسی کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ اور یہ لوگ وہ چیز تو سیکھتے ہیں جو انھیں نقصان پہنچائے اور فائدہ کچھ نہ دے۔ باوجودیکہ وہ حتماً جان چکے تھے کہ جو شخص ان برائیوں کا خریدار ہوا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اور بلاشبہ بہت ہی برا ہے جس کے بدلے انھوں نے اپنے نفس (خودی وذات) کو بیچا، کاش وہ لوگ یہ جان جاتے (۱۰۲) اور اگر یہ لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ برتتے تو یقیناً اللہ کے حضور ثواب اس سے کہیں بہتر ہوتا کاش یہ لوگ اتنا تو سمجھ لیتے (۱۰۳)

تفسیر:

مدینے کے یہودیوں نے معاشی اقتدار کے ساتھ کچھ سماجی چونچلے اور مقامی کہانیاں گڑھ رکھی تھیں ان کے کاہن اور ربّی عوام کو طرح طرح سے گمراہ کرتے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں بھی وہ عجیب عجیب قصے سناتے اور انبیا پر تہمتیں لگاتے تھے اس سے عوام میں ان کے معلومات کی دھاک بیٹھی تھی۔ ان میں سے ایک من گڑھت حضرت سلیمان علیہ السلام سے جادو کی نسبت اور ھاروت و ماروت کی کہانی بھی تھی۔ قرآن مجید نے تفصیلات میں جائے بغیر چند اہم حقائق بیان فرما کر ان تمام داستانوں کی تردید کردی جن سے یہودیوں نے ساکھ بنا رکھی تھی۔

جادو کا حضرت سلیمانؑ سے کوئی تعلق نہیں، ان کو کافر کہنا غلط ہے اور یہ نبی پر بہت بڑا بہتان ہے۔

عہد سلیمان علیہ السلام یا ان کے بعد جادو کا چرچا شیطانوں، منکرین دین و اخلاق نے کیا اور وہ کافر تھے۔ اسلام جادو ٹونے سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

بابل کی تاریخ وسماج کے حوالے سے ہاروت و ماروت کو جادوگر بتانا بھی غلط ہے وہ دونوں جو کچھ بتاتے تھے وہ کفر نہ تھا، لوگوں نے اس کا استعمال غلط کیا۔

نام نہاد جادوگر، ٹونے ٹوٹکے کرنے والے گھاٹے کا سودا کرتے ہیں، آخرت میں انھیں سزا ملے گی۔ نیز یہ کہ وہ اپنے کسی عمل سے کسی کا کچھ بگاڑ یا سنوار نہیں سکتے، نفع رسانی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے وہی قادر و توانا ہے۔

جو لوگ یہ کام کرتے ہیں ان کے لیے بہتر یہی تھا۔ اور ہے۔ کہ علم کتاب حاصل کریں، ایمان و تقویٰ کے راستے پر چلیں، اور کتاب خدا کے خلاف عمل نہ کریں۔ خواہ مخواہ عوام فریبی اور ان کو دین سے منحرف کرنے کی مہم چلانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اور ہوا بھی یہی کہ اسلام کی روشنی نے کاہنوں اور ساحروں کے چراغ گل کر دیے۔

اگر یہ لوگ جادوگری کے بجائے ایمان لے آتے اور متقی بن جاتے تو اجر و ثواب کے مستحق ہوتے اور نفرین و عذاب سے بچ جاتے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ
عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
وَ لَا الْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ
وَ اللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝

ترجمہ: اے ایمان لانے والو! "راعنا" نہ کہا کرو۔ "انظرنا" کہا کرو۔ اور

(توجہ سے) سنا کرو، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے (۱۰۴)
اہل کتاب میں کافر اور مشرک لوگ یہ نہیں چاہتے کہ تمھارے رب کی
طرف سے تم پر کوئی نیک بات اترے اور اللہ اپنی رحمت سے جسے
چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے۔ (۱۰۵)

تفسیر

۱۰۴ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا ......

قرآن مجید میں تقریباً ۸۹ جگہ "یا ایھا الذین آمنوا" سے خطاب ہوا ہے اور یہ سب آیتیں مدنی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوتِ اسلام قبول کرنے والے مدینے میں علم و عمل، اعتقادات و احکام کی بنا پر ایک توصیفی خطاب سے ممتاز ہو گئے تھے۔ زیر نظر آیت میں ان لوگوں کو آداب ہم نشینی و گفتگو سے باخبر اور تربیت اخلاق سے نوازا جا رہا ہے ارشاد ہے کہ "راعنا" سے بات روکنا۔ اور ایسا کلمہ کہنا جس میں ذم کا پہلو نکلتا ہو مناسب نہیں۔ اس کے بجائے، جب نبی سے کسی بات کو دوبارہ یا آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر کہنے کی درخواست کرتا ہو تو "انظرنا" کہہ کر متوجہ کیا کرو۔

"راعنا" ذومعنین ہے۔ اس کے ایک معنی ہیں۔ ذرا ہمارا خیال رکھیے۔ ہمیں بات سمجھنے کا موقع دیجئے۔ بات آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر کیجیے۔ دوسرے معنی ہیں ہمارے چرواہے۔ سنو۔ کاش بہرے ہوتے۔

یہودی "راعنا" کہہ کر توہین رسالت کرتے تھے لہذا اسے ممنوع قرار دیا۔ "انظرنا" کے معنی ہیں: ذرا مہلت دیجئے۔ ذرا آہستہ آہستہ۔

جس حرف، کلمہ اور بات سے دشمنوں کو مذاق اڑانے کا موقع ملے، جب قرآن کریم ہمیں اس محاورے کی اجازت نہیں دیتا، تو ایسے کام اور ایسے معاملات کی اجازت کیسے مل سکتی ہے۔ جس سے دشمنان اسلام، یہودی یا ان جیسے لوگ مسلمانوں کا یا اسلام

کا تمسخر کر سکیں۔ مسلمانوں کو غیروں کی بات اپنانے سے پہلے سو مرتبہ سوچ لینا چاہیے کہ یہ پسندیدگی کہیں ادب آموزی قرآن و سنت کے خلاف تو نہیں ہے۔ (سورۃ النساء کی ۴۶ ویں آیت بھی ملاحظہ کریں۔)

۱۰۵ مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا . . . .

نام نہاد اہل کتاب اور مشرک دونوں یہ چاہتے ہیں کہ دنیا جہاں کی بھلائی اور ہر طرح کا اعزاز انھیں کے پاس رہے۔ تم مسلمانوں کے پاس کتاب خدا کا آنا، تمھارے رسول پر وحی کا اترنا انھیں گوارا نہیں۔ اس لیے مسلمان ان سے خلوص و محبت کی امید نہ رکھیں۔ خدا سے لو لگائیں فضل و کرم کا مالک تو وہی ہے۔

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝

ترجمہ:

جو آیت بھی ہم منسوخ کرتے یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی آیت نازل بھی کر دیتے ہیں۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر (ہر طرح کی) قدرت رکھتا ہے۔ (۱۰۶) کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لیے زمین و آسمان کی سلطنت ہے۔ اور تمھارا، اللہ کے سوا کوئی حامی و مددگار نہیں ہے (۱۰۷)

تفسیر:

دونوں آیتوں میں ایک سوال کا جواب دو مخاطبین کو دیا گیا ہے۔ یہودی اپنی عادت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا، خدا پر اعتراض کرتے تھے کہ بھلا یہ کیا ہوا کہ خدا ایک مرتبہ آیت (آیات یا حکم یا احکام) نازل کرتا ہے پھر اسے منسوخ کر دیتا ہے، تورات نازل کی منسوخ ہو گئی، انجیل بھیجی پھر قرآن نے اسے منسوخ کر دیا، بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا پھر بدل دیا، ایک ہی مرتبہ ایسا حکم کیوں نہ دیا جس کے بدلنے کی ضرورت نہ پڑتی؟ اس کا جواب پہلے اہل کتاب کو یہ دیا کہ ہم قادر و مختار ہیں، تمھارے پابند نہیں، ہم جب کسی آیت یا حکم کو منسوخ کرتے یا اسے مؤخر کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر فرمان جاری کرتے ہیں یا اس سے ملتا جلتا اور زیادہ مناسب مصلحت حکم دیدیتے ہیں۔ حکیم وعلیم کا مطلب ہی یہ ہے کہ ارتقاء فکری و عملی کو پیش نظر رکھ کر دستور بنائے۔ پھر اسلام تو دائمی دستور ہے اس میں تو ماضی کو یوں باقی رکھنا ہے کہ مستقبل تک کوئی ترمیم نہ ہو سکے ہماری حکمت کے مطابق نہیں۔ گذشتہ پیغمبروں کے دور ہمارے نبیؐ نے ختم کر دیے تو ہمارے حکم یکے بعد دیگرے گذشتہ احکام کو منسوخ کیوں نہ کریں۔

پھر مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم ان یہودیوں اور مشرکوں کی باتوں کو سمجھتے ہو، یہ نہ پیغمبروں کو مانتے تھے نہ کتابوں پر ان کا ایمان، یہ ان نکتوں کو کیا سمجھیں کہ اللہ، زمین وآسمان وکائنات کا مالک ہے وہی حامی وناصر ہے، ان دشمنان اسلام و مخالفین مذہب کی دل جوئی سے کیا فائدہ نہ ان کی مدد کسی کام کی نہ ان کی حمایت کا کوئی فائدہ۔ یہ کچھ ہے ہی نہیں۔ آخر اتنے دن بیت المقدس قبلہ رہا، انھوں نے تمھارا کیا ساتھ دیا جو آئندہ ہم نوائی کی امید رکھی جائے۔

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا
سُئِلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ
عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا
حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۗ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ
تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ:

کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے ویسے ہی سوال (جواب) کرو جیسے پہلے زمانے میں موسیٰؑ سے سوال کیے گئے تھے؟ اور جس نے ایمان کے بدلے کفر اختیار کیا تو وہ ضرور سیدھے راستے سے بھٹک گیا ﴿۱۰۸﴾ اہل کتاب میں بہت سے لوگ اس امید میں ہیں کہ تمھیں ایمان لانے کے بعد دوبارہ کفر میں واپس لائیں، یہ (بات) ان کے دلوں میں حسد کی بنا پر ہے۔ یہ ان پر حق ظاہر ہونے کے بعد کی بات ہے۔ لہٰذا تم ان سے درگذر کرو انھیں معاف کردو، یہاں تک کہ خدا اپنا حکم جاری کرے۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۰۹﴾ اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ دیتے رہو اور جو نیک عمل اپنے لیے پہلے سے بھیج دو گے اس کو اللہ کے حضور میں پاؤ گے۔ جو عمل تم کر رہے ہو اللہ اسے ضرور دیکھ رہا ہے ﴿۱۱۰﴾

تفسیر:

۱۰۸ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا . . . . . .

ادب آموزی و شخصیت سازی کی بات ہو رہی ہے ، یہودی کے واقعات ان کے اقدامات اور نتائج دیکھ چکے۔ اس سے سبق لو اور مسلمانو! تم ان کا طریقہ نہ اپناؤ، تم ان کی طرح اپنے رسول اعظم ؐ سے ویسی کٹھ حجتی نہ کرو۔ اس طرح سے ایمان کفر سے بدل جائے گا۔ سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے۔

۱۰۹ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ . . . . . .

یہ رجحان کہ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر سوالوں کی بوچھار کر دو۔" دراصل ایک سازش ہے۔ یہود و نصاریٰ اسلام کی حقانیت اور اپنے افکار کے غلط ہونے سے باخبر ہو چکے ہیں۔ ان کے پاس دلائل تو ختم ہو گئے اب وہ تمھیں شبہوں میں مبتلا کر کے غلط اقدام کرنے پر آمادہ کر رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح تم اسلام سے منحرف ہو جاؤ اور ان کے دل کی آگ بجھ جائے گی۔ مگر تم یاد رکھو کہ ایمان سے انحراف سیدھے راستے اور منزل سے انحراف ہے جو بہت خطرناک کام ہے۔

تم ان کی باتیں سنتے اور درگذر کرتے رہو، تمھارا خدا ان کے کرتوت دیکھ رہا ہے۔ حکم جہاد یا حکم اخراج آجائے پھر کچھ کرنا ابھی ان کو طاقت آزمائی کر لینے دو۔ ان کو حسد کی آگ میں جلنے دو۔

۱۱۰ وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَآتُوا الزَّكَوٰةَ . . . .

آج اور ہمیشہ دشمنانِ دین کو رسوا کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے نماز قائم کرنے میں غفلت اور زکاۃ ادا کرنے میں سستی نہ برتو یہ کام دشمن کے شرمندہ و ذلیل ہونے کا سبب ہے۔

خود تمھارے لیے ذات و روح کی تقویت اور معاشرے کے لیے خوش حالی و ترقی کے فوائد حاصل ہوں گے۔ یہ بات ذہن میں رکھو کہ رضاء خدا ہدف ہے، اور خدا عمل و نیت عمل سے خوب واقف ہے۔

توحید ۲۲

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١١١﴾ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾

ترجمہ :

اور وہ کہتے ہیں جنت میں ہرگز نہیں جا سکتا مگر وہی جو یہودی ہو یا نصرانی۔ یہ ان کی آرزوئیں ہیں۔ آپ ان سے کہیے، تم اپنی دلیل لاؤ اگر سچے ہو (۱۱۱) ہاں، جو بھی اللہ کے سامنے اپنا سر جھکا دے اور نیک عمل ہو، اس کا اچھا بدلہ اس کے پروردگار کے یہاں ہے۔ ایسے لوگوں کو نہ خوف ہوگا نہ وہ (آخرت) میں غمگین ہوں گے (۱۱۲)

تفسیر :

عرب میں یہودیوں اور ان سے زیادہ عیسائیوں کی تبلیغی سرگرمیاں تیز تھیں، اسلام کے آنے سے انھیں ایک عقلی و استدلالی دعوت کا سامنا کرنا پڑا۔ سادہ لوح قبیلوں میں دونوں گروہوں کے مبلغ کہتے پھرتے تھے بس ان کے مذہب والے ہی جنت میں جائیں (دیکھیے آیت ۸۰) عوام اس اعلان سے متاثر ہوتے تھے۔ اسلام نے انھیں للکارا، ان کی سیرت و کردار، ان کی تاریخ اور قدیم عادتوں کی تفصیل بیان کی اور کہا، تم اور جنت میں جاؤ گے؟ نہ خدا کا کہنا مانتے ہو، نہ کتاب کی حفاظت کرتے ہو، خدا پر بہتان، تورات میں تحریف، عقائد میں تغیر، پھر بھی جنت میں جانے کی خام خیالی میں مبتلا ہو۔ اچھا، اگر تمھارا عقیدہ اور تمھارا اعلان ٹھیک ہے تو دلیل لاؤ،

عقل سے ثابت کرو اور عمل کا دفتر پیش کرو۔ مذہب کے علاوہ بھی اچھائی اور اچھے نتائج کی آرزو اسے کرنا چاہیے جو کم از کم اللہ کے سامنے سر جھکا کر اسے مالک و قادر تو مانے۔ خوش کردار اور نیک عمل تو ہو۔ اس کے بعد آخرت میں بھلائی کی امید رکھے تو عقل مان بھی لے گی۔ بدکرداری و بدعقیدگی کے بعد تو یہ دعوے انسانیت کا مذاق ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ:

یہودی کہتے ہیں، مسیحی کسی چیز (عقیدۂ صحیح) پر نہیں اور مسیحی کہتے ہیں، یہودی کسی بنیاد پر (قائم) نہیں ہیں، حالانکہ دونوں اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں جیسی بات جاہلوں (لاعلم مشرکوں) نے بھی کی ہیں۔ تو، اللہ، قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کرے گا جس میں بھی یہ جھگڑتے ہیں ﴿۱۱۳﴾

تفسیر:

میدان میں تین حریف تھے۔ یہود جو تورات والے تھے، عیسائی جن کے پاس انجیل تھی، مشرک جن کے بتوں کی تعداد بہت تھی۔ یہ لوگ کعبہ کے پڑوسی اور مدینہ کے اصلی باشندے ہونے پر مغرور تھے۔ عیسائی اور موسائی اپنی منطق بگھارتے اور مذہبی تبلیغ کرتے تو یہ بے علم و کتاب لوگ بھی پانچویں سواروں میں کھڑے ہوتے اور شور کرتے تھے۔ قرآن مجید نے انتہائی حسین و معجز نما پیرائے میں اس کی نقشہ کشی

کی ہے ۔ گذشتہ آیات میں ان کے یہ پروپیگنڈے گذر چکے ہیں کہ ہر ایک کہتا ہے کہ جنت ہماری، دوسرے کا دخل نہیں اور یہاں یہ ہے کہ ہر گروہ کہتا ہے کہ دوسرا کچھ ہے ہی نہیں نہ عقیدہ صحیح نہ عمل درست ہے ۔ ہم ہی حق پر ہیں ۔ لطف یہ ہے کہ اپنے دعوے پر دلیل کسی کے پاس نہیں ۔ کتنے افسوس کی بات ہے رسول و کتاب کے باوجود دو گروہ آپس میں لڑتے تھے، حالانکہ تورات و انجیل جھگڑے ختم کرنے کے لیے اتری تھیں جب وہ موسیٰؑ اور یہ عیسیٰؑ پر متفق نہیں تو آنحضرتؐ کو کیسے مانیں گے ۔ نتیجہ یہ کہ قیامت کے دن اللہ انھیں سزا دے گا ۔ کیونکہ اس کی حجت تمام ہو چکی ۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا ۚ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١٤﴾ وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿١١٥﴾

ترجمہ :

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے روکے اور انھیں ویران کرنے کے درپے ہو ۔ ایسے لوگوں کو حق نہیں کہ مسجدوں میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے ۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے رسوائی ہے دنیا میں اور ان ہی لوگوں کے لیے آخرت میں بہت بھاری عذاب ہے ﴿١١٤﴾ اور اللہ کا مشرق و مغرب ہے، تو جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ کا سامنا ہے ۔ بے شک اللہ وسعتوں کا مالک اور بہت بڑا صاحب علم ہے ﴿١١٥﴾

تفسیر

۱۱۴ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ ۔۔۔۔۔۔

یروشلم میں عیسائیوں نے یہودیوں کو شکست دی تورات جلادی۔ بیت المقدس کو نقصان پہنچایا۔ یہود کا داخلہ بند کردیا۔ مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حج سے روک دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ سے واپس چلے آئے۔ دونوں واقعات کے پس منظر میں عمومی بات ارشاد فرمائی کہ مسجدوں میں جو بھی ذکر خدا و عبادت سے منع کرے اور اللہ کے گھر کو جو بھی ویران کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ بہت بڑا ظالم ہے۔ اللہ کے گھر پر کسی کو تسلط کا حق نہیں ہے۔ ایسے اشخاص اگر اللہ کے گھر میں جاتے ہیں تو ذرا ڈر کر جائیں وہ ادب کی جگہ عاجزی و تقویٰ کے ساتھ داخل ہونے کا مقام ہے وہاں قوت کا مظاہرہ کیسا؟ اللہ، جب چاہے گا ان کے ظلم کا پانسہ پلٹ دے گا۔ یہ بیت المقدس اور مکہ و کعبہ مسلمانوں کے پاس ہوگا دشمن رسوا ہوں گے اور انھیں آخرت میں عذاب ملے گا۔ ایسا ہی ہوا کہ تھوڑی ہی مدت میں مکہ اور یروشلم مسلمانوں نے فتح کرلیا۔

ہر مسجد کی تعمیر و آبادی مومن کا شیوہ ہے، وہاں جائے دوسرے لوگوں کو بلائے نماز و تسبیح و تہلیل سے مسجد کو گونجتے رہنا چاہیے کہ وہ خانۂ خدا ہے اس کا حق ہی یہ ہے۔

اور مسجد میں نماز سے روکنا، اپنی چودھراہٹ قائم کرنے کے لیے ظلم سے مسجد کی ویرانی مسلمان نہیں کرسکتا اور اگر کوئی شخص یا اہل محلہ، گروہ یا ایک طبقہ آبادی مسجد میں خلل ڈالتا ہے تو مجرم ہے۔

مسجد کو عبادت و درس قرآن و عقائد و اعمال کا مرکز رہنا چاہئے۔ وہاں ہر قسم کی دینی سرگرمیوں کا سرچشمہ اور اسلام دشمن اعمال و افکار کے خلاف فکر و عمل ساز تربیتی مدرسہ اور کردار ساز ادارہ اور دشمن کے خلاف مورچہ ہونا چاہیے۔

توحید ۲۶

۱۱۵ وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ....

یہ جھگڑا بے معنی ہے کہ عیسائیوں کا قبلہ اچھا یا موسائیوں کا، یا مشرکوں کا قبلہ اچھا؟ جہتیں اور سمتیں اللہ کی ملکیت ہیں جدھر رخ کروگے اللہ ہی اللہ ہے۔ وہ زمان ومکان کا پابند نہیں۔ یہ کیا، کہ بیت المقدس کی طرف رخ کیا گیا تو اہل مکہ ناراض ہوں یا کعبہ کی طرف رخ ہو تو یہود و نصاریٰ جلیں؟ قبلہ اللہ کی رضا کی ایک علامت ہے وہ مشرق ہو یا مغرب۔ جدھر اللہ کا حکم ہو ادھر سجدہ صحیح ہے اور بس۔

فقہا کہتے ہیں کہ حالت سفر میں مستحبی نمازوں اور جسے سمت قبلہ معلوم نہ ہو اس کے بارے میں یا اگر کسی کو سمت قبلہ نہیں مل رہی ہے تو جدھر چاہے رخ کر کے نماز پڑھ لے یہ مسئلہ فقہی ہے اپنے مجتہد کا فتویٰ معلوم کرنا چاہیے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا سُبْحَانَہٗ

بَلْ لَّہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوْنَ ۝ بَدِیْعُ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ

فَیَکُوْنُ ۝

ترجمہ:

اور انھوں نے کہا، اللہ اولاد رکھتا ہے۔ وہ پاک ہے۔ بلکہ زمین آسمان میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور سب اسی کے فرماں بردار ہیں (۱۱۶) وہی آسمانوں اور زمین کو وجود بخشنے والا ہے۔ جب وہ کسی فرمان کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے۔ ہو جا۔ اور وہ چیز فوراً وجود میں آجاتی ہے (۱۱۷)

تفسیر:

۱۱۶۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ....

یہود، نصاریٰ اور مشرک سب نے عقیدہ گڑھ لیا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے، یہود عزیرکو، نصاریٰ مسیح کو، مشرک فرشتوں کو اولادِ خدا کہتے ہیں ۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ انبیاؑ نے انھیں بتایا کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے، وہ ہر چیز کا مالک اور تمام مخلوق اس کی فرماں بردار ہے تو وہ اولاد کیسے بنا سکتا ہے ؟ یہ بات توحید و تعلیمات تورات و انجیل کے برخلاف ہے ۔ عقل سلیم ان باتوں کو تسلیم نہیں کرتی ۔

۱۱۷ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ . . . . .

اللہ کی حکمت جیسے ہی کسی تخلیق کا تقاضا کرتی ہے ۔ بلا کسی وقفہ کے وہ شے وجود میں آجاتی ہے ۔ کسی سابقہ مثال کے بغیر یہ فضاء محیط اور یہ زمین اس کی عظیم تخلیق کا نمونہ ہیں ۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا :

مخلوق کا ارادہ ، ضمیر میں کسی چیز کا خطور اور اس سے آثار کا ابھرنا ہے اور اللہ عزوجل کا ارادہ خود فعل تخلیق ہے ، وہ فکر اور تیاری نہیں کرتا ۔ "کن فیکون" ایک تعبیر ہے مراد ، مشیّت و خلق ہے ۔ یعنی اس کی مشیت کا ظہور خلق ہے ۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ
أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ ۗ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِم مِّثْلَ
قَوْلِهِمْ ۘ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ ۗ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝

ترجمہ :

بے علم و خبر لوگ کہتے ہیں ، اللہ ہم سے بات کیوں نہیں کرتا یا کوئی آیت ہمارے پاس کیوں نہیں آتی ؟ ان سے پہلے والوں نے بھی انہیں جیسی بات کہی تھی، ان کی ضمیر و دل آن سے ملتے جلتے ہیں ۔ ہم نے (اہل یقین) حقیقت طلب لوگوں کے لیے آیتیں واضح کر دی ہیں (۱۱۸)

تفسیر :

انسان کی کج بحثی اور لامذہب لوگوں کی منطق یا جاہلوں کی سوچ بھی عجیب ہے ، ان کی عقلی سطح بلند ہو یا نہ ہو خود فیصلہ کرنا چاہتے ہیں ۔ اللہ نے اس خلل کو دور کرنے اور فکر و خیال کو معتدل رکھنے کے واسطے معصوم رہنما بھیجے ، رسول پر کتابیں نازل کیں ۔ آخر میں حکیم اعظم ، نبی خاتم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا ، قرآن نازل کیا اور اعلان کر دیا کہ ان کی بات ہماری بات ہے ۔ اب نہ یہ ہم سے بات کرتے ہیں نہ ہماری وحی پڑھتے ہیں ۔ مطالبہ یہ ہے کہ براہ راست ان پر وحی کیوں نہیں آتی ۔ یہ تو وہی باتیں ہیں جو ان سے پہلے اسرائیلی موسیٰ علیہ السلام سے کیا کرتے تھے یہ ان جیسے بن گئے ہیں اور ان کا حال و نتیجہ سنایا جا چکا ہے ۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ
الْجَحِيمِ ۝ وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ
مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم
بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا

نَصِيرٍ ﴿١٢٠﴾ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ
أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٢١﴾

۱۴ ع ۹ ۱۴

ترجمہ:

بے شک ہم نے آپ کو سچا دین دے کر بھیجا۔ خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) اور آپ سے جہنم والوں کے بارے میں جواب طلبی نہیں کی جائے گی (۱۱۹) اور تم سے نہ کبھی یہودی راضی ہوں گے نہ عیسائی، یہاں تک کہ تم ان کی ملت کے تابع ہو جاؤ اور بلاشبہ ہدایت تو صرف اللہ کی ہدایت ہے۔ اور اگر تم اس کے بعد بھی کہ تمہارے پاس علم آچکا ہے ان کی مرضیوں کے پابند ہوئے تو پھر اللہ کے عوض نہ کوئی سربراہ ملے گا نہ مددگار (۱۲۰) جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ لوگ اس کو اس طرح پڑھتے ہیں جو اس کے پڑھنے کا حق ہے، وہی لوگ اس پر ایمان لائے اور جو اس سے انکار کرتے ہیں وہی لوگ گھاٹے میں ہیں (۱۲۱)

تفسیر:

۱۱۹۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ ....

تمام پیغمبر، تشویق و تنبیہ پر مامور تھے۔ فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین۔ البقرہ ۲۱۳۔ آنحضرتؐ بھی چونکہ خاتم النبیین تھے۔ اس لیے تربیت بشر کے اس اصول پر کاربند رہے، بشارت نہ ایسی کہ لوگ بے خوف ہو جائیں ورنہ احساس بندگی نہ رہے گا نہ اتنا ڈرانا کہ لوگ ترکِ دنیا کر دیں۔ عیسائی اور ہندوؤں کا انتہا پسند طریقہ دو متوازی افراط و تفریط کے نقطے ہیں جن کی طرف وہ نکل گئے اور ناکارۂ محض ہو گئے۔ اسلام حق و اعتدال کا پیام ہے اور رسول بشیر بھی ہیں نذیر بھی۔ مگر مہربان و دل سوز۔ حضورؐ کے جذبۂ رحمت کا تقاضا تھا کہ سب انسان مسلمان ہو جائیں اور کوئی جہنم میں نہ جائے۔ اللہ عز اسمہ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: آپ مطمئن رہیں ان ہٹ دھرم جہنمیوں کے بارے میں آپ سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا۔ آپ نے

حق کا پیام پہنچا دیا، دلیل دی، شوقِ جنّت و خوفِ جہنّم و نتائج نیک و بد سمجھا دیے۔ آپ کا اس سے بڑھ کر کوئی کام نہیں ۔ ہر مسلمان کے لیے تبلیغ کی یہی راہ ہے اور یہی طریقہ ہمیں اپنانا چاہیے ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا مقصد ہی تبلیغ کے عمل کا تسلسل ہے ۔

۱۲۰۔ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى . . . .

آپ حق لے کر آئے اور یہود و نصاریٰ باطل پر اڑے ہوئے ہیں، آپ کچھ بھی کرلیں، حتیٰ کہ بفرضِ محال ان کے اندر داخل ہو جائیں جب بھی یہ لوگ خوش تو شاید ہو جائیں مگر آپ کی بات نہ مانیں گے اور آپ سے یہ ہو ہی نہیں سکتا ۔ آپ صاف کہہ دیجیے ۔
اللہ کی ہدایت ـــ اسلام ـــ ہی راہ حق ہے ۔ اور بس ۔ اس کے بعد آپ ـ یعنی آپ کے مخاطب ۔ اس علم و دانش کے بعد (قرآن و احکام ، عقائد و استدلال کے بعد بھی) ان گمراہوں کے ساتھی ہوئے تو پھر اللہ کی سربراہی و سرپرستی و نصرت سے محروم ہو جائیں گے نہ مغفرت ہو گی نہ شفاعت ـ نیز دیکھیے آیت نمبر ۱۴۵ ۔

۱۲۱۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ . . . .

تورات و انجیل و قرآن کے حامل ایسے بھی ہیں جو اسے سمجھ کر پڑھتے اور اس سے ہدایت حاصل کرتے ہیں جیسے عبد اللہ بن سلام، ثعبہ بن عمرو اور تمام بن یہودا اور ان کے ساتھی جو اسلام قبول کر چکے یا آئندہ مسلمان ہوں گے ۔
ایک قول یہ ہے کہ جعفر بن ابی طالبؑ کے ساتھ کچھ لوگ حبشے سے مدینے آئے ان میں تینیس ۳۲ اہل حبشہ تھے اور آٹھ آدمی شام کے راہب تھے، ان سب نے مدینے آکر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا ۔ آیت نے ایسے افراد کی تعریف بھی کی اور یہ بھی بتایا کہ اہل نظر اپنے کفر کو چھوڑ دیا کرتے ہیں اور جو نہیں چھوڑتے وہ نقصان اٹھاتے ہیں اور اٹھاتے رہیں گے ۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ

فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا لَّا تَجۡزِىۡ نَفۡسٌ
عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـًٔا وَّلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا تَنۡفَعُهَا شَفَاعَةٌ
وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ۝

ترجمہ:

اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم کو دیں اور میں نے تمھیں سارے جہانوں پر برتری بخشی تھی (۱۲۲) اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص کسی کی طرف سے نہ فدیہ ہوسکے گا نہ اس کی طرف سے کوئی بدلہ قبول ہوگا اور نہ کوئی سفارش اس کے کام آئے گی اور نہ ان کو مدد دی جائے گی (۱۲۳)

تفسیر:

۱۲۲۔ يٰبَنِىۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا ....

بنی اسرائیل کی تاریخ وجبلت وکردار کی بات اب ختم ہو رہی ہے اور انھیں پھر تنبیہ کی جارہی ہے، سابقہ انعام جواب چھن چکے ان کو یاد دلا کر ایک مرتبہ پھر دعوت اسلام کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے۔ تاکہ غافل ہوشیار ہوں اور حجّت خدا تمام ہو۔

۱۲۳۔ وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا لَّا تَجۡزِىۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـًٔا ....

اتنے انعام ٹھکرانے کے بعد قیامت کی فکر کرو وہاں فدیے اور عوض معاوضے یا سعی وسفارش تمھارے بارے میں کام نہ آئے گی۔ اللہ کا غضب اور جہنم کی سزا تمھارے لیے مقدر ہوچکی ہے۔ اس سے نجات کا ذریعہ صرف اسلام ہے۔

وَاِذِ ابۡتَلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ
قَالَ اِنِّىۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ

عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴿١٢٤﴾

ترجمہ :

اور جب آزمایا ابراہیمؑ کو ان کے ربّ نے کئی باتوں سے اور انھوں نے ان باتوں کو پورا کر دیا۔ فرمایا میں تمھیں سب لوگوں کا امام بنا رہا ہوں۔ وہ بولے اور میری اولاد میں سے ؟ فرمایا: میرے عہد سے ظالم فائدہ نہ اٹھائیں گے (۱۲۴)

تفسیر:

اُس دور کے حجاز میں آباد قبائل حضرت ابراہیمؑ پر قدرے متفق تھے سب کے جدِّ اعلیٰ ہونے کی وجہ سے یہود و مشرک دونوں کے لیے ان کی شخصیت کے کئی پہلو احترام و توجہ کا باعث تھے۔ اسی حوالے سے ان کے ایک امتحان پھر اس میں حضرت کی ثابت قدمی و کامیابی کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ اسلام فقط زبانی احترام کا قائل نہیں بلکہ ان کے اقوال و افعال پر عمل بھی چاہتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کتنے مشکلات کا سامنا کیا ؟ ان پر کیا کیا ذمّے داریاں تھیں جن کو بوجہِ احسن ادا کیا ؟ قرآن نے ہدایت آفرین انداز سے ان کو بیان کیا ہے۔ مثلاً شرک و بت پرستی کے ماحول سے ٹکر۔ چاند، سورج اور شہر و مملکت کے بتوں کا انکار اور توحید کا پرچار، پھر بت خانے میں جا کر بتوں کو توڑنا۔ آگ میں جلنا قبول کرنا مگر نمرودِ وقت کے سامنے نہ جھکنا، وطن چھوڑنا مگر خدائے وحدہٗ لاشریک سے منہ نہ موڑنا، بے آب و گیاہ پتھریلی زمین پر خاندان کو آباد کرنا۔ کعبۃ اللہ کی تعمیر و آبادی، بیٹے کو قربان گاہ میں ذبح کے لئے تیار ہونا۔ حج کرنا اور اس کی دعوت دینا۔ نبیِّ آخر الزماںؐ کی آمد کی دعا اور ان کے صفات کا بیان۔ امامت مانگنا، دین اللہ کا نام اسلام اور اس کے پرستاروں کو مسلمان کہنا ایسے مقامات ہیں جہاں سے ابراہیمؑ بت شکن گذرے اور بڑے قد آور نکلے کہ اللہ نے خلیل بنایا، رسول بنا کر صحیفے دیے۔ آخر میں خلعتِ امامت بخشا۔

حضرت ابراہیمؑ نے یہ منصبِ عظیم اپنی نسل کے لیے خدا سے طلب کیا اور خود سے کسی کو

امام نہ بنایا۔ اللہ نے جواب میں اس منصب کو اپنے خصوصی اختیار میں رکھنے کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ شرک و بدکاری و گنہ گاری جیسے ظلم و عیب سے تعلق رکھنے والے اس منصب کے اہل نہ ہوں گے۔ امامت اسے ملے گی جو عادل و معصوم ہوگا۔ عدلِ ضمیر و خلقت، عدلِ کردار و خصلت، اپنی ذات اور غیر کی بات میں مرضی الٰہی سے ذرہ بھر انحراف کا شائبہ نہ ہو، اوّلِ خلقت سے آخر حیات تک پاک و معصوم ہوگا تو امامت دوں گا۔ منصبِ ختم نبوّت حضرت اسماعیلؑ کی ذریت میں رکھا تو ایک مدت دراز تک آخری نبی کا انتظار کرایا، نبی آیا تو سب نبیوں کا سردار، اب اس کی شریعت کا محافظ بھی اگر فخر انبیا نہ ہوا تو بات کیا ہوئی۔ نبی آیا تو کتاب معجزہ و علم و ادراک کا گنجینہ لایا، صفات الہیہ کا مظہر صبر و استقامت و شجاعت و بصیرت و علمِ لدنی کا آئینہ " ماینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ " کی بات بات پر تصدیق اب اس کا وارث اگر ان کمالات سے آراستہ نہ ہوا تو آخری شریعت کی حفاظت کی ضمانت کہاں سے ملے۔

ارشاد ہوا " وجعلناھم ائمۃ یھدون بامرنا "۔ (انبیاء: ۷۳)، ہم انھیں امام بناتے جو ہمارے اشاروں پر ہدایت کرتے ہیں۔ اور سورۂ سجدہ میں فرمایا: " وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا ....(۲۴) اور جب انھوں نے صبر (ثابت قدمی) کا مظاہرہ کیا تو ہم نے ان میں سے امام بنائے جو ہماری حکم سے ہدایت کرتے ہیں۔ یعنی رہنمائی و پیشوائی میں اپنی رائے کو دخل نہیں دیتے جو ہم چاہتے ہیں وہ کرتے ہیں۔

توجہ طلب بات ہے۔ حضرت آدمؑ کو خلیفہ بناتے وقت ملائکہ سامنے تھے، نور و تقدس کی بات تھی تو اللہ نے اپنے خلیفہ کی بنیادی صفت علم میں سب پر فوقیت بتائی ــــ دیکھیے آیات بالا ۳۰ ـ ۳۳۔ یہاں مکہ و شہر کعبہ میں بات جاہ طلب ظالموں سے ہے۔ لہٰذا بڑی صفت خلیفہ کا غیر ظالم ہونا بتائی۔ وہاں فرمایا تھا " انی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ "یہاں پھر ایک تفصیل ہے اور وہ بھی " انی جاعلك للناس اماما " وہاں انسان پیدا نہیں ہوئے تھے لہٰذا زمین کی خلافت کے حوالے سے یہاں امتیں موجود تھیں لہٰذا انسانوں کے حوالے سے خود نصب امام کیا، وہاں صاحب منصب کی بڑی صفت علم یہاں بڑی صفت غیر ظالم ہونا، تاکہ انسانوں کے نظام کو قیامت تک عدل کی بنیادوں پر چلا سکے اور خود معصوم عن الخطا، یعنی شائبۂ ظلم سے پاک ہو۔

جعل کے معنی خلق اور نصب و تعین کے ہیں جو اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔
رشید رضا نے تفسیر المنار میں اس آیت کی تفسیر میں بہت سی توجہ طلب باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے۔ علماء اہل سنت کے ائمہ اربعہ نے اپنے زمانے کے خلفاء کو برحق نہیں مانا یعنی مسلمانوں کے نزدیک تخت و تاج و اقتدار امامت و خلافت و قیادت کی بنیاد نہیں بلکہ اساس افضلیت ہے، علم و کردار میں سب سے بہتر اور غیر ظالم ہونا۔ اس کے علاوہ جو تاویلیں موقع پرست اہل دستار کرتے ہیں وہ ناقابل اعتبار تھیں اور آج بھی ہیں۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ
وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ
إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ
وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿١٢٥﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا
آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ ۖ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ
عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٢٦﴾

ترجمہ:
جب ہم نے خانۂ کعبہ کو تمام لوگوں (عوام) کے لیے اجتماع اور پناہ کی جگہ قرار دیا۔ اور بنالو ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ۔ اور ابراہیم و اسماعیل کو ہم نے حکم دیا کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک رکھو طواف اور اعتکاف اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے (۱۲۵)
اور جب ابراہیم نے دعا مانگی۔ پروردگار! اس شہر کو شہر امن بنادے اور یہاں والوں میں جو اللہ۔ اور قیامت پر ایمان لائے اسے طرح طرح کے پھل عطا فرما۔ اللہ نے فرمایا۔ اور جو کفر اختیار کرے گا اسے چند روز فائدہ اٹھانے دوں گا پھر اسے مجبور کرکے عذاب دوزخ میں کھینچوں گا اور وہ بہت بری جگہ ہے (۱۲۶)

تفسیر

۱۲۵۔ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً . . . .

بنی اسرائیل کی رسوا کن تاریخ و کردار کے بعد دین کا پس منظر اور اسلام کا مرکز واضح ہو رہا ہے۔ کعبہ، دنیا میں پہلا گھر، جو مبارک و ہدایت ہے۔ اس کا مطلب فقط تقدس نہیں بلکہ اللہ نے اسے "امن و سلامتی" کی جگہ بنایا۔ شہر مکہ حرم ہے، یہاں قتل و فساد منع ہے۔ آبرو اور مال کا احترام لازم ہے۔ یہاں ایک جگہ حضرت ابراہیمؑ کے قیام کی علامت بنی ہوئی ہے، حکم ہے کہ نماز طواف "مقام ابراہیم" کے سامنے پڑھا کرو۔ "مقام ابراہیم" شعائر اللہ ہیں۔ کعبے میں تین قسم کے افراد آئیں گے۔ طوافِ حج و عمرہ کرنے والے۔ اعتکاف کرنے والے اور نماز پڑھنے والے۔ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے خدا سے عہد کر لیا کہ اس گھر کو ہر طرح کی نجاست سے پاک رکھیں گے۔ چنانچہ جب تک دونوں نبی رہے، کعبۃ اللہ نجس آدمیوں اور نجس بتوں سے پاک رہا۔ اپنے بعد کے لیے محمدؐ و آل محمدؐ کو دعا کر کے مانگا۔ جنھوں نے بیت اللہ کو دوامی ظاہری پاکیزگی سے آراستہ کیا۔

۱۲۶۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا . . . .

یہاں سے خلیل اللہ علیٰ نبینا و علیہ السلام کی دعاؤں کا تذکرہ شروع ہوا ہے۔ ایک تمنا یہ کی۔ کعبہ کو مرکزِ امن بنا دے۔ گذشتہ آیت میں قبول دعا کا حوالہ آچکا۔ "جعلنا البیت مثابۃ و امنا" دوسری آرزو۔ مومنوں کو نتائج و ثمرات سے سرفراز فرما۔ جواب ملا، اچھا۔ مگر غیر مومن، مشرک و کافران پھلوں سے دائمی فائدہ نہ اٹھا سکیں گے آخرت میں انھیں سخت سزا دی جائے گی۔ یہی اسلوبِ بشارت و نذارت۔ تشویق و تنبیہ۔ قرآن کا معجزہ ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ
مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً
مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ

التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ
آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ
أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

۱۵
ع ۸
۱۵

ترجمہ :

(الف) اور جب ابراہیم کعبہ / بیت کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے اسماعیل (بھی شریک) تھے۔ ہمارے رب! ہم سے (یہ خدمت) قبول کر، بے شک تو، تو ہی بہت سننے اور بہت جاننے والا ہے (۱۲۷)

(ب) اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا فرماں بردار قرار دے۔ اور ہماری ذریت / اولاد میں ایک جماعت کو اپنا فرماں بردار بنا۔ اور ہمیں ہمارے مقامات حج (و ارکان حج) بتا (دکھا) دے اور ہماری توبہ قبول کر۔ بے شک تو، تو ہی بہت توبہ قبول کرنے اور بہت رحم کرنے والا ہے (۱۲۸)

(ج) اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں میں، انھیں میں کا ایک رسول بھیج دے وہ ان کے روبرو تیری آیتیں پڑھے اور انھیں تعلیم کتاب و حکمت (تہہ کی باتیں) بتائے۔ اور ان کو پاک کردے۔ بے شک تو، تو ہی غالب اور صاحبِ تدبیر ہے (۱۲۹)

تفسیر :

۱۲۸- وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ ....

سورۂ آل عمران (آیت ۹۶) میں ارشاد باری ہے۔ "بلاشبہ لوگوں کے لیے پہلے گھر بنایا گیا.... اور حضرت علیؑ نے فرمایا" الاترون ان اللہ سبحانہ... تم نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ نے آدم سے لے کر اب تک اولین و آخرین کو پتھروں کے چند ٹکڑوں سے آزمایا... اسے

اپنا بیت الحرام قرار دیا پھر آدمؑ اور انکی اولاد کو اس کے گرد طواف کا حکم دیا ... (خطبۂ قاصعہ نہج البلاغہ)، کعبۃ اللہ کی تعمیر و تجدید حسب ضرورت ہوتی ہی رہی لیکن خلیل اللہ کی یہ کوشش اللہ نے یوں قبول کی کہ قرآن میں اس کا بار بار تذکرہ کیا۔ انہوں نے فقط گھر ہی نہیں بنایا بلکہ اسے دائمی طور پر روحانی و مادّی طور پر آباد رکھنے کا اہتمام بھی کیا۔ انھوں نے سب سے پہلے دعا کی۔ پروردگارا ہم دونوں باپ بیٹوں کی یہ محنت قبول فرما۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ ....

دوسری دعا۔ ہم دونوں کو اپنے ان خاص بندوں میں شمار کر جو تیرے سامنے سرِ تسلیم جھکانے والے۔ مسلم۔ ہیں۔ تیسری دعا کہ یہ شرف ہم دونوں کے ساتھ ہماری اولاد میں بھی رہے "امّتِ مسلمہ" ہونے کی عزّت انھیں بھی دے۔ چوتھی دعا۔ مناسک۔ حج کے طور طریقے، خاص عبادتوں کے ٹھکانے تو خود بتا کہ ہم تیری رضا کے مطابق فرائض انجام دیں، اپنی رائے شریک نہ کریں۔

اس قربت کے بعد بھی اس کی بارگاہ میں توبہ و طلب رحمت ہے۔ یہ بات نہ بھولیے کہ دین کی خدمت کر کے مطمئن ہونا کافی نہیں۔ کوشش ہونا چاہیے کہ دینداری کے تحفظ کے لیے اپنی اولاد در اولاد کو اس طرح پالیے اور ان کی ایسی تربیت کیجئے کہ شمعِ ایمان اپنے گھر میں فروزاں رہے۔ یہی دستور خلیل اللہؑ و حبیب اللہؐ ہے۔

۱۲۹۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ ....

بیت اللہ کی تعمیر سے فراغت کے بعد خلیل اللہ نے بڑی عاجزی و نبوی خلوص سے دعائیں شروع کر دیں، گذشتہ آیات میں پانچ درخواستوں کا تذکرہ ہو چکا، حضرت کی ایک بڑی اہم دعا یہ تھی کہ ان لوگوں میں ایک ایسا رسول پیدا کر جو ان کے لیے اجنبی نہ ہو۔

(الف) اس پر جو وحی نازل ہو وہ خود پڑھے کہ لوگ سنیں اور اسے یاد کریں۔ (ب) انھیں الکتاب (مجموعۂ وحی) کی تعلیم دے۔ (ج) اور حکمت، تہہ کی باتیں، گہرے نکات اور عقل کو پختہ، علم کو جلا اور دانش و بینش کو تصدیق بخشنے والے حقائق سکھائے۔ (د) اور

جن کو تعلیم دی انھیں تربیت بھی دی ان کی ضمیر پاک، ان کا کردار بے داغ، ان کے احساسات شفاف اور ان کے ادراک خدا نما بنا دے۔ خدایا، تیرے لیے یہ سب کچھ بھی نہیں غلبہ و اقتدار، تدبیر و حکمت تیری مشیتوں کا نام ہے۔

تینوں آیتوں میں سمیع و علیم ــ تواب و رحیم ــ عزیز و حکیم۔ کی ترکیب پر غور کیجئے جو ابلاغ و اسلوب، معنویت اور صوتی حسن، گہرائی اور مناسبت کا عجیب معجزہ ہے۔

آیت میں رسول اعظم و نبی خاتمؐ کے لیے جو صفات بیان ہوئے ہیں ان میں تعلیم اور تربیت کے تمام پہلو اور ایک نبی کامل و مکمل کے بلند ترین صفاتِ ذات و کردار کو جمع کر دیا ہے۔ مزید گفتگو آگے آنے والی آیت ۱۵۱، نیز آل عمران و سورۂ جمعہ میں ہوگی انشاءاللہ۔

وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ
سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ
لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ
الْعَالَمِينَ ۝ وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ
اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝
أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ
لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ
آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ
مُسْلِمُونَ ۝ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ
مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

ترجمہ:

اور کون ہے جو ابراہیمؑ کے مذہب سے رو گرداں ہو (نفرت کرے) مگر جو خود ہی عقل

سے دور ہو جائے ۔ اور ہم نے ابراہیمؑ کو دنیا میں منتخب کر لیا اور وہ حتماً آخرت میں بھی اچھوں ہی میں سے ہوں گے (۱۳۰) اور جب ان سے ان کے پروردگار نے کہا اسلام لاؤ (مکمل طور پر فرمانبردار بن جاؤ) تو عرض کی میں سارے جہانوں کے رب پر اسلام لایا (۱۳۱) اور اسی طریقے کی ابراہیم نے اپنی اولاد سے وصیت کی اور یعقوب نے بھی ۔ اے بیٹو یقیناً، اللہ نے تمہارے واسطے دین (اسلام) کو چن لیا ہے ۔ اب تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان (۱۳۲) کیا تم اس وقت موجود تھے، جب یعقوب کی موت سر پر کھڑی تھی؟ اس وقت انھوں نے اپنی اولاد سے کہا: میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انھوں نے کہا: ہم آپ کے اللہ اور آپ کے بزرگوں ابراہیمؑ و اسماعیل کے واحد و یکتا اللہ و معبود کی عبادت کریں گے ۔ اور ہم اسی ذات کے فرمانبردار ہیں (۱۳۳) وہ ایک قوم تھی جو گذر گئی ۔ جو ان لوگوں نے کیا وہ ان کے آگے آئے گا جو تم عمل کرو گے وہ تمہارے آگے آئے گا ۔ اور جو کچھ وہ کرتے رہے ہے، تم سے اس کی جواب طلبی نہیں کی جائے گی (۱۳۴)

تفسیر:

۱۳۰- وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ ....

۱۳۱- اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ....

مِلَّةٌ: دین و شریعت (ملت خدا کی طرف سے لکھا یا ہوا، دستور و قانون)۔

ابراہیم علیہ السلام کے طور طریقے، دعوت و اہتمام توجہ الی اللہ اور توحید و مرکز کی حفاظت کے انتظامات بیان کرنے کے بعد، سمجھایا گیا کہ ملت ابراہیمی کی پیروی کرو ــــــ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (آل عمران - ۹۵) (اس ابراہیمؑ کی ملت کے پیروکار بن جاؤ جو سب کو چھوڑ کر اللہ کا ہو رہا اور مشرکوں میں سے نہ تھا) اتنے اچھے نبی کا عقل و دانش پر مبنی راستہ وہی چھوڑے گا جو عقل سے ہاتھ دھو بیٹھے گا ۔ خلیل اللہ

نے تو وحی کے اشاروں اور عقل خدا داد نیز منصب بلند کی وجہ سے اس راہ کو ہمیشہ کے لیے ہموار کر دیا ہے۔

ملّتِ ابراھیمی کی دوسری تعبیر اسلام ہے۔ خود خلیل اللہ نے دعوت خدا "اَسلِمْ" کے جواب میں "اَسلَمْتُ" کہا۔ کعبے کے پڑوسیوں اور ابراھیمؑ کے پرستاروں کو اب اعتراض کا حق کیا رہ جاتا ہے۔

تم کو ابراھیمؑ کا وہ خلوصِ بندگی یاد رکھنا چاہیے، جس میں اپنی خواہش، غیر کا تصوّر غرض ہر ادا کو چھوڑ کر فقط اور فقط اللہ کے ہونے کا عقیدہ و عمل پیش کیا گیا ہے۔

۱۳۲- وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ . . . .

۱۳۳- اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ . . . .

ابراھیمؑ و اسماعیلؑ، اسحاقؑ و یعقوبؑ کے نام کی تسبیح جپنے والو، مشرکو! تم میں ایک بھی اصل واصول پر باقی نہیں۔ ابراھیمؑ وہ پاک نبی ہے کہ زندگی بھر توحید کی تبلیغ کی دنیا سے جاتے ہوئے اپنی اولاد سے اقرار توحید لیا اور سمجھایا کہ مرنا تو دین اسلام پر مرنا۔

یہودیو! باپ دادا کی نجات پر اپنی بخشش کا عقیدہ رکھنے والو! یعقوبؑ نبی نے بھی آخری وقت ابراھیم و اسماعیل و اسحاق علیہم السلام کا نام لے لے کر وحدہ لاشریک کا سب سے کلمہ پڑھوایا اور اولاد کو اس دین کا پابند بنایا تھا۔ تم نے آج الگ الگ اپنے اپنے مذہب و دین بنا رکھے ہیں اور شرک کی دعوت دیتے پھرتے ہو۔ آؤ اور دین ابراھیمی یعنی اسلام کو مانو۔

۱۳۴- تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ . . . .

عقل و دانش کی بات تو یہ ہے کہ اپنی خیر مناؤ، وہ کرو جو کل کام آئے، باپ نے جو کیا بیٹا اس کا جواب دِہ نہیں ہوگا۔ خدا کے یہاں ہر شخص سے اس کے عقیدۂ عمل کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٣٥﴾ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ
إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ
مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٦﴾
فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَّإِن تَوَلَّوْا
فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ
الْعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾ صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ
عَابِدُونَ ﴿١٣٨﴾

ترجمہ :

ان لوگوں نے کہا: تم سب یہودی یا نصرانی بن جاؤ، راہ راست پر آجاؤ گے۔ ان سے کہیے: (یہ نہیں) بلکہ ابراہیم کے خالص (توحید پر مبنی) طریقہ پر چلو، وہ ہرگز مشرکین سے نہ تھے ﴿۱۳۵﴾ تم کہو: ہم اللہ پر ایمان لا چکے، جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ اور اولاد یعقوب پر (صحیفے) نازل کیے گئے اور جو (کتب) موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دی گئی تھیں اور جو دوسرے نبیوں کو عطا کی گئی تھیں ان کے رب کی طرف سے۔ ہم تو ان میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے۔ اور ہم صرف اللہ کے فرماں بردار (مسلم) ہیں ﴿۱۳۶﴾ اس کے بعد جیسے تم ایمان لائے وہ لوگ بھی ایمان لے آئیں تو یقیناً راہ راست پر آ گئے اور اگر وہ منہ پھیر لیں (نہ مانیں) تو وہ لوگ صرف ضد پر ہیں۔ پھر تو ان کے مقابلے کے لیے تمھاری طرف سے اللہ کافی ہے اور وہ بہت سننے اور بہت جاننے والا ہے ﴿۱۳۷﴾ "اللہ کا رنگ" اور اللہ سے بہتر رنگ کون (رنگ) ہو گا اور ہم تو صرف اسی کی عبادت کرنے والے ہیں ﴿۱۳۸﴾

تفسیر :

۱۳۵- وَقَالُوْا کُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ....
۱۳۶- قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا ....

مدینے میں یہود و نصاریٰ کی معاشی و سماجی و سیاسی حیثیت مستحکم تھی ہجرت کے بعد مسلمانوں کی قوت میں اضافہ ہو چکا تھا اور اسلام کو فروغ، اسے دیکھ کر یہاں کے ربی اور پادری ہمت کر کے بڑھے اور مسلمانوں کو اپنے اپنے دین میں آنے کی دعوت دینے لگے، ان کی دعوت کے جواب میں ارشاد باری ہوا کہ، تم تو ہو چکے ہو بت پرست اور ہم اللہ کو مانتے ہیں۔ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور تمام انبیا علیہم السلام نیز ان پر نازل شدہ کتابوں اور صحیفوں، سب پر ہمارا عقیدہ ہے ہم تمھاری طرح مشرک نہیں، موحد ہیں اور دین حنیف یعنی اسلام پر قائم ہیں۔ ہم موسیٰؑ کو مان کر عیسیٰؑ کو نہ ماننے والے اور عیسیٰؑ کو مان کر محمدؐ کا انکار کرنے والے نہیں ہیں۔ سب نبی اپنے اپنے وقت میں برحق تھے اور آج بھی محترم ہیں تم انبیاء سے ناروا سلوک کرنے والے لوگ کس منہ سے ہمیں دعوت دیتے ہو۔ عقیدوں میں تم نے شرک اور کتابوں میں تم نے تحریف کی۔

۱۳۷- فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ....

پس بہت بحث ہو چکی، اگر یہ بالکل تمھاری طرح دعوت و حقائق کو مانتے ہیں تو خیر قبول کر لو اور اپنا بنا لو یہ مسلمان ہیں اور اگر ہٹ دھرمی پر جمے رہیں تو، اللہ خود ان کے لیے کافی ہے۔ دلائل کے وقت دلائل دیے جائیں گے۔ مباہلے کے وقت مباہلہ ہوگا اور تلوار کے جواب میں خندق و خیبر کے معرکے ہوں گے۔ جیسی مصلحت ہوگی وہ کیا جائے گا۔

۱۳۸- صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ ....

ان لوگوں نے "بپتسمہ" کا ڈھونگ رچا رکھا ہے، جیسے ہندو تلک لگاتے ہیں یہ لوگ بچے کو یا نئے آدمی کو عیسائی بناتے کے لیے رنگین یا زرد پانی میں غسل دیتے ہیں، تعمید یا بپتسمہ کا یہ عمل سیدھے سادے عوام کو متاثر کرتا ہے، وہ لوگ اسے پیدائشی گناہوں اور باپ دادا کے پاپ سے پاک کرنا اور اللہ کے رنگ میں رنگنا کہتے ہیں۔ اسلام ان لوگوں کے ٹوٹکوں اور رنگوں

قائل نہیں، یہاں عقل و دانش کی بات ہے۔ سب سے اچھا رنگ اللہ کا ہے۔ اس کی رضا میں ڈوب جاؤ، تخلّقوا باَخلاقِ اللہ ۔ خدائی صفات پیدا کرو ۔ ہم موسیٰؑ اور عیسیٰ علیہما السلام کو خدا یا اس کا بیٹا ماننے والے نہیں ہیں، ہم اللہ کے بندے اور اسی کے عبادت گذار ہیں ۔

صبغۃ اللہ ۔ یعنی اِتّخذوا صبغۃَ اللہ ۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ صبغۃ اللہ ۔ سے اسلام مراد ہے ۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ
وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾
اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَ
الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ
عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ
وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

ترجمہ:

ان سے کہیے: کیا تم ہم سے "اللہ" کے بارے میں بحث کرنا چاہتے ہو؟ حالانکہ وہ ہم سب کا رب ہے ۔ ہمارے اعمال ہمارے کام آئیں گے اور تمھارے کرتوت تمھارے ۔ اور ہم تو بہ اخلاص (بے عقیدۂ شرک) اس کے (عبادت گذار) ہیں (۱۳۹) یا تم یہ کہتے ہو کہ یقینی طور پر ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ و اسباط (اولاد یعقوبؑ) یہودی یا نصرانی تھے؟ (جواب میں) کہیے: تم زیادہ واقف (حال) ہو یا اللہ؟

اور اس سے زیادہ ستم گار کون ہوگا جس کے پاس خدا کی طرف سے گواہی (ثبت) موجود ہو پھر وہ اسے چھپائے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے (۱۴۰)

وہ ایک قوم تھی جو گذر گئی۔ جو ان لوگوں نے کیا وہ ان کے آگے آئے گا جو تم کرو گے وہ تمہارے آگے آئے گا، اور جو کچھ وہ کرتے رہے تم سے اس کی جواب طلبی نہیں کی جائے گی (۱۴۱)

تفسیر:

۱۳۹- قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ ....

عیسائی و یہودی مبلغین سے پوچھیے کہ ہم سے "اللہ کے موضوع پر بحث کرنا چاہتے ہو؟ یعنی تمہارا خدا اسے کوئی خاص تعلق ہے۔ یہ خیال غلط ہے، دیکھ لو وہ جیسا تمہارا پالنے والا ہے اسی شان سے ہماری پرورش فرما رہا ہے۔ اب رہا بندگی میں تمہاری برتری تو یہ بھی پرکھ لو تم اپنی عبادت میں غیر کو شریک کرتے ہو، ہم جو عبادت کرتے ہیں وہ خالص اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ہوتی ہے۔ تمہاری طرح باپ دادا کے لیے اور تعصب و قوم پرستی کی بنیاد پر نہیں کرتے اس کے بعد کتنا غلط عقیدہ ہے کہ تمہارے اگلوں کے اعمال قبول ہوں گے اور ہمارے اعمال رد ہو جائیں گے؟ اللہ عادل ہے۔ ہر ایک کو اس کے کیے کا بدلہ دے گا اور تمہارا خیال عقیدۂ عدل کے خلاف ہے۔

۱۴۰- اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ ....

نحن ابناء اللہ و احباؤہ ۔ ہم اللہ کی اولاد و دوست ہیں ۔ نعوذ باللہ ۔ کا دعویٰ تو غلط ہو چکا، کیونکہ وہ جس طرح تمہیں پال رہا ہے ہمیں بھی اسی طرح پرورش دے رہا ہے۔ دوسری بات یہ کہ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ ۔ اسحاقؑ و یعقوب علی نبینا و آلہ علیہم السلام اور اسباط یہودی تھی بقول یہود۔ اور نصرانی تھے بقول نصاریٰ۔ یہ بھی جھوٹ اور غلط ہے۔ ان کے پاس توریت و انجیل کے ثبوت موجود ہیں کہ وہ اسلام کے پرستار تھے اور انھوں نے نبیؐ آخر الزمان کی خبر دی ان کو ہادی و نبی و رسول ماننے پر زور دیا۔ اس حقیقت سے باخبر ہونے کے بعد بھی یہ ربّی ۔ اور ۔ اسقف ۔ میرے رسول ہونے کی گواہی نہیں دیتے۔ تحریف و تاویل کرتے ہیں جسے خدا خوب جانتا ہے اور اس نے ان حقائق کو واشگاف بھی فرما دیا۔

۱۴۱ - تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ . . . . .

خلاصہ یہ ہے کہ گذشتہ قومیں اور ان کے اعمال نامے سب کے سامنے ہیں اور تمہارے اعمال نامے تمہارے سامنے۔ اللہ کے حضور میں ہر عاقل و دانا سے صرف اس کے عقائد، اس کی نیت اور اس کے اعمال کی باز پرس ہوگی اور اس کی جزا یا سزا ملے گی۔ اب ہر شخص کو اپنے بارے میں ہوشیار و تیار رہنا چاہیئے۔ قیامت کے دن ہر شخص کے اعمال ہی کام آئیں گے۔ کیونکہ خدا عادل ہے۔

یہاں تک یہود و نصاریٰ کے نفسیات و مقاصد اور تاریخ و کردار کی بات تھی اور اسلام کا موقف ، لیکن متقی اور موحد افراد کی ہدایت آموزی کے اسباق ابھی تمام نہیں ہوئے ، احکام کی منزل بھی آنے والی ہے۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي
كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ
إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً
وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ
عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا
إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ
كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ
لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ

ترجمہ:

کچھ بے وقوف لوگ اب یہ کہیں گے : ان (مسلمانوں) کے رخ اس قبلہ سے کس چیز نے موڑ دیے، جس پر وہ تھے۔ آپ یہ کہہ دیں، مشرق و مغرب اللہ کے ہیں، وہ جسے چاہتا ہے راہ مستقیم دکھاتا ہے۔ (۱۴۲)

اور یوں ہم نے تم لوگوں کو امّتِ وسط (معتدل گروہ) بنایا کہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور رسول (آخر الزماںؐ) تم پر گواہ رہیں۔

اور جس قبلے (بیت المقدس) پر تم تھے، ہم نے اسے مقرر ہی اس لیے کیا تھا کہ پچھلے پیروں پلٹنے والوں کے مقابلے میں ان کو پہچان لیں جو رسول کی پیروی کریں گے۔ اور اگرچہ یہ بات (تحویل قبلہ) گراں (شاق) تھی، مگر ان لوگوں پر (نہیں) جن کی اللہ نے ہدایت کی (جو مومن تھے)۔ اور اللہ، ایسا نہیں کہ تمہا

ایمان کو برباد کردے ۔ بے شک اللہ، لوگوں پر بڑا ہی مہربان اور بہت رحم کرنے والا ہے (۱۴۳)

تفسیر:

تیس دن میں ختم قرآن کرنے والوں کی آسانی کے لیے کتاب کریم کے تیس جزء قرار دیے گئے ہیں، پہلا پارہ یا جزو "الـم" ہے اور دوسرا "سیقول"۔ پہلے پارے میں ایک سو چالیس آیتیں تھیں اس پارے میں ایک سو ساٹھ آیتیں ہیں ۔

سورۃ البقرۃ کے گذشتہ آیات میں۔ تقوے کی اہمیت ۔ قرآن کی ہدایت ۔ مؤمنین کی تعریف ۔ آدم علیہ السلام کی خلافت ۔ بنی اسرائیل کا قومی کردار اور تاریخی و فکری پس منظر ابراہیم علیہ السلام کا مرتبہ ۔ عرب کے مذہبی رجحانات اور وہاں کے رہنے والوں کی سوچ اور رجحانات بیان کیا ۔ "صِبْغَۃَ اللہ" ۔ اللہ والوں کا رنگ ڈھنگ ۔ کتاب خدا میں تحریف ، احکام خدا میں کٹھ حجتی ۔ انبیا کی مخالفت میں سزا اور اطاعت خدا اور رسول ؐ میں جزا کا بیان، اس بات پر اختتام ہوا ۔" وہ ماضی کی امّت تھی جس کا دور ختم ہوا ، وہ اپنا اعمال نامہ لے کر گذر گئی اس کا انجام اُن کے سامنے آئے گا ۔ اب تمھارے عمل و کردار کا مرحلہ ہے جس کے نتائج سے تمھیں دوچار ہونا پڑے گا ۔"

تم امّتِ وسطیٰ ہو ۔ تم نئی تاریخ کے موجد ہو ۔ تمھاری سمت گذشتہ امّت سے جدا اور تمھارے قانون قاعدے ان کے حوالے سے نہیں بلکہ قرآن کے ذریعے سمجھے اور رسول اللہ ؐ کے ذریعے نافذ العمل ہوں گے ۔ لیکن سلسلہ ایک ہے حضرت آدمؑ سے خاتم (علیہم السلام) تک ایک ہی دین تھا۔

۱۴۲ ۔ سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ

سورے کا آغاز تھا، عقل و بینش اور راسخ العقیدہ لوگوں کی تعریف سے ۔ اور یہ موڑ عقل دشمن لوگوں کے طریق فکر کی نشان دہی سے شروع ہو رہا ہے ۔ یعنی اہل عقیدہ و عمل کے دو گروہ ہیں۔

وہ دانش ور جو عمل بھی کرتے ہیں ۔ بے وقوف ، کج بحث ، متشکک اور عمل میں نکمّے
روایاتِ اہل بیتؑ کے مطابق مکہ میں حکم تھا کہ سمتِ قبلہ ایسی ہو کہ بیت المقدس اور کعبہ
دونوں کی طرف رخ ہو سکے (وہاں یہ ممکن تھا کیونکہ کعبہ کی جہتیں چار ہیں) اور جہاں یہ ممکن نہ تھا وہاں
صرف بیت المقدس کو قبلہ بنانے کی پابندی تھی ۔ چنانچہ مدینۂ منورہ میں اسی طرح نماز پڑھی جاتی
رہی ، روایات اہل بیتؑ کے مطابق سترہ ماہ اور بعض اقوال کی بنا پر انیس اور ایک رائے
میں سات ماہ تک یہی طریقہ رہا ۔ شیخ مفید نے مسارّ الشیعہ میں ۱۵ رجب سنہ ۲ ھ تحویلِ قبلہ کی
تاریخ لکھی ہے ۔ درمنثور سیوطی کی ایک روایت اس کی مؤید ہے ۔

ایک سماجی خلفشار سے پیغمبرؐ کو مطلع فرمایا ۔ میرے حبیب ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جیسے ہی
لوگوں کو تبدیلی قبلہ کی خبر ہو گی ، فوراً کج بحث ، کم عقل لوگ چہ میگوئیاں شروع کر دیں گے ۔ یہ کیا ہوا ؟
کیوں ہوا ؟ یہودیوں کے قبلے میں کیا خوبی تھی کہ پہلے اسے قبلہ مان لیا اور اب کیا ترجیح نکل آئی
کہ بیت اللہ المکرم کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے ؟ ان سوالوں کا بنیادی جواب ہے کہ اللہ
رب العالمین ہے ۔ اس کی نہ کوئی جہت ہے نہ وہ مکان کا پابند ہے "مشرق بھی اس کا مغرب کا بھی" تک
مسئلہ بیت المقدس اور کعبہ کا نہیں ، بات ہے حکم اور فرماں برداری کی ۔ تم اپنی پسند و ناپسند کو بند
بندگی قرار دیتے ہو یا صراطِ مستقیم پر رضاء الٰہی کے مطابق گردن جھکا کر چلنے کو دین جانتے ہو ؟ صراط
مستقیم کی رہنمائی اور اس کی جہت بتانا ، اللہ کا حق اور رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذمہ داری ہے
اب صلاح و فلاح کا تقاضہ یہی ہے کہ خانۂ کعبہ ہی نقطۂ آغاز سفرِ عبودیت ہو ۔ یہیں کمال تقویٰ کا انتہا
ہو ۔ نماز و حج اس مقدس قبلے کی عظمت اور ہماری بندگی کے دو مظہر ہیں ، دونوں کا تعلق کعبے سے ہے

۱۴۳ ۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ

عیسائی ، مکان ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف رخ کر کے عبادت کرتے ہیں
ان کی اکثریت مغرب میں ہے لہٰذا مجموعی طور پر ان کا قبلہ مشرق ہے ۔ یہودی شام و بابل میں
آباد تھے ، ان کے لیے سمتِ بیت المقدس (تقریباً مغرب) سمت قبلہ تھی ، چونکہ حکم تحویل قبلہ مدینہ میں
آیا اور اہل مدینہ کے واسطے سمت جنوب و وسط مشرق و مغرب ، سمت قبلہ قرار پائی ۔ لہٰذا مدینہ کو

دنیا ٹھہرا۔ یہی قبلہ صراط مستقیم اور اسی کعبہ کو قبلہ ماننے والے امت وسط قرار دیے گئے۔ یہ لوگ عقیدے میں معتدل ہیں، شرک و غلو، جبر و تفویض، تشبیہ و تعطیل سے پاک اور توحید خالص پر قائم ہیں سماجی طور پر معتدل، دنیا دار، جیسے یہودی۔۔۔ نہ تارک الدنیا جیسے مسیحی اور بدھ... مسلمان اپنی فکر، اخلاق اور معاملات میں اعتدال کی راہ چلتا ہے، صلح و جنگ، حکومت و سیاست عبادت و تجارت، غرض ہر مرحلۂ حیات میں للّٰہیت اور حکم خدا پر سراپا تسلیم و رضا رہتا ہے۔ چونکہ عدل اس کا دستور ہے۔ اس لیے وہ تمام انسانوں کا گواہ عادل ہے، اس کی عدالت و میانہ روی چونکہ زیر قیادت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اس لئے آنحضرت ؐ براہ راست اس امت کے گواہ ہیں۔

ابتدائی آیات میں حضرت آدم علیہ السلام کو "خلیفہ" بنانے کا تذکرہ گذر چکا، آدم علیہ السلام کے بعد ہر مومن باللہ انسان کو خلیفۂ ارضی کہا گیا، کہ اصل و اساس خلافت، معیار و نمونۂ خلیفۃ اللہ دالبشر ؑ ہیں، جو بھی جتنا، ان جیسا بنے گا خلافت ارضی میں اتنا ہی حصہ پائے گا۔ اس آیۂ مبارکہ میں امت وسط و شہید کا لقب اصالتاً محمدؐ و آل محمدؐ رسول و ائمہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے ہے۔ ان کی پیروی اور حسب امکان ان جیسا بننے والے ثانوی درجے میں استحقاق مدارج رکھتے ہیں۔ وہ معصوم ہیں تو یہ عادل بن جائیں۔ وہ شہداء ہیں، یعنی امت و خدا کے درمیان وسیلہ ہیں اور امت شہید و وسط ہے، یعنی امت اسلامیہ عام انسانوں اور ہادی برحق کے درمیان ایک کڑی ہے۔

اس کی ایک توضیح آل عمران کی آیت نمبر ۱۱۰ سے ہوتی ہے "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر"۔ درس یہ ہے کہ جس طرح رسولؐ اعتدال کا اور مثال اعلیٰ ہیں اسی طرح امت کو مثال کامل ہونا چاہیے۔

تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق سے روایت ہے: تمہارا خیال ہے کہ اللہ قیامت کے دن تمام رسولوں کے سامنے ایسے شخص سے گواہی لے گا، جس کی گواہی اس دنیا میں سیر بھر کھجوروں کے مقدمے میں قبول نہیں ہوتی؟

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ہم امت وسط اور ہم مخلوق پر اللہ کے گواہ ہیں۔ یہی تفسیر امام

جعفر صادق علیہ السلام نے بھی فرمائی ہے۔

—" وماجعلنا القبلۃ التی کنت علیہا الا لنعلم ....."

تبدیلی قبلہ کی وجہ یہ تھی کہ عبادت گذار عقیدہ رکھیں کہ مشرق و مغرب، سمت و جہت کچھ نہیں، اصل اصول اللہ کی رضا ہے اور اللہ دنیا کو دکھا دے کہ جو لوگ بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے ان میں رسول کے پیرو کون لوگ تھے اور رجعت پسند کون تھے۔ وان کانت لکبیرۃ الا علی الذین ھدی اللہ — نیا حکم جذباتی وابستگی رکھنے والوں پر گراں تھا، لیکن اہلِ تقویٰ اور اللہ کی ہدایت حاصل کرنے والوں کے لیے باعث شکر و حمد تھا۔ انھیں کوئی محسوس ہونے کا سوال ہی نہ تھا — وما کان اللہ لیضیع ایمانکم — یہ سوال کہ جو لوگ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے، ان کی نمازوں کا کیا ہوگا؟ یاد رہے، اللہ، عقیدۂ درست و عمل صحیح (ایمان) کو نظر انداز نہیں کرتا، وہ نیت دیکھتا ہے۔ اگر وہ لوگ اپنی پسند سے نماز پڑھتے تھے تو قبلۂ اول بحال رہتا جب بھی عبادتیں قبول نہ ہوتیں۔ البتہ جو مومن قربتہً الی اللہ عبادت کرتے تھے ان کا صلہ انھیں ضرور ملے گا۔ اللہ تو رؤف و رحیم ہے۔

لِنَعْلَمَ — تاکہ ہم جان لیں۔ تحویل قبلہ امتحان تھا۔ امتحان، عموماً اس لیے ہوتا ہے کہ طالب علم کو سند و درجہ دیا جائے۔ عموماً، استاد کو اپنے شاگرد کی قابلیت معلوم ہوتی ہے مگر استاد یا شاگرد کا جاننا کافی نہیں، علم کسی وجود کا ثبوت نہیں، وجود و ظہور کمال کے لیے ہر راہ سے گذرنا اور ایک عمل ایجاد کرنا ضروری ہے۔ اللہ، کو علم ہے کہ مومن کون ہے۔ کافر کون مگر اس علم کے ظہور اور معلوم کے وجود سے دوسروں کو تشویق اور خود اس شخص پر حجت تمام ہوتی ہے۔ تو — اِلَّا لِنَعْلَمَ — کا مطلب واضح ہے۔ بطور محاورہ، مراد یہ ہے کہ سب جان لیں خدا جو علم غیب رکھتا ہے، اس کا علم شہود سب کو حاصل ہوجائے کہ متبع رسول صلعم کون ہے اور ہوا و ہوس کا پرستار کون ہے۔ رہا اللہ، تو ما اللہ بغافل عما تعملون۔ اس طرح کے استعمال قرآن مجید میں بکثرت ہیں۔ (ابھی اس امتحان و علم کے نتائج و گفتگو کا سلسلہ جاری ہے اور بات مزید واضح ہو رہی ہے)

سمت قبلہ کا تعین مظاہراتی امور میں وحدت کی بنیاد ہے۔ اللہ ایک ہے، پوری نے

مسلمہ کا فکری نقطہ اتحاد، قرآن حق ہے، نظریاتی نقطۂ اتحاد۔ رسول ؐ قائد و امام ہیں اور قبلہ
مرکز توجہ دونوں دعووں کے لیے عملی اقدامات اور صف بندی ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے اور سب
ان کے پیچھے قدم ملا کر ایک سمت چلیں تو امتِ وسط اپنے گواہ کے ساتھ سب کے ساتھ سب کے
سامنے شان و شوکت سے ابھر کر آئے گی۔

قَدْ
نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا
فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا
وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَئِنْ اَتَيْتَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ وَمَآ
اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنِ
اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا
يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ
يَعْلَمُوْنَ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝

ترجمہ:

یقیناً ہم تمہارے چہرے کا آسمان کی طرف بار بار اٹھنا دیکھ رہے ہیں،
تو ہم تمہیں اس قبلے کی طرف ضرور موڑ دیں گے جس سے تم خوش ہو۔ تو اب
اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف کر لو ۔ اور جس جگہ بھی تم ہوا کرو، اسی طرف منہ
کر لیا کرو۔ اور جن لوگوں کو کتاب ملی ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہی

اللہ کی طرف سے بجا و درست (وحق) ہے۔ اور اللہ، ان کاموں سے بے خبر نہیں جو کچھ وہ لوگ کرتے ہیں (۱۴۴) اور اگر (اے رسولؐ) آپ، اہلِ کتاب کے پاس ساری نشانیاں (دلائل و براہین) لے آئیں (جب بھی) وہ لوگ آپ کے قبلے کو نہ مانیں گے اور نہ آپ ان کے قبلے کو مانیں گے اور نہ ان میں کوئی ایک دوسرے کا قبلہ ماننے والا ہے۔ اور اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی۔ جب کہ علم (حقائق) آپ کے پاس آچکا ہے۔ تو اس وقت آپ بھی ستم گر ہوں گے (۱۴۵) جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اُسے یوں جانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو۔ اور بلاشبہ ایک گروہ ان میں ایسا ہے (جس کے افراد) دیدہ و دانستہ حق بات کو چھپاتے ہیں (۱۴۶) حق آپ کے رب (ہی) کی طرف سے ہے، اس کے بعد آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوئیے گا (۱۴۷)

تفسیر

۱۴۴۔ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بیت المقدس کے قبلۂ مُؤَقَّت ہونے کا علم [illegible] وقت حکم ثانی کی قربت اور انتظار کی گھڑیاں بے چین کیے تھیں۔ وحی کی تمنا اور نزول [illegible] فرمان کی آرزو میں نگاہیں بلندی کی طرف اٹھ رہی تھیں جب کو یہ ادا بھاگئی اور انتہائی [illegible] محبت کے لہجے میں ارشاد ہوا "ہم نے تمھاری نگاہوں کا اٹھنا دیکھا، گھبراؤ نہیں، ہم ایسا قبلہ مقرر کرنے والے ہیں، جس سے تم خوش ہو جاؤ گے، تمھارے دادا ابراہیمؑ کا آباد کیا [illegible] کعبہ، جہاں انھوں نے تمھارے لیے دعا کی تھی۔ موسیٰؑ سے پہلے کا قبلہ۔

حکمِ تبدیلیِ قبلہ : رسول اللہؐ مدینۂ منوّرہ سے ذرا دور بنی سلمہ کی آبادی میں ظہر کی [illegible] نماز ادا فرمارہے تھے کہ حکم ہوا۔ " فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ " تیسری رکعت میں حضرؐ [illegible] نے سمت مسجد الحرام رخ فرمالیا۔ ابھی تک وہاں یادگاری مسجد موجود ہے، گذشتہ د [illegible]

سال پہلے جب پہلے حج سے مشرف ہوا اور مدینۂ منورہ میں حاضری دی، تو مسجد ذو قبلتین میں
ہیں نماز پڑھی، مسجد میں داخل ہوتے ہی زینے والے دروازے کے قریب بائیں ہاتھ محراب
کی علامت صدیوں سے چلی آرہی تھی، دوسری مرتبہ گیا تو وہ محراب مٹادی گئی تھی۔

بہرحال سمت مسجد الحرام رخ کرنا شرط اداء نماز ہے۔ جہاں بھی نماز ادا کرنا ہو سمت
ہی رکھنا ہوگی۔ اس حکم نے مسلمانوں کو ہیئت وجغرافیہ۔ طول بلد و عرض بلد و اسطرلاب
وغیرہ کے علم وفن سے آشنا کیا اور پھر اس میں مسلمانوں نے ایسی مہارت حاصل کی جس نے معاصر قوموں پر برتری پائی۔

اس حکم کے ردِ عمل اور اہل کتاب کی بحث پر دھیان نہ دیں۔ انھیں جس طرح آخری نبی
کے اوصاف و احوال کا علم ہے اسی طرح اس قبلے کے برحق ہونے کی اطلاع ہے۔ اس کے بعد جو کرتے
ہیں کریں، اللہ، ان کے کرتوت جانتا ہے۔

حکم مذکور میں "کعبہ" کے بجائے "شطرِ مسجدِ حرام" ایک معجز نما تعبیر ہے۔ اس سے جہت اور اس میں
طول مسافت۔ اور طول صف میں فائدہ، خطِ سجدہ متعین کرنے میں آسانی اور کعبہ کے گرد حرکت کے
دائرے کی عظمت، سب کا بیان آگیا۔

۱۴۵۔ وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ بِکُلِّ اٰیَةٍ

میرے رسولؐ، آپ یا مسلمان جتنی دلیلیں دیں، معجزے بھی دکھائیے یہ اس قبلے کو مانیں گے
نہیں۔ یہ مسئلہ مرکزیت کا ہے، خود ان کے رخ الگ الگ ہیں اور آپ بھی ان کا قبلہ کب مانیں گے
خرمند نہ ہوں، ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ اے پیغمبر! قرآن آجانے کے بعد ان کی رائے کا وزن
ناکیارہ جاتا ہے۔ بفرضِ محال اگر آپ ان کے مطلبے مان لیں تو اس قدر محبوب و بلند مرتبہ ہونے
کے باوجود حق سے دور ہو جائیں گے۔ منحرف لوگوں کو مقدم سمجھنے اور حکم خدا کو ثانوی درجہ قرار دینے
پر یہ تنبیہ دراصل عام مسلمانوں کے لیے ہے، کہ جب ہم قانون کی بات کرتے ہیں تو اپنے بندۂ خاص
اور تمہارے رہبر اعظم کو بھی اس کا پابند کرتے ہیں، تا بہ شما چہ رسد۔

نیز دیکھیے آیت ۱۲۰۔

۱۴۶- اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ

اہل کتاب - یہود و نصاری آپ کے حسب نسب شکل وصورت، بعثت و شریعت کے بارے میں خوب جانتے اور آپ اتنا ہی جانتے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو، اسی وجہ سے تو ان میں سلیم الطبع مسلمان ہو گئے، کج فطرت یہ باتیں چھپاتے ہیں اور چھپاتے رہیں گے۔ مگر آپ کا نام اور کام اونچا ہو کر رہے گا۔

۱۴۷ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

قبلہ کی تبدیلی ہو یا آپ کی رسالت اور قرآن کا نزول، حق وہی ہے جو آپ کے رب کی طرف سے ہے۔ ہمدردی کی بنا پر حق کے معاملے میں پس و پیش کو راہ نہ دینا چاہیے۔ حق استقامت چاہتا ہے۔ یہاں بھی روئے سخن، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے اور بات عام مسلمانوں سے ہو رہی ہے۔ اس طرح بات میں زور اور کلام میں بلندی آگئی ہے اور یہ حق صرف اللہ کو حاصل ہے۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا
تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ۝

ترجمہ:

ہر ایک (گروہ) کی ایک جہت ہے، وہ اس کی طرف منہ کرتا ہے۔ تم تو نیکیوں میں آگے بڑھو (مقابلہ کرو)۔ تم جہاں کہیں ہو گے، اللہ تم سب کو (محشر میں) جمع کر دے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے (جو چاہے کر سکتا ہے) (۱۴۸)

تفسیر

مکے میں بتوں کی مخالفت اور مدینہ میں قبلہ کا مسئلہ پہلا سنگین مسئلہ تھا، وہاں مشرک بھڑک اٹھے تھے، یہاں یہود و نصاریٰ سامنے آگئے۔ قرآن مجید نے سادہ اور ہدایت آفرین لہجے میں سمجھایا کہ ابراھیم علیہ السلام سے موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام تک غور کرو، ان کے ماننے والے آج ایک جہت پر کب متفق ہیں، جو تم مسلمانوں سے الجھ رہے ہو۔ بیت المقدس ایک مگر اس کے ماننے والوں کی جہتیں دو۔ بس یہ بحث چھوڑ دو۔ خیر و بھلائی کو دیکھو، کدھر ہے۔ کون حق و صداقت، دنیا و آخرت میں فائدہ دینے والی ہمیں بتاتا ہے، بس بھلائیوں کو حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔ قیامت کے روز (بنا بر روایات اہل بیت علیہم السلام رجعت کے موقع پر) قادر مطلق اللہ تم سب کو یک جا کر دے گا اور اس وقت ہر ایک کا عقیدہ درست اور عملِ صحیح کام آئے گا۔ نیز دیکھیے آیت ۱۷۷۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

ترجمہ:

جہاں سے باہر جاؤ (شہر ہو یا قریہ، نماز کے لیے) اپنا رخ مسجد الحرام کی

طرف کرلو ، بے شک تمھارے رب کا یہ حکم برحق ہے ، اور جو عمل تم کرتے ہو
اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے (۱۴۹) اور جہاں سے بھی نکلو ، اپنا منہ مسجد الحرام
کی طرف کرلو (نماز کے لیے) اور جہاں کہیں (ٹھہرے ہوئے) ہو اپنے
رخ اسی (مسجد الحرام کی) طرف رکھو ، تاکہ لوگوں کو تمھارے خلاف کوئی دلیل
ہاتھ نہ آئے ۔ رہے وہ لوگ جو بے انصاف ہیں تو ان سے بے خوف رہو ،
اور مجھ سے ڈرتے رہو ۔ اور اس لیے کہ تم پر اپنی نعمت تمام کروں اور
اس واسطے کہ تم ہدایت پالو (۱۵۰)

تفسیر :

۱۴۹ ۔ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ــــــــ عَمَّا تَعْمَلُونَ
۱۵۰ ۔ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ــــــــ تَهْتَدُونَ

مسجد الحرام کی طرف رخ کرنے کا حکم فقط مدینے ہی کے لیے نہیں ، سفر میں جاؤ اور نماز
پڑھنے کھڑے ہو ، کہیں پڑاؤ کرو اور نماز پڑھنا ہو تو قبلہ وہی مسجد الحرام کی سمت ہے
خواہ سفر (یا نماز) مکے سے مدینے ہو یا مدینے سے شام ، راستہ بیت المقدس کی طرف ہو یا نہ
یا مغرب کی طرف ، سمت نماز (قبلہ وہی ہوگا ۔

تحویل قبلہ کا حکم بار بار آیا تو اس لیے ہے کہ اس کے اسباب متعدد اور فائدے
الگ الگ تھے ۔ (الف) قد نری تقلب وجهك ... رسول اللہ ؐ کی تکریم و رضا کا
اظہار (ب) ولكل وجهة هو موليها .... سنت اللہ یہ ہے کہ صاحبان شریعت کا
قبلہ الگ ہوتا ہے ۔ (ج) لئلا يكون للناس عليكم حجة ۔ دشمن کی دلیلیں ختم کرنے
کے لیے ۔

آیت نمبر ۱۵۰ میں تین فائدے بیان ہوئے ہیں ۔ (۱) دشمن الزام نہ لگا سکیں
(۲) اللہ اپنی نعمت تمام کرے (۳) مسلمان راہ ہدایت پا جائیں ۔
پھر تینوں آیتوں میں استقبال قبلہ کی تین حیثیتیں بیان ہوئی ہیں ، پہلی حیثیت

نماز پڑھنے کی حالت ہے۔ دوسری حیثیت زمان (سفر) کی اور تیسری حیثیت مکان اور مقام قیام کی ہے۔

مقصود اصل تقویٰ ہے، اس کے لیے خلا ہو یا ملا عمل ایک ہونا اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرنا شرط ہے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيكُمْ
رَسُولًا مِنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝
فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۝
يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ
الصّٰبِرِينَ ۝

ترجمہ:

جیسے ہم نے تمھیں میں سے تمہارے درمیان ایک رسول بھیجا، وہ تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا اور تمہارے نفس کو پاک کرتا اور تمھیں کتاب و دانش کی تعلیم دیتا ہے اور جو تمھیں معلوم نہ تھا وہ بتاتا ہے (۱۵۱) تو مجھے یاد کرتے رہو، میں بھی تمہارا ذکر (خیر) کیا کروں گا۔ اور میرا شکر ادا کرتے رہو اور ناشکری نہ کرنا (۱۵۲) ایمان لانے والو! صبر اور نماز کے وسیلے سے (خدا سے) مدد مانگو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (۱۵۳)

تفسیر:

۱۵۱۔ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا

اس سے پہلی آیت میں ولاتم نعمتی ۔ تھتدون ۔ کی بات ہے ۔ بعثت رسول کو اللہ نے نعمت قرار دیا ہے ۔ "من اللہ علی المومنین اذ بعث" اسی طرح کھلی گمراہی میں مبتلا لوگوں کے لیے آخری پیغمبر کو ہدایت دہادی بناکر بھیجا ۔ اس آیت میں "کما" "جس طرح، جیسے" کہہ کر سابقہ مسئلے کو معجزانہ طور سے مربوط فرمایا کہ تم لوگوں میں سے ایک شخص کو ہم نے مبعوث کیا، یہ تمہارے معاشرے، تمہارے شہر، تمہارے جانے پہچانے خاندان کا فرد ہے ۔ تم اپنا تخلیقی کلام سنتے سناتے رہے ہے ۔ یہ ہماری آیتیں پڑھتا اور سناتا ہے ۔ تم اخلاق و نفسیات بگاڑتے ہو یہ انہیں پاک و طاہر کرتا ہے ۔ تم جہالت و مکاری ، خونخواری و عہد شکنی کے درس دیتے رہے ، یہ کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے ۔ تم سب بھلائے بیٹھے تھے ، یہ روز علم و عقل کو جلا بخشتا ہے ۔ (دیکھئے آیت ۱۲۹) ذہنی صلاحیتوں کو ابھارنے کے لئے تلاوت، نفسیاتی قوتوں کو صالح بنانے کے لیے تزکیہ و تقوی، اس کے بعد دستور و قانون کی تعلیم اور دانش و بینش کی راہیں کھولنے کے لیے حکمت کی تلقین و تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عظیم کارنامہ ہے ۔

۱۵۲۔ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ

تعلیم و تربیت کے شاندار فوائد حاصل کرنے کا فائدہ کم سے کم یہ تو ہو کہ ہر دم اس کی یاد ہو ۔ یہ اس کا کرم ہے جو اس نے فرمایا ۔ مجھے یاد رکھو گے تو میں بھی تمہیں نظر انداز نہ کروں گا ربوبیت کی شان یہی ہے ۔ اب بندگی کا تقاضہ فراموش نہ ہو، ہر لمحہ ذکر، ہر آن شکر، کبھی کفران و ناشکری کا تصور قریب نہ آنے پائے ۔

۱۵۳۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ

صبر کا قرآن مجید میں تقریباً ستر مرتبہ ذکر کیا گیا ہے ۔ آدمیت و شخصیت کا سنگ بنیاد، ایمان و تقوی کی بنیاد پر رکھا جائے تو ایک اندرونی قوت ابھرتی ہے جسے صبر

کہتے ہیں۔ جب اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں تو مصائب سے کیوں ڈرے اور صراط مستقیم سے کیوں ہٹے۔ ثبات قدم (صبر) کے ساتھ نماز پڑھ کر مزید قوت میں اضافہ چاہو۔ ثابت قدم، راسخ الایمان افراد کا اللہ ساتھ دیتا ہے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ہر مشکل کے وقت اٹھتے نماز پڑھتے اور اس آیت کی تلاوت فرماتے تھے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ﴿﴾

ترجمہ:

جو راہ خدا میں قتل کیے گئے، انہیں مردہ نہ کہو۔ وہ تو زندہ ہیں۔ اور بات یہ ہے کہ تم (ان کی زندگی کا) شعور نہیں رکھتے۔ (۱۵۴)

تفسیر:

شہید زندہ ہے۔ اسے مردہ نہ کہو۔ راہ خدا میں جسے قتل کر دیا گیا، اللہ کے لیے جس نے خون کا دریا عبور کر لیا، اس کی توحید پرستی، اللہ پر بھروسہ، مقاصد دین پر زندگی نثار کرنے کا عمل، خالق موت و حیات کی ایسی رضا کا باعث ہے کہ اس نے اپنی قدرت کاملہ سے تار نفس ٹوٹ جانے جسم کے آثار ختم ہو جانے کے باوجود "زندہ" رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ سوال کہ اس کی زندگی کیا ہے؟ حیّ و میّت کا ہم ہر لمحہ مشاہدہ کرتے ہیں، اس شہید میں اور عام مرنے والے میں کوئی فرق نہیں ملتا؟ جواب ہے "لاتشعرون" اس زندگی کا تم شعور نہیں رکھتے۔ اسی سورۂ بقرہ میں ملائکہ کی بات معجزے کی زبان میں بیان ہوئی ہے۔ سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم (۳۲) پروردگار تو پاک ہے، ہمیں تو وہی معلوم ہے جو تو نے ہمیں عطا کیا تو ہر قسم کے علم کا مالک اور تمام حکمتوں سے باخبر ہے۔ اس نے کہا ہم نے موت و خلق کیا عقل کو تردد ہوا، اس نے فرمایا "غیب" ایک حقیقت ہے۔ عقل کو شک ہوا۔

اس بارے میں عقل کو یہ بات یاد دلانا چاہیے کہ حکما و فلاسفہ بلکہ آج کے سائنس داں بھی کہتے ہیں ۔" وعلم کنہ حقائق الاشیا غیر جیدا "۔ چیزوں کی اصل وکنہ کا علم مشکل ترین بات ہے۔"

راہ خدا میں موت زندگی بن جاتی ہے ۔ یہ وہ اعلان ہے جس نے مسلمانوں کے لیے حق پر مرنا آسان کر دیا ۔ بدر سے کربلا تک اس کے مثالی نمونے اور تاریخ مسلمان عالم اس کے حیرت انگیز آثار سے روشن ہے اور نور افشاں رہے گی ۔ (دیکھیے آل عمران ۱۶۹)

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝

ترجمہ:

اور ہم قطعاً تمہیں تھوڑے سے خوف، بھوک اور مال و جان اور پھلوں میں کمی سے آزمائیں گے ۔ اور (اے رسولؐ) بشارت دیں ۔ ان صبر کرنے والوں کو (۱۵۵) جو مصیبت پڑنے کے وقت کہتے ہیں ۔ ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اسی کے حضور میں پلٹ کر جانے والے ہیں (۱۵۶) یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوٰۃ و رحمت ہے ۔ اور یہی وہ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں (۱۵۷)

تفسیر:

۱۵۵۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ . . . . زندگی جد و جہد، محنت و مشقت، امتحان اور سفر در سفر کا نام ہے ۔ ٹھہرنا ساکن و متعین

رہنا، آرام و سکون کا نام موت ہے، فکری تصادم، عملی ٹکراؤ، مقاصد کا تضاد، آگے بڑھنے اور منزل پا لینے کی خاطر ٹھوکریں کھانا پڑتی ہیں۔ یہاں دعوے ٹھکرا دیے جاتے ہیں، دلیلیں پرکھی جاتی ہیں۔ جن طلبہ نے گولڈ میڈل لیے ہیں، جن مزدوروں نے تاج محل بنائے ہیں، ان سے پوچھیے، کتنی راتیں جاگ کے کاٹیں، کتنے دن بے حواسی میں گذارے۔ کتنے پتھر ڈھوئے اور کتنی چوٹیں کھائیں تب جا کر داد ملی اور انعام پائے ہیں۔ اللہ کا دستور قدیم ہے کہ دعوت اسلام پر لبیک کہنے والوں کو انعام دیتا ہے۔ ان کے ہاتھ پاک ان کا ظاہر طاہر، ان سے معاشرتی زندگی کے رشتے سنوار کرنے کا حکم دینے کے بعد۔ امتحان لیتا ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَن یترکوا ان یقولوا آمنا... کیا لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ اس بنیاد پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ دعوائے ایمان کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم نے ان سے پہلے والوں کو آزمایا۔ تاکہ اللہ سچے لوگوں کو الگ دیکھ لے اور جھوٹوں کو الگ دیکھ لے۔" (العنکبوت ۲)۔ اللہ کا امتحان، جان، مال، اولاد، فصل، خوف اور ہزار رنگ سے ہوتا ہے۔ جو جتنا ثابت قدم رہا اسے اتنی ہی بلندی ملی۔ قرآن نے اس کی ضمانت دی ہے۔

۱۵۔ اَلَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَتۡہُمۡ مُّصِیۡبَۃٌ ۙ . . . .

مصیبت میں مبتلا ہونے والے نفسیاتی طور پر تین گروہوں میں بٹ جاتے ہیں۔

۱۔ وہ لوگ جو گھبرا کر جائز و ناجائز اخلاقی و غیر اخلاقی تدبیروں سے مدد لے کر بلا کو ٹالنے کی سعی کرتے ہیں۔ ۲۔ وہ لوگ جو حواس باختہ ہو کر بے دست و پا پڑ جاتے ہیں کہ جو ہونا ہے ہوگا۔ ۳۔ وہ لوگ جو مصیبت کے وقت تیار اور بلا میں گرفتار ہو کر خدا سے لو لگاتے، توکل کا دامن تھام کر کہتے ہیں حسبنا اللہ" وہ تھک کے نہیں بیٹھتے، قانون خدا اور رضا کے آئین کو سامنے رکھ کر سرگرم عمل رہتے ہیں اور کہتے ہیں: اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ"

عجیب فلسفہ اور زندگی آفرین عقیدہ

عقیدہ لا الٰہ الا اللہ، بجائے خود ایک قوت ہے، ایک قادر و مالک، خالق و حکیم کو مان کر ہر قوت و طاقت کو کمزوری سمجھنا.... لاحول و لا قوۃ الا باللہ۔ کوئی قوت کوئی طاقت نہیں ہے، مگر اللہ سے۔ اس عزیمت کے سامنے کوئی فرعون نہیں ٹھہر سکتا، پھر ایک منزل وہ ہے، جہاں عقل و بصیرت کہتی ہے۔ انا للہ۔ ہم اللہ کے ہیں، وہ مالک ہے ہم مملوک، وہ آقا ہے ہم بندے، وہ صاحب اختیار، ہم بے اختیار و ناچیز۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس کی تفسیر کا سمندر دو جملوں میں

سمو دیا ہے۔ "انّ قولنا ۔ انا للّٰہ ۔ اقرار علی انفسنا بالملک ۔ ہمارا ۔ انا للّٰہ ۔ کہنا دراصل یہ اقرار ہے کہ ہم اس کی ملکیت میں ہیں ۔ وقولنا ۔ انا الیہ راجعون ۔ اقرار علی انفسنا بالھلک " اور انا الیہ راجعون ۔ یہ اقرار ہے کہ ہم فنا ہو جائیں گے ۔ (کلمات قصار نہج البلاغہ) سپردگی کا یہ درجہ تقوے کا انتہائی مقام ہے۔ یہاں پہنچ کر مصیبت بشارت بن جاتی ہے اور خداوند سے اس کی رضا پوچھتا ہے۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس درجے کی معراج پر فائز تھے، اور علیؑ و فاطمہؑ ان کے نقش قدم پر ان کے پیچھے پیچھے۔ ان کی امت میں ہزاروں افراد اس فلسفے پر کاربند رہے اور آج بھی ہیں۔

ایک خاتون کا درجہ شیخ عباس قمیؒ نے سفینۃ البحار میں لکھا ہے :

ام عقیل ایک صحرا نشین خاتون کے گھر دو مہمان آگئے۔ اس کا فرزند اونٹ چرانے صحرا گیا ہوا تھا، مہمانوں کے اترتے ہی کسی نے خبر دی ۔ اونٹ بگڑ گیا اور اس نے تمہارے بیٹے کو کنوئیں میں پھینک دیا، اس کی موت واقع ہو چکی ہے ۔ وہ مومنہ مخبر سے کہنے لگی ۔ ذرا زحمت کرو، میرے یہاں مہمان آئے ہیں یہ دنبہ لو، اسے ذبح کر کے گوشت تیار کر دو ۔ گوشت تیار ہوا، اس نے جلدی جلدی کھانا پکا کر مہمانوں کے سامنے لگا دیا۔ مہمان کھانے سے فارغ ہو چکے تو مومنہ نے کہا ۔ آپ میں سے کوئی عالم قرآن ہے ؟ ایک شخص نے پوچھا کیا بات ہے ؟ اس نے کہا مجھے کوئی ایسی آیت سنائیے کہ بیٹے کی موت سے تسلّی و صبر حاصل ہو۔ مہمان نے آیت پڑھی ۔ وبشّر الصّابرین الذین اذا اصابتہم مصیبۃ قالوا انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون اولئٰک علیہم صلوٰۃ من ربہم ورحمۃ واولئٰک ہم المھتدون ۔ عورت خدا حافظ کہہ کر اٹھی اور نمازیں پڑھنے لگی، نماز کے بعد بارگاہ الٰہی میں عرض کی ۔ یا اللّٰہ ! تو نے جو حکم دیا میں نے اس کی تعمیل کی۔ اب تو نے جو وعدہ فرمایا ہے، اسے پورا کر ۔ اگر اس دنیا میں کو کسی کے لیے جینے کا حق ہوتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (ہم لوگ یہ سمجھے کہ یہ خاتون کہے گی کہ میرا فرزند میرے لیے زندہ رہتا۔ مگر اس نے جملہ یہ کہہ کر پورا کیا ۔ تو پیغمبر اسلامؐ امت کے لیے باقی رہتے (مادہ صبر)

اور کربلا کے واقعے میں امام حسین علیہ السلام نے اس آیت کی قولی و فعلی جو تفسیر

س کی مثال قیامت تک کے لیے ایک درس ہے۔ مدینے سے کربلا تک ہر قدم پر یہ آیت پڑھتے
در روکنے اور مشورے دینے والوں کو سمجھاتے رہے کہ جب ہم اللہ کے ہیں اور اسی کے حضور
جا رہے ہیں تو غم کیا اور خوف کس کا۔

انقلاب اسلامی ایران میں۔ سیّد جلیل امام روح اللہ خمینی مدظلہ العالی اور ان کے
ساتھیوں نے امام حسین علیہ السلام کے اس درس اور قرآن کے اس فلسفے پر عمل کرکے جو
نمونے پیش کیے ہیں وہ حقانیت اسلام و قرآن کا زندہ ثبوت ہیں۔ انقلاب کے ستون، قوم
کے سربراہ، امام کے دست و بازو، آیت اللہ محمد حسین بہشتی اپنے ۷۲ ساتھیوں کے ساتھ
بم سے اڑا دیے گئے، ہم دور ہوتے کے باوجود لرز گئے۔ مگر امام خمینی مدظلہ نے تقریر کے
آغاز ہی میں فرمایا کہ جس قوم کا فلسفہ انا للہ ہو اسے موت سے نہیں ڈرایا جاسکتا۔ عزیز سے
عزیز ترین کی موتیں اور ربلا پر بلا کی یورشیں ہیں، مگر رہبر اعظم ملت کا چہرہ انا للہ وانا الیہ
راجعون کا آئینہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو چار عادتیں ہوں گی اسے نور اللہ
اعظم میں جگہ ملے گی جس کی ہر کام میں لا الٰہ الا اللہ و محمد رسول اللہ سے ضمانت لینے کی عادت ہو،
جس پر مصیبت آئے تو انا للہ و انا الیہ راجعون کہنے کی عادت ہو۔ جسے کوئی خیر ملے تو الحمد للہ
غلطی کرے تو استغفر اللہ کہنے کی عادت ہو (دیکھیے الصافی بحوالہ عیاشی والخصال)

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ

وہ صابر و ثابت قدم، وہ انا للہ کے قائل افراد قابل درود و رحمت ہیں۔ اللہ ان پر صلوٰۃ
(درود) و رحمت نازل فرماتا ہے۔ کیونکہ "رحمتی وسعت کل شیئ فسا کتبھا للذین یتقون" (الاعراف ۱۵۶)
آفرین بھی ہے اور سند رضا بھی۔ نیز مرد مومن کی سب سے بڑی کامیابی کا اعلان ہے۔

از الصفا

وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ

ترجمہ:

بلاشبہ صفا اور مروہ (کی پہاڑیاں) اللہ کے شعائر میں ہیں، تو جب بھی کوئی شخص بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ بجالائے تو کوئی حرج نہیں (کوئی گناہ نہیں) کہ ان دونوں میں سعی کرے اور جو شخص دل وجان سے اچھا کام کرے تو اللہ قدرداں اور سب کچھ جاننے والا ہے (۱۵۸)

تفسیر:

جب سے کعبہ ہے اس وقت سے حج ہے، حضرت ابراھیم علیہ السلام نے عمارت کی تجدید اور اپنی زوجہ "ہاجرہ" کو مع شیرخوار فرزند اسماعیل علیہ السلام کے یہاں آباد کیا۔ اللہ نے ان کے منصوبے کو پسند فرمایا اور حج میں ان لوگوں کے اعمال کو واجب قرار دے دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے یہاں بتوں کا راج تھا، اور بت شکن خلیل اللہ کے حج میں مہملات ملاکر اسے کچھ سے کچھ کر دیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا حج کے مناسک معین کیے تو ان میں طواف خانہ کعبہ اور صفا ومروہ کی سعی بھی تھی روایات اہل مدینہ دستور قدیم کے مطابق سعی نہیں کرتے تھے۔ پھر صفا پر "اساف" اور مروہ پر "نائلہ" نامی مورتیں رکھ کر اور ستم ڈھایا تھا۔ لوگ مسلمان ہوئے اور حضور احکام حج بتائے۔ تو کچھ لوگوں نے "سعی" کے بارے میں تردد کیا۔ دونوں بتوں کی طرف ان کے پہاڑوں میں سعی کریں؟ کیا حکم ہے۔ ارشاد باری ہوا ــ حج اور عمرہ دونوں کرو، سعی میں کوئی گناہ اور کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اگر دل وجان سے خدا کے لئے یہ عمل نیک عمل کرو گے تو خدا اس کا بدلہ دے گا، وہ نیت وکردار سے باخبر ہے۔

صفا۔ ایک پتھر کی پہاڑی گوشہ حجر اسود کے سامنے پندرہ میٹر بلند اور مروہ کے سامنے آٹھ میٹر کی اونچائی رکھتی ہے۔ دونوں سخت پہاڑیوں کے درمیان چار سو میٹر کا فاصلہ ہے۔ جن کے درمیان چلنا اور "ہرولہ" کرنا پڑتا ہے۔

سعی، بندگی کی سخت راہوں اور عاجزی کی پتھریلی گھاٹیوں میں قدم بڑھانے کی تربیت بھی ہے اور للّٰہیت کا امتحان بھی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾

ترجمہ:

بے شک جو لوگ ان واضح احکام اور ہدایات کو جنھیں ہم نے نازل کیا اس کے بعد چھپاتے ہیں جبکہ ہم لوگوں کے لیے کتاب میں صاف صاف بیان کر چکے، تو یہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں (۱۵۹) مگر جن لوگوں نے (حق چھپانے سے) توبہ کی اور اپنی اصلاح کرلی اور (کتاب کے احکام) بیان کیے، تو میں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہوں (۱۶۰)

تفسیر:

۱۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا ....

تورات میں آخری نبی امیؐ کے صفات اور ہدایت کے اصول، توحید و احکام شریعت پہلے نازل کیے گئے تھے کہ مستقبل تک لوگوں کو فکری طور پر تیار کیا جائے مگر یہود نے تعلیمات کو چھپایا اور لوگوں کو کچھ نہ بتایا، لہٰذا جو لوگ حقائق کو چھپاتے اور عوام کو اندھیرے میں رکھتے ہیں، انھیں لعنت کی سزا ہے۔ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے، اور مومن انسان بھی لعنت کرتے ہیں۔ نفرت کا اظہار جس طرح لعنت سے ہوتا ہے کسی چیز سے نہیں ہوتا، لعنت، آخرت میں رحمت سے دوری اور دنیا میں پھٹکار اور بیزاری ہے اور یہ سزا اس باخبر کے لیے ہے جو حق چھپائے۔

دینِ خدا ایک مشن ہے، ایک تحریک اس تحریک میں پیام کو چھپانا اصل دین کی ترقی کو روکنا اور اسے انحراف کی طرف ڈھکیلنا ہے۔ ظاہر ہے کہ بامقصد منصوبوں میں ایسے کام بڑے سخت جرم ہیں۔ خدا رحیم ہے اس لیے ایسے مجرموں کو موت کی سزا نہیں دی، مگر ہاں، لعنت کی سزا دی ہے جو ہمیشہ باقی رہے گی۔ دیکھیے آیت ۱۵۹۔

۱۶۰۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا ....

ترییت اور ہمت افزائی کا یہ انداز رحمت۔ سبحان اللہ۔ حق چھپانے کا مذموم جرم اور اس کی سزا بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا کہ جو لوگ اپنی اصلاح کریں، توبہ و معافی مانگیں اور اللہ کا پیام کماحقہ لوگوں تک پہنچانے لگیں گے وہ دوبارہ مومنوں میں شامل اور اسلام کے حلقے میں داخل مان لیے جائیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝

ترجمہ:

بے شک جو کافر ہوئے اور کفر کی حالت میں مر گئے۔ ان لوگوں پر اللہ کی اور ملائکہ کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے (۱۶۱) ہمیشہ اسی لعنت میں رہیں گے نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہوگا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی (۱۶۲) اور تمہارا معبود، یکتا معبود ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ رحمن و رحیم ہے (۱۶۳)

تفسیر:

۱۶۱۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ ....

۱۶۲۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ ....

اللہ کے تعلیمات اور حق باتوں کے چھپانے پر تنبیہ کے بعد ان افراد و اقوام کے بارے میں قانون بیان ہو رہا ہے کہ منکرین تعلیمات انبیاء کی سزا ابدی عذاب آخرت اور دنیا میں اللہ کی لعنت کے ساتھ ساتھ ملائکہ اور انسانوں کی لعنت و برأت سے بھی دوچار رہیں گے۔ یہ افراد ہمیشہ ان سے بیزاری کا اعلان کرتے رہیں گے تاکہ ان کی طرح دوسرے افراد کفر اختیار نہ کریں۔

۱۶۳- وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

یہ اعتقاد رکھو اور یہ حقیقت ہے کہ معبود حقیقی تم سب کا ایک ہی ہے اس میں تعدد کا ذرہ برابر احتمال نہیں۔ یہ آقائی نہیں کہ اس سے گھبرائے تو دوسرے کے ہو رہے، یہاں تو اس وحدہ لاشریک سے منہ موڑا تو پھر کوئی والی و وارث نہ ہو سکے گا۔ اس کے سوا نہ کسی کے سامنے سر جھکانا صحیح ہے نہ کسی اور کے لیے تم پیدا ہوئے ہو۔

جسے اس کی یکتائی میں تسک ہو وہ کائینات کی تخلیق پر غور کرے، ہر ذرّہ اس کی وحدانیت و وجود کی دلیل ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ
الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ
مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ
دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۶۴﴾

ترجمہ:

بے شک، آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے ادل بدل، اور سمندر میں کشتیوں کے چلنے میں جو لوگوں کے لیے کارآمد سامان لے کر چلتی ہیں اور پانی میں جو اللہ نے آسمان سے برسایا، پھر اس سے زندہ کیا۔ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد اور زمین میں سب طرح کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کے آنے جانے میں اور بادل میں جو اس کے حکم کا پابند ہے زمین و آسمان کے درمیان۔ یقیناً یہ نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے ﴿۱۶۴﴾

تفسیر:

علم کا ابتدائی مرحلہ مشاہدہ و مطالعہ ہے، دوسرا ذریعہ تعقل و ادراک۔ قرآن مجید نے دونوں علمی ذرائع استعمال کرنے پر زور دیا، مطالعہ، تحریر، تقریر، ریاضت، سفر برائے طلب علم، مشاہدہ، تجربہ اور سب سے بڑی بات مقصدِ تحصیل علم، استاد اور مدرس کا تعین۔ قرآن مجید میں اس موضوع پر متعدد آیات ہیں۔ ہم ان شاء اللہ آگے انھیں پیش کرتے رہیں گے۔ یہاں صرف یہ نکتہ عرض ہے کہ مکی آیات میں وجود باری اور اس کے ثبوت میں آثار و تخلیق پر بہت زور رہے۔ اب تک جو آیتیں

آئی ہیں ان میں یہ آیت اس سلسلے کی پہلی اور ذرا مفصل آیت ہے۔

اللہ ـــ واحد، قادر و حکیم ہے۔ اس کی دلیل، اہل عقل کے لیے کائنات کی گواہی ہے۔ ذرا گردن اٹھا کر نظر دوڑاؤ۔ کتنی بڑی فضا اور کتنا اونچا آسمان ہے، غور کرو، آدم زاد کہاں تک پہنچا اور ابھی تک آسمان کا سرا نہیں ملا۔ اسی طرح زمین۔ اس کا عجیب و غریب طول و عرض، روشنی اور اس کا اتار چڑھاؤ، دن ہوا، رات گئی، رات آئی اور نقشہ بدل گیا۔ یہ سمندر اور دریا، پانی اور اس کے فوائد، ریگستان میں اونٹ، سمندر میں جہاز، ہوائیں اور ان کے اثرات سب ایک طرف اور بارش اپنی جگہ، زمین کو ٹیوب ویل سے سیراب کرکے، نہروں سے سینچ کر دیکھ لیا جو زندگی و توانائی بارش سے زمین اور پیداوار، ارضی مخلوق اور جانداروں کو ملتی ہے۔ وہ دوسری آب رسانی میں نہیں تم یہ سب چیزیں دیکھ کر خالق یکتا کا تصور کرسکتے ہو، اور اہل نظر غور کرکے اس کی تصدیق حاصل کرسکتے ہیں۔ عارف کے لیے مطالعہ و فکر، عالم کے لیے تعقل و تدبر کی راہیں کھلی ہیں۔ کفر و انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

اس آیت میں سائنس اور مطالعۂ کائنات کے کم از کم آٹھ موضوع بیان ہوئے ہیں:

۱ـــ آسمان و زمین کی تخلیق۔
۲ـــ رات دن کی آمد و رفت۔
۳ـــ کشتیوں اور جہازوں کی سمندر میں آمد و رفت۔
۴ـــ بارش۔
۵ـــ بارش سے زمین کا زندہ ہونا۔
۶ـــ زمین میں جاندار مخلوق۔
۷ـــ ہوا اور اس کا چلنا۔
۸ـــ بادل۔

قرآن مجید کا معجزہ ہے۔ چھوٹی سی آیت میں، سائنس کے مختلف شعبوں کی نشاندہی کرنے کے ساتھ فکرِ بشر کو مہمیز اور طلب علم کی دعوت بھی دے دی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ۗ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۗ كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾

ترجمہ:

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے علاوہ اوروں کو اللہ کا مقابل (ہمسر) بناتے ہیں اور ان سے اللہ کی طرح محبّت کرتے ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لاچکے وہ ان سے کہیں زیادہ الفت اللہ سے رکھتے ہیں۔ اور کاش، ظالموں کو وہ (حقیقت) اب سوجھائی دے جاتی جو عذاب دیکھ کر سوجھے گی کہ بے شک ہر طرح کی ساری قوت اللہ ہی کی ہے اور بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے (١٦٦) (اور کس قدر سخت مرحلہ ہوگا) جب پیشوایانِ باطل اپنے پیروؤں سے تبرّا کریں گے (پیچھا چھڑائیں) اور عذاب کو دیکھیں گے اور ان سب کے تعلقات ٹوٹ جائیں گے (١٦٦) اور پیروکار کہیں گے اگر کہیں دوبارہ ہمیں دنیا میں واپس جانا ملے تو ہم بھی ان سے (اسی طرح تبرّا) بیزاری کریں جیسے انھوں نے ہم سے بیزاری کی۔ یوں، اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ان کو حسرت آفرین بناکر انھیں دکھائے گا اور وہ جہنّم سے نکلنے نہ پائیں گے (١٦٧)

تفسیر :

۱۶۵ - وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ . . . .

قرآن مجید کی تعلیم تو ہے "الھکم الٰہ واحد .... " مگر بر خود غلط لوگوں نے بلا وجہ، بلا دلیل کچھ "اللہ جیسے" بنا لیے ہیں۔ ان سے وہ عشق و محبت ہے کہ خدا کو بھلا دیا۔ ان سے آس لگاتے، اگر یہ بوتے ہیں تو ان کے اشاروں پر چلتے ہیں، ان کے غضب سے ڈرتے ہیں۔ ان بتوں اور شیطانوں سے عقیدت اس وقت ہوا ہو جائے گی جب حشر کا میدان پھر عذاب کا سامنا ہوگا۔ اس وقت نہ وہ محبت کام آئے گی، نہ ان کی آما ئی رنگ دے کھائے گی عذاب خدا دیکھ کر اس وحدہ لاشریک کی قوت و قدرت کا اقرار کرنا بے سود ہے، ماننا ہے تو آج اسے مالک و معبود مانو۔

نجات اس کی ہے جو، اللہ کے مثل و ند سے بیزار ہو۔ حضرت علی علیہ السلام نے تعلیم دی ہے۔ اوّل دین اس کی معرفت، اور معرفت کا کمال اس کی توحید کا عقیدہ ہے اور کمال عقیدۂ توحید۔ اخلاص کہ ہر طرح کے میل اور مثال سے اسے پاک و بلند جاننا ہے۔ بھٹی جب سب اس کے پیدا کیے ہوئے ہیں تو اس کے ساتھ انھیں کیوں ملاؤ۔ وہ بات نہ کرو جو خلاف تقوی ہو۔ مومن و متقی آج بھی سب سے زیادہ محبت اللہ ہی سے رکھتے ہیں وہ قدرت و قوت کا مالک اسی کو سمجھتے ہیں۔

۱۶۶ - اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا . . . .

خود ساختہ آقاؤں کا حشر یہ ہوگا کہ قیامت کے دن، عذاب خدا دیکھتے ہی یہ معبود، یہ سلاطین، یہ بت اور یہ شیاطین جن کے اوپر لوگ جان دیتے تھے یوں الگ ہو جائیں گے جیسے ان سے ان کا کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ سب عقیدت و محبت کے رشتے ٹوٹ جائیں گے۔

۱۶۷ - وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا . . . .

عذاب کا سامنا، اور آسروں کا ٹوٹنا اور آقاؤں کا روٹھنا دیکھ کر یہ مرید و فدوی و غلام با وفا کہیں گے کہ دنیا میں دوبارہ جانا مل جائے تو ان شیطانوں سے اسی طرح اظہار بیزاری کریں گے جیسے یہ لوگ اس وقت ہم سے تبرّا کر رہے ہیں۔ مگر اب حسرت کے سوا کچھ حاصل نہیں، انبیاؑ کو نہ ماننے ائمہؑ کے فرمان ٹھکرانے کے نتائج اور عذاب کا سامنا ہے اور اسی عذاب میں رہنا ہے۔ اللہ۔ تیری پناہ۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١٦٨﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾

ترجمہ:

لوگو! زمین کی چیزوں میں حلال پاک چیزیں کھاؤ، اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے (۱۶۸) وہ تمھیں بدی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور یہ تم اللہ کے خلاف (وہ باتیں) کہو جو تم نہیں جانتے (مانتے) (۱۶۹)

تفسیر:

شیطان کے اقدامات سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان خدا کے احکام پر عمل کرے، ان احکام میں سے ایک حکم کلی یہ ہے کہ زمین پر جو حلال و طیب ہے اس کا کھانا مباح ہے۔ حرام و خبیث چیزوں کا بیان الگ آئے گا۔ اس حکم کے بعد بتوں کے نام پر آزاد چھوڑے ہوئے اونٹ گائے، بکری یا بطور خود حرام کردہ اشیأ پر اصرار شیطانی راہ اور شرک ہے، شیطان تمہارا دشمن ہے وہ صراط مستقیم سے ہٹائے گا، وہ بری باتوں اور برے کاموں کا مشورہ دے گا، وسوسہ وہ ڈالے گا، غلط فیصلے تم کرو گے اور اس کو وزنی بنانے کے لیے منسوب اللہ کی طرف کرو گے۔ شرک کی ایک قسم یہ بھی ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا

كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۷۱﴾

ترجمہ:

اور جب ان سے کہا گیا کہ اللہ کی طرف سے جو حکم آیا ہے اسے مانو۔ ان گوں نے (جواب میں) کہا۔ بلکہ ہم نے تو اپنے آباء واجداد کو جس طریقے پر پایا، اسی راہ پر چلتے ہیں۔ اگرچہ ان کے آباء واجداد نہ تو کچھ سمجھتے ہوں نہ ہدایت یافتہ ہوں (۱۷۰) اور کافروں کی مثال یوں ہے جیسے کوئی شخص اس (جانور) کو پکارے جو پکار اور چلانے کے سوا کچھ نہ سنے۔ بہرے، گونگے، اندھے ہیں، وہ تو کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں (۱۷۱)

تفسیر:

دعوت حق کے جواب میں منکروں کا ایک انداز جواب آیت ۱۶۸ میں بیان ہوا کہ من مانے احکام اللہ سے منسوب کریں گے ہمارے نبی کی بات نہ مانیں گے۔ دوسرا طریقہ ان کا فرو مشرک و منکر افراد کا یہ ہے کہ ہماری دعوت کے مقابلے میں باپ دادا کا دستور اور پرانے رسم و رواج کا حوالہ دیتے ہیں، اور عقل کے دشمن یہ جانتے ہوئے انجان بنتے ہیں کہ وہ لوگ بے شعور و منحرف ہیں۔

اے میرے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ہر ذمہ دار (امام و داعی) ان اندھی تقلید کرنے والوں کی مثال اس گلے کی ہے جسے خطرے سے آگاہ کرنے کے لیے چرواہا اشاروں اور دانائی سے سمجھانا چاہے مگر ان پر اثر نہ ہو۔ کیونکہ وہ جانور عقل و ادراک میں صرف اتنا حصہ رکھتے ہیں کہ چرواہے کی چیخ سن لیں اور بس۔ اس بنا پر انسان نما جانوروں پر قوت ضایع نہ کرو۔

ان کے پاس عقل و قلب ہے مگر ادراک و وجدان سے خالی، آنکھیں ہیں مگر روشنی نہیں کہ دیکھ سکیں، کان ہیں مگر قوت سماعت سے بے بہرہ، جیسے جانور، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ (الاعراف ۱۷۹)

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا ان کو دعوت اسلام و ایمان دینا ایسا ہے جیسے جانوروں سے باتیں کرنا وہ آواز تو سنتے ہیں مگر بات نہیں سمجھتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿١٧٢﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٧٣﴾

ترجمہ:

ایمان لانے والو! پاکیزہ نعمتیں جو تمھیں روزی میں ہم نے دی ہیں انھیں کھاؤ پیو اور اللہ کا شکر کرو، اگر تم اس کی ہی عبادت کرتے ہو (۱۷۲) اس نے تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت اور (جس) ذبیحہ پر غیر اللہ کا نام (وقت ذبح) لیا گیا ہو وہ حرام کیا ہے۔ پھر جو شخص ناچار ہو (بشرطیکہ) نافرمان نہ ہو، حد (شرع) سے آگے بڑھنے والا نہ ہو تو اس پر گناہ نہیں ہے۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے (۱۷۳)

تفسیر:

۱۷۲۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا ....

اللہ نے حلال وطیّب و مباح چیزوں کے استعمال اور کھانے پینے کی اجازت کے ساتھ یہ بھی سمجھایا کہ چونکہ تم شرک سے دور ہو اس لیے شانِ بندگی یہ ہے کہ نعمت پر شکر بھی بجالاؤ۔ شرک شیطان کی راہ چلتے ہیں تم ہر لمحے اللہ کی یاد کرتے رہو گے تو ہوس کا غلبہ اور لذت طلبی کا زور ٹوٹ جائے گا۔

۱۷۳۔ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ ....

حصرِ اضافی کے ساتھ یہاں چار چیزوں کی حرمت بیان ہوئی ہے۔ مردار، خواہ وہ اپنی موت سے مرا ہو یا غیر شرعی طور پر مارا گیا ہو۔ اصل میں حلال جانوروں کو رو بہ قبلہ لٹا کر، خود رو بقبلہ

ہو کر، "اللہ اکبر بسم اللہ، اللہ اکبر" کہتے ہوئے حلقوم کی نچلی دونوں طرف کی دو رگوں کا کاٹنا حلقوم سمیت کہ ان سے خونِ جہندہ نکلے۔ ذبیحہ ہے۔ اور اسی کے بعد وہ گوشت پوست مباح ہوتا ہے۔ کسی بت، پیر فقیر یا محترم شخص کے نام سے ذبح کرنا حرام اور ایسے ذبیحہ کا کھانا ناجائز ہے۔

خون نجس ہے اور اس کا کھانا پینا حرام ہے۔ لیکن وقت ذبح عادت و معمول کے مطابق ذبیحہ کا خون نکل جائے تو ان رگوں اور حلقوم پر پانی ڈالنے اور نکلے ہوئے خون کو پاک کرنے کے بعد اندر کا خون پاک ہو جاتا ہے اور گوشت میں لگا ہوا خون کھانا مطابق حکم سنت جائز ہے۔ اسی طرح خون چڑھانے کا حکم بھی مستثنیٰ مانا گیا ہے۔

سور، نجس العین ہے۔ فَإِنَّهُ رِجْسٌ۔ اس کا گوشت کھانا حرام ہے، اس کی چربی اور سب کچھ ناپاک و حرام ہے۔

اُهِلَّ: اہلال، ذبح کے وقت بآوازِ بلند نام لینا۔ محرم کا صدائے تکبیر بلند کرنا، چاند دیکھ کر اعلان کرنا اور دوسروں کو چاند دکھانا۔

آیت میں چوتھا حکم کلی ہے کہ جس ذبیحہ پر وقت ذبح اللہ کا نام نہ لیا جائے کسی بت، بادشاہ یا پیر فقیر.... کا نام لیا جائے وہ ذبیحہ حرام ہے اس کا گوشت کھانا جائز نہیں۔ تفصیلات کے لیے کتب فقہ دیکھیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ذبیحہ قربۃً الی اللہ ہونا چاہیے۔

رعایت یہ ہے کہ مجبور انسان، بھوک سے قریب مرگ آدمی، بقدرِ ضرورت و بقاء زندگی ان چیزوں کو کھا سکتا ہے۔ مگر یہ اجازت مسلمان اور مومن و پابند احکام کے لیے ہے۔ باغی۔ و۔ عاد۔ سرکش و باغی از اسلام اور خارج از حدودِ شرع کے لیے نہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "باغی": امام کے خلاف بغاوت کرنے والا اور "عادی": راستوں میں قافلے لوٹنے والا۔ (الکافی)

ان چاروں چیزوں کی حرمت دو مکی سورتوں میں ہے۔ الانعام/۱۴۵ و النحل/۱۱۵ دو مدنی سورتوں میں البقرہ، زیر نظر آیت اور المائدہ/۳۔ اس سے محسوس ہوتا ہے کہ اول بعثت، اواخر قیام مکہ۔ اوائل ہجرت اور اواخر عمر مبارک آنحضرتؐ میں اس حکم کا نزول شدت و اہتمام کے طور پر تھا۔ اس لیے اس قانون کو تاکیدی سمجھا گیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ
مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ مَا
يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أُولَئِكَ الَّذِينَ
اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَا
أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ
وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝

ترجمہ:

بے شک جو لوگ ان باتوں کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے کتاب میں نازل کی ہیں اور (اس کے بدلے) وہ تھوڑی قیمت لے لیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے پیٹ میں صرف آگ بھرتے ہیں۔ اور اللہ قیامت کے دن ان سے بات (تک) نہ کرے گا۔ اور نہ انھیں پاکیزگی دے گا۔ اور ان کے لیے (تو) بڑا دردناک عذاب ہے (۱۷۴) یہی ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت (بخشش) کے عوض عذاب خرید لیا۔ تو یہ (جہنم کی) آگ پر کس قدر (زیادہ تیار) ہیں (۱۷۵) یہ اس لیے کہ یقیناً اللہ نے کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا، اور جن لوگوں نے (اس) کتاب میں (حق چھپا کر) اختلاف پیدا کیا وہ بڑی نافرمانی پر (تیار) ہیں (۱۷۶)

تفسیر:

۱۷۴۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ ....

۱۷۵۔ أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ ....

آیت ایک سو انسٹھ میں بھی حق کو چھپانے کی بات ہوئی ہے اس کے ساتھ اس آیت کو ملایئے

توبار بار توجہ دہانی اور تنبیہ ملے گی کہ اللہ کی تعلیم کو لوگوں تک نہ پہنچانا یا پیٹ کی خاطر، مال دنیا کے لالچ میں حلال و حرام غذا کی بات نہ کرنا ناقابل معافی جرم ہے۔ دنیا اور ظاہری نظر میں وہ لذیذ اور عمدہ غذائیں کھاتے ہیں مگر اصل میں وہ آگ کھا رہے ہیں، جیسے زہر ہلاہل ملا مرغن کھانا کہ دیکھنے میں خوش رنگ اور ٹھنڈا مگر پیٹ میں پہنچا اور گرمی سے بدن پھنکا اور آدمی اپنے شکم کی آگ میں جل مرا۔ اس کے علاوہ اس نفسا نفسی کے عالم میں یہ لوگ اس کلام و توجہ خدا سے بھی محروم رہیں گے جو لطف و مرحمت، بخشش و مغفرت کی نوید ہوگی جس سے اہل تقویٰ اور حبیب خدا فیضیاب و مخاطب ہوں گے۔ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ یہ لوگ عذاب کی مدت معین کے بعد معافی پاکر جنت میں نہ جاسکیں گے، جب کہ بہت سے گنہ گار سزا کی ایک مدت گذار کر معاف کردیے جائیں گے۔

معاشرے میں یہ لوگ بڑے دیدہ دلیر ہیں، کفر و گمراہی کی سزا جاننے کے باوجود، ہدایت و مغفرت کی راہیں پہنچاننے کے بعد، بے دینی و عذاب کے راستے پر چلتے ہیں۔ کل کے لوگ ہوں یا آج کے، آیت کی تعلیم قیامت تک سب کے لیے یکساں ہے۔ فَمَآ اَصْبَرَھُمْ عَلَی النَّارِ۔ کیا کلام اعجاز ہے، سبحان اللہ ماالتعجب و نفرین کے طور پر اور "اصبر" اسم تفضیل بھی ان لوگوں کی غلط اندیشی کی ایک حیرت انگیز تعبیر ہے بھلا، جہنم کی آگ اور صبر و استقامت؟ دو متضاد باتیں ہیں۔ پورا فقرہ عجیب معانی کو دامن میں لیے ہے۔

۱۷۶۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ . . . .

یہ سنگین سزا، اس بنیاد پر ہے کہ اللہ نے حجت تمام کردی، حق و ہدایت بشر کی راہیں کتاب محکم کے ذریعے کھول دیں۔ اب کتاب میں اختلاف پیدا کرنا اور حق چھپانا، کچھ ماننا کچھ نہ ماننا حق سے اختلاف ہے۔ اس سے فرد و معاشرہ، ظاہری و باطنی نظام کو بگاڑنا ہے۔ دوسری لفظوں میں، کتاب حق کے ساتھ اتری۔ لہٰذا کتاب یا معانی و مطالب کتاب کو چھپانا حق کو چھپانا ہے اور حق کو چھپانا اختلاف پیدا کرنے اور فساد پھیلانے کا عمل ہے جس کی سزا دردناک عذاب ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ
وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي
الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ
اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ
الْبَاْسِ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

ترجمہ :

نیکی یہی نہیں ہے کہ (نماز میں) مشرق کی طرف رخ کرلو یا مغرب کی طرف. نیکی کرنے والا وہ ہے جو اللہ اور قیامت، ملائکہ اور کتاب اور انبیا پر ایمان لائے۔ اور اس کی محبت میں قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور مانگنے والوں اور غلام آزاد کرنے کے لیے مال خرچ کرے اور نماز قائم رکھے اور زکات دیتا رہے۔ اور (وہ لوگ) جب عہد کریں تو اس پر پورے اترنے والے ہیں، سختی اور تکلیف اور جنگ کے لمحے ثابت قدم رہنے والے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو سچے اور یہی وہ لوگ ہیں جو متقی ہیں (۱۷۷)

تفسیر:

بِرّ : نیکی۔ بھلائی۔ عمل خیر۔ مراد صاحب بِر۔ آفرین و مدح کے طور پر صفت سے یہاں موصوف مراد ہے۔ نیز دیکھیے آل عمران آیت بانوے۔

یہ بحث ختم کرو کہ مشرق کی سمت جو نماز پڑھتا ہے وہ صاحب خیر ہے یا مغرب کی طرف رخ کرنے والا، بات بیت المقدس و کعبۂ مکرمہ کی جہت و سمت سے آگے بھی ہے۔ برا در صاحب بر۔ نیکی اور نیک عمل کون؟ یہ دیکھو!

توحید و قیامت۔ ملائکہ اور اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتاب (قرآن) اور انبیا، خصوصاً

توحید ۲۲

حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کس کو اعتقاد ہے۔ یہود و نصاریٰ اس معیار پر پورے نہیں اتریں گے ان میں کوئی اسے باپ مانتا ہے کوئی اس کا شریک گردانتا ہے۔ یوم آخرت کے معنی انھوں نے بدل دیے ہیں، ملائکہ سے انھیں دشمنی ہے، تورات و انجیل میں تحریف کر چکے ہیں ان کے مقابلے میں مسلمانوں کو دیکھو، ان کے اعتقاد صحیح اور عمل استوار ہیں۔ مثلاً:

(الف) حصول زر اور حبّ مال کے باوجود۔ توحید و قیامت پر اعتقاد اور فرمان خدا و رسول کے مطابق معاشرے کے نادار افراد پر بخوشی مال و دولت خرچ کرتے ہیں۔ رشتے داروں اور لاوارث یتیم بچوں، دست نگر اور غریب افراد۔ اپنے ہی نہیں دوسرے شہروں اور ملکوں کے مستضعفین و مسافر لوگوں کو۔ ضرورت مند لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ غلاموں (مکاتب) کو روپیہ دے کر آزاد کراتے ہیں (دیکھیے کتب فقہ) دراصل تقسیم دولت کی تشویق اور پسماندہ افراد کی اہمیت پر زور دینے کا معجزانہ اسلوب ہے۔

(ب) معاملات عبد و معبود کے مرحلے میں دیکھو۔ شرائط و آداب علم احکام کے ساتھ کما حقہ نماز کا پابند ہے؟ قانون و شریعت کے مطابق زکات ادا کرتا ہے؟ اگر جواب مثبت ہے تو بھلائی کرنے والا آدمی ہے۔

(ج) ضمیر و نیت کے اعتبار سے جانچو، وہ عہد و پیماں، قول و قرار میں سچے ثابت ہوتے ہیں؟ تنگدستی و پریشان حالی و مرض و بیماری کے وقت ضمیر و اعتقاد اور صبر و استقامت میں "انا للہ" کے فلسفے پر استوار نکلتے ہیں؟ اگر ایسے ہیں تو "بر" و خیر میں وہ دوسروں سے بہتر ہیں۔

(د) جان فروشی، پھر آخری مرحلے میں جب دین و ایمان اور مال و جان کی بات آپڑے تو راہ خدا میں سر بکف میدان میں سیسہ پلائی دیوار بنتے ہیں یا راہ فرار اختیار کرتے ہیں؟ اگر جاں فروش ہیں تو بھلائیاں ان کی ہیں صلے ان کے ہیں وہی بلند مقامات پر فائز ہیں ان کا کسی سے مقابلہ نہیں ہو سکتا۔

صحت اعتقاد، حسن معاشرت (سوسائٹی کے حقوق و فرائض کی بجا آوری) اور تعمیر ذات و کردار سازی کے جامع اصول آیت میں جمع ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: جس نے آیت پر عمل کیا اس نے ایمان کامل کر لیا۔ (الصافی)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنثَىٰ بِالْأُنثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٨﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٧٩﴾

ترجمہ:

اے ایمان والو! مقتولین کے بارے میں تم کو قصاص کا حکم دیا گیا (قصاص تم پر لکھا گیا) آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت، اس کے بعد جس (قاتل) کو اس (مومن) بھائی کی طرف سے کچھ (یعنی قصاص) معاف کیا جائے تو اسے بھی (یعنی قاتل کو) اسی کے قدم بقدم حسن سلوک اور خوش معاملگی سے خوں بہا۔ ادا کرنا چاہیے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی و مہربانی (رحم) ہے پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے، اس کے لیے دردناک عذاب ہے (۱۷۸) اور اے صاحبان عقل! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے، تاکہ تم بچتے رہو (۱۷۹)

تفسیر:

۱۷۸۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ ......

جرم و سزا، انسانی معاشرے کا اہم ترین مسئلہ ہے جس کے لیے، حقوق شناسی و قانون سازی شروع ہوئی۔ مگر انسان اور وہ بھی ترقی یافتہ انسان، حدود کا احترام نہیں کرتا، اس بے احترامی سے بچانے کے لیے اسلام نے تین اہتمام کیے آدمی ایمان لائے، تقویٰ اختیار کرے

اور اخلاق سے آراستہ ہو۔ اور تربیت و نگہداشت کے لیے امر بمعروف و نہی عن المنکر کی مہم جاری رہے اس کی تفصیل گذر چکی۔

دوسرا متبادل انتظام ہے سزا اور رحم۔ زیر نظر آیت اسی شعبہ سے متعلق ہے۔ قرآن مجید چونکہ آئینی درجہ کی خاص کتاب ہے اس لیے اس کے قانونی نکات پر بحث فقہ و سنت رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ) اور تعلیمات ائمہ (علیہم السلام) کے بغیر مفید و نتیجہ خیز نہیں ہے۔

قصاص۔ قاتل مقتول میں مساوات پھر عفو و رحم ایسا قانون تھا جس نے طاقت آزماؤں کے سر جھکا دیے۔ قتل عمد کی سزا قتل اور آزاد مقتول کا آزاد قاتل مارا جائے گا۔ اس کے بدلے دس بے گناہ غریب یا غلام نہیں مارے جا سکتے، اسی طرح غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے قاتل عورت کو قتل کیا جائے گا، قوت و اقتدار کی خاطر کسی کو آدم زاد کا محترم خون بہانے کا حق نہیں ہے معاشرے سے درندہ انسان کا خالی ہونا ایک ضرورت ہے۔ اس کے بعد مقتول کے غم نصیب وارثوں کا حق تسلیم کرتے ہوئے انھیں خون کے بدلے خون اور رحم و عفو کی تجویز دی ہے تاکہ، حق، ضرورت اور مصلحت، سزا اور درگذر کے منطقی و سماجی، جذباتی اور دینی تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ اب صورت یہ ہے:

۱۔ قصاص، خون کے بدلے خون۔

۲۔ معافی، بلا شرطِ خون بہا۔

۳۔ معافی، بشرطِ خوں بہا اس میں قاتل کی رضا بھی ضروری ہے۔

قانون کا اجرا ہر آدمی کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ حاکم شرع ہی اس کا مجاز ہے، وہ قاتل کے لیے قتل کا حکم جاری کرے گا، اور وارثوں نے اگر بھائی (رشتۂ ایمان سے) سمجھ کر معاف کر دیا تو جو "دیت" طلب کی جائے قاتل کو اس میں خوش اخلاقی اور نیکی کا جذبہ دکھانا چاہیے۔ قاتلانہ ظالمانہ رویہ پر ندامت کا یہ پہلا امتحان ہے۔ رحم کے اس موقع کے بعد دنیا کے علاوہ آخرت میں عذاب جہنم ہے۔

۱۷۹۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ ....

• اعجاز قرآن کا ایک گوشہ اس کی قانون سازی اور قانون کی بالادستی کا قیام اور مضبوط قانونی

زبان کا حیرت انگیز استعمال ہے۔ قانونی سائنس اور منطق کا بلند ترین بیان ہے۔ یہ آیت بجائے خود زبان و بیان کا معجزہ مانی گئی ہے۔ "ولکم فی القصاص حیاۃ" قصاص میں زندگی ہے۔ حروف کی ترکیب جملے کی بناوٹ، معانی کا ابلاغ، ہر پہلو معجزہ ہے۔

دونوں آیتوں میں "کتب علیکم" تم پر لکھ دیا، فرض کر دیا گیا ہے۔ "فَاتِّبَاعٌ بالمعروف" تابعداری دستور کے ساتھ مطالبۂ دیت میں ذرا نرمی۔ "واداء الیہ باحسان" قاتل بھی دیت دینے میں احسان مندی اور اچھے برتاؤ سے پیش آئے، یہ سب "تخفیف من ربکم ورحمۃ" اتنی ڈھیل اور سفارش رحم و تخفیف کی بات ہے۔ وارث یا قاتل بلکہ حاکم اور عدالت یا معاشرہ جو بھی غلط چال چلے گا، عذاب سے امان نہ پائے گا۔ اس سیاق و سباق میں۔ اولوا الالباب۔ عقل و ادراک کے مالک انسانوں سے خطاب فرمایا گیا۔ قصاص تمہارے لیے زندگی ہے۔

دیکھیے: بقرہ/۱۹۴ و مائدہ/۴۵۔ اسراء/۳۳ اور آلآء الرحمٰن : بلاغی

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا
حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ
وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ فَمَنْ بَدَّلَهُ
بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ
سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ
بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

ترجمہ :

تم لوگوں پر فرض کر دیا گیا۔ جب تم میں سے کسی کی موت (کا وقت) آئے۔ بشرطیکہ وہ کچھ مال چھوڑے۔ وصیت کرنا۔ ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے دستور

(انصاف) کے مطابق متقی لوگوں پر یہ (بھی) ایک حق ہے (۱۸۰) پھر جو شخص اس وصیت کو سننے کے بعد بدل دے تو اس کا گناہ ان لوگوں کے ذمے ہوگا جو اسے بدلیں گے بے شک اللہ سب کچھ سننے، سب کچھ جاننے والا ہے (۱۸۱) پھر جس شخص کو وصیت کرنے والے کی طرف سے حق تلفی یا خلاف شرع بات کا اندیشہ ہو اور وہ ان وارثوں میں صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بہت بخشنے اور بہت رحم والا ہے (۱۸۲)

تفسیر:

۱۸۰۔ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ....

جان کے بعد مال کے بارے میں "وصیت" کی ہدایت ہے۔ آخر وقت، جب بھی آدمی محسوس کرے کہ موت آنے والی ہے، تو مال کو لوٹنے والوں کے لیے نہ چھوڑے اور اس کو ضیاع سے بچانے اور معقول مصارف میں صرف کرنے کے لیے وصیت ضرور کرے۔ یہ وصیت قانونی تفصیلات کے ساتھ کی جائے اور ماں باپ اور قرابت داروں کو اولیت دی جائے، یعنی تہائی مال چونکہ قابل وصیت ہے اس لیے اگر میراث کا حصہ پانے کے بعد یا کفر کی وجہ سے محروم رہنے والے والدین ہوں تو وہ، ورنہ وہ رشتے دار جن تک وراثت نہیں پہنچتی اور ہیں وہ قابل رحم تو اہل تقویٰ پر فرض ہے کہ وہ ایسے عزیزوں کو یاد رکھیں۔

خیر۔ سے مراد، مال وافر ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کسی دوست کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، اس نے اپنے پاس موجود سو درہم میں وصیت کے بارے میں پوچھا حضرت نے فرمایا: تمہارے پاس مال زائد تو نہیں ہے (مجمع البیان)

۱۸۱۔ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ ....

ایک شخص فی سبیل اللہ نیک کام انجام دیتا ہے، وصیت یا وقف کرتا ہے اصولاً وصی یا وکیل یا متولی کو وہ مال موصی کی خواہش کے مطابق صرف کرنا چاہیے، مگر دنیا دار سمجھتے ہیں، مردے کا مال ہے

جو چاہو کرو، اس عمل سے نیک کام کرنے والوں کی ہمت شکنی ہوتی ہے لوگ کارِ خیر میں ہچکچانے لگتے ہیں اس کے سدّباب کے لیے آیت کے ذریعے وصیت میں تبدیلی کو جرم اور تبدیلی کرنے والوں کو گناہ گار قرار دیا گیا ہے۔ اور نیکی کرنے والوں کی ہمت افزائی کے طور پر فرمایا۔ اللہ سمیع وعلیم ہے۔ جو نیکی کرے گا صلہ پائے گا، بدی کرنے والے سزا کے مستحق ہیں اللہ بات سنتا اور علم رکھتا ہے۔ وہ عالم الغیب والشہادہ ہے۔ من یعمل مثقال ذرّۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرّۃ شرّا یرہ۔

۱۸۲۔ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا ....

وصیت "متقین" کے لیے تاکیدی حکم ہے، وراثت سے مال چند معین افراد کو محفوظ طریقے سے ملتا ہے۔ لیکن کبھی یہ وارث محتاج نہیں ہوتے، کبھی خاندان کے غیر وارث یا مرنے والے کے پاس پڑوسی دوست محتاج ہوتے ہیں، لہذا وراثت کے قانون کو چھیڑے بغیر اہل تقویٰ پر وصیت فرض کر دی ہے تاکہ دوسرے بھی ان آداب و قواعد کو سامنے رکھیں۔ یہ طریقہ کہ وصیت قانون و انصاف کے خلاف کر دی جائے (جَنَف) یا حرام و معصیت (اِثم) ہو۔ مثلاً (الف) ثلث مال سے زیادہ کے بارے میں وصیت ہو۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وائمہ علیہم السلام نے ایک تہائی مال سے زیادہ کے لیے وصیت حرام کی ہے۔ (وسائل الشیعہ۔ احکام الوصایا) لہذا وصی پر لازم ہے کہ تمام مال یا زائد از ثلث مال سے متعلق وصیت کی اصلاح کرے (ب) کوئی شخص فساد انگیز اشیاء، سینما، کلب وغیرہ یا ترک واجب کے بارے میں وصیت کرے (ج) لڑائی جھگڑے کی بنیاد پر مبنی وصیت ہو۔ ان جیسی صورتوں میں حاکم شرع دخل دے اور شریعت کے مطابق کام انجام دے۔

وصیت کو سابقہ کوتاہیوں کا مداوا اور آخرت کے لیے ذخیرہ بننا چاہیے۔ معاشرتی فلاح و بہبود اور اسلامی شریعت کے مطابق رکھنا چاہیے۔ وصیت کے بارے میں شریعت کے احکام اور اہل شرع سے رجوع ضروری ہے۔ حاکم شرع یا واقف احکام پر لازم ہے کہ وصیت کی شرعی خامیوں کی اصلاح کر دے، آیت نے سب کو بتا دیا ہے کہ اصلاح گناہ نہیں ہے۔ حاکم شرع کرے یا یا وصی یا خود وصیت کرنے والا جسے زندگی میں حق تبدیلی حاصل ہے۔

اللہ غفور رحیم ہے، وہ گنہ گاروں کو بخشنے والا ہے تو جس نے اصلاح کی غرض سے وصیت

میں تبدیلی کی وہ مغفرت و رحمت سے کیوں محروم رہے گا؟ یا یہ کہ اللہ اس وصیت کرنے والے کو مغفرت و رحمت سے نوازے گا جس نے اپنی غیر شرعی وصیت کو اپنی زندگی ہی میں بدل دیا۔

وصیت کے بارے میں یہ حدیثیں زیر نظر رہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ نے فرمایا: "ما ینبغی لامرء مسلم ان یبیت لیلۃ الا و وصیتہ تحت راسہ" کسی مسلمان کے لیے زیب نہیں کہ وہ سوئے اور اس کا وصیت نامہ اس کے سرھانے نہ ہو۔ اور امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جس نے اپنی وصیت میں انصاف کو ملحوظ رکھا گویا اس نے زندگی میں صدقہ دیا اور جس نے ناانصافی برتی، قیامت کے دن اللہ اس سے نگاہ کرم پھیر لے گا۔ (وسائل الشیعہ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

ترجمہ:

اے ایمان لانے والو! تم پر روزہ رکھنا اسی طرح واجب کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے والوں پر واجب کیا گیا تھا تاکہ تم متقی بن سکو (۱۸۳) گنتی کے دن، اس پر بھی تم میں سے جو بیمار ہو یا سفر میں ہو، تو وہ اور دنوں میں گنتی پوری کر دے۔ اور ان لوگوں کے ذمے جو بزحمت روزہ رکھ سکتے ہوں (اور نہ رکھیں) بدلہ ہے ایک فقیر کی خوراک (پیٹ بھر کھانا کھلانا)۔ اس کے بعد جو شخص بھلائی کرے وہ اس کے لیے اچھا ہے اور تم روزہ رکھو، تمھارے لیے اچھا ہی ہے، بشرطیکہ تم سمجھدار ہو (۱۸۴) ماہِ رمضان ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور راہِ حق کی روشن دلیلیں اور حق و باطل کی تمیز (دے)، لہٰذا تم میں سے جو شخص بھی اس مہینے اپنی جگہ پر ہو تو اسے چاہیے کہ اس کے روزے رکھے، اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں تعداد پوری کر دے، اللہ تمھارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔ اور یہ چاہتا ہے کہ (روزوں کی) تعداد پوری کر دو اور جو راہ مستقیم تمھیں بتائی ہے اس پر اللہ کی کبریائی بیان کرو، اور تاکہ تم شکر ادا کرو (۱۸۵)

تفسیر:

۱۸۳۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ۔۔۔۔۔۔۔

روزہ ایسی عبادت ہے جو اللہ نے سابقہ امتوں پر بھی واجب کیا تھا۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ انسان نفس کشی، ترک لذات اور اصلاح و تعمیر نفس و ضمیر کے ذریعے متقی بن سکتا ہے اور تقویٰ ہی کمال ذات ہے۔

۱۸۴۔ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۔۔۔۔۔۔۔

نماز دن رات کی عبادت و ریاضت ہے، ضمیر و نفس کی طہارت انفرادی و اجتماعی معاملات میں حضوری باری تعالیٰ کا خیال اور اس کا رچاؤ مقصود ہے۔ وہ فحشاء و منکر و بغاوت سے روکتی ہے۔ روزہ، ایک ماہ کا تربیتی نصاب ہے۔ آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں اور ارادہ

جذبات و خواہشات طلب آب و نان، خواہشِ لذت شب و روز کو محدود کرنے کی عادت ڈالنا اور بے چون و چرا حکم خدا کو ماننے کا امتحان دینا ہے۔ اس تربیتی مدّت میں مرد عورت برابر ہیں جو لوگ بلا شرط مستثنیٰ ہیں وہ ہیں بیمار و مسافر یہ لوگ رمضان میں جتنے روزے قضا کریں وہ بعد رمضان ایک ہی ساتھ یا متفرق دنوں میں گنتی پوری کر دیں، انتیس کا رمضان ہو تو انتیس پورے ہونا چاہیے اور تیس کا چاند ہوا ہو تو تیس۔

وعلی الذین یطیقونہ...... جو لوگ دیکھنے میں طاقت رکھتے ہوں لیکن مشقت و زحمتِ شدید کا خطرہ ہو مثلاً پیاس ناقابل برداشت ہو۔ حاملہ خاتون یا بچے کو دودھ پلانے والی عورت، انہیں روزے اور فدیہ میں مختار کیا جاتا ہے، گویا ایک دن کا کھانا کسی کو دینا ایسا ہے جیسے ایک خوراک سے باز رہا، یوں روزے دار سے مشابہت ہو گئی۔ یہ آیت فقہا کے استنباطِ احکام کی ہے، فقہا سے رجوع کیے بغیر بطور خود کوئی حکم نہ مراد لے لیا جائے۔

ایک صاع (تین کیلوگرام) گیہوں یا جو دینے کا حکم اس لیے نہیں کہ بس، زیادہ نہ دیا جائے، نہیں جو شخص باحیثیت ہو اور رضائے خدا و حقوقِ برادرِ ایمانی کے طور پر زیادہ دینا چاہے تو اس کا ثواب زیادہ ہوگا۔ مگر اس کا مطلب چھوٹ نہیں ہے۔ "ان تصوموا خیر لکم" — علم و دانش و بصیرت کا تقاضا اور خدا کی رضا اسی میں ہے کہ روزہ رکھو، روزے کو فدیہ پر ترجیح دو۔

۱۸۵۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ........

گنتی کے دن "ماہ رمضان" ہے۔ ماہ رمضان میں قرآن نازل ہوا، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لیے موقع بموقع آیت یا سورۃ و جزء اس کی نشان دہی یا تکرار نزول کی صورت میں وحی آتی رہی۔ قرآن انسانوں کے لیے ہدایت ہے۔ اس میں ہدایت کی روشن و واضح نشانیاں ہیں، حق و باطل کو نمایاں کرنے کی قوت ہے۔

نماز کی مرکزیت مکان و جہت میں اور روزے کی خصوصیت زمان و وقت۔ وہاں کعبہ محترم یہاں رمضان مکرم ہے، اس کی آبادی سجدے اور اس کی بہار تلاوت قرآن ہے۔

— فمن شهد منكم الشهر فليصمه — امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کس قدر توضیح و بیان ہے کہ جو شخص حاضر ہو وہ روزہ رکھے اور جو مسافر ہو وہ روزہ نہ رکھے۔

بیمار اور مسافر، دوران مرض وسفر کے چھوڑے ہوئے روزے، مریض کو شفا اور مسافر کو سفر کے بعد ماہ رمضان تمام ہونے پر رکھنا ہوں گے۔ اللہ نے رحم و آسانی کی بنیاد پر یہ اجازت دی کیونکہ وہ جبر و سختی نہیں فرماتا۔ ولتکملوا العدۃ۔ بہر حال مہینے کے دنوں کی تعداد بھر روزے ضرور رکھنا ہوں گے۔ ولتکبروا اللہ علی ماھداکم۔ اور اللہ نے تمہاری جو ہدایت فرمائی ہے اس پر اس کی کبریائی بیان کرو۔ من لا یحضرہ الفقیہ میں امام رضا علیہ السلام کی بیان کردہ تفسیر یہ ہے کہ نماز عید میں دوسری نمازوں کے مقابلے میں ایک تکبیر کا اضافہ اللہ کی تعظیم و تمجید کے اس زاویے سے ہے کہ اس نے معاف بھی کیا اور ہدایت بھی فرمائی، اس کا حکم ہے، لتکبروا ..... امام جعفر صادق علیہ السلام سے الکافی میں ایک حدیث ہے جس میں شب عید الفطر مغرب و عشا اور صبح عید یہ کہنے کی فرمائش ہے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر و للہ الحمد اللہ اکبر علی ما ھدانا..... ولتکملوا العدۃ کے معنی روزہ رکھنا ہے اور ولتکبروا اللہ کا مفہوم مذکورہ تکبیرات ہیں۔

ولعلکم تشکرون۔ شیخ جواد بلاغیؒ کے بقول "لعلکم" لام تعلیل ہے یعنی یہ اس لیے ہے کہ تم شکر ادا کرو، اس نے دین حق عطا کیا، روزے جیسے عمل کی رہنمائی فرمائی جس میں رحمت و مغفرت، بھوک پیاس، پھر افطار کی لذت بخشی۔

وَاِذَا سَاَلَكَ
عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ
فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ○

ترجمہ:

اور جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں، تو میں قریب ہوں، دعا مانگنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارے، تو انھیں بھی میرا حکم ماننا چاہیے اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ نیک راستے پر آجائیں (۱۸۶)

تفسیر:

روزہ و نماز و تقرب الی اللہ کی نیت سے عبادات کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ دور ہے وہ قریب ہو جائے گا، نہیں وہ قریب ہے پکارو یا اسے زیر لب یاد کرو۔ وہ بات سنتا اور دعا قبول کرتا ہے، بات یہ ہے کہ مجھے پکارنے والا اور مجھ سے کچھ مانگنے والا مجھ پر ایمان رکھتا اور میرا حکم مانتا ہے تو وہ نیک راستے اور صحیح سمت حاصل کرے گا۔

سوال کرنے والا بظاہر ایسا شخص تھا جسے "عبادی" کہا گیا اور یہ خطاب بجائے خود عرفان کا سرچشمہ اور مقام عبودیت و شان ربوبیت کا ایک عجیب کیف آفرین مرکب ہے۔ پوچھا تھا کہ خدا کہاں؟ کہ اسے بلند آواز سے پکاریں یا آہستہ سے، جواب میں یہ نہیں ارشاد ہوا کہ "میرے نبی! آپ کہہ دیں کہ میں قریب ہوں۔ فوراً "قریب ہوں" زمان و مکان کی پہنائیاں سمیٹ کر اپنے معجزہ ہونے کا قرآن نے ثبوت دے دیا۔ اور اس بندے کی آبرو بڑھ گئی جسے یہ جواب ملا۔

دعا، بندگی کا تقاضہ ہے، قبول ہونے نہ ہونے کا خیال کیے بغیر اللہ سے مانگنا، جواب ملے یا نہ ملے اسے پکارے جانا، بجائے خود فکر و نظر کی بلندی اور عقل و خرد کی آسودگی ہے۔ قرآن میں پیغمبروں

کی دعائیں، کتب حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحیفہ علویہ میں حضرت علیؑ اور صحیفہ کاملہ میں امام زین العابدینؑ کی دعائیں اہل فلسفہ و دانش پڑھ کر دیکھیں کہ دعا کی حقیقت و اہمیت کیا ہے۔ میں مؤخر الذکر کتابوں کی شرح میں یہ بحث لکھ چکا ہوں۔

ذات باری تعالیٰ کے بارے میں قرب و بُعد کے معنی یہ ہے کہ "قرب فشھد النجوی وبعد فلا یریٰ" قریب کہ زیر لب گفتگو اور ضمیر میں کھٹکنے والی بات اس کے سامنے ہے اور دور، کہ نظر کی گرفت میں نہیں آسکتا۔

اُحِلَّ

لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝

ترجمہ:

روزے کی رات تم پر جائز کر دیا گیا، اپنی عورتوں سے بے حجاب ہونا، وہ تمھاری پوشاک ہیں تم ان کی پوشاک ہو۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنے نفوس سے خیانت کرتے

تھے، تو اس نے تمھاری توبہ قبول کی اور تمھاری خطا معاف کر دی، تو اب تم ان سے ہم بستری کرو اور جو اللہ نے تمھارے لیے (تقدیر میں) لکھ دیا ہے اس کی آرزو رکھو۔

اور کھاؤ پیو، یہاں تک کہ سفیدۂ سحر کا خط، سیاہ خط (شب) سے تمھارے لیے نمایاں ہو جائے۔

پھر رات تک روزہ پورا کرو۔

اور مباشرت نہ کرو بیویوں سے جب کہ تم اعتکاف کرو مسجدوں میں۔

یہ ہیں اللہ کے (ممنوعہ) حدود تو ان (مناہی) کے قریب نہ جاؤ۔ اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتا ہے اس لیے کہ وہ بچتے رہیں (۱۸۷)

تفسیر:

روزے کا مفہوم قرآن و حدیث میں نفس کے خواہشات پر مکمل قابو رکھنا اور رمضان بھر ان سے بچنا، یہ تقوے کا ایک تربیتی کورس ہے کہ آدمی ہر نقل و حرکت پر پابندی حکم خدا کا احساس بیدار رکھے۔ لیکن زیر شکم انسانی کمزوری اسے بہر حال بے قابو کر دیتی ہے، اس خواہش کو اسلام نے نظر انداز نہیں کیا، اسے معتدل اور پابند حدود کر دیا ہے کہ جانور و آدمی میں فرق رہے اور روزہ چونکہ تربیتی عمل ہے اس لیے روزے کی حالت میں جنسی عمل پر پابندی اور رات کو اجازت ہے۔

ھُنَّ لباس لکم — میں زن و شوہر کے تعلق کو انتہائی نزاکت و نفاست و اعجاز کے ساتھ منظور کیا گیا ہے وہ اتصال و اختلاط و لمس و چسپیدگی جو لباس و بدن میں ہے بعینہٖ وہی ربط میاں بیوی میں ہے — جو لوگ رمضان اور روزے کی حالت میں حکم آنے سے پہلے یہ عمل کرتے تھے انھیں معاف کر کے آیندہ روزے کے بعد اجازت ہے مگر یہ اجازت صرف لذت میں منحصر نہ کی جائے بہتر ہے کہ اللہ سے اولاد کی آرزو کے ساتھ ہو، قوم میں تعداد کی کثرت اور کثیر التعداد افراد میں صالح افراد کی فراوانی خاندان، معاشرہ اور ملت کی سربلندی کا باعث ہے اور متقی اولاد بخشش والدین کا ذریعہ۔

کلوا واشربوا — شام کو دن والی ایک پابندی نہ ہونے کا تذکرہ کرنے کے بعد دوسری

توحید ۱۲

اجازت کھانے پینے کی دی گئی اس اجازت کی حد آخر صبح صادق ہے، صبح صادق ہوتے اور اس کی پہلی آن آتے ہی روزہ شروع ہوجاتا ہے۔ جیسے حج میں میقات واحرام کے بعد سے کچھ چیزیں حرام ہوجاتی ہیں، اسی طرح روزے میں ساعت وزمان معین کے اندر پابندیاں عائد ہوجاتی ہیں اسے امساک یا صوم کہتے ہیں۔ اس کی ساعت آغاز صبح صادق اور ساعت "آخر اللیل" ہے۔ جس طرح صبح صادق سے کچھ پہلے کھانا پینا چھوڑ دینا واجب ہے اسی طرح "اللیل" کی آمد کے بعد، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت افطار وہ ہے جب مشرق کی سرخی ختم ہوکر سیاہی سروں تک آجائے (آلاء الرحمٰن دیکھیے)

ولا تباشروھن۔ اگر مسجد میں اعتکاف کی حالت میں ہو تو دن رات کسی وقت بھی زن و شوہر بوسہ ولمس ومجامعت نہیں کرسکتے۔ اعتکاف بھی ایک تربیتی کیمپ، جس سے تقوے اور ضبط نفس کی قوتیں ابھرتی ہیں۔ یہ سب محدود احکام ہیں، ان حدوں کو پار کرنا ان کو روندنا ان معاملات میں اپنی سوچ اور قیاس سے بال برابر فرق ڈالنا حرام اور قابل سزا ہے۔

کذلک یبیّن اللہ آیاتہ۔ اللہ، ہدایت کے نشان واحکام کے دلائل انسانوں کو اس لیے واضح طور پر سمجھاتا ہے کہ وہ ضمیر کی گمراہی، نفس کی تباہی سے بچیں اور تقوے کا درجہ حاصل کریں۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم
بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ وَتُدْلُوا۟ بِهَآ إِلَى ٱلْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا۟
فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ بِٱلْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾

ترجمہ:

اور نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق، اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں (قاضیوں) تک کہ کھاجاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ناحق، اور تم کو معلوم ہے (۱۸۸)

تفسیر:

اسلام میں جان ومال دونوں کا احترام واجب ہے کسی کی کوئی ملکیت ایک شخص یا کئی آدمی مل کر غیر شرعی طریقے سے استعمال یا ہضم نہیں کر سکتے۔ یہ بھی اجازت نہیں کہ حکام غیر شرعی کے پاس مقدمہ لے جائیں، یا قاضی کو رشوت دیں یا جھوٹی گواہی یا جھوٹی قسم کھا کر، ناجائز وغلط فیصلے کرائیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے" واما الرشا فی الحکم فھو الکفر باللہ العظیم۔ فیصلے کے لیے حاکم کو کچھ دینا، کفر ہے" اسلام اس معاملے میں بہت سخت تنبیہات کرتا ہے۔ وہ رشوت دینے لینے والوں کو جہنمی قرار دیتا ہے دراصل اسلامی معاشرے میں رشوت کا وجود ہی نہ رہنا چاہیے۔ رشوت نظامِ عدل میں خلل ڈالتی ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ

عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِھَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ:

لوگ تم سے نئے چاندوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے یہ لوگوں کے لیے معین اوقات ہیں اور حج کے لیے۔ اور یہ اچھی بات نہیں کہ گھروں میں پچھواڑے سے آؤ۔ بلکہ نیکی اس کی ہے جو تقویٰ رکھے۔ اور گھروں میں آؤ تو دروازوں سے آؤ۔ اور اللہ سے تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم فلاح پاؤ (۱۸۹)

توحید ۱۴

تفسیر:

قرآن مجید میں تقریباً پندرہ مقامات پر "یسئلونک" آیا ہے جن میں سے سات مرتبہ سورہ بقرہ میں ہے اور یہ ان میں سے پہلا مقام ہے۔

چاند کے نکلنے، بڑھنے، گھٹنے اور نظر نہ آنے پر مختلف زاویوں سے بحث کی گئی ہے۔ قرآن نے اسے صرف احکام و ضوابط اسلامی کے زاویے سے سمجھایا ہے کہ علم و تحقیق کے دروازے کھلے رہیں۔ اسلامی شریعت میں چاند سے اوقات روزہ و ایام ماہواری و عدہ طلاق و مدت حمل اور زمانۂ حج جیسے امور کی توقیت ہوتی ہے۔ چاند اسلامی سال کے مہینے بتاتا ہے۔ اور اس ضابطے میں جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق تغیر و تبدل نہیں کیا جا سکتا۔

ضابطہ یہ ہے کہ گھروں میں دروازے سے داخل ہونا چاہیے، ہر کام صحیح طریقے اور اس کی راہ و روش کے مطابق ہونا چاہیے، مثلاً مرض کا علاج طبیب سے اور فقہ کی بات فقیہ سے پوچھنا معقول ہے، حدیث "انا مدینۃ العلم و علی بابھا" کا مطلب بھی یہی ہے کہ علوم الٰہی و احکام ربانی و مسائل قرآنی کا علم آنحضرتؐ کو ہے اور اس تک رسائی کے لیے حضرت علی علیہ السلام سے رجوع کرو۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے: "ہم ابواب اللہ ہیں ہم اللہ تک رسائی کی راہ اور جنت کے داعی ہیں۔ مطلب یہی ہے کہ احکام خدا ہم سے پوچھے جائیں

یہ نہیں کہ احرام باندھا تو گھروں میں عقبی دیوار توڑ کے آئیں جیسے جاہلیت کے لوگ کرتے تھے یا جنازہ اٹھانا ہے تو پچھواڑے سے دیوار گرا کر نکالیں جیسے بعض مقامات پر دستور تھا۔ فکر و نظر علم و عمل، اوامر و نواہی ہر حالت میں تقویٰ پیش نظر رہے اسی میں فلاح ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۞ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ

الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ
فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿۱۹۱﴾
فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ
فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا
عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿۱۹۳﴾ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ
قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ
مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ
الْمُتَّقِينَ ﴿۱۹۴﴾ وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ
إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۹۵﴾

ترجمہ:

اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں۔ اور کسی پر زیادتی
نہ کرو بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے (۱۹۰) اور ان کو جہاں
پاؤ قتل اور انھیں نکال دو۔ جہاں (مکہ) سے انھوں نے تمھیں نکالا ہے
اور فتنہ (دین بھٹکانا) قتل سے زیادہ سخت ہے۔ اور ان لوگوں کو مسجد
حرام کے قریب نہ مارنا جب تک وہ تمھیں نہ ماریں، پھر اگر یہ لوگ تم سے وہاں
بھی جنگ کریں تو تم بھی ان کو مارو، کافروں کا یہی بدلہ ہے (۱۹۱) پھر اگر وہ
لوگ باز آجائیں تو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا ہے (۱۹۲) اور ان سے جنگ کرو
یہاں تک کہ فتنہ (مٹ جائے اور باقی) نہ رہے اور صرف اللہ ہی کا دین ہو
اس کے بعد اگر وہ باز آجائیں تو پھر ظالموں کے علاوہ کسی پر ہاتھ نہ ڈالو (۱۹۳)

حرمت والا مہینہ بدلہ ہے حرمت والے مہینے کا اور سب حرمت والی چیزوں کا قصاص (برابر کا بدلہ) ہے، جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس کی زیادتی کے (مانند) مثل دست اندازی کرو۔ اور اللہ سے تقویٰ رکھو اور یقین رکھو کہ بلاشبہ اللہ متقی لوگوں کے ساتھ ہے (۱۹۴) اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اور اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اور نیکی کرو، بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (۱۹۵)

تفسیر:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ

اسلام جبر و ظلم کا سخت ترین مخالف ہے۔ رسول اسلام ﷺ پچاس برس تک اخلاق و قانون کی پابندی کا درس دیتے اور دشمنوں کے ظلم و ستم سہتے رہے۔ ہمہ گیر نظام انسانیت کے تحفظ کے لیے قوت کا جواب طاقت سے دینا ناگزیر ہوتا، اسلام خوں ریزی کے مقابلے میں منطق و استدلال پر بھروسہ کرتا ہے، مگر جب حریف کچلنے کی مہم سے باز نہ آئے تو ایک حد تک صبر کے بعد دشمن کے صفایا کرنے کی بھی جرأت کرتا ہے، یہ آیات ایسے ہی حالات سے متعلق ہیں، ان کا تعلق مشرکین مکہ کے رویے سے ہے۔ لیکن قانون کا اطلاق عام ہے۔

بس امن کی حد تمام ہو چکی۔ اب اجازت ہے جنگ و قتل کا جواب قتل ہے۔ بس اتنا خیال رہے کہ جنگ اخلاقی حدود سے باہر نہ جانے دینا "لاتعتدوا"۔ بچوں، بیماروں، بوڑھوں، حلیفوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔ اللہ انسانی حدود سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتا۔

۱۹۱- وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ

مشرک و حملہ آور جہاں ملیں، حرم میں ہوں یا بیرونِ حرم، انھیں مارو، قتل کرو، مکے سے انھوں نے تمھیں نکالا ہے تم بھی انھیں وہاں سے نکال دو۔ فتنہ و فساد، حج سے روکنا، دین سے لوگوں کو منحرف کرنا، قتل و جنگ سے زیادہ سخت جرم ہے۔ شہر مکہ میں تم جنگ کی پہل نہ کرنا، لیکن اگر وہ قتل کا بازار گرم کردیں اور حملہ کردیں تو انھیں معاف نہ کرنا حرم میں لڑنا کیونکہ کافروں کو سزا دینے کا طریقہ ہی یہ ہے۔

مسجد الحرام کی بے حرمتی کا حق کسی کو نہیں ہے، مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ دشمنانِ اسلام اس اصول کو توڑنے کے بعد وہاں بتوں کو رکھیں اور توحید و نبوت کا مذاق اڑائیں، مسلمانوں کو بے دخل کر دیں۔ چنانچہ فتح مکہ کے وقت سرورِ دو عالمؐ نے تمام مشرکین کو حرم سے نکالا متعدد آدمیوں کا خون ہدر کیا۔

۱۹۲۔ فَاِنِ انْتَهَوْا

آخری حملہ اور سنگین ترین صورت حال کے بعد بھی اگر دشمن اپنی سرگرمیوں سے باز آجائے فتنہ وفساد چھوڑ دے تو امان دے دو۔ اللہ کا نظام حکومت بخشش و درگزر و رحم پر مبنی ہے۔

۱۹۳۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ

اسلام میں جنگ کا مقصد کینہ جوئی، توسیع مقبوضات، قوموں کو غلام بنانا نہیں ہے۔ اسلام فتنہ وفساد، شرک و بت پرستی، غلامی اور سازش وطاغوتیت کے خلاف ہے۔ بنیادی مقصد جنگ ہے یکون الدین للہ۔ اللہ کا دین اور اسلام کا قانون نافذ کرنا جس میں آدمی کی آدمی پر حکومت کے بجائے سب پر اللہ کی حکومت کا قیام ہے۔ جو لوگ یا جو قومیں اس راہ میں رکاوٹ نہیں بنتیں، اسلام ان کو نہیں چھیڑتا۔

۱۹۴۔ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ

دشمن اگر مکان محترم کا ناجائز فائدہ اٹھانا چاہے اور خود اس کی بے حرمتی کرے تو اسے وہیں سزا دو، اسی طرح اگر زمانِ محترم کا اصول تم پر تھوپے اور خود محترم زمانے میں تم پر حملہ کرے تو پھر اسے مہلت نہ دو، ماہ حرام کا مقابلہ ماہ حرام ہے۔ کیونکہ۔ قصاص میں زندگی ہے اور حرمتوں کا قصاص ضروری ہے محترم فقط تمھارے ہی لیے نہیں ان کے لیے بھی ہیں۔ انھیں مہینوں میں سزا دو کہ مکان کی طرح زمان سے بھی ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جا سکے۔ جو بھی تمہارے ساتھ زیادتی کرے اس کا ترکی بہ ترکی جواب دو۔ مگر تقویٰ جو اسلام کا فلسفہ ہے اسے نظر انداز نہ ہونے دو۔ کیونکہ سب کچھ اللہ کے لیے ہے اور اللہ غیر تقویٰ کو پسند نہیں کرتا اور اہل تقویٰ کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔

ان آیات میں جہاد کے حدود و مقاصد کا بیان درج ذیل نکات میں ہے:

"قاتلوا فی سبیل اللہ ۔۔۔ الذین یقاتلونکم ۔۔۔ لا تعتدوا ۔۔۔ لا تقاتلوہم عند المسجد الحرام ۔۔۔ قاتلوہم حتی لا تکون فتنہ ۔۔۔ الشہر الحرام بالشہر الحرام ۔۔۔ حتی یکون الدین کلہ للہ ۔۔" خلاصہ یہ ہے کہ جہاد تین طرح کے ہیں:

(۱) آزادی کے لیے جہاد ۔۔۔ یعنی جب دین حق کی آواز روک دی جائے اور لوگوں کو اسلام کی صدا سننے سے محروم کردیا جائے تو رسول، امام یا ولی شرعی کو حق ہے کہ محروم عوام کو آزادی سے نوازنے کے لیے جہاد اور مظاہرۂ قوت کے ذریعہ مناسب اقدامات کریں۔

(۲) دفاعی جہاد ۔۔۔ فرد یا قوم کو حقِ حفاظت خود اختیاری حاصل ہے جب دشمن یہ حق چھین لے اور اس فرد یا قوم کو حملوں کا نشانہ بنا دے تو مظلوم کو "دفاع" کی اجازت ہے۔

(۳) شرک و بت پرستی کے خاتمہ کے لیے جہاد ۔۔ اسلام چونکہ جامع نظام سیاست و ریاست ہے اس لیے وہ ہر قسم کے بتوں کو راستے سے ہٹانا چاہتا ہے۔ وہ انسان کو انسان کی پوجا اور بندگی سے آزاد کرانے کے لیے پُرامن اقدامات کرنے کی اجازت دینے کے ساتھ انتہائی ضرورت کے وقت با اصول و با اخلاق جنگ کی بھی اجازت دیتا ہے۔ یہ طے ہے کہ مسلمان سپاہی ملت تقوی کا پابند ہوتا ہے۔

۱۹۵۔ وَاَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ

جہاد میں جس طرح افرادی قوت ضروری ہے اسی طرح سرمایے کی طاقت کا استعمال بھی ناگزیر ہے۔ تجربہ کار جرنیل، مخلص و دلیر و با مقصد سپاہی، ذہین و قابل انجینیر بغیر سرمایے کے کیا کرسکتے ہیں؟ مضبوط عقیدے اور گھر والوں کی معاشی خوش حالی کے بغیر سپاہی ذہنی و اعصابی تکلیفوں میں الجھ جاتا ہے، پیسہ ہو تو جدید اسلحہ فوج کے بازوؤں کی توانائی میں اضافہ کرتا ہے۔ سورۂ توبہ میں تہی دست مسلمانوں کی حسرت کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے ۔۔۔ وہ لوگ امیدوار سپاہیوں کی حالت میں گئے پلٹے تو آنسو رواں تھے کہ ان کے پاس اسلحے نہ تھے، ان کے پاس اتنی رقم نہ تھی گھوڑا، زرہ، تلوار خرید سکتے ۔۔

حقیقت یہ ہے کہ جنگ و جہاد میں مال و دولت کا صرف کرنا بھی اتنا ہی واجب ہے جتنا جان پر کھیلنا۔

ولاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ ـ خود بھی ایک اصول ہے۔ بلاوجہ خودکشی، بلامقصد شرعی جنگ اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ جان کا صدقہ مال ہے، اسلامی مقاصد کو نقصان پہنچ رہا ہو، یا غریب مر رہے ہوں، اور کوئی شخص سرمائے پر سانپ بنا بیٹھا ہو تو عوام، حکومت اور دین سب کی نظر میں ایسا شخص یا گروہ مجرم ہے اور اسلام اسے قابل سزا قرار دیتا ہے ـــــ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے "حصنوا اموالکم بالزکاۃ" زکات دے کر مال کی حقیقی حفاظت کرو۔ یعنی ہمیشہ اپنے مال سے زکات دیتے رہو کہ اسلامی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔

احسان کرو، حسن کارکردگی دکھاؤ، بھلائی کرو، جنگ و جہاد کی بات ہو یا خرچ و صرفِ مال کا مسئلہ ذات کا قصہ ہو یا قوم و ملت کا ہر موقع پر کام ایسا ہو جو خدا کی رضا کا سبب اور طریق کار اللہ کا پسندیدہ ہو۔ اللہ نیکوکار افراد کو پسند کرتا ہے، مرد ہوں یا عورت۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث کے مطابق "محسنین" کے معنی ہیں "مُقْتَصِدِین" اس بنا پر آیت کا مطلب ہوگا کہ استعمال اور خرچ میانہ روی اور اقتصادی اصولوں کے مطابق کرو۔ نہ بخل نہ فضول خرچی، برمحل اور برموقع حسب ضرورت ـ انفرادی ضرورت ہو یا اجتماعی، مال دبا کے نہ بیٹھو۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۚ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ
وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۚ فَمَنْ كَانَ
مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ
اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ
فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ
فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذٰلِكَ

لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ
اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

ترجمہ :

اور پورا کرو حج و عمرہ صرف اللہ کے لیے۔ پھر اگر تم محصور ہو (روک دیے جاؤ۔
مرض یا دشمن کی وجہ سے احرام کے بعد مکہ میں داخل ہونا مشکل ہو) تو جیسی قربانی
میسّر ہو (کردو) اور سر نہ منڈواو جب تک قربانی اپنی جگہ (نہ) پہنچ جائے (اور
قربان گاہ میں ذبح نہ ہو جائے) پھر جب تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی
تکلیف ہو۔ تو اس کا فدیہ (بدلہ) روزے یا صدقہ یا قربانی ہے۔ پھر جب تمھاری خاطر
جمع ہو۔ تو جو شخص حج تمتع کا عمرہ کر رہا ہو تو اس کو جو قربانی میسر آئے کرے،
اور جو قربانی نہ کر سکے تو وہ تین روزے حج کے دنوں میں اور سات روزے
رکھے جب تم سب (حج سے) پلٹو۔ یہ سب مل کر پورے دس ہوئے۔ یہ حکم اس شخص کے لیے
ہے جس کے گھر والے مسجدِ حرام (مکہ) کے پاس نہ رہتے ہوں۔ اور اللہ سے تقویٰ رکھو اور
جان لو کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے (۱۹۶)

تفسیر :

حج کے بارے میں ایک اشارہ آیت ۱۵۸ میں گذر چکا، یہاں کچھ اور احکام بیان ہو رہے ہیں۔
سب سے پہلی یاد دہانی ہے کہ حج صرف اللہ کے لیے ہے اس میں شرک کا شائبہ نہ آنے دو۔ دوسرے یہ کہ ارکان
حج پورے ادا کرو۔ یہ نہیں کہ احرام باندھا اور حج تمام کرنے سے پہلے مکے سے باہر چلے گئے۔ احرام کے بعد حج
مکمل کرنا واجب ہے۔ کچھ آسانیاں اور مشکلات کے حل بھی ہیں ۔ (الف)۔ احرام باندھ لیا اور بیمار ہو گئے
آگے نہیں جا سکتے (احصار) یا دشمن حج نہ کرنے دے، اس صورت میں جہاں ہو وہیں جانور ذبح کر کے

احرام کھول دو۔(ب)۔حج کا احرام باندھ کر کوئی شخص بیمار ہوجائے تو جانور منیٰ بھیج کر ذبح کرائے
(ج)۔عمرہ کرنا تھا اور حرم نہ جاسکے تو مکے میں جانور بھیج کر ذبح کرائے جب جانور ذبح ہوجائے تو سر منڈا کر احرام
کھول دے۔

۳۔ مرض ہو مگر وہ حج سے مانع نہ ہو، مثلاً سر میں کوئی تکلیف ہو اور مداوا ہو سر کا منڈوانا تو
بال اتروا کر فدیہ ادا کرے، یعنی تین دن روزہ رکھے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ایک بکری ذبح کرے۔

۴۔ فاذا امنتم۔ اگر کوئی شخص اطمینان وامان کی صورت میں "تمتع بالعمرۃ الی الحج" عمرہ کا احرام
باندھ کر عمرہ تمام کرنے اور احرام کھولنے کے بعد حج کا احرام باندھنا چاہے تو اسے اجازت ہے مگر عمرہ کا احرام
کھول کر جو اس نے خوشبو استعمال کی، سلے ہوئے کپڑے پہنے یا اور کام کیے تو "فما استیسر من الھدی"
اونٹ، گائے یا گوسفند جو بھی ذبح کرسکے وہ کرے اور اگر قربانی دینے کی گنجائش نہ رکھتا ہو تو، ساتویں آٹھویں
اور نویں ذی الحجہ کو روزے رکھے اور سات روزے حج کے دن گذار کر رکھ لے۔ یعنی پورے دس روزے
قربانی کا بدل ہیں۔ اس آیت سے "حج تمتع" یا "متعۃ الحج" کا جواز معلوم ہوتا ہے (دیکھیے آلاء الرحمٰن)۔

"ذٰلک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام" احرام عمرہ کھولنے کے بعد حج کی اجازت دور والوں کو
ہے، جن لوگوں کا گھر حدود مسجد الحرام میں ہے۔ ان لوگوں پر حج قران یا حج افراد ہے۔

قران: وہ حج جس میں عمرہ و حج متصل ہو۔ افراد: وہ حج جس میں عمرہ نہیں ہے۔

حج تمتع: احرام عمرہ واحرام حج و قربانی جیسے تفاصیل کے ساتھ ان لوگوں پر واجب ہے جو مکے سے اڑتالیس
میل یا اس سے زیادہ فاصلے پر رہتے ہوں۔

۔ "واتقوا اللہ" چونکہ حرم خدا میں ہو اس لیے تقوے کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھو، اللہ سے ڈرو کہ
اس کا عذاب سخت ہے اور وہ خوفناک سزا دینے والا ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ
فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ
وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ

توحید ۲۲

الزَّادِ التَّقْوٰی وَاتَّقُوْنِ یَآاُولِی الْاَلْبَابِ○

ترجمہ:

حج کے مہینے معلوم ہیں، لہٰذا جس شخص نے ان مہینوں میں (اپنے اوپر) حج واجب کرلیا (احرام باندھ لیا) پھر نہ ہمبستری جائز ہے نہ گناہ نہ جھگڑا، اور جو نیکی کا کام کرتے ہو، اللہ اس کو جانتا ہے اور زادِ راہ ساتھ لو۔ اور بہترین زادِ راہ پرہیزگاری ہے۔ اور مجھ سے تقویٰ رکھو۔ اے صاحبانِ عقل!

تفسیر:

حج کے مہینے ہیں شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ۔ اس ضابطے میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ جو شخص قبل از ذی الحجہ، شوال یا ذی القعدہ میں مکے جائے احرام باندھ لے پھر اس پر تکمیل حج تک محرمات سے بچنا واجب ہے۔ جنسی عمل، بداخلاقی اور زبان کی آلودگی پر زور دینے کا مقصد تربیت کے بنیادی نکتے کو اجاگر کرنا اور مقصد حج "تقویٰ" کی منزل دکھانا ہے۔ انسان تین ماہ تک سب سے اہم خواہش کو دبائے، فسق و فجور، جھوٹ اور بدکرداری سے بچے، اور زبان پر قابو رکھے، تو صفاءِ قلب، پاکیزگی ذھن اور کردار میں نکھار ضرور آئے گا۔ رمضان میں وہ ایک ماہ تک ریاضت کرچکا ہے۔ اب گھر، میدان اور وطن سے دور فوجی نما تربیتی کیمپ میں ہے۔ اسے "خیر" اور "تقویٰ" کے زادِ راہ سے مالا مال ہونا چاہیے، عقل کو استعمال کرے اور موقع سے فائدہ اٹھائے۔ بھلائی کا بدلہ اللہ دے گا، دنیا سے توقع نہ رکھے، خوفِ غیر خدا کو ضمیر سے نکال دے کہ انسانیت کا تقاضا اور مومن کا فریضہ یہی ہے۔

پوری فضا خلوص، تقویٰ اور عبادت و توجہ الی اللہ کی ہے اور یہی موقع زادِ راہ حاصل کرنے کا ہے۔

جو لوگ حج میں کھانے پینے، رہنے، سہنے کا انتظام نہیں کرتے تھے، کہ ارے، ہم خدا کے مہمان

ہیں وہی دے گا، انھیں روکا اور سمجھایا گیا کہ سوال کرنے اور بھیک مانگنے سے پرہیز کرو، زادِ راہ و ضروریات زندگی لیے بغیر گھر سے نہ نکلو، تجربہ کرو، سامان کتنا ساتھ ہو کہ نہ راستے میں زحمت ہو نہ منزل پر احتیاج، اس کے بعد سفر آخرت کے زاد کی فکر کرنا آسان ہو گی۔ دانا و بینا مرد ہو یا عورت ایسے تقوے کا دھیان رکھنا چاہیے، یہی ایمان کا جوہر ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

ترجمہ :

تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل (اپنی روزی) تلاش کرو۔ پھر جب عرفات کے لیے چلو، تو مزدلفہ کے پاس اللہ کا ذکر کرو۔ اور جس طرح اس نے تمھاری ہدایت کی ہے اسی طرح تم اس کو یاد کرو۔ اور بے شک تم اس سے پہلے ناواقفوں میں تھے ﴿۱۹۸﴾ اس کے بعد جہاں سے سب کوچ کریں دمنی کے لیے تم بھی وہاں سے روانہ ہو جاؤ اور اللہ سے مغفرت چاہو۔ بے شک اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔ ﴿۱۹۹﴾

تفسیر:

پہلی آیت میں تھا کہ گھر سے زادراہ لے کر چلو، خالی ہاتھ نہ نکلو، اب ارشاد ہے کہ زمانۂ حج میں روزی کمانا کوئی بری بات نہیں۔ ترک دنیا و ترک کسب و کار کے بعد حج کیا تو تربیت کی ہمہ گیری پر اثر پڑے گا، کھاؤ پیو، محنت مزدوری کرو اور کاروبار کرنے کے باوجود جھوٹ سے پاک جھگڑے سے دور رہو تو ہے تربیت کا فائدہ!

جس طرح پہلی آیت میں "زاد" اسی طرح یہاں "فضل" دو حقیقتوں کو جمع کرتا ہے۔ دنیا کا زاد، دنیا کی دولت، آخرت کا توشہ، آخرت کی تجارت۔ سورۂ جمعہ میں یہی کلمہ تجارت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ حج میں مشرق و مغرب سے لوگ آتے ہیں ان سے جان پہچان اور کاروبار ہونا چاہیے۔ اقتصادی و سیاسی و سماجی نظام پر اسلامی قانون اور الٰہی احکام کے نفاذ کا جائزہ لینا چاہیے۔ اگر مسلمان اپنے اپنے علاقوں میں محدود رہیں گے تو برباد ہو جائیں گے (الوسائل باب وجوب الحج)

۔ "فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ" کے سے عرفات پہنچے وہاں زوال آفتاب سے غروب تک ٹھہرے۔ سورج ڈوبا اور لوگوں کی مزدلفہ کے لیے روانگی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ آج بھی سڑکیں، پل، کاریں اور آسانیوں کے باوجود آدمی یوں چلتے ہیں جیسے سمندر موجیں زیادہ، پانی کا سفر کم۔ "افاض۔ افیضو" کے معنوں میں وہ حالت مضمر ہے اور یہاں اس کلمے کا استعمال معجزہ ہے۔

عرفات، مکۂ مکرمہ سے تقریباً ۱۲ میل دور ایک پہاڑ جس کے میدان میں ۹ ذی الحجہ کو وقت زوال سے قیام ہوتا ہے۔

مشعر الحرام: عرفات سے دو ڈھائی میل دور مزدلفہ نامی پہاڑ، جس کے میدان میں نصف شب سے قیام ہوتا ہے۔ یہاں سے صبح سورج نکلتے ہی "منیٰ" جانا ہوتا ہے۔ اس سفر و منزل میں تسبیح و تہلیل، حمد و استغفار ہی کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ نے گمراہی سے راہ راست اور گناہ سے توبہ کی توفیق بخشی ہے پھر کرم بالائے کرم کہ وہ گناہ بخشتا اور رحم فرماتا ہے۔ زمان و مکان برکت و ہدایت کے ہیں ان سے فائدہ نہ اٹھانا اہل دانش و بینش کا کام نہیں ہے۔

فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۗ فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

ترجمہ :

پھر جب تم اپنے مناسک (حج) ادا کر چکو تو اللہ کو اسی طرح یاد کرو جیسے تم اپنے آبا و اجداد کو یاد کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگوں میں سے بعض کہتے ہیں۔ ہمارے رب! ہمیں جو کچھ دینا ہے دنیا میں دے۔ اب آخرت میں اس کا کوئی حصّہ نہیں (۲۰۰) اور ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں۔ ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں نعمت دے اور آخرت میں ثواب عطا فرما اور ہمیں جہنّم کی آگ سے بچا (۲۰۱) یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کی کمائی کا حصہ (کیے کا پھل) ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے (۲۰۲)

تفسیر :

۲۰۰- فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ

مَنسَک: (مصدر میمی و اسم زمان و مکان، عبادت اس کے عام معنی ہیں لیکن ارکان و واجبات حج کے لیے اس کا استعمال بکثرت ہے۔

ارکان و اعمال حج، رمی جمرہ، ذبح قربانی، سر منڈانے، طواف کعبہ و سعی صفا و مروہ سے فارغ ہوکر، تشریق کے دن منیٰ میں، یاد خدا، ذکر مناجات میں گذارنا چاہیے، ان دنوں نسلی برتری، قومی بڑائی اور گروہ بندی کی باتیں نہ کرو یہ مشرکوں کی رسمیں اب ختم ہوچکی ہیں۔ اسلام، باپ دادا اور قومی فضائل بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتا (حدیث امام محمد باقرؑ) شرف حاصل کرنا ہے تو شرف تقویٰ حاصل کرو۔

اس موقع پر دو قسم کے حاجی ہوتے ہیں، کچھ وہ ناسمجھ جو عقبیٰ چھوڑ دنیا کی بہتری، مال، اولاد، آرام راحت کاروبار ہی کی دعا کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ انھیں دنیا ملے یا نہ ملے آخرت کا اجر بہرحال نہ ملے گا۔ ان کو حج کا مقصد یاد نہ رہا، حج تقرب خدا، طہارت ضمیر، اور خواہشات نفسانی پر قابو حاصل کرنے کے لیے تھا یہ دنیا کا قضیہ لیے بیٹھے ہیں۔ سفر و عبادت رائگاں کر کے انھیں کیا ملا؟

۲۰۱۔ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً . . .

حسنہ کے معنی بہت عام ہیں۔ نعمت، علم، ثواب، جنت، رحمت اور ایک حدیث کے مطابق شکرگذار ضمیر، ذکر خدا کرنے والی زبان اور دنیا و آخرت کے معاملات میں مددگار مومن بیوی۔ امام صادقؑ نے فرمایا: آخرت میں رضاء خدا و جنت، دنیا میں خوش حالی و خلق حسن۔

دوسرا گروہ ان متقی لوگوں کا ہے جو اس مبارک موقع پر عذاب سے بچنے کی شرط پر دنیا و آخرت کی بھلائیاں اللہ سے طلب کرتے ہیں۔

۲۰۲۔ اولٰئک لھم نصیب مما کسبوا . . . .

کسب و کار، کیے کا بدلہ سب کو ملے گا جیسی نیت ویسے فرشتے۔ نیز، دوسرے گروہ کی دعا پر آفرین بھی ہے۔ اور یاددہانی بھی کہ اللہ، حساب لے گا اور زمانے کے حساب کی گرفت سے بھی جلد۔ حساب و اجر و سزا میں دیر نہ ہوگی۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ
فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

ترجمہ:

اللہ کو معین دنوں میں یاد کرو پھر جس نے جلدی کی، دو دن میں چلا گیا اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو رہ گیا اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ (یہ رعایت) اس کے لیے ہے جو پرہیزگار رہا۔ اور اللہ سے تقویٰ اختیار کرو اور یقین رکھو کہ تم سب اس کے حضور جمع ہوگے ﴿۲۰۳﴾

تفسیر:

ایام تشریق میں ذکر اللہ کیا جائے، یعنی ظہر روز قربانی سے تیرھویں تاریخ کی صبح تک اس تکبیر کا سلسلہ جاری ہے" اللہ اکبر، اللہ اکبر، لاالہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر، وللہ الحمد، اللہ اکبر علی ماھدانا، اللہ اکبر علی ما رزقنا من بہیمۃ الانعام (روایات ائمہؑ) تیسرا دن یوم النفر ہے۔ بروایت حلبی کسی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ نفر اول (بارہ تاریخ) میں زوال آفتاب سے پہلے کوئی شخص منیٰ سے جا سکتا ہے؟ امام نے فرمایا: نہیں، البتہ وہ اپنی سواری اور سامان باہر بھیج سکتا ہے۔ خود زوال کے بعد ہی جائے، بشرطیکہ اس شخص نے محرمات احرام پر عمل نہ کیا ہو، مثلاً شکار نہ کیا ہو، فسوق و جدال نہ کی ہو، عمل جنسی بجا نہ لایا ہو (حدیث امام محمد باقر علیہ السلام)

آیت کے آخر میں حشر کا دن یاد دلایا ہے، کہ عرفات سے منیٰ کے قیام تک جو مناظر ہیں وہ حشر و نشر کی یاد دلانے والے ہیں۔ پھر تقویٰ کا حکم ہے، کہ یہی نتیجۂ عبادات و کمال انسانیت ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

ترجمہ:

اور لوگوں میں ایسا بھی ہے جس کی باتیں دنیاوی زندگی کے بارے میں تم کو اچھی لگتی ہیں اور وہ اپنے عقیدہ پر اللہ کو گواہ بناتا ہے۔ حالانکہ وہ دشمنوں میں سب سے زیادہ سخت ہے (۲۰۴) اور جب وہ تمہارے سامنے سے ہٹا تو زمین پر فتنہ و فساد میں سرگرمی دکھائی، کھیتیاں اور (جانیں) جانور ضایع کر دیے۔ اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا (۲۰۵) اور جب اس سے کہا گیا کہ اللہ سے ڈر تو اس کی خود سری گناہ پر آمادہ کرتی ہے، تو اس کے لیے دوزخ کافی ہے اور یقیناً وہ برا ٹھکانا ہے (۲۰۶)

تفسیر:

۲۰۴۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ

معاشرے کے ایسے افراد کی مذمت کی جاری ہے جو اقتدار کی خاطر اسلام کو نعرہ بناتے ہیں، لوگ لچھے دار تقریر اور قول و قسم پر فریفتہ ہو کر اس کے حامی ہو جاتے ہیں۔ لیکن ذرا سا اقتدار ملا اور تھوڑی سی ولایت ہاتھ آئی اور ان مدعیان ایمان و اسلام نے ظلم و ستم کے دروازے کھولے۔

فصلیں کٹوادیں، انبار جلوادیے، جانور اٹھوالیے، بچے مروادیے۔ ان منافقوں کا حال کار بہت بُرا ہوگا۔

یہ پیسے اور زمین والے، یہ کرسی اور اقتدار کے بھوکے پہلے بھی بالکل اسی قسم کے لوگ تھے اور ہمیشہ یہ مخالف دین و دیانت رہیں گے۔ مثلاً اس وقت اخنس بن شریق تھا، آنحضرتؐ کے پاس آتا اور مسلمانوں سے ملتا تو بڑی دلکش باتیں کرتا، دنیا کی مذمت اور دین کی خدمت پر بولتا، قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتا تھا۔ لیکن دراصل تھا وہ دین کا دشمن۔

۲۰۵۔ وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ

جیسے ہی تھوڑی سی زمینداری ملی، چند آدمیوں پر حکومت ہاتھ آئی، اور اقتدار پر قبضہ ہوا، لگا حکم خدا کی مخالفت کرنے، دوسروں کی زمینیں اور کھیتیاں روند ڈالیں، نسل کی نسل قتل کروادی۔

۲۰۶ وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ

کسی نے روکا ٹوکا، امر بمعروف و نہی عن المنکر کیا، اسلام کا حوالہ اور شریعت کا حکم یاد دلایا، تو فرعون صفت ظلم پر آمادہ ہوگیا۔ ایسے شخص یا اشخاص کا ٹھکانا دوزخ اور یہی لوگ غضب خدا کا نشانہ ہیں۔

تینوں آیتوں کا مجموعی درس یہ ہے کہ سیاست و ریاست میں فریب کار اور منافقوں کے کردار کو سامنے رکھو، گفتار پر نہ جاؤ، علم و کردار و تقویٰ کو حاکم و والی کے لیے شرط جانو۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠٧﴾

ترجمہ:

لوگوں میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو اپنا نفس اللہ کی رضا کے عوض بیچتا ہے، اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے۔ (۲۰۷)

تفسیر:

حج کے دوران دو قسم کے مسلمانوں کے نفسیات عیاں ہوئے (الف) دنیا طلب (ب) دین و دنیا دونوں میں حسنہ چاہنے والے۔ اسی ضمن میں دو آدمی عام معاشرے میں پہچنوائے جاتے ہیں۔ (الف) اسلام کے نام پر اقتدار چاہنے اور اقتدار کے بعد ظلم ڈھانے والے (ب) اسلام و رسولؐ اسلام پر جان نثار کرنے والا اور صلے میں فقط اللہ کی رضا چاہنے والا۔

قریش مکہ نے آخری منصوبہ بنایا اور پیغمبرؐ سے مکمل سوشل بائیکاٹ کر دیا۔ حضرت ابوطالبؑ و خدیجہ سلام اللہ علیہما نے جان کی بازی لگائی اور پیغمبر کی حفاظت کی، شعب ابوطالبؑ کا محاصرہ معجزانہ طور پر ٹوٹا، دیمک نے حلف نامہ چاٹ لیا۔ مگر ضدی قوم چین سے نہ بیٹھی، ابوطالبؑ کا ڈر تھا وہ راہی ملک بقا ہوئے، ام المومنین خدیجہ بھی رحلت فرما گئیں، دشمنوں نے گھر میں گھس کر قتل فیصلہ کیا، سب قبیلے متفق ہو گئے، ایک ایک نمایندہ ہر قوم کا شمشیر بکف گھر گھیر کے کھڑا ہو گیا رات ہو گی تو اندر گھس کر قتل کر دیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے حضرت علیؑ سے فرمایا۔ تم میرے بستر پر سو رہو، میں جا رہا ہوں، جب موقع ملے تو خواتین کو لے کر مدینے آجانا۔

دشمن، دیکھتے رہے کہ محمدؐ کا بستر ہے محمدؐ کا فرش و چادر ہے، محمدؐ سو رہے ہیں۔ اچھا گذرے، یہ جائیں گے کہاں؟ قتل کر لیں گے، صبح جو ہوئی تو بستر سے کروٹ لے کر علیؑ اٹھے تو ہکا بکا رہ گئے۔ پوچھا ۔ محمدؐ کہاں ہیں؟ علیؑ نے جواب دیا تو سب کے منہ بند اور رنگ اڑ

رات کو دشمنوں سے علیؑ کو بچانا، خدا کا کام تھا، علیؑ کا بستر پر جانا ایثار کی معراج تھی۔ غزالی نے احیاء العلوم میں اس پر بحث کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں سوچ رہے ہوں گے جبرئیل نے پیغام دیا اور بھائی کی سلامتی و جاں نثاری کی مدح کی حضرت علیؑ کو صاحب مرضات الٰہی بنا کر ولی امر بنا دیا۔ للٰہیت کے اس مرتبے پر وہ لوگ کہاں پہنچ سکتے ہیں جن کی جان فروشی کا مقصد جنت ہو۔؟ یہاں تجارت کا معاملہ ہے، اللہ جیسا غنی خریدار اور علیؑ جیسا بندہ، بایع، قیمت ملی "رضا" اس کی حد یا خدا جانے یا علیؑ یا علیؑ کے ولی، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ۔

یہاں مقصد آیت ہدایت ہے کہ علیؑ کے ہوتے ہوئے نبی کے بعد پریشان ہونے کی بات نہیں تکمیل دین کا انتظام ہو چکا ہے۔

یَا اَیُّهَا
الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ
مَا جَآءَتْکُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿﴾
هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِکَةُ
وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿﴾

ترجمہ:

ایمان لانے والو! سب مل کر صلح و سلامتی میں داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو، بے شک و شبہ وہ تمھارا کھلم کھلا دشمن ہے (۲۰۸) اور اگر ان روشن آیات و بیانات، کے بعد بھی تم لڑکھڑائے تو یقین رکھو کہ یقیناً اللہ قوت و حکمت کا مالک ہے (۲۰۹) کیا وہ انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ بادلوں کے سایے میں ان کے پاس

آئے اور فرشتے آئیں اور معاملہ تمام ہو جائے۔ حالانکہ سب چیزوں کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے (۲۱۰)

تفسیر:

۲۰۸۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ....

آیت نمبر دو سو سات میں جس شخص کے بارے میں بات کی گئی ہے۔ اسی کے لیے یہاں ہدایت ہے کہ سب اہل اسلام اس کی ولایت مانیں۔ امن و سلامتی اسی میں ہے۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے شیطان کی راہوں پر چلنے کا جواز کوئی نہیں۔

۲۰۹۔ فَإِن زَلَلْتُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ ....

اللہ کے روشن دلائل آجانے کے بعد، اس کی حجت تمام ہو چکی اب اگر کسی کے قدم ڈگمگائے تو پھر اللہ کی گرفت سے نہیں نکل سکتے۔

۲۱۰۔ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ ....

قرآن مجید کی اتنی مفصل ہدایتوں اور رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کی اس قدر مستحکم تبلیغ کے بعد شک، تو وہی بات ہے جو بنی اسرائیل کے ہٹ دھرم کیا کرتے تھے۔ یہ مطالبہ کہ " اللہ خود آجائے، ملائکہ کو خود دیکھیں۔ اچھا، بات ختم ہو چکی اب تو روز حساب وکتاب کی تیاری کرو۔ یقین رکھنا چاہئے کہ نہ تو اب کوئی نبی و رسول آئے گا نہ کوئی دین و شریعت بھیجی جائے گی۔

سَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ

كَمْ آتَيْنَاهُم مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۗ وَمَن يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِن بَعْدِ

مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا

اَلْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا
فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

ترجمہ:

بنی اسرائیل سے پوچھو، ہم نے ان کو کتنی روشن نشانیاں دیں، اور جو بھی اللہ کی نعمت کو، اپنے پاس آنے کے بعد بدلتا ہے۔ (وہ یاد رکھے) یقیناً اللہ سخت عقاب والا ہے (۲۱۱) کافروں کے لیے زندگانی دنیا حسین بنائی گئی ہے۔ اور (وہ دنیا دار) اہل ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں، حالانکہ اہل تقویٰ قیامت کے دن ان (دنیا داروں) سے بلند مرتبہ ہوں گے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے (۲۱۲)

تفسیر:

۲۱۱۔ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ....

گذشتہ تاریخ سے سبق

یہودیوں کے ماضی سے عبرت لینا چاہئے، کیسے کیسے نبی انھیں دیے گئے، کیسی کیسی نعمتوں سے انھیں نوازا گیا مگر ان لوگوں نے دلیلوں کو ٹھکرایا، نعمتوں کو ضایع کیا، آخر کار ذلت و عذاب سے دوچار ہوئے۔ مسلمان کے لیے اتنی یاد دہانی بد کرداریوں سے بچنے کے لیے بہت ہے۔

۲۱۲۔ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا ....

عقل انسانی کی آزمائش کے لیے دنیا دلکش بنائی گئی ہے۔ امتحان کے نتیجے میں اہل ایمان فریفتۂ حسنِ عالم نہیں ہوتے وہ کانٹوں سے بچ کے نکل جاتے ہیں، کافر، دنیا کو آغوش میں لے کر دین سے رشتہ توڑ لیتے ہیں۔ اور اپنی غلطی چھپانے کے لیے اہل ایمان پر حملے کرتے ہیں، ان کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کی غربت پر ہنستے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ معاشی خوشحالی و بدحالی معیار بلندی انسان نہیں، بنیادی بات ہے تقویٰ اسی معیار پر خدا کے حضور میں اعزاز ملے گا۔ آیت میں ایمان کو تقوے سے بدل کر یہ سمجھایا گیا ہے کہ عقیدہ بلا عمل فائدہ مند نہیں ہے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ
وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ
بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا
الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ
فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ
وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢١٣﴾

ترجمہ:

سب انسان ایک امّت تھے (پھر آپس میں پھوٹ پڑی) تو اللہ نے پیغمبر بھیجے، خوش خبری دینے والے اور عذاب سے ڈرانے والے، اور ان کے ساتھ برحق کتاب نازل کی تاکہ جن باتوں میں وہ اختلاف کریں وہ حق کا فیصلہ کرے۔ پھر اس میں اختلاف ان ہی لوگوں نے ڈالا جن کو وہ کتاب دی گئی تھی۔ یہ اس کے بعد ہوا کہ ان لوگوں کے پاس توضیحات آچکے تھے۔ باہمی سرکشی کی بنا پر۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے کرم سے اہل ایمان کو راہ حق دکھادی جس میں لوگوں نے اختلاف پیدا کردیا تھا اور اللہ جس کو چاہے اسے صراط مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے ﴿۲۱۳﴾

تفسیر:

امت: یہ کلمہ بطور مفرد کم از کم باون آیتوں میں آیا ہے۔ اور اس کے معنی ہیں: قوم۔ ملّت۔ وہ گروہ جسے زمان ومکان وزبان وفکر میں ہم آہنگی ہو۔ متحد العقیدہ لوگ۔ ایک دبستانِ فکر کے ماننے والے۔

آدم علیہ السلام کی اولاد زمین پر کچھ عرصے تک سادہ زندگی کے ساتھ اکائی میں رہی، سب ہم خیال وہم قدم تھے، ایک نہ ایک الٰہی رہنما انھیں نشیب و فراز سے باخبر کرتا رہا۔ افراد بڑھے تو

عمرانی و معاشرتی تقاضے بدلے، سماج ابھرا تو افراد کے خواہشات و جذبات میں تلاطم و تصادم کی کیفیت پیدا ہوئی، اختلافات پیدا ہوئے تو قانون کی ضرورت سامنے آئی۔ علیم و حکیم خالق نے قانون بنا کر اسے نافذ کرنے والے بھیجنا شروع کر دیے۔ اور حضرت نوحؑ پہلے اولوالعزم پیغمبر ہوئے۔ اگر اللہ قانون نہ بناتا اور یہ کام افراد انجام دیتے تو فرد ہو یا جماعت کوئی بھی مفادات اور وقتی رجحانات سے ضرور متاثر ہوتی، نتیجتاً انسانی قانون عادلانہ ہونے کے بجائے استحصالی ہوتا جس کا تجربہ حکومتیں اور عوام کرتے رہتے ہیں۔ اللہ کا قانون سب کے لیے یکساں اور عادلانہ ہے اس قانون کو لانے والے معصوم نبی و رسول و امام، خواہشات سے پاک اور حق و انصاف کے علم بردار رہے۔ انھوں نے ہمہ گیر نظام۔ دین اسلام کو عملی بنایا مگر خود غرض لوگوں نے دین کا لبادہ اوڑھ کر طمع ریاست کی خاطر آسمانی قانون میں دیدہ دلیری دکھائی، دوسروں کو دبانے اور اپنی بڑائی جتانے کے لیے کتاب خدا میں تحریف کر کے دین میں خلل ڈالنے کی سعی بے جا کی۔ اس کے مقابلے میں دوسرا گروہ ظلم سہتا، حق کی آواز اٹھاتا، انبیا کی راہ چلتا رہا۔

آیت میں انسانوں کی فطری اکائی اور دین کی ضرورت و حقیقت بیان ہوئی ہے۔ "قانون بنانے کا حقدار اللہ کو بتا کر یہ نکتہ پھر روشن کیا ہے کہ قانون و حکومت اللہ کی ہے۔ انسانی و معاشرتی نشو و نما کے ساتھ دین ہی سماجی انصاف کا ضامن ہے۔

نہج البلاغہ میں ہے: فبعث فیھم رسلہ و واتر الیھم انبیاءہ، اللہ نے انسانوں میں اپنے رسول بھیجے، یکے بعد دیگرے نبی آئے، لیستادوھم میثاق فطرتہ ویذکروھم منسیّ نعمتہ۔ تاکہ یہ حضرات انسانوں سے فطرت کے پیمان پورے کرائیں اور بھولی نعمتیں انھیں یاد دلائیں۔ ویحتجّوا علیھم بالتبلیغ۔ حکم خدا پہنچا کر، ہر بات پر عمل کر کے حجت تمام کر دیں۔ ویثیروا لھم دفائن العقول.... اس کوشش کے ذریعہ وہ عقل سلیم کی دبی ہوئی قوت کو ابھارنے آئے تھے...... بشارت و نذرات کا مطلب یہ تھا کہ صراط مستقیم پر چل کر نوع بشر ایک راہ اور ایک منزل اور نصب العین اور ایک معبود کی پرستار بنی رہے۔ جہاں بھٹکے وہاں اہل ذکر سے رجوع کرلے۔ وہی لوگ قافلے کے قائد ہیں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ

اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا

مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى

يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ

نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

ترجمہ:

کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ تم جنت میں (ضرور) جاؤ گے، حالانکہ تم پر ویسی نہیں پڑی جیسی تم سے پہلی (امتوں) پر پڑی، ان کو غربت (بدحالیوں) اور مرض و زخم (بیماریوں) نے ستایا، اور (اس قدر) جھنجوڑے گئے کہ رسول اور ان ایمان لانے والے ساتھیوں نے کہا۔ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ سنو! اللہ کی مدد قریب ہے ﴿۲۱۴﴾

تفسیر:

ایمان کے دعوے پر جنت ملنے کا یقین بے اساس بات ہے، دعوے کے بعد امتحان سے گذرنا ضروری ہے، کس قسم کی آزمائش؟ اس کے لیے اہل ایمان کی تاریخ، اور انبیاء و مرسلین کے سوانح دیکھو کہ کیسے ان پر فقر و فاقہ، جنگ اور کافرانہ حملوں، جسمانی اور ذہنی دکھوں کی یلغار ہوئی کہ ان کا وجود کانپ کانپ گیا، اور انھوں نے عاجزانہ لہجے میں کہا: اللہ! تیری مدد کب آئے گی۔ پھر ان کے ایمان اور اللہ نے یقین دلایا کہ مدد آتے ہی والی ہے۔

آیت کا نزول بعض مفسرین کے نزدیک جنگ احزاب میں ہوا ہے جب محاصرہ دیکھ کر لوگ گھبرا کر بھاگ گئے تھے بعض کے نزدیک جنگ احد کے نازک مرحلے میں اللہ نے ہمت افزائی کی اور آیت آئی۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ

اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

ترجمہ:

(اے رسول) آپ سے پوچھتے ہیں کیا چیز (کہاں اور کتنی) خرچ کریں؟ آپ ان سے کہیے، تم جو مال بھی خرچ کرو، تو والدین کے لیے، رشتہ داروں کے لیے، اور یتیموں کے لیے اور محتاجوں کے لیے، اور مسافروں (پردیسیوں) کے لیے۔ اور جو نیکی بھی کرو گے اس کا علم خدا کو یقیناً ہے۔ (۲۱۵)

تفسیر:

کہتے ہیں یہ سوال "عمرو بن جموح" نے کیا تھا۔ مگر آیت میں جو پھیلاؤ اور ارشاد باری میں جو رہنمائی ہے وہ زمان و مکان سے محدود نہیں ہے۔ جب بھی دل میں کسی سے بھلائی کرنے کا خیال آئے اور خالص اللہ کی خاطر خیر خیرات کرنے کی خواہش ہو کوئی سرمایہ، کوئی فائدہ رسانی مقصود ہو تو، صلۂ رحم کا لحاظ رہے، ماں باپ، دادا، دادی، نانا نانی سب سے مقدم ہیں۔ اس کے بعد دوسرے رشتے دار کہ ان کی خوشی و خوشحالی سے قریبی ماحول خوشگوار ہوتا ہے۔ یتیم بھی فراموش نہ ہوں، معاشرے میں ان کی عزت و حیثیت کی ذمہ داری کار خیر کرنے والوں پر ہے۔ غریب و تنگدست افراد بھی خصوصی توجہ کے مستحق ہیں وہ معاشرہ بدترین معاشرہ ہے جہاں ایک خاندان پیٹ بھر کے سوئے اور سو بھوکے رات تڑپ تڑپ کر بسر کریں۔ راستے میں تہی دست مسافر اور اجنبی بستی میں پھنسے ہوئے راہی بھی قابل امداد ہیں۔ یہ سب افراد معاشرے کے اہم اور قابل توجہ لوگ ہیں۔ خدا کی رضا اور بندے کی محبت اس کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جو خیر اور بھلائی کی جاتی ہے اللہ عز اسمہ اس کی نوعیت و نیت سے باخبر ہے وہ کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ

وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾

ترجمہ:

(مسلمانو!) راہِ خدا میں جہاد تم پر فرض کیا گیا ہے، حالانکہ وہ تمھیں شاق ہے۔ اور ہو سکتا ہے کوئی چیز تمھیں بری لگے اور وہ تمھارے حق میں اچھی ہو۔ اور ہو سکتا ہے ایک چیز تم کو اچھی لگے اور وہ تمھارے حق میں بری ہو۔ اور (اصل میں تو) اللہ جانتا ہے اور تم (حقائق سے) ناواقف ہو (۲۱۶)

تفسیر:

مال محبوب چیز ہے اللہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی رضا کے مطابق خرچ ہو۔ جان اس سے زیادہ پیاری ہے، اللہ امتحان لیتا ہے کہ اس کے حکم پر سر دینے والا کون ہے۔ لہٰذا جہاد فرض کیا ہے۔ مسلم ومؤمن ومتقی کے لیے تو ہر حکم برابر ہے مگر بر خود غلط افراد اگر اس ادھیڑ بن میں پڑیں کہ جان کا معاملہ ہے، بدامنی اور تباہی کوئی اچھی چیز نہیں؟ اوّل تو خلاقِ علیم وحکیم کا فیصلہ بشریت کے لیے ہمیشہ فائدے پر مبنی ہوتا ہے، انسان کوتاہ نظر حقائق کو سمجھنے اور بات کی تہہ تک پہنچنے کی قابلیت کہاں رکھتا ہے، اور اگر سمجھنا ہے تو یوں سمجھو کہ آج کی خون ریزی کل بہار لائے گی، اور آج کی خنگ کل اسلام کو حیاتِ جاوداں بخشے گی۔ جہاد، جان ومال کا مسئلہ نہیں، اللہ کی حاکمیت اور اسلام کی بقا کا ضامن ہے جہاں صرف جان ومال کی بات ہے، وہاں دفاع ہے۔ جہاد، روزہ وحج کی طرح بندگی اور گردن نہادن بہ طاعت کی بات ہے۔

تمھاری ناپسند بات، تمھارے ہی لیے مضر اور تمھاری ناپسند چیز تمھارے ہی لیے مفید ہو سکتی ہے۔ ایک منطقی کلیہ ہے۔ اور دوسرا کلیہ ہے کہ "اللہ سب کچھ جانتا ہے اور ہم کچھ نہیں جانتے"۔ نتیجہ یہ ہے کہ جو غلط اندیش اپنی پسند کو اللہ کی رضا پر ترجیح دیتا ہے وہ دو غلطیاں کرتا ہے پہلے تو وہ اپنی حدِ حقیقت سے آگے بڑھتا ہے۔ دوسرے وہ اپنے معبود کی

بات نہیں مانتا۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ
قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ
مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوكُمْ
عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ
عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢١٧﴾
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ
أُولٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢١٨﴾

ترجمہ:
یہ لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں جہاد کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں،
جنگ اس میں سنگین بات ہے۔ اور (یاد رہے) اللہ کی راہ میں رکاوٹ ڈالنا،
اور اللہ سے انکار کرنا، اور مسجد الحرام سے روکنا، وہاں والوں کو اس سے نکالنا۔ اللہ کے نزدیک جنگ سے
بھی بڑھ کر گناہ ہے اور وہ (کفار) تو ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے۔ یہاں تک
کہ یہ لوگ تم کو تمہارے دین سے واپس لوٹا دیں۔ اور (خبردار) تم میں جو بھی
اپنے دین سے پھرا اور کافر ہو کر مرا۔ ایسوں کے دنیا و آخرت میں اعمال حبط ہوں گے۔
اور ایسے لوگ جہنمی ہیں، وہ اسی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۲۱۷) بے شک جو ایمان

لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور راہ خدا میں جہاد کیا، وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے (۲۱۸)

تفسیر:

۲۱۷۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ....

آنحضرتؐ نے اپنے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن جحش کو جنگ بدر سے دو مہینے پہلے طائف اور مکے کی شاہراہ پر قریش کے حمل و نقل کی نگرانی کے لیے بھیجا، ان کے ساتھ آٹھ جوان تھے، قریش کا قافلہ رسد لے کر پلٹا تو مسلمانوں نے چیک کرنا چاہا وہ نہ مانے تو جھڑپ ہوگئی، عمرو خضرمی مارا گیا، کچھ لوگ گرفتار ہوئے اور مسلمان کچھ سامان لے کر مدینے واپس آئے۔ آنحضرتؐ نے قیدی اور مال واپس کر دیا۔ مگر قریش اور ان کے ہمدردوں نے یہ سوال اٹھایا کہ حرمت والے مہینے میں جنگ جائز ہے یا نہیں، کیونکہ حملے کے بعد والی شام کو رجب کا چاند دیکھا جا چکا تھا۔

وحی نے اس کے جواب میں چند اصولی باتیں بتائیں۔ "شہر حرام" کا پروپیگنڈا کرنے والے جانتے ہیں کہ ہم بھی ایسے مہینوں میں جنگ کو اچھا نہیں سمجھے، مگر "فتنہ و فساد" کو اس سے بدتر جانتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں جب سے دعوت اسلام کا آغاز ہوا ہے قدم قدم پر اسے روکا جا رہا ہے پوری شدت سے اسے جھٹلایا جا رہا ہے، مسجد الحرام (جس کی حرمت سب تسلیم کرتے ہیں) بے حرمتی کا نشانہ ہے۔ نبی مکرمؐ گیارہ سال تک اس شہر امن میں ہر قسم کے ظلم کا نشانہ بنتے رہے ان کے اصحاب و اہل بیت ان کا خاندان اور ان کی اہلیہ پر کیا کیا ستم نہ ڈھائے گئے، مسلمانوں کا رہنا دوبھر ہوا تو وہ حبشہ ہجرت کر گئے۔ آخر کار رسولؐ کو اللہ کا شہر چھوڑنا پڑا۔ اتنے بڑے بڑے جرائم کے بعد اب تم مدینے میں گھس کر مسلمانوں کو تباہ کرنا چاہتے ہو اس پر بھی مسلمان کوئی حفاظتی اقدام نہ کریں؟ تو پھر سن لو "فتنہ و فساد" کو برداشت نہیں کیا جائے گا (دیکھیے آیت ۱۹۱)۔ اگر اخلاق اور دلائل سے نہ مانو گے تو حفاظتی اور سخت جوابی اقدامات کیے جائیں گے۔

آخر میں مسلمانوں کو استقلال اور دشمن سے نہ ڈرنے کی تلقین اور دین سے منحرف ہونے پر تنبیہ و سرزنش ہے۔ اور یہ کہ مرتد کا سارا عمل رائیگاں جائے گا اسے جہنم میں ہمیشہ

رہنے کی سزا ملے گی۔

۲۱۸۔ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا ....

ثابت قدم مومن اور ایثار پیشہ مہاجر اگر بھولے سے کوئی غلطی کر گذریں تو اللہ کی رحمت ان کا ساتھ دے گی وہ اپنے اعتقاد و جاں فروشی کے بدلے بخشے جائیں گے اور انعام پائیں گے۔

يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡخَمۡرِ وَالۡمَيۡسِرِ‌ؕ قُلۡ فِيۡهِمَآ اِثۡمٌ كَبِيۡرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثۡمُهُمَآ اَكۡبَرُ مِنۡ نَّفۡعِهِمَا‌ؕ وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ قُلِ الۡعَفۡوَ‌ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۲۱۹﴾

ترجمہ:

لوگ آپ سے شراب اور جوے کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے۔ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے، اور لوگوں کو فائدے بھی ہیں۔ اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔ اور وہ پوچھتے ہیں۔ کیا خرچ کریں ؟ آپ کہہ دیجئے (معتدل) ضرورت بھر۔ اللہ، اسی طرح تمہارے لیے احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم غور (و فکر) کرو ﴿۲۱۹﴾

تفسیر:

جوے اور شراب کا حکم پوچھا گیا اور بظاہر اس کے فوائد کا بیان بھی سوال کا جزو تھا۔ آج بھی سوال فوائد کا ضمیمہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ جواب ملا کہ شراب حرام ہے جوا حرام[1] ہے۔ رہے فائدے تو

[1] حدیث نبوی ہے: ہر نشہ آور حرام ہے اور ہر نشہ آور خمر ہے۔ امام جعفر صادق‌ؑ و امام موسی کاظم‌ؑ و امام رضا‌ؑ

ان کی سماجی، اقتصادی اور عقلی تباہ کاری دیکھو اور اپنے وہمی فائدوں کا ان سے مقابلہ کرو۔ دنیا کے وہ حصے جہاں ان کی چھوٹ ہے، وہ قومیں جو ان کی عادی ہیں، ان کی بے حیائی، بداخلاقی اور معاشرتی گراوٹوں نے خود ان کی حکومتوں اور خاندانوں کو یا تو جنگلی بنا دیا ہے یا پھر وہ سخت ترین پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ جیلوں، تھانوں اور اسپتالوں میں دیکھ لیجئے اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو نشے باز اور جواری ہوں گے۔

دوسرا سوال، کیا خرچ کریں؟ آیت ۲۱۵ میں یہ سوال اور جواب گذر چکا، معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سائل کا مقصد محل استعمالِ مال نہیں، بلکہ کیفیت استعمال ہے، بخل کی مذمت ہے۔ اسراف برا ہے پھر آدمی کیونکر خرچ کرے؟ جواب ملا: عفو۔ معتدل۔ جہاں جتنی ضرورت وہاں دین و دنیا دونو کو سامنے رکھ کر خرچ کرو۔

اور مسلمانوں کے لیے قرآن میں جو احکام بیان ہوئے ہیں ان کے جو اثر زندگی پر مرتب ہوتے ہیں، اس کے جو فوائد دین و دنیا میں حاصل ہوں گے ان پر غور کرو، فکر کے دروازے بند نہ کرو۔ سوچو گے تو عقل روشن اور زندگی کامل ہوگی۔

فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ
الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ

سے روایت ہے کہ جو کی شراب "فقاع" خمر ہے۔
امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی حدیث ہے "میسر" جوے کو کہتے ہیں۔ مائدہ آیت ۹۰۔ تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر آلاء الرحمن۔

العفو: حدیث صادق میں "وسط، یعنی بخل و اسراف میں متوسط خرچ۔ دوسری روایت کے مطابق اس کے معنی ہیں کفاف، ۔ بقدر کفاف۔ بعض لوگوں نے زائد از خرچ، بچت کے معنی لکھے ہیں۔ بعض نے عفو کو افضلِ اقسام مال کہا ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

ترجمہ:

اور آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے (ان کے لیے اصلاح احوال) ان کے حالات سنوارنا، بہتر ہے۔ اور اگر (زندگی اور) خرچ مل جل کر کرو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اور اللہ، فسادی کو خیرخواہ سے جدا جانتا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو تم پر (زحمت و) مشقت ڈالتا۔ بے شک اللہ بااقتدار ہے حکمت والا ہے۔ (۲۲۰)

تفسیر:

یتیم بچے خاندان یا معاشرے کے لیے بڑے کارآمد سمجھے جاتے تھے، غلاموں کی طرح خدمت، مزدوروں کی طرح بلا اجرت کام لیتے تھے، اور اگر باحیثیت یتیم نظر آیا تو اس کا مال اڑا لیتے تھے۔ آج بھی بہت سے معاشروں میں یہ عمل جاری ہے۔ قرآن مجید نے بڑی سختی سے اسے روکا، ان کا مال کھانا اور انگارے نگلنا برابر قرار دیا (النساء۔ ۱۰) خیرخواہی کے جذبے سے خالی ہو کر ان کے مال کو قریب سے دیکھنا ممنوع کیا (اسرا/ ۲۴) مسلمانوں نے حضور سے ہدایت چاہی کہ سرکار! یتیموں کے بارے میں طریق کار کیا ہونا چاہیے؟ اللہ نے فرمایا۔ یتیموں سے تمہارا سلوک خیرخواہانہ رہے۔ باپ سے محرومی کی بنا پر وہ ناکام زندگی سے دوچار نہ ہونے پائیں، مل جل کر رہو، اپنا اور ان کا پیسہ ملا کر خرچ کر سکتے ہو، مگر برابری کی سطح پر، خاندان اور دین کے رشتے سے بھائی سمجھ کر، اپنے تئیں آقا انھیں غلام سمجھ کر نہیں، جو اپنے لیے پسند کرو۔ وہی ان کے لیے پسند کرو۔ اس سلسلے میں اصلاح احوال اور محبت و خیرخواہی بہرحال پیش نظر رہے۔ چونکہ اللہ عزیز و حکیم ہے اس لیے وہ فسادی و خیرخواہ، ہمدرد اور موقع پرست کو خوب جانتا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو سخت سے سخت حکم جاری کرتا۔ مگر وہ اپنے احکام کے سلسلے میں مکمل طور پر تسلیم خم دیکھنا چاہتا ہے۔

وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ
وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنكِحُوا
الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ
وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۗ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ
وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ۖ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٢١﴾

ترجمہ:

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور یقیناً مسلمان کنیز مشرک (آزاد) عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمھیں اچھی (کیوں نہ) لگے۔ اور مشرک مردوں سے شادی نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں اور بہر حال مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے چاہے وہ (مشرک) تمھیں پسند ہی ہو۔ وہ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنی عنایت سے بہشت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے، اور اپنے احکام لوگوں کو بتاتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (۲۲۱)

تفسیر:

شریک حیات، خاندان کی بنیاد ہے، نئی نسل کی فکری، عملی و اخلاقی نشو نما اس کے ہاتھوں انجام پاتی ہے۔ معاشرہ اور دبستان کی بات ابھرتی ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے زن و مرد کے عقائد اگر متضاد ہوں تو ماحول میں توازن نہ رہے گا، اللہ نے مسلم و مشرک کی شادی حرام قرار دی۔ دوسری طرف "لونڈی" اور "غلام" کو عقیدہ کی بنیاد پر شرف بخشا، دولت و حسن کو معیار ہمسری ماننے سے انکار کر کے کالے گورے کا فرق مٹایا۔ اور فرمایا " اولئک یدعون الی النار" مشرک کی منزل دوزخ اور اہل توحید کی آرام گاہ بہشت، دونوں ایک ساتھ کیسے رہ سکتے ایک راستہ کہاں چل سکتے ہیں۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي

الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلَاقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۲۳﴾

ترجمہ:

اور آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ ان سے کہیے: وہ ایک تکلیف (نجاست) ہے۔ لہٰذا زمانۂ حیض میں (ہمبستری نہ کرو)، الگ رہا کرو۔ جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے پاس نہ جاؤ۔ پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو جدھر سے اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے ان کے پاس آؤ۔ بے شک، اللہ، توبہ کرنے والوں اور طہارت کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (۲۲۲) تمھاری بیویاں تمھارے لیے کھیتی ہیں، تو اپنی کھیتی میں جب بھی چاہو آؤ۔ اور اپنے لیے آگے (آخرت) کی تدبیر کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور یہ جان لو کہ تمھیں اس کے حضور میں ضرور حاضر ہونا ہے۔ اور مومنوں کو خوش خبری سناتے رہیے (۲۲۳)

تفسیر:

۲۲۲۔ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ....

عورتوں کی ماہواری، تین دن سے دس دن تک آتی ہے۔ اس زمانے میں عورت کے بارے میں دو رویے ہیں، کچھ قومیں اسے اچھوت سمجھ کر زندگی سے دور کر دیتی ہیں، کچھ قومیں عورت کی اس حالت کو دوسری حالت سے جدا نہیں سمجھتیں، اسلام نے کہا حیض ایک

طبعی عمل اور نسوانی تکلیف ہے۔

ایام حیض میں اس سے جنسی عمل نہ کرو۔ ان دنوں اس کے لیے مثلاً نماز و روزہ نہیں ہے کچھ اور فرائض و محرمات ہیں (جنھیں خواتین فقہ کی کتابوں میں ضرور دیکھیں) جب زوجہ پاک ہو جائے تو اس سے مقررہ شرعی قواعد کے مطابق ہمبستری کی اجازت ہے۔ غلطی کی صورت میں توبہ کے دروازے کھلے ہیں اور پاک مومن مرد و عورت کے لیے اللہ کی رحمت (پسند اور محبت) عام ہے۔

۲۲۳۔ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ....

اسلام نے جنسی جذبات کو معتدل رکھنے کے لیے سب سے پہلے تو مرد و زن کے تعلقات کو نکاح کا پابند کیا، پھر نکاح کی غرض معین کی اور کہا کہ زن و مرد کا بندھن صرف شہوت پرستی کے لیے غلط ہے۔ بلکہ نئے رشتے کا مقصد اچھے انسان اور پختہ مسلمان نسل پیدا کرنا ہے۔

مرد کسان ہے، عورت زمین جیسی پاک اور امین کھیتی، اچھی تخم ریزی جس طرح سے ہو کرو پھر صحیح دیکھ بھال سے جو گود بھرے گی اور پھل ملیں گے ان سے دنیا میں حسن اور آخرت میں اجر ملے گا۔ آخر تم سب کو اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور وہاں کے لیے بشارتیں اور ثواب کی نعمتیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی ہے:

اذا مات الانسان انقطع عمله الا عن ثلاث: صدقة جارية وعلم ينتفع به وولد صالح يدعو له

انسان مرتا ہے تو اس کا سلسلۂ عمل جس پر جزا و سزا کا استحقاق ہوتا ہے رک جاتا ہے۔ البتہ تین چیزیں فائدہ پہنچاتی رہتی ہیں۔ فلاح و بہبود انسان و مسلمان کے لیے خیر خیرات وقف کر جانا۔ علمی آثار چھوڑ نا جس سے مسلمانوں کو عملی و عقلی فائدے پہنچیں، اور صالح اولاد جو دعائے خیر میں یاد رکھے۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ لَا يُؤَاخِذُكُمُ

توحید ۲۶

اللّٰہُ بِاللَّغۡوِ فِیۡۤ اَیۡمَانِکُمۡ وَلٰکِنۡ یُّؤَاخِذُکُمۡ بِمَا کَسَبَتۡ
قُلُوۡبُکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۲۲۵﴾

ترجمہ:

اور "اللہ" کو اپنی قسموں کے ذریعے روک نہ بناؤ کہ تم نیکی کرنے، پرہیزگاری برتنے، اور لوگوں میں باہم صلح کرانے سے باز رہو۔ اور اللہ سب کچھ سننے جاننے والا ہے (۲۲۴)
تمہاری فضول قسم کی قسموں پر اللہ گرفت نہیں کرے گا۔ لیکن وہ ان قسموں پر گرفت کرے گا جو تم قصداً دل سے کھاؤ گے اور اللہ بخشنے والا، بُردبار ہے (۲۲۵)

تفسیر:

۲۲۴۔ وَلَا تَجۡعَلُوا اللّٰہَ عُرۡضَۃً ....

شریعت میں "حلف" اور "قَسَم" کی بڑی اہمیت ہے، اسلامی معاشرہ قول و قسم کا پابند ہوتا ہے، لہٰذا مسلمانوں کو "قسم" کے بارے میں احتیاط برتنا چاہیے۔ نیکی اور تقویٰ اصلاحِ احوال یا متحارب لوگوں میں صلح کرانا اچھے کام ہیں۔ ان کاموں سے دور رہنے کی قسم کھانا اور قسم کو بھلائی کے لیے رکاوٹ بنانا ہرگز جائز نہیں ایسی قسم کا کفارہ واجب ہے، اور مطلوبہ امور انجام دینا ضروری ہیں۔

"اللہ" اسمِ جلالہ ہے، قسم میں ہر وقت اس کا استعمال "اللہ کی قسم" میں یہ نیکی اور تقوے یا اصلاح کا کام کروں گا۔ اچھا نہیں، اسمِ عظیم کی حرمت کا تقاضہ ہے کہ ایسی قسمیں نہ کھائی جائیں۔ ایسی قسمیں کھانے والے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

۲۲۵۔ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بلا وجہ تکیہ کلام یا بلا ارادہ و نیت کھائی جانے والی قسم مُوثر نہیں ہو گی اور غفور و حلیم اللہ اسے معاف بھی کرتا ہے، لیکن اگر نیت صحیح سے اللہ کی قسم کھائی ہے تو اس کی گرفت ہے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

ترجمہ:

جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے سے قسم کھالیں انھیں چار مہینے تک کی مہلت ہے۔ پھر اگر وہ رجوع کرلیں تو بے شک اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے (۲۲۶) اور اگر طلاق کا پختہ ارادہ ہو، تو (بھی) اللہ سننے، جاننے والا ہے۔ (۲۲۷)

تفسیر:

۲۲۶- لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ....

میاں بیوی ایک گھر کو خوشیوں اور آسائشوں کا گہوارہ بناتے ہیں جس میں نئی زندگیاں جنم لیتی ہیں۔ آخر آدمی ہیں، ان میں بدمزگی اور جھگڑا بھی ہو جاتا ہے۔ اسلام نے اس مرحلے پر برادری والوں کو شریک تدبیر بنایا ہے، ان سے کہا ہے، جب میاں بیوی لڑیں تو صلح کرادو۔ لیکن نادان شوہر یا جاہلیت کا سماج ایسے موقع پر نافرمان یا تلخ بیان، بداخلاق اور ناعاقبت اندیش (کبھی کبھی نیک اور بے قصور) بیوی کو سزا دیتے اور شرعی حلف اور قانونی قسم کھالیتے ہیں۔ "قسم ہے ہم بھی تم سے ہمبستری نہ کریں گے"۔ اس کے بعد، بیوی اندرونی اور نفسیاتی شکنجے میں جکڑ جاتی ہے۔ قرآن نے اس غیر انسانی عمل پر گرفت کی ہے۔

ایلاء:

اسلام میں عورت سے چار ماہ تک دوری نظر انداز کی گئی ہے، بشرطیکہ زوجہ صحت و جوانی کی بنا پر کسی خطرے سے دوچار نہ ہو ورنہ اسے شوہر پر حق ہے اور شوہر کو اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ "ایلاء" یعنی ترک ہمبستری کی قسم شرعی کے بعد قرآن مجید نے حکم دیا کہ عورت پر ظلم نہ ہونے پائے۔

توحید۔

قسم کھانا بجائے خود ناپسندیدہ عمل ہے۔ اس موقعہ پر چار ماہ تک توخیر لیکن اس سے زیادہ علیٰحدگی نہیں رہے گی، چار مہینے میں اگر بیوی نے غلطی کی تھی تو وہ حالات ہموار کرلے اور اگر شوہر نے غلط فیصلہ کیا تھا تو وہ رجوع کرلے اور قسم کا کفارہ ادا کرے تاکہ عائلی زندگی بحال ہو۔ اللہ رحمت و مغفرت کرنے والا ہے

۲۲۷۔ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ ....

چار ماہ بعد بھی حالات سازگار نہ ہوں اور سنجیدگی سے طلاق کا فیصلہ کرلیا جائے تو پھر طلاق دے دی جائے خواہ مخواہ ایک زندگی کو عذاب بنانا اچھا نہیں مگر ذہن میں یہ رہے کہ اس میں بدنیتی و ضرر رسانی مقصود نہ ہو، کیونکہ اللہ تمہارے مشوروں اور منصوبوں کو سنتا اور جانتا ہے۔ اس سے کوئی بات چھپی نہیں ہے

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٨﴾

ترجمہ:

طلاق پانے والی عورتیں تین طہر تک اپنے تئیں روکیں اور ان پر ہرگز جائز نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو (کچھ) پیدا کیا ہو اسے چھپائیں۔ بشرطیکہ وہ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہوں اور ان کے شوہر اگر سلوک سے رہنا چاہیں تو انھیں واپس لانے کے زیادہ حق دار ہیں اور بیویوں کا شوہروں پر ویسا ہی حق ہے جیسا شوہروں کا حق بیویوں پر ہے۔ دستور کے مطابق۔ ہاں! مردوں کو عورتوں پر ایک فوقیت (ضرور) ہے اور اللہ

زبردست ہے، حکمت والا ہے۔(۱۲۸)

تفسیر:

دو مزاجوں کے تضاد اور شوہر و زوجہ میں نفسیاتی ٹکراؤ دور نہ ہونے کی صورت میں دونوں کو جدا کرنے کا عمل "طلاق" کہلاتا ہے۔ نکاح سے جنسی روابط جائز اور نسبی رشتے جنم لیتے ہیں، نکاح خدا و رسولؐ کا پسندیدہ عمل ہے اور اسلامی معاشرے میں خوشی کی تقریب ہے۔ طلاق، اسلام کی نظر میں بدترین عمل ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "مامن شئ مما احلّہ اللہ ابغض الیہ من الطلاق وان اللہ عزوجل یبغض المطلاق الذواق۔" حلال چیزوں میں طلاق اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے، خاص کر صرف لذت اندوزی کے لیے طلاق دینے والے سے اللہ نفرت کرتا ہے۔

بہرحال، نکاح میں عورت کو شوہر کے انتخاب و قبول کا حق دیا گیا ہے کہ وہ چھان بین کر کے شریکِ زندگی پسند کرلے، اس کے بعد جدائی کا حق شوہر کو دیا ہے مگر کڑے شرائط اور مخلصانہ سعیِ مفاہمت کے بعد جب باہم زندگی بسر کرنے کے امکانات ختم ہو جائیں، مگر مرد دو حرف کہنے سے آزاد نہیں ہوتا، اس کے بعد بھی عورت کے حقوق باقی رہتے ہیں۔ آیاتِ ذیل میں طلاق اور اس کے لوازم کا بیان ہے۔

عدت: شرعی طلاق کے بعد طلاق یافتہ کسی دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی، تین حیض آنے اور پاک ہونے کی مدت پوری کرنا ہوگی تاکہ حمل ہو تو معلوم ہو جائے اور کسی کی اولاد غیر شخص کو نہ مل جائے، لہٰذا عورت پر واجب ہے کہ تین ماہ تک وہ رحم کی حالت سے باخبر رکھے حمل ہو تو حمل، حیض ہو تو حیض بتاتی رہے۔ اس مدت کو عدت کہتے ہیں (حاملہ کا عدہ بچہ پیدا ہونے تک ہے)

عدت کے دوران طلاق رجعی دینے والے کو عورت سے رجوع کا حق ہے اس کا مقصد اصلاح و درستی احوال ہے۔ خصوصاً حمل یا بچہ پیدا ہونے کی صورت میں دونوں کے لیے ایک اور بہتر موقع ہاتھ آتا ہے۔ عورت جیسے مرد کے نفسیات کو خوش کرنے اور گھر کو جنت بنانے کا ڈھنگ آتا ہے وہ تلخیِ حیات کو ٹال سکتی ہے۔ مرد کو بھی عورت کی طرح حقوق اور باہمی مساوات و ہمدردی کا پورا خیال رکھنا چاہیئے۔ بلکہ مرد کو جذبات پر قابو رکھنے اور فیصلے میں غور و فکر کرنے، مسائل کو حل کرنے اور زندگی کے بارے میں دور اندیشی کرنے میں عورت پر برتری حاصل ہے۔ رہی اختیار کی بات تو اللہ کے سوا، قدرت و اختیار و حکمت کا مالک ہے کون! مردوں کو اپنے درجہ پر مغرور نہ ہونا

چاہیے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

ترجمہ:

طلاق (رجعی) دو بار ہے، اس کے بعد دستور کے مطابق روکنا یا حسن سلوک کے ساتھ چھوڑنا (ہوگا) اور تم مردوں کے لیے جائز نہیں کہ انھیں (بیویوں کو) جو کچھ دے چکے ہو، اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ سوائے اس صورت کے جب دونوں کو حدود (و احکام) الٰہی پر قائم نہ رہنے کا ڈر ہو تو پھر دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ بیوی کچھ بدلہ (مال) دے کر طلاق حاصل کرلے۔ یہ اللہ کے احکام ہیں لہٰذا ان سے آگے نہ بڑھو اور جو اللہ کے احکام سے تجاوز کریں گے وہی ظالم ہوں گے۔ (۲۲۹)

تفسیر:

فرض کیجیے کہ زن و شوہر میں تعلقات قائم نہیں رہ سکتے، خاندان اور حاکم شرع کی کوشش ناکام ہوئی۔ تو اسلام مرد کو اجازتِ طلاق دیتا ہے۔ لیکن بیوی گھر میں رہے گی اور اجازت شوہر کے بغیر ادھر اُدھر نہیں گھومے گی۔ مرد نان و نفقہ کا پابند ہے۔ "عدۃ" کی مہلت ہے کہ اس مدت میں ٹھنڈے دل سے سوچ لیں۔ اثنا عدت رجوع اور بعد تمام مدت عدت پھر سے نکاح کر سکتے ہیں۔ دوبارہ نکاح کے بعد پھر نباہ نہ ہوسکے تو ایک طلاق و رجوع کا پھر حق ہے کہ معاشرتی نظام یہی چاہتا ہے۔ قانون اصلاح احوال کا تقاضہ کرتا ہے۔ دوسری مرتبہ رجوع کرنے کے بعد طلاق کی نوبت آئی تو بات

ہاتھ سے نکلی، اب حل یہی ہے کہ مکمل جدائی ہو جائے۔

طلاق رجعی میں دراصل اصلاحِ احوال ممکن ہے، رجوع ہو تو حسن سلوک اور حسن معاشرت کی نیت سے تکلیف دہی اور شرارت کے لیے نہیں۔ چھوڑنا ہو تو عمدگی اور آبرومندانہ انداز میں غصہ، انتقام اور کینہ جوئی نہ ہو۔ زمانہ عدت میں اسے رہنے سہنے، کھانے پینے اور ضروریات زندگی کی آسانیوں سے محروم نہ کیا جائے۔ عمدگی (احسان) یہ ہے کہ جو (مہر) دیدیا ہے اسے واپس نہ لو (النساء ۲۰/ ۲۱)

الا ان یخافا الا یقیما حدود اللہ۔ ایک صورت یہ ہے کہ بیوی کسی طرح شوہر کا ساتھ نہیں چاہتی اور دونوں حدود الٰہی کی پابندی نہیں کرسکتے تو عورت مہر شوہر کو واپس (یا ہبہ) کرے اور "طلاقِ خلع" حاصل کرسکتی ہے۔

جو مرد و زن اللہ کے مقررہ قوانین وحدود سے تجاوز کرے گا وہ ظالم ہوگا۔ اپنی ذات پر ظلم کرے گا، معاشرے پر ظلم کرے گا، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اس طلاق و رجوع میں انصاف کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ
حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن
يَتَرَاجَعَا إِن ظَنَّا أَن يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ
اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٢٣٠﴾

ترجمہ:

(دو طلاقوں کے بعد) اگر پھر طلاق دے تو اس کے بعد جب تک وہ عورت (اس شوہر) کے علاوہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے اس طلاق دینے والے) کے لیے حلال نہیں، ہاں اگر وہ طلاق دیدے تو ان دونوں (شوہر سابق اور اس مطلقہ) کے لیے میل ملاپ کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ دونوں گمان رکھیں کہ حدود الٰہی

محفوظ رہیں اور یہی اللہ کے احکام ہیں جنھیں وہ سمجھ بوجھ رکھنے والوں کے لیے بیان کرتا ہے۔ (۲۳۰)

تفسیر:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زوجۂ رفاعہ نے سوال کیا۔ اس کے چچا زاد بھائی نے اس سے نکاح کیا اور طلاق دے دی، تین مرتبہ طلاق پانے کے بعد اس نے عبدالرحمٰن نامی آدمی سے شادی کی، اتفاقاً جنسی عمل کیے بغیر اس نے بھی طلاق دے دی کیا پہلے شوہر کے گھر آباد ہو سکتی ہوں؟ آنحضرتؐ نے اس عمل سے منع کیا تفصیل آیت میں موجود ہے۔ یعنی نئے شوہر سے ہم بستری اور شرائط طلاق کے بغیر پرانے شوہر سے نکاح کی اجازت نہیں ہے۔

طلاق ــ گھر اجاڑنے اور لذت اندوزی و عیاشی یا عورتوں کو ذلیل کرنے کا ذریعہ نہیں نکاح وطلاق کا مقصد، باکرامت معاشرے کو جنم دینا ہے۔ بار بار رجوع کا حق اس لیے دیا گیا ہے کہ عورت کو ذلت اور جسم فروشی و جسم نمائی سے بچایا جائے، روز روز اس کا بستر بدلنا اس کے لیے کوئی آبرومندی نہیں ہے۔ جب دونوں دوامی جدائی پر کمربستہ ہوں تو پھر غیر آدمی سے نکاح دائمی کرنا ہوگا اور اس میں بدنیتی نہ ہونا چاہیے۔ ہنسنے بسنے کے لیے دونوں کی شرافت و کرامت کا تقاضا یہی ہے کہ اب اسی گھر کو آباد کریں۔ لیکن اگر یہ عورت نئے شوہر کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہو سکے یا شوہر اس بیوی کو پسندیدہ نہ سمجھے تو بحسن تدبیر طلاق ہو سکتی ہے اس کے بعد پہلا شوہر اور یہ عورت اپنے نفسیاتی رجحانات اور مزاجی افتاد کی بنیاد پر، نیا نکاح کر سکتے ہیں مگر اللہ کی طرف سے سخت تنبیہ کے ساتھ حدود و احکام خدا کی پابندی کا اطمینان کریں اور آئندہ احتیاط رکھیں۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ
اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ
وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ
ظَلَمَ نَفْسَهٗ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ

عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٣١﴾

ترجمہ:

اور جب اپنی بیویوں کو طلاق دو اور وہ "عدہ" کے ختم پر پہنچیں تو یا انھیں اچھے انداز میں آباد کر لو یا بحسن وخوبی رخصت کر دو (پیچھا نہ کرو) اور انھیں نقصان رسانی اور ظلم وزیادتی کے لیے روکے نہ رکھو جو اس قسم کے کام کرتا ہے وہ اپنے اوپر ستم ڈھاتا ہے اور احکام الٰہی کو "مذاق" نہ بناؤ اور اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور اس نے تم پر جو کتاب وعلم ودانش نازل کی ان سے تمھیں نصیحت کرتا ہے اور اللہ سے تقویٰ رکھو اور جان لو کہ بے شک اللہ ہر چیز سے آگاہ ہے۔

تفسیر:

اَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ و سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ۔ قرآن کا معجزہ ہونا ثابت کرنے والے فقرے ہیں۔ "معروف" ان آیات میں بارہ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ یعنی انسانی تقاضوں، اخلاقی اصولوں، شرعی دستور اور اچھے انداز میں یہ نہ ہو کہ عدہ ختم ہو رہا تھا اور یہ سوچ کر اس بیوی کو روک لیا کہ اس نے بڑی اذیتیں دی ہیں اب ہم اسے خوشی نصیب نہ ہونے دیں گے۔ یہ نیت، یہ طریق کار اور فکر وعمل کا یہ انداز تقوے کے خلاف ہے، آداب واحکام اسلامی کا تمسخر ہے۔ قرآن مجید اور سنتِ رسولؐ تمھاری اصلاح کے لیے ہے۔ بندۂ مومن کو انھیں دو حدوں میں محدود رہنا چاہیے اور ہر وقت اللہ سے ڈرنا چاہیئے وہ دلوں کے بھید اور لبوں کی حرکت سے باخبر ہے وہ حسن نیت کا اچھا بدلہ اور بدنیتی پر سرزنش کرتا ہے۔ جو بدی کرتا ہے وہ اپنے اوپر خود ظلم کرتا ہے کیونکہ اس کا یہ عمل حکم خدا کی توہین کے برابر ہے۔ اس کی مذمت ہوتی ہے اور بدی کے بدلے نقصان سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بندۂ مومن" احکام خدا اور قانون الٰہی کے تمسخر کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن

يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ
يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا
تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

ترجمہ:

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت (عدّہ) تمام کریں تو انھیں اپنے شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو (خصوصاً، جب وہ باہمی طور پر شریعت کے مطابق رضامند ہو جائیں، یہ اسی شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ تمہارے خاندان کے حق میں پھلنے پھولنے اور گندگی دور کرنے کی بات ہے۔ اور (اصل میں تو) علم اللہ ہی کو ہے اور تم جانتے ہی نہیں۔ (۲۳۲)

تفسیر:

عاصم بن عدی نے جمیلاء کو طلاق دے دی، عدہ گذر گیا تو عاصم و جمیلاء دونوں دوبارہ عقد پر راضی ہو گئے لیکن جمیلاء کے بھائی معقل بن یسار نے منع کیا۔ یا۔ جابر بن عبداللہ نے اپنی چچازاد بہن کے معاملے میں رکاوٹ ڈالی اور بات آنحضرتؐ تک پہنچی اس کے بعد وحی آئی۔

اس آیت میں عورتوں کو ایک حق دیا اور "اولیاء" کو دخل اندازی سے روکا گیا ہے۔ جب مدت عدہ تمام ہو جائے تو عورت دو مرحلوں سے گذر چکی ہے۔ گھریلو زندگی اور اس سے دوری، مدّہ، یکسوئی اور فکر کی مہلت۔ اب اس فیصلہ کا حق ہے۔ وہ اپنے پہلے شوہر سے جس نے ابھی تک رجوع نہیں کی تھی دوبارہ اپنا سرتاج بنانا چاہتی ہے۔ تو ٹھیک ہے۔ مومن و متقی مرد و عورت اللہ کو علیم و خبیر جان کر ایمان داری سے فیصلہ کرنا چاہیں تو اچھا ہے۔

دوسرا مرد چاہیں تو دیکھ بھال لیں، پہلے سے عقد کرنا ہے ذہنی طور پر مطمئن ہیں، بڑی آبرو کی بات ہے اگر بچے ہیں تو ان کی نشوونما اور پھلنے پھولنے میں مدد ملے گی اور نہیں ہیں جب بھی بداخلاقی

اور معاشرتی سبکی کا داغ تو دھل ہی جائے گا۔ پھر خدا پر توکل و اعتماد ہے تو یقیناً نتائج اچھے ہوں گے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٣٣﴾

ترجمہ:

اور مائیں اپنے بچوں کو ان کی خاطر جب دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہیں، دو برس دودھ پلائیں اور ان کا کھانا، کپڑا دستور کے مطابق بچے والے کے ذمے ہے۔ کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہ دی جائے۔ نہ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس کے بچے کے سبب ضرر پہنچایا جائے اور ایسی ہی ذمہ داری باپ کے قائم مقام (وارث) پر ہے۔

پھر اگر ماں باپ دونوں (دو برس کے اندر) دودھ چھڑانے پر راضی ہو جائیں اور صلاح مشورہ کریں، تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر تم لوگ اپنی اولاد کو دائی سے) دودھ پلوانا چاہو تو اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں۔ بشرطیکہ جو دستور کے مطابق

طے کیا ہے وہ اس کے حوالے کردو۔ اور اللہ سے تقویٰ اختیار کرو۔ اور جان لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے۔ (۲۳۳)

تفسیر:

جس طرح والدین کے صفات اور نسلی امتیازات، نیز جسمانی ڈھانچہ اولاد کو میراث میں ملتا ہے اسی طرح شیر مادر کی تاثیر نفسیات پر دیر تک باقی رہتی ہے۔ جس ماں کے پیٹ میں بچہ پیدا ہوا، اور کم از کم سات ماہ تک غذا حاصل کی، نشو و نما پائی، اسی ماں کا دودھ اس کے لیے بہترین خوراک اور مادر و فرزند کے نفسیاتی روابط کا ذریعہ ہے؛ قرآن مجید نے رضاعت کو ماں کا حق قرار دیا ہے۔ خواہ ماں شوہر کے عقد میں ہو یا طلاق پا چکی ہو۔ دو سال رضاعت کی مدت ہے۔

رضاعت، عورت کے لیے سخت کام ہے لہٰذا خصوصی طور پر باپ کو بحدّ امکان، آداب و دستور کے مطابق اہتمام و انتظام خوراک و صحت رکھنا ہوگا۔ اور اسے یہ حق نہیں کہ دودھ پلانے سے اسے روکے یا اس کی پرورش اور دیکھ بھال سے منع کرے یا کسی قسم کا نقصان پہنچائے۔ اسے "حضانت" کہتے ہیں جس میں بچے کو جھولا جھلانا، نہلانا دھلانا، تیل ملنا، کپڑے بدلنا جیسے کام داخل ہیں اس حق میں ماں کو اولیت حاصل ہے۔ ادھر ماں کو یہ حق نہیں کہ باپ کو ضرر پہنچائے اور اخراجات یا بیٹے کو دیکھنے، گود میں لینے۔ ..... کے معاملات میں رکاوٹ بنے۔ باپ اگر مر جائے تو اس کے وارث بچے کی ماں کے نان و نفقہ و ضروریات کی کفالت کے ذمہ دار ہوں گے۔

"لا تکلف نفس الا وسعها" ایک کلیہ ہے۔ نہ اللہ کسی بندے پر ناقابل عمل ذمہ داری عاید کرتا ہے نہ کسی انسان کو دوسرے آدمی پر اس طرح کا حکم جاری کرنے کا حق ہے۔

- فان ارادا فصالا ..... " محبت و شفقت والدین کے سایے میں نشو و نما حاصل کرنے اور بچے کی خوراک پر توجہ کے بعد تربیت کا مرحلہ آتا ہے۔ ارشاد ہے کہ دونوں ماں باپ ذہنی و فکری مطابقت سے گھر کی فضا کو معطر رکھیں، دودھ بڑھانا ہو تو باہمی صلاح مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کریں۔

"وان اردتم ان تسترضعوا" اگر ماں باپ یہی مناسب سمجھیں کہ بچے کو آیا سے یا کسی اور خاتون سے دودھ پلوائیں تو اجازت ہے مگر اس عورت کو بھی دستور و اخلاق کے مطابق یا اس کے

مطالبہ کی بنیاد، ہدیہ، تنخواہ یا معاوضہ ادا کریں۔

- واتقوا اللہ - بچے کی اساس رکھنے اور بنیاد قائم کرنے کا مرحلہ ہے یہ وقت تقوے اور اللہ کے علیم و بصیر ہونے کے عقیدے کو عملی بنانے کا ہے۔ مومن کا فرض ہے کہ بچے کو اللہ کی رضا اور اس کی بندگی کے لیے پالیں اور ایسی تربیت کریں جس کی نتیجے میں وہ رسولؐ و آل رسول کا پیروکار اور اللہ کا پسندیدہ انسان بن کر ماں کی تربیت اور باپ کی تعلیم کا مثالی نمونہ بنے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۲۳۵﴾

ترجمہ:

اور تم میں سے جو لوگ بیویاں چھوڑ کر وفات پائیں تو وہ عورتیں اپنے تئیں روکے رکھیں چار مہینے اور دس دن۔ پھر جب وہ عدہ تمام کریں تو شائستہ طریقے سے اپنے حق میں جو کرنا چاہیں، تمھارے لیے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو

اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے (۲۳۴) اور تمھارے لیے اس میں کوئی حرج نہیں کہ (بیوہ) عورتوں سے اشارے میں رشتے کی بات کرلو۔ یا اپنے دلوں میں (یہ ارادہ) چھپائے رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ تم ان کا ذکر کروگے۔ مگران عورتوں سے خفیہ عہد و پیمان نہ کرنا۔ مگر اس میں مضائقہ نہیں کہ رواج شریعت کے موافق کوئی بات کہدو اور جب تک مقررہ مدت (عدہ) نہ گذر جائے نکاح کا ارادہ نہ کرنا اور جان رکھو اللہ اس کو ضرور جانتا ہے جو تمھارے دلوں میں ہے۔ اس سے ڈرو! اور جان لو کہ اللہ یقیناً بخشنے والا، حلم والا ہے (۲۳۵)

تفسیر:

۲۳۴۔ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ . . . . . .

توفّی: گرفتن۔ پکڑنا۔ یذر (بے ماضی) واگذار کردن۔ چھوڑنا جو اپنے شوہروں کو کھو بیٹھیں ضروری ہے کہ چار ماہ دس دن عدہ رکھیں اور شادی سے اپنے آپ کو روکے رہیں۔

آدمیت کا احترام اور گذشتہ دلوں کے قانونی حقوق اور روابط، محبتوں اور ذمہ داریوں کے بوجھ سے سبکدوش ہونے کے لیے غم نصیب خاندان کی تسلی اور خود اپنے اوپر گذرنے والے سانحے میں نفسیات وجذبات پر قابو پانے کے لیے، شوہر کا "عدۂ وفات" چار ماہ دس دن ہے۔ اس زمانے میں سوگوار نظر آئے۔ زیب وزینت وآرائش نہ کرے۔ عدہ پورا ہوجائے تو انھیں مناسب شوہر کے انتخاب میں روک ٹوک کی ضرورت نہیں۔

وہ اور تم سب کو اللہ اور شریعت کا پاس لحاظ رکھنا چاہیئے۔ منکرات میں مبتلا نہ ہونا چاہیئے۔

بیوہ ــ غیرمسلم معاشروں میں چھوت بلکہ سوختنی فروختنی سمجھی جاتی ہے۔ آج کے ترقی یافتہ ممالک واقوام میں بہت سے پڑھے لکھے لوگ ایسے مذاہب کو مانتے ہیں جس میں بیوہ کے لیے مقدر یہی ہے۔ اسلام نے ان خرافات کو ٹھکرا کر ایک معقول اور متوازن فکر دی۔ عورت عدے میں اس لیے ہے کہ امانتِ شکم کا حال معلوم ہوجائے۔ وہ مرنے والے کی یادگار ہوگی۔ گھر کے خالی ہونے سے جو نفسیاتی خلفشار اور فکری انتشار ہے اسے سکون ملے گا۔ اگر عورت جنسی کشمکش میں مبتلا رہے

تو وہ مستقبل کے بارے میں اچھی طرح سوچ سمجھ لے ۔ بیوہ کے نکاح پر نہ اللہ کی طرف سے کوئی پابندی ہے نہ تمہیں روکنے کا حق ہے۔ بس عدہ اور ولادت کا انتظار کرنا لازم و مفید ہے۔

۲۳۵۔ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ ....

اللہ دلوں کے بھید جانتا ہے ، اس لیے عدّہ نشین خواتین کے بارے میں وہ تمہاری نیت سے باخبر ہے ۔ اس ارادے کے سلسلے میں :

(الف) منگنی کی بات اشارے کنایے میں بھی کر سکتے ہو اور اپنے دل میں فیصلے کا بھی حق ہے ۔ (ب) عدہ نشین سے خفیہ عہد و پیمان کی اجازت نہیں ہے ۔ بات چیت معروف طریقے اور مناسب انداز سے کرو (ج) ، عدّے کے تمام ہونے سے پہلے عقد کا فیصلہ نہ کرنا۔

جذبات میں بے قابو نہ ہو ، اللہ سے ڈرتے رہنا ۔ وہ خود بخشنے والا اور در گذر فرمانے والا ہے مگر تم جان بوجھ کر غلطی نہ کیا کرو ۔ آداب بندگی کا یہی تقاضا ہے ۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾

وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَن تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٧﴾

ترجمہ:

تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اگر ایسی عورتوں کو طلاق دو جن سے نہ تم نے
ہمبستری کی ہے نہ ان کے لئے کچھ مہر مقرر کیا ہے۔ اس صورت
میں ان کو مال و متاع دو (فائدہ پہنچاؤ) خوش حال اپنی مقدور
اور نادار اپنی گنجائش کے مطابق معروف طریقہ سے (روپیہ پیسہ،
کپڑے لتّے) دے۔ نیک آدمیوں پر یہ حق ہے (۲۳۶) اور اگر تم انہیں
مس کرنے سے پہلے طلاق دے دو اور ان کا مہر مقرر کر چکے ہو تو جو کچھ
معین کیا تھا اس کا نصف تمہارے ذمے ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ
عورتیں (خود) معاف کر دیں یا وہ شخص چھوڑ دے جس کے ہاتھ میں نکاح
کا اختیار ہو اور تمہارا معاف کرنا پرہیزگاری سے زیادہ قریب
ہے اور باہمی معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو۔ یقیناً جو کچھ تم کرتے
ہو خدا اسے دیکھتا ہے (۲۳۷)

تفسیر:

۲۳۶۔ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ ....

بعض حالات میں جنسی تعلقات قائم ہونے سے پہلے طلاق کی نوبت آجاتی ہے۔ ایسے مرحلے میں عورت
کے حق کی نگہداشت ضروری ہے اگر مہر معین نہیں کیا تھا تو "متعہ" دو یعنی حسب امکان روپیہ، کپڑے
سواری وغیرہ جیسی حیثیت ہو۔ احسان اور بھلائی کرنے والے افراد معاشرے میں حسن کردار کا مظاہرہ
کیا کریں۔

۲۳۷۔ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ ....

دوسری صورت یہ ہے کہ مباشرت نہیں کی اور مہر مقرر ہو چکا تھا۔ اب طلاق دینے والے کو

آدھا مہر ادا کرنا چاہیئے ۔ عورت اور اس کے ولی کو وہ رقم معاف کرنے کا بھی حق ہے اس سے عورت کی کرامت اور تقوے کی نشان دہی ہوتی ہے ۔

اللہ کو حاضر و ناظر جاننے والوں کو ایک اصول ملحوظ رکھنا چاہیئے اور وہ ہے، باہمی معاشرتی معاملات میں فیاضی ۔

حَافِظُوا
عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿٢٣٨﴾
فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا
اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٩﴾

ترجمہ:

تمام نمازوں کی حفاظت کرو اور (خاص طور سے) بیچ والی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے لیے قنوت گذار بن کر کھڑے ہو ﴿٢٣٨﴾ پھر اگر خوف زدہ ہو (جنگ میں) تو پیدل یا سوار (حالت میں) نماز ادا کرو۔ اور جب امن میں ہو تو اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں سکھایا جس سے تم ناواقف تھے ﴿٢٣٩﴾

تفسیر:

٢٣٨۔ حَافِظُوا عَلَى الصَّلٰوة ....

قرآنِ مجید کا اندازِ بیان صرف اسی کے ساتھ مخصوص ہے، یہ اسلوب بذات خود معجزہ ہے نکاح وطلاق ومہر کے مسائل بیان کرتے کرتے نماز کی اہمیت کا تذکرہ ہدایت آفریں بھی ہے اور اس عبادت کو کسی حال میں بھی فراموش نہ کرنے کی تاکید۔ ہر نماز کے وقت، آداب، شرائط اور پابندی کا دھیان رہے خصوصاً "صلوٰۃ وسطیٰ" کے لیے اہتمام رکھو۔ اکثر روایاتِ اہل بیت میں صلوٰۃ وسطیٰ کے معنی نماز ظہر بتائے گئے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت جمعہ کے دن نازل ہوئی اور آنحضرتؐ نے اس کے بعد نماز جمعہ پڑھی جس میں قنوت بھی ادا کیا۔

٢٣٩۔ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا ....

انتہائی خوف وجنگ میں بھی نماز ترک نہیں کی جاسکتی، سفر میں چار رکعتی نماز دو رکعت اور بحالت جنگ نماز خوف یہ ہے کہ دشمن اگر سمت قبلہ کے مخالف رخ پر ہے تو مسلمان سپاہی

دو ٹکڑیوں میں بانٹے جائیں (بشرط امکان) ایک ٹکڑی دشمن کو دیکھتی اور نمازیوں کی حفاظت کرتی رہے
دوسری ٹکڑی امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر دوسری رکعت بہ تخفیف فرادیٰ پڑھ لے، امام دوسری
رکعت میں دوسری ٹکڑی کا انتظار کرے۔ پہلی ٹکڑی حفاظتی پوزیشن سنبھال لے اور دوسری ٹکڑی
امام کی دوسری رکعت میں شریک ہو کر اپنی پہلی رکعت جماعت سے ادا کر کے دوسری رکعت فرادیٰ
بہ تخفیف پڑھے اور امام تشہد میں انتظار کرے یہ لوگ دوسری رکعت کے تشہد میں امام کے ساتھ شریک
ہو کر نماز تمام کریں۔ نماز مغرب کا طریقہ یہ ہے کہ امام پہلی ٹکڑی کو ایک رکعت پڑھا کر انتظار میں کھڑا
رہے اور نمازی باقی دو رکعتیں پڑھ کر اپنی پوزیشن پر چلے جائیں اور دوسرا دستہ دوسری تیسری
رکعت میں پہلی دوسری رکعت ادا کر کے تیسری کو بہ تخفیف فرادیٰ پڑھ کر تشہد و سلام امام کے ساتھ
بجالائے۔ اگر دشمن، چور، ڈاکو اور صحرائی جانوروں کا خطرہ یہ طریقہ نہ برتنے دے اور کوئی راہ
نہ ہو تو ممکن حد تک رو بقبلہ ہو کر نماز شروع کر دے، رکوع و سجود کے لیے اشارہ کرے، یہ بھی
ممکن نہ ہو تو چار رکعتی کے لیے دو رکعت اور ہر رکعت کے لیے ایک تکبیر کہے۔ مغرب کے لیے تین
تکبیریں۔ اور ہر تکبیر میں یہ کہے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر یہ نماز سواری میں
بھی ہو سکتی ہے اور پیدل بھی۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ
مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا
إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا
فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٤٠﴾
وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿٢٤١﴾ كَذَٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٤٢﴾

ترجمہ:

اور تم میں سے جو لوگ مرنے کے قریب ہوں اور اپنے بعد بیویاں چھوڑیں۔ ان پر لازم ہے کہ اپنی بیویوں کے لیے ایک سال تک نفقہ دینے اور گھروں سے نکالنے کی (درثہ کو) وصیت کریں۔ پھر اگر وہ خود سے جائیں تو وہ عورتیں اپنے بارے میں قاعدے کی بات (نکاح) کریں تم پر اس کا کوئی گناہ (بوجھ) نہیں اور اللہ زبردست ہے، حکمت والا ہے (۲۴۰) اور جن عورتوں کو (بغیر مہر طے کیے اور ہم بستری کیے) طلاق دی جائے ان کو دستور کے مطابق کچھ دینا، متقی لوگوں پر حق ہے (۲۴۱) اس طرح اللہ تم لوگوں کو صاف صاف اپنے احکام بتلاتا ہے (۲۴۲)

تفسیر:

۲۴۰۔ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ ۔۔۔۔۔۔۔

رشتہ کا احترام اور عائلی ڈھانچہ کی اہمیت کے پیشِ نظر وقت وفات جو وصیتیں کی جائیں ان میں اس شریکِ حیات کو فراموش نہ کرنا چاہئے جس سے محبت کے پیمان کیے تھے اور وصیت یہ ہو کہ اس غم نصیب کو سال بھر تک گھر میں رہنے کی اجازت دی جائے۔ ہاں، اگر وہ خود اپنے لیے دوسرا گھر آباد کرنا پسند کرے تو رکاوٹ نہ ڈالی جائے، دستور و شریعت کے مطابق اسے یہ حق حاصل ہے اللہ کی حکمت و قدرت کا یقین رکھنا چاہئے۔

۲۴۱۔ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مطلقہ عورتوں کے بارے میں دوبارہ حسنِ سلوک اور مالی کمک کی بات عورتوں کے احترام و نگہداشت کی اہمیت ثابت کرتی ہے اور اس اہمیت کو متقی لوگوں پر حق بتایا گیا ہے۔

۲۴۲۔ کَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ ۔۔۔۔۔۔

اسلامی فکر و ادراک کے لیے قرآن میں معجز نما آیات و ہدایات بیان کر کے اللہ نے اپنی حجت تمام کر دی ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ

خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ

اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ

أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٢٤٣﴾

ترجمہ:

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا (اس قوم کی تاریخ پر توجہ نہیں) جو موت کے ڈر سے
اپنے گھروں سے نکلے تھے اور وہ ہزاروں تھے۔ تو اللہ نے ان سے فرمایا: مرجاؤ!
پھر خدا نے انھیں زندہ کیا۔ بے شک اللہ، انسانوں پر فضل و کرم فرماتا ہے، مگر
زیادہ لوگ شکر ادا نہیں کرتے (۲۴۳)

تفسیر:

موت سے ڈرنا مومن کا شیوہ نہیں ہے۔ دین کو جب قربانی کی ضرورت پڑجاتی ہے تو
جہاد کا حکم دیا جاتا ہے۔ حکم جہاد کے بعد پس و پیش برا ہے۔ گذشتہ زمانے میں ایک قوم پر ایسا ہی
وقت پڑگیا تھا، نبی نے فرمایا، جنگ کرو۔ قوم نے سوچا، جان بچاؤ، یہ سوچ کر ہزاروں افراد
گھر چھوڑ کر شہر یا بستی سے بھاگے، مگر سب کے سب راستے میں لقمۂ اجل ہوگئے، اللہ کے حکم سے کون
بچ سکتا ہے، موت کا جو وقت اس نے مقرر کردیا ہے اسے ٹالنا ممکن نہیں۔ کچھ دنوں بعد نبی نے
دعا فرمائی۔ اللہ نے ان سب کو زندہ کیا۔

یہ نبی حزقیل تھے، یا کوئی اور قرآن مجید نے نبی کا نام اور جزئیات کو چھوڑ دیا ہے اس کا
مقصد ہدایت ہے کہ شخصی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی و موت۔ اللہ کا فضل و کرم ہر صورت میں
بندوں کے شامل حال ہوتا ہے۔ انسان کو ہمہ وقت اس کا شکر بجا لانا اور تعمیل حکم کرنا چاہیے۔

جہاد سے جان بچاؤ گے تو کیا موت تمھیں چھوڑ دے گی۔ موت کو حیات اور زندگی کو موت میں بدلتے دیر نہیں لگتی۔ اگر وہ جان مانگتا ہے تو عذر کیوں ہے، اسی کی امانت ہے اسے واپس کردو۔ وہ اس کا صلہ دے گا، اور تم بندگی کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤ گے۔ لوگوں کی چہ میگوئیاں اور اکثریت کی رائے پر نہ جاؤ۔ اکثریت ناشکرے لوگوں کی ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ

اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ○ مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا

حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ

وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ○

ترجمہ:

اور تم سب اللہ کی راہ میں جنگ کرو اور جان رکھو کہ بلاشک وشبہ اللہ سننے اور جاننے والا ہے (۲۴۴) کون ہے جو اللہ کو قرض دے! قرضِ حسن، پھر اللہ اضافہ کردے اس کے عوض میں بہت بڑھا چڑھا کر اور اللہ (ہی) بڑھاتا بھی ہے گھٹاتا بھی ہے اور اسی کی طرف تم پلٹا دیے جاؤ گے (۲۴۵)

تفسیر:

۲۴۴۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ ....

پہلا واقعہ توجہ دلانے کے لیے تھا اور اب جہاد کا حکم ہے۔ ایک مرحلہ ایسا آجاتا ہے جب جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے اس لمحہ اور اس کے نتائج سے اللہ عزاسمہ باخبر ہے۔ اس کے بندوں کو تعمیل میں لیت ولعل کا حق نہیں ہے۔

۲۴۵۔ من ذا الذی یقرض اللہ ....

جان کی طرح مال بھی عزیز ہے، دولت کا ضیاع ممنوع ہے۔ البتہ جہاد یا حالتِ امن میں جب اللہ کے دین کو ضرورت پڑ جائے تو اسے بچانا جائز نہیں۔ یہ حسنِ کلام خالق فیاض ہے کہ اس نے دین کی راہ اور اسلام کی خاطر (ضروریاتِ جنگ ہوں یا غربا کی خبر گیری) مطالبۂ مال کو قرض فرمایا پھر اس کی واپسی کی یقین دہانی کرائی۔ جس طرح زندگی اس کا عطیہ ہے اسی طرح دولت اسی کی دین ہے۔ وہ جب چاہے اور جسے چاہے دولت دے اور جس کو چاہے بے زر و مفلس کر دے لہٰذا اس کی راہ میں دولت خرچ کرو۔ وہ کئی گنے اضافے کے ساتھ ادا کرے گا: جب اس کی بارگاہ میں جاؤ گے تو بہت بڑا اجر بھی حاصل کرو گے۔

قرضِ حسن: وہ مال ہے جو صرف رضائے خدا کے لیے دستورِ شریعت کے مطابق دیا جائے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ

مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا

نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ

الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ

اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ

الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٢٤٦﴾

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ

قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ

وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ

وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾

ترجمہ:

کیا تم نے سردارانِ بنی اسرائیل کے اس معاملے پر غور نہیں کیا۔ موسیٰؑ کے بعد جب انھوں نے اپنے نبی سے مطالبہ کیا کہ ہمارے واسطے ایک مَلِک (بادشاہ) مقرر کر دیجئے تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ نبیؑ نے کہا، کہیں یہ تو نہ ہو گا کہ تم پر جہاد فرض کیا جائے (اور) تم جنگ نہ کرو۔ انھوں نے کہا: ہمارے پاس کون سا عذر ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں گے۔ حالانکہ ہمیں ہمارے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور ہمارے بچے ہم سے جدا کر دیئے گئے ہیں۔ پھر بھی جب ان پر جہاد واجب کیا گیا تو ان میں سے تھوڑے آدمیوں کے علاوہ سب نے روگردانی کی اور اللہ، ظالموں کو خوب جانتا ہے (۲۴۶) اور ان کے نبیؑ نے ان سے کہا: اللہ نے تمھارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا: اس کو ہم پر حکمرانی کا حق کہاں سے ملا؟ اس کے مقابلے میں تو ہم حکومت کے زیادہ حق دار ہیں۔ اس کو تو ملی خوش حالی بھی نہیں دی گئی ہے؟ (نبی نے) کہا: بے شک اللہ نے اسے تم پر فضیلت دی ہے اور اسے علم و جسم میں برتری بخشی ہے اور اللہ اپنا ملک جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑی گنجائش والا، واقف کار ہے (۲۴۷) اور ان کے نبی نے ان سے کہا: اس کے (من جانب اللہ) بادشاہ ہونے کی نشانی (معجزہ) یہ ہے کہ تمھارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تمھارے پروردگار کی طرف سے تسکین کا سامان ہے۔ اور اولادِ موسیٰ

وہارون کا کچھ چھوڑا ہوا سامان ہے۔ اسے ملائکہ اٹھائے ہوں گے۔ بے شک اس بات میں تمہارے لیے معجزہ ہے۔ اگر تم مومن ہو (۲۴۸)

تفسیر:

۲۴۶۔ ألم تر الی الملاء ....

موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل نے کیا کیا ضدیں کی تھیں؟ حضرت کلیم اللہ نے ان کی ہدایت و سربلندی کے لیے کیا کیا دکھ جھیلے؟ سب کچھ بتایا جا چکا۔ حضرت موسیٰؑ کے بعد اللہ نے انھیں ہادی و رہنما کے بغیر نہ چھوڑا، مگر ان کی عادتیں وہی رہیں اور آج بھی وہ اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰ کے بعد ایک واقعہ یہ ہوا کہ جالوت بنی اسرائیل کا دشمن ہو گیا اس نے اتنا ستایا کہ بنی اسرائیل بے گھر بے در ہو گئے، اور گھبرا کر اپنے نبی کے پاس گئے، مشہور ہے کہ ان کا نام اشموئیل تھا۔ نبی سے کہا، ہم تنگ آچکے ہیں زندگی دوبھر ہو چکی ہے، اللہ سے دعا کیجیے، کہ وہ ہمیں ایک ایسا قائد عطا کرے جو اس صورت حال سے نجات دلائے، ہم جالوت سے جنگ چاہتے ہیں۔ انھوں نے نفسیاتی طور پر قوم کے نمائندہ وفد کو جھنجھوڑا۔ تم لوگ سوچ لو، ایسا نہ ہو کہ قائد لڑنے کا حکم دے اور تم بھاگ جاؤ۔ وفد نے کہا، جناب والا! کیسی باتیں فرماتے ہیں، گھروں سے نکالے جانے، بیوی بچوں سے بچھڑنے ظلم کی حدیں گذرنے کے بعد بھی جان عزیز رکھی جا سکتی ہے؟۔ مگر ہوا یہی، جب اللہ نے جہاد کا حکم دیا تو بنی اسرائیل لڑنے کو تیار نہ ہوئے۔ مسلمانوں کو ایسے کردار سے بچنا چاہیے۔ تمہارا نبی مکرمؐ بھی بڑے تاریک دور کے بعد آیا ہے اور تم بھی بے گھر و بے در ہو چکے ہو۔

۲۴۷۔ وقال لھم نبیھم ان اللہ قد بعث ....

نبی نے اپنی حجت تمام کرنے کے بعد خدا سے دعا کی، اللہ نے طالوت کو نامزد کیا، نبی نے قوم کو بشارت سنائی تو ان لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں۔ غریب گھر کا آدمی ہم سرمایہ داروں پر حکمران بنا دیا گیا، لوگ اسے سربراہ کیسے مانیں؟ نبیؑ زمانہ نے فرمایا: خدا کی نگاہ حکمت میں سربراہ کو صاحب علم و قوت ہونا چاہیے۔ طالوت تم سے ان صفات میں افضل ہے اور افضل ہی صاحب حکومت ہے۔

۲۴۸۔ وقال لھم ان آیۃ ملکہ ......

مزید یہ کہ اللہ نے اسے ایک معجزہ سے نوازا ہے اس کے ہاتھوں اللہ تمھیں "تابوت سکینہ" واپس دلا دے گا۔ پھر جب اللہ نے خود کسی کو سربراہی دی ہے تو کسی کو چون وچرا کا جواز کیا ہے۔

"تابوت سکینہ" وہ صندوق جس میں حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ نیز ان کی اولاد کے تبرکات تھے الواح، تورات کا اصل نسخہ، عصا، من کی بھری ہوئی بوتل اور دوسری تاریخی چیزیں۔ بنی اسرائیل اسے اپنا ذہنی سکون اور مذہبی دستاویز جانتے تھے۔ حضرت طالوت سے پہلے بنی اسرائیل نے اور الفرق میں اس صندوق کو ایک بیل گاڑی پر رکھ کر اصل ٹھکانے سے ہٹا دیا تھا مگر وہ گاڑی ان لوگوں کو نہ مل سکی جس سے یہ لوگ بہت پریشان تھے۔ اللہ نے فرشتوں کے ذریعہ حضرت طالوت کو وہ صندوق پہنچوا دیا۔ اس کے بعد جس اطمینان قلب کی ضرورت تھی وہ بھی پوری ہوگئی لہٰذا جنگ نہ کرنے کا نفسیاتی پہلو بھی تشنہ رہا۔

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اللہ کے حکم سے اپنے بعد کے لیے حضرت علیؑ کو سربراہ امت مقرر کیا وہ بھی اسی بنیادی صفت افضلیت سے سرفراز تھے وہ بھی معجز نما تھے، وہ بھی کرامت انبیائے امین تھے۔ مگر امت اس بارے میں وہی باتیں کرتی ہے جو گذشتہ دور میں ہوا کرتی تھیں۔ اسی طرف آخر آیت میں اہل ایمان کو متوجہ کیا گیا ہے۔

فَلَمَّا فَصَلَ
طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن
شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا
مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا
جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ
بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم

مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ
مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا
أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ
الْكَافِرِينَ ﴿٢٥٠﴾ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ
وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا
دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ
اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٥١﴾

ترجمہ:

جب طالوت لشکر کے ساتھ باہر آئے (تو) کہا: یقیناً اللہ ایک نہر کے ذریعے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔ جو اس کا پانی پیے گا وہ میرا ساتھی نہیں۔ اور جو اس سے سیراب نہ ہوگا وہ میرا ساتھی ہے۔ ہاں، ایک آدھ جو پی لے تو پی لے۔ ان سب نے خوب پیا۔ بس تھوڑے ہی سے آدمی تھے (جنھوں نے احتیاط کی) پھر جب طالوت اور ان کے مومن ساتھی اس نہر کے پار ہوئے (تو) انھوں نے کہا: آج ہم میں جالوت اور اس کی فوج کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ (لیکن) جن لوگوں کو اللہ کے حضور حاضری کا خیال تھا (انھوں نے) کہا: بارہا چھوٹے گروہ اللہ کے اذن سے بڑے گروہ پر غالب آئے ہیں۔ اور اللہ ثابت قدم لوگوں کے ساتھ ہے۔ (۲۴۹) اور جب وہ جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے میدان میں آئے (تو) انھوں نے کہا: ہمارے پالنے والے ہم پر صبر کی بارش کر دے اور ہمارے قدموں کو جما دے اور ہمیں اس کافر قوم پر فتح یاب کر (۲۵۰) پھر انھوں نے کافروں کو اللہ کے

اذن سے شکست دی۔ اور داؤدؑ نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے اس (داؤدؑ) کو سلطنت و حکمت عطا کی اور اسے جن چیزوں کا چاہا، علم دیا۔ اور اللہ، انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے کے ذریعے نہ ہٹاتا تو یقیناً زمین کا نظام بگڑ جاتا۔ مگر اللہ تو بڑے فضل (وکرم) والا ہے جہانوں (بستیوں) پر (۲۵۱)

تفسیر:

۲۴۹۔ فلمّا فصل طالوت بالجنود ....

فَصَل کے معنی ہیں ایک جگہ سے نکل گیا، سورۂ یونس میں ہے "فلمّا فصلت العیر ۹۴"

طالوت نے ایک فہمیدہ وحکیم قائد کی طرح ساتھیوں کو نصب العین پر استوار کے لیے مخاطب کیا۔ اصل تقریر کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ آگے ایک نہر آنے والی ہے، وہاں تمھاری عزیمت کا امتحان ہوگا۔ جو لوگ اس سے بھی بھر کے پانی پییں گے وہ بے مقصد اور بے صبرے قرار پائیں گے ہم ان کو اپنا نہ سمجھیں گے، ہمارے ساتھی وہ جانباز ہوں گے جو پانی چکھ کر چھوڑ دیں گے دو گھونٹ پی کر جہاد فی سبیل اللہ کرنے کو تیار ہوں گے۔ نہر کے سامنے پہنچے تو اکثریت پانی پر ٹوٹ پڑی، امتحان میں کامیاب اور پیاس پر صبر کر کے ساتھ چلنے والے کم نکلے۔

نہر سے آگے بڑھ کر دشمن کا سامنا ہوا تو چلو بھر پانی پینے والے دہل گئے اور یہ تھوڑے سے آدمی بھی اعلیٰ معیار پر پورے نہ اترے۔ یہ کہنے لگے۔ حریف سے ٹکر مشکل ہے۔ البتہ، کم میں کم تر باعزیمت افراد نے استقامت وشوق لقاءِ الٰہی کا مظاہرہ کر کے ایک اصول بتایا "کہ فتح ونصرت کا دارو مدار افراد کی کثرت پر نہیں ہے۔ کامیابی کی بنیاد ہے عقیدہ ونصب العین کی بلندی واستواری اکثر ایسا ہوا ہے کہ بے مقصد اکثریت پر با مقصد اقلیت نے برتری حاصل کی ہے۔ ماضی بعید کی یہ بات قرآن مجید نے ہمیشہ کے لیے ضابطے کے طور پر سمجھا کر مسلمانوں کو شہادت یا نصرت پر تیار کیا ہے۔ ثابت قدم و راسخ العقیدہ کا مددگار اللہ ہوتا ہے۔

۲۵۰۔ ولمّا برزوا لجالوت ....

طالوت، صاحب عزیمت اور صاحب علم و بصیرت قائد تھا، اس نے بھاری تعداد میں سے چند اللہ والوں کو ساتھ لے کر خدا کی راہ میں دشمن سے ٹکر لی۔ پہلے دعا کی، اور ساتھیوں کو اپنا عقیدہ سمجھایا، دشمن کو منکر خدا اور خود مومن باللہ ہونے کا اعلان کرکے حریف پر جھپٹا اور ان کو میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

اس موقع پر قائد سپاہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محمد حنفیہ کے ایک کلام قابل توجہ ہے۔ بیٹا جمل کی لڑائی میں جانے لگا تو حضرت علیؑ نے فرمایا:

"پہاڑ ہل جائیں تم نہ ہلنا۔ جبڑا جمالینا، سر، اللہ کے حوالے کر دینا، زمین میں قدم گاڑ کر کھڑے ہونا۔ اور دشمن کی جمعیت کے آخری حصے پر نظر رکھنا، آنکھوں کو جھکائے رکھنا اور اس کا یقین رہے کہ فتح اللہ کی طرف سے ہے۔

دوسرا نکتہ، کربلا کے پیاسے شہیدوں کی جنگ میں دفتر بن کر سامنے آتا ہے کہ تھوڑے سے مومن، بلند نصب العین لے کر میدان میں آئے اور پانی پر نہیں اسلام اور حسینؑ کے لیے لڑے نتیجے میں زندگی جاوید اور فتح ابدی حاصل ہوئی۔

۲۵۱۔ فھزموھم باذن اللہ ....

باعقیدہ و مومن افراد جیت گئے اور اللہ کے حکم سے دشمن ہار گیا۔ اور شریک لشکر ایک کم سن مگر سب سے بڑا عارف باللہ، داؤدؑ آگے بڑھا اور قائد لشکر کفار جالوت کو قتل کرکے پلٹا۔ حضرت داؤدؑ کا اللہ نے تعارف یوں کرایا۔ اللہ نے انھیں حکومت عطا کی، کیونکہ انھیں حکمت و علم وسیع عطا کیا تھا۔ طالوت کو بھی علم و قوت اقدم بر حق کی بنا پر قائد مقرر کیا گیا۔

ولولا دفع اللہ الناس۔ حق و باطل میں سرد گرم جنگ ایک فطری بات ہے۔ اس سے ایمان کی طاقت ابھرتی اور معاشرے میں پھیلے ہوئے متعفن اخلاق و عقائد کی تطہیر ہوتی ہے۔ اگر معاشرتی کثرت اور بروں کی اکثریت کو کھل کھیلنے کی چھٹی دے دی جائے تو نظم کائنات تباہ ہو جائے، شر و فساد زمین پر غالب آکر، قانون تنازع للبقاء کا حق غلط اور پرچم ہدایت سرنگوں ہو جائے۔ یہ خدا کا فضل ہے جس نے پہلے امن و اخلاق کی تعلیم دی، صبر و تحمل کا پابند کیا۔

پھر کہا کہ حق کے ہاتھ کٹے ہوئے نہ سمجھنا، وقت آنے پر ظلم کا سر بھی کاٹا جا سکتا ہے اور فساد فی الارض ختم کرنے کے لیے جہاد و قتال بھی لازم ہو جاتا ہے اور اس کے لیے کثرت افراد سے زیادہ باعزیمت افراد کی ضرورت ہے۔ دنیا کی بقا اور بہبود اسی میں ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا

عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

ترجمہ:

یہ اللہ کی آیتیں ہیں، جنھیں ہم ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ اور تم یقیناً رسولوں میں سے ایک رسول ہو (۲۵۲)

تفسیر:

یہ وا شگاف حقائق اور یہ سچی اور اونچی باتیں، یہ معجزہ گفتار و کردار جو سب کو سنا رہے ہو جسے سب دیکھ رہے ہیں اس بات کی دلیل ہے کہ تم عام قائد، عام آدمی نہیں ہو بلکہ سچے رسول ہو، تم نے جو کچھ احکام و واقعات سنائے وہ حق اور سچے ہیں۔

تِلۡكَ الرُّسُلُ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ‌ۘ مِنۡهُمۡ مَّنۡ كَلَّمَ اللّٰهُ‌ وَرَفَعَ بَعۡضَهُمۡ دَرَجٰتٍ‌ؕ وَاٰتَيۡنَا عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ الۡبَيِّنٰتِ وَاَيَّدۡنٰهُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ‌ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقۡتَتَلَ الَّذِيۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ وَلٰـكِنِ اخۡتَلَفُوۡا فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ كَفَرَ‌ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقۡتَتَلُوۡا وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يُرِيۡدُ ﴿۲۵۳﴾

ترجمہ:

یہ سب رسول، ہم نے ان میں ایک کو دوسرے سے بڑھ کر فضل (و شرف) بخشا ان میں کوئی ایسا ہوا جس سے اللہ نے کلام کیا اور بعض کے درجے بلند کئے، اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰؑ کو کھلے معجزے دیے اور اس کی "روح القدس" سے مدد کی اور اگر اللہ چاہتا تو رسولوں کے بعد لوگ نہ لڑتے، جبکہ وہ رسول ان کے پاس واضح احکام لا چکے تھے۔ لیکن انھوں نے جھگڑے کئے۔ پھر ان میں سے کچھ مومن ہوئے اور کچھ کافر اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ آپس میں نہ لڑتے، مگر اللہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ (۲۵۳)

تفسیر:

جن رسولوں کے نام اور کام اب تک لوگوں کو سنائے اور جو واقعات بتائے ان کا مطلب ان سب کی تصدیق ہے۔ اسلام سب کو نبوت و رسالت میں مساوی مانتا ہے۔ مگر کچھ

پیغمبر ایک قوم، ایک علاقے یا تھوڑے عرصے کے لیے تھے۔ بعض کو صحیفہ دیا گیا۔ بعض پر کتابیں نازل ہوئیں کسی سے براہ راست اللہ نے کلام کیا جیسے حضرت آدمؑ و موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو بہت خاص معجزہ دیا کہ مُردے کو زندہ کرتے، نابینا کو بینائی اور کوڑھی کو شفا دیتے تھے۔ انھیں پاک روح کے ذریعہ خاص کمک عطا کی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن جیسی آخری کتاب دی، آپ کی ذات وصفات کو تمام انبیاء و مرسلین پر برتری بخشی، اس لیے سب کو برابر نہ جاننا چاہیے اللہ نے ہدایت کا اہتمام فرمایا، مگر امتوں نے انکار کی ٹھانی اور خدا کی بات نہ مانی، معاشر قوم میں اکثریت جھٹلانے والوں کی رہی۔ ایمان لانے والے تھوڑے۔ پھر جب نبی و رسول دنیا سے گئے تو ماننے والوں میں اختلاف پیدا کیے گئے۔ تعلیمات انبیا کو اپنے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا۔ اصل ڈھانچے میں توڑ پھوڑ ہوئی۔ گروہ بنے اور امت کے درمیان خونریزیاں ہونے لگیں۔ اس خلفشار میں اللہ کے ولی راہ راست دکھاتے اور حق و باطل میں فاصلہ سمجھاتے رہے۔ انھیں اس راہ میں جان بھی دینا پڑی۔ اللہ نے چونکہ مخلوق پر جبر کا نظام مسلط نہیں کیا لہٰذا "خدا چاہتا تو یہ نہ ہوتا" کہنا درست نہیں۔ خیر و شر میں ٹکر، حق و باطل میں تصادم ایک حکیمانہ عمل ہے جس کے نتیجے میں دین بڑھتا اور کفر مٹتا رہتا ہے اور اس کا سبب خود اہل باطل ہوتے ہیں۔ (دیکھیے آیت ۸۷ یہی سورہ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۗ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٥٤﴾

ترجمہ:

اے ایمان لانے والو! جو روزی ہم نے تم کو دی ہے اس میں سے خرچ کرو، اس دن سے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی و سفارش (کام آئے گی) اور منکرینِ احکامِ خدا ہی ظالم لوگ ہیں۔ (۲۵۴)

توحید ۱۱

تفسیر:

راہِ خدا میں جان دینے کا وقت آئے تو جان دو، مال متاع بچا کر رکھنا تو کوئی بہت اچھا کام ہے ہی نہیں، جو کچھ خدا سے ملے اس میں سے ایک حصہ بہرحال انسانوں کی خدمت، مسلمانوں کی ضرورت، اور حقوقِ ہمسایہ و قرابت داری کے لیے خرچ کرنا ہی چاہیئے۔ سرمائے کا یہ خرچہ اللہ کے حساب میں لکھا جائے گا اور یہ قرضہ اللہ اس دن ادا کرے گا جس دن سودے بازی اور سعی کا موقع نہ مل سکے گا، عدل الٰہی کی ترازو ہو گی اور بندے اپنے نامۂ اعمال لیے محل حساب میں ہوں گے۔ اللہ و رسول و امام کیا کریں گے؟ یہ ان کا کام ہے۔ ہمیں کیا کرنے کا حکم ہے؟ اس کا جواب ہمیں دینا اور جزا یا سزا کا انتظار ہمارا مسئلہ ہے۔ قرآن مجید میں جہاد کے ساتھ بھی انفاق کا حکم ہے اور نماز کے ساتھ بھی، یعنی مال کا راہِ خدا میں خرچ کرنا جہاد و نماز دونوں کے ہم وزن ہے ۔ محبتِ رسولؐ و آلِ رسولؐ اور ان کی شفاعت کو ترکِ اطاعتِ خدا کا سبب جاننا اور اسے سرمایہ داری کے لیے بنیاد دینا غلط ہے (دیکھیے یہی سورہ آیت ۴۸ ۔ و ۔ ۲۵۵)

کافروں نے خود اپنے اوپر ظلم ڈھایا وہ تو حقیقی ظالم ہیں جس کی وجہ سے نہ کسی کی محبت ان کے کام آئے گی نہ کسی کی شفاعت حاصل ہو گی۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا
بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ
بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۝

آیہ ۱۲

ترجمہ:

اللہ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے، سب کو برقرار رکھنے والا ہے۔ نہ اس کو اونگھ آتی ہے نہ نیند، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور سفارش کر سکے؟ وہ ان کے تمام حاضر و غائب کو جانتا ہے اور لوگ اس کے علم کی کسی بات کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ مگر (جسے) جتنا وہی چاہے (عطا کرے) اس کی کرسی (اقتدار) آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور ان کی نگرانی اس پر گراں نہیں ہے۔ وہ بلند و عظیم ہے (۲۵۵)

تفسیر:

کچھ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت ۲۵۷ تک اور بعض سے ثابت ہوتا ہے کہ فقط آیت ۲۵۵ ہی آیت الکرسی ہے۔ فقہا نے تین آیتوں کو آیت الکرسی قرار دیتے ہوئے تحریر الوسیلہ جیسے کتب فتویٰ میں نماز ہدیۂ میت کے بیان میں لکھا ہے کہ آیۂ ھم فیہا خالدون تک آیت الکرسی کا پڑھنا احوط ہے۔ فوائد الفؤاد میں ہے کہ حسن سجزی کو خواجہ نظام الدین نے نماز اشراق میں آیت الکرسی "ھم فیہا خالدون" تک پڑھنے کا حکم دیا ہے (مجلس سی و یکم جلد اول)

اللہ: ذات یکتا، کمال و جمال کے تمام صفات عین ذات ہیں۔ وہ مرکب نہیں اس جیسی کوئی شئے نہیں۔ ماوراء ادراک ذات، معبودِ مطلق ــ الٰہ: مفروضہ معبود۔ پتھر کے ہوں یا کسی اور چیز کے، خواہشات جو معبود برحق کے مقابلے میں اپنی اطاعت کرائیں....

ھو: ذات مطلق کے لیے تقریبی ضمیر۔

حی: شائبۂ فنا سے پاک، حقیقتِ علم و قدرت کی مالک ذات۔

اللہ۔

القیوم: موجودات اور ان کے نظام کا حافظ و قائم رکھنے والا ہر شئے کو اس کے حدود میں خلق کرنے اور اس کی زندگی و حرکت کو برقرار رکھنے والا "اعطیٰ کل شیٔ خلقہ ثم ھدیٰ"

اللہ وہ جس کے سوا نہ کوئی معبود ہے نہ کسی اور کو حیات حقیقی نصیب ہے، وہی حیّ و قیوم ہے۔ نہ اسے اونگھ آتی اور نہ اعصاب رکھنے والوں کی طرح تکان سے آرام طلبی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے نہ راحت کے لیے نیند جیسی حالت اس پر طاری ہوتی ہے کہ "قیّومیت" کا مالک ہے اور نیند یا اونگھ اجسام و متحرکات کے عوارض ہیں۔ اس کے بارے میں تھکن اور راحت کی نسبت دینا حقیقت توحید کے خلاف ہے۔

— لہ ما فی السموٰات والارض: کائنات میں جو کچھ ہے اللہ اس کا حقیقی اور بلا شرکتِ غیر مالک و مختار ہے۔ جس کے پاس جو کچھ ہے وہ اعتباری اور فانی نسبت ہے۔ ملکیت الٰہی سے اس کا کوئی مقابلہ نہیں۔

— من ذا الذی یشفع عندہ الّا باذنہ — آیت الکرسی، بیانِ توحید، بیانِ قیّومیت اور مالکیت و حاکمیت اللہ کے مختلف جہات روشن کرتی ہے۔ اس کا پس منظر عرب و عجم کے معاصر مشرک اور ان کے رنگا رنگ فلسفے تھے۔ اس کا پیشِ منظر وہ افکار ہیں جن کی رو سے انسان اللہ سے زیادہ کسی انسان پر نظر جما لیتا ہے کہ "کیا ہوا، ہماری نجات تو فلاں شخص کرا دے گا"! — قرآن مجید خالق کل کا کلام ہے۔ دنیا میں جو بھی ہے یا ہوگا، سب اس کی مخلوق اور اس کی ملکیت ہے۔ مالک کو چھوڑ کر مملوک پر بھروسہ کرنا، مالک و خالق پر اعتماد و معرفت کی کمی ہے۔ اللہ، اللہ ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ رحیم ہے۔ وہ چاہے تو براہ راست کرم فرمائے اور جسے چاہے لب ہلانے اور ہاتھ اٹھانے سے روک دے۔ "لا یتکلّمون الّا من اذن لہ الرحمٰن وقال صوابا" — وہ آسمانوں اور زمین اور دونوں کے مابین جو کچھ ہے سب کا رب ہے۔ وہ رحمٰن ہے۔ اس سے بات کرنے کی کسی میں قدرت نہیں۔ جس دن روح اور ملائکہ صف میں کھڑے ہوں گے، اس وقت وہی بول سکے گا جسے رحمٰن (اللہ) اذن دے گا اور وہ بات بھی ٹھیک کہے گا۔ (سورۃ النازعات ۳۸)

تنبیہ یہ ہے کہ حق شفاعت ہم نے ضرور دیا ہے، مگر وہ افراد ہماری رضا کے پابند ہیں۔ ان افراد نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ ہمیں مانو اور اللہ کی نافرمانی کرو۔ ان کی شفاعت ہماری

رحمت سے عبارت ہے۔ ہم جو چاہیں گے صاحبان حقِ شفاعت وہی کریں گے۔ (نیز دیکھئے اسی سورہ کے آیات ۸۰ و ۱۱۱)
کون شفاعت کرسکتا ہے؟ مسلمان رسولؐ اور اہل بیتؑ کی شفاعت پر متفق العقیدہ ہیں۔ تفصیلی بحث آگے آئے گی۔ سورہ طٰہٰ کی تین آیتیں ملاحظہ ہوں "یومئذ لاتنفع الشفاعة الا من اذن له الرحمٰن ورضی له قولا۔ یعلم مابین ایدیهم وماخلفهم ولایحیطون به علما وعنت الوجوه للحی القیوم وقد خاب من حمل ظلما۔ (۱۰۹ - ۱۱۱)
- ولایحیطون بشیٔ من علمه۔ اگر وہ علم عطا نہ کرتا تو آدم و آدم زاد جاہل رہتے، اس نے جسے جتنا علم دیا ہے وہ اسی حد تک عالم ہے یہ اس کے دائرۂ علم کی بات ہی نہیں کہ اللہ کو اپنے علم سے گرفت میں لے لے۔
اس کی کرسی، علم و اقتدار کی وسعتیں امکان مخلوقات سے باہر ہیں۔ وہ علی و عظیم ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

ترجمہ:

دین میں زبردستی نہیں۔ ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔ اس کے بعد جس شخص نے گمراہ کرنے والوں کا انکار کر دیا (نہ مانے) اور اللہ کو (عقلی طور پر) مان لیا، تو اس نے وہ سہارا (حلقہ) تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے (۲۵۶)

تفسیر:

حصین کے دو لڑکے تھے، مدینے میں آنے جانے والے کچھ عیسائی تاجروں نے دونوں کو عیسائی بنالیا۔ حصین کو بہت ناگوار گذرا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے درخواست کی حضور اجازت دیں کہ انھیں سختی کے ساتھ اسلام میں واپس آنے پر مجبور کروں؟ جواب میں آیت نازل ہوئی ۔ اسلام میں لانے اور مسلمان بنانے کے لیے زبردستی کی ضرورت نہیں۔ ہدایت و گمراہی کی راہیں خدا نے جدا کر دی ہیں۔

(الف) اسلام اپنے عقلی و مشاہداتی دلائل پر بھروسہ کرتا ہے، اس کا دستور نہیں کہ زبردستی اور جبر سے کام لے، باپ بھی اپنے بیٹے پر جبر نہیں کر سکتا۔ دلیل و برہان سے سمجھایا جائے، ماننے والے مانیں یا نہ مانیں۔

(ب) دین اعتقاد قلب و اطمینان فکر پر قائم ہوتا ہے۔ طاقت سے گردن تو جھکوائی جا سکتی ہے، دل نہیں موڑے جا سکتے۔

(ج) اسلام کا ہمہ جہاتی نظام فکر و عمل سب کو بتایا جا چکا، لوگوں کو بندوں کی بندگی سے آزادی اور اللہ کی اطاعت کے فوائد بتائے جا چکے یہ تعلیم کسی اور دین و فلسفہ میں نہیں ہے، کافروں کے عذر تمام اور اللہ کی حجت پوری ہو چکی، اب ارباب دانش و بینش پر جبر کی ضرورت نہیں وہ خود اللہ کے سامنے جواب دہ ہوں گے، زبردستی مسلمان بنانے کی ضرورت کیا ہے " افانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مؤمنین" (یونس/ ۹۹) اللہ کی حکمت تخلیق بشر اور تکوین کائنات کا تقاضا یہی ہے کہ انسان کو آزاد چھوڑ کر آزمایا جائے۔ آیات جنگ و جہاد مثلاً "قاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ" ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فساد ختم ہو جائے ۔ لوگوں کو مسلمان بنانے کے لیے تلوار چلانے کا حکم نہیں ہے جہاد، دشمنان اسلام کے جبر و فساد کا جواب ہے " اسلام جبر نہیں کرتا" کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام جبر سہنے کا پابند ہے۔ اسلام، صبر کا حامی ہے بشرطیکہ دشمن اس سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے، جب دشمن حملہ کرے گا تو جواب دیا جائے گا، جب اسلام کو نابود کرنا چاہا گیا تو اسلام اپنی بقا کے لیے ہر مناسب اقدام کی اجازت دیتا ہے جس میں سے ایک طریقہ

اخلاقی و قانونی و اصولی و نظریاتی جنگ بھی ہے۔ کیونکہ ایک موقع بہرحال ایسا آجاتا ہے جہاں دشمن فقط تلوار کی زبان ہی سمجھ سکتا ہے اس مرحلے میں کمزوری مرگ مفاجات ہوتی ہے۔

۔ "فمن یکفر بالطاغوت"۔ طاغوت کا استعمال۔ اللہ کے مقابل میں ہے ادھر کفر اور اس طرف ایمان کا قرینہ ہے۔ طاغوت: (اسم مبالغہ) حد سے آگے بڑھنے والا۔ ہر وہ چیز جو تجاوز کا وسیلہ ہو۔ شیطان۔ بت۔ وہ بندہ جو خداوندی کا دعویٰ کرنے لگے۔ حاکم دین دشمن، احکام الٰہی کو رد کرنے والا۔ اسلام "طاغوت کا انکار" کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ ایمان باللہ کے ساتھ طاغوت کا انکار کرنے سے ایسا مضبوط سلسلہ ہاتھ آتا ہے جو ٹوٹ پھوٹ اور چھوٹ کے خطرے سے آزادی کی سند ہے۔ اسلام کا مضبوط حلقہ و سلسلہ۔ اس کے ساتھ حق آگاہ جانتا ہے کہ اللہ نیتوں کو جانتا اور گفتار کو سنتا ہے۔ یہ جملہ تشویق و تنبیہ ہونے کی حیثیت سے بڑا معنی خیز ہے۔

اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا
يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ
الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۗ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ
النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥٧﴾

ترجمہ:

اللہ ان لوگوں کا سربراہ ہے جو ایمان لائے، انھیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے حامی و قائد طاغوت ہیں وہی ان کو روشنی سے اندھیروں میں لے جاتے ہیں، یہی دوزخی لوگ ہیں جہاں یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے ﴿۲۵۷﴾

تفسیر :

ولی : سربراہ - مالک - قائد - دوست مددگار ، اس آیت میں ہے کہ "اللہ ولی" ہے اس کا کام ہے مومنوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لانا اور طاغوت بھی ولی ہے کافروں کا - اس لیے "ولی" کے معنی مددگار نا موزوں ہیں ، اصل معنی سربراہ و قائد کے ہیں - ولی و ولایت پر بحث آگے آئے گی انشاءاللہ تعالیٰ -

مومنوں کا ولی ، اللہ ہے اور کافروں کا ولی اسلام کا باغی جو اپنی ذہنی پستی کی بنا پر اپنے فرماں برداروں کو ایمان و علم و آزادی و ہدایت کی روشن راہ اور نور سے نکال کر جہالت و نفس پرستی و حق دشمنی کی گمراہیوں اور تاریکیوں میں لے جاتے ہیں - اللہ ، نور و ہدایت کی دعوت دیتا ہے وہ اپنے ماننے والوں کو انبیاء کے ذریعہ روشنیوں اور بلندیوں میں لے جاتا ہے - اب فیصلہ عقل مند کے ہاتھ میں ہے - اللہ کی بندگی قبول کرے یا بندہ کی غلامی -

نور ، سرچشمۂ زندگی و حرکت و نشو و نما اور نمود و ظہور کا مرکز ہے - نور ، ایک ہے اس میں یکسانیت و وحدت ہے -

ظلمت کو قرآن عموماً جمع کے طور پر استعمال کرتا ہے ، جس سے اشارہ گمراہیوں کی کثرت اور وحدت کے فقدان کی طرف ہے - ہر طاغوت کی راہ الگ اور ہر تاریکی کی بے نشان راہ جدا ہے - غیر اللہ کی ولایت نور سے ظلمتوں کی طرف سفر کا ارادہ ہے اور خداوندی کے مدعی اپنے ماننے والوں کو فکری توانائیوں اور ایمان کی روشنی سے غلامی و گمراہی کے اندھیروں میں کھینچ کرلے جاتے ہیں - دنیا میں ان کا نصیبہ اندھیروں میں رہنا اور آخرت میں جہنم کا دائمی عذاب مقدر ہے - حدیث میں نور سے ائمہ معصومینؑ مراد بتائے گئے ہیں -

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ

فِىْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ

يُحْيِ وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِ وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۲۵۸﴾

ترجمہ:

کیا تم نے اسے نہیں دیکھا؟ جس نے ابراہیمؑ سے جھگڑا کیا تھا ان کے پروردگار کے بارے میں، اس برتے پر کہ اللہ نے اسے ملک دیا تھا۔ جب ابراہیمؑ نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندگی اور موت دیتا ہے۔ اس نے کہا: میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیمؑ نے کہا: یقیناً، اللہ، سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال دے؟ اس پر وہ منکرِ حق حواس کھو بیٹھا (لاجواب ہوگیا) اور اللہ ظالموں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچایا کرتا ﴿۲۵۸﴾

تفسیر:

جو لوگ اللہ کو اپنا ولی و مالک مانتے ہیں وہ کسی غیر کے سامنے نہیں جھکتے، اس سلسلے میں خلیل بت شکن کا واقعہ بار بار دیکھنے اور غور کرنے کے قابل ہے۔ نمرود جسے چند روزہ حکومت ملی۔ وہ حکومت بھی اللہ ہی کی دین تھی کہ امتحان لے وہ خدا بن بیٹھا اور سب کو اپنا بندہ سمجھنے لگا۔ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام، عراقی عوام کو ان کی ذہنی پستی اور انسان کی غلامی سے نکالنے کی جدوجہد کر رہے تھے، وہ نبی تھے، توحید کی دعوت ان کا منصب تھا، نمرودی ان کے استدلال کے سامنے لاجواب تھے۔ آخر نمرود نے بھرے دربار میں انھیں طلب کیا۔ قرآن مجید کا اندازِ بیان یہ ہے کہ وہ کہانی اور واقعہ نہیں بیان کرتا، واقعہ کی جان اور ہدایت کی اساس بیان کرکے فکر کو زمان و مکان سے بلند کر دیتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کس شان سے پہنچے، سجدہ کرنے سے انکار کیا؟ وہ بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوئے یا بیٹھے؟ زیرِ بحث نہیں۔ بات اہم یہ ہے کہ بادشاہ نے خلیل اللہ سے "رب" کے بارے

میں بحث کرنا چاہی، اس کا لہجہ شاہی غرور میں ڈوبا ہوا تھا — خلیل اللہ نے فرمایا: جس رب کو میں مانتا ہوں وہ خالق موت و حیات ہے۔ تمام نظامِ طبیعت، پوری خلقت کا اول و آخر اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے! بادشاہ نے ایک آنی و فانی اقتدار کے سہارے جواب دیا: یہ کام تو نمرود بھی کر سکتا ہے۔ اس نے دو قیدیوں میں سے اس شخص کو قتل کر دیا جس کی خطا ثابت نہ تھی، اور جسے قتل کی سزا ملنا تھی اسے معاف کر دیا۔ اگرچہ یہ جواب منطقی اور واقعی نہ تھا۔ مگر حضرتِ ابراہیمؑ نے دوسری دلیل مشاہداتی پیش کر دی۔ میرا رب وہ ہے جو اس سورج کو ایک نظام کے ساتھ مشرق سے نکالتا ہے۔ اگر تو رب ہے تو اسے مغرب سے ایک ہی مرتبہ نکال دے۔ مشاہدے کا جواب مشاہدے سے اور قدرت کے فوری اظہار کے مطالبے نے نمرود کو حواس باختہ کر دیا۔ اس کے بعد اصولاً اسے اپنے دعوے سے دست بردار ہو جانا چاہیئے تھا مگر طاغوت و منکرِ حق کی فطرت راہِ ہدایت پر نہیں آیا کرتی چنانچہ نمرود انتقام پر آمادہ ہو گیا۔

ذہنی طور پر کمزور افراد نے ہمیشہ مظاہر کی اہمیت کو "رب" کے تصور میں ڈھالا یا اس کی تاویل کی اور کہا پانی زندگی کا سہارا ہے، اس لیے دیوتا ہے۔ زمین اناج دیتی ہے، اس لیے دیوی ہے۔ اسی طرح بتوں اور "رب النوع" کے غلط تصورات پھیلے، یہ لوگ، جب عقلی طور پر ان کا جواز نہ لا سکے تو "رب الارباب" کے نام سے اللہ کو مانا۔

موجودہ دور میں حقوق العباد کے نام سے اسی قسم کا ایک مغالطہ پھیلا کر حکمرانوں نے اپنے احکام کو الٰہی احکام کے مقابلے میں منواتے ہیں اور خود مذہبی حوالے سے تقدس حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ اس بارے میں انبیاء کے حوالے سے قرآن نے بیداریٔ فکر و آگاہی کی راہ روشن کی ہے۔

اَوۡ كَالَّذِىۡ

مَرَّ عَلٰى قَرۡيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوۡشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحۡىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمۡ لَبِثۡتَ ؕ قَالَ لَبِثۡتُ يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ ؕ قَالَ بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَةَ عَامٍ فَانۡظُرۡ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمۡ يَتَسَنَّهۡ ۚ وَانۡظُرۡ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجۡعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانۡظُرۡ اِلَى الۡعِظَامِ كَيۡفَ نُنۡشِزُهَا ثُمَّ نَكۡسُوۡهَا لَحۡمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۲۵۹﴾

ترجمہ:

یا اس شخص کی طرح جو ایک بستی سے گذرا، اور وہ بستی جس کے مکان اپنی چھتوں پر گر چکے تھے، اس بندۂ خدا نے کہا: اس بستی کو فنا ہونے کے بعد کیوں کر زندہ کرے گا؟ اس پر اللہ نے اسے سو برس تک مردہ رکھا، پھر اس نے اس کو زندگی بخشی۔ کہا: تم یہاں کتنی مدت رہے؟ اس نے کہا: ایک دن رہا ہوں گا یا ایک دن سے کم؛ اللہ نے فرمایا: نہیں، بلکہ تم سو برس اس حالت میں رہے ہو۔ اب ذرا اپنے کھانے پینے کے سامان کو تو دیکھو، وہ نہیں سڑا ہے۔ اور (اپنی سواری) گدھے کو دیکھو (خاک کا ڈھیر بن چکا ہے) اور ہم نے لوگوں کے لئے تمھیں نمونہ قرار دینا چاہا ہے۔ اور (گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو، ہم انھیں کس طرح اٹھا کر ترکیب دیتے اور پھر ان کو گوشت کا لباس پہناتے ہیں۔ پھر جب یہ حال ظاہر ہوا (تو انھوں نے کہا: میں یقین (کامل) رکھتا ہوں۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز

توحید ۱۰

پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔ (۲۵۹)

تفسیر:

ابراھیم علیہ السلام کی دلیل صحیح تھی، یہ بات بالکل درست ہے کہ اللہ، مردے کو زندہ کر سکتا ہے۔ اس دنیا کو مکمل فنا کے بعد دوبارہ زندہ کرنا، حشر و نشر ہے۔ مگر اس سے پہلے بھی یہ واقعہ قابل توجہ ہے کہ عزیر نبی، بیت المقدس (یا کسی اور آبادی) کی طرف سے ہو کر گذرے۔ عزیر نبی نے شہر کے کھنڈر دیکھ کر قدرت کا مظاہرہ دیکھنا چاہا، ان کی نیت نیک تھی۔ وہ اثبات توحید کے لیے ایک مشاہدہ کے طلب گار ہوے۔ اللہ نے چاہا کہ یہ حالت خود ان پر گذر جائے کہ وہ برگزیدۂ رب تھے چنانچہ انھیں موت نے سلادیا۔ سو برس بعد اللہ نے انھیں دوبارہ زندگی بخشی، پھر ان کے سامنے دو حقیقتیں موجود تھیں، ان کا گدھا جس پر وہ سفر کر رہے تھے۔ اور کھانا پانی جو ان کے ساتھ تھا، ایک سڑ گل کر مٹی کا ڈھیر تھا، دوسری چیزیں اسی طرح تازہ۔ بحکم خدا سے ہڈیاں جڑیں، ڈھانچہ کھڑا ہوا۔ گوشت پوست کا وہی جسم تیار ہو کر زندہ ہو گیا۔ اس مشاہدے سے حضرت عزیر کا علم عقیدۂ غیب مشاہدۂ حضور کے مطابق ہو گیا۔ اور قرآن کے اس بیان کے بعد ان متقین کے لیے بھی خدا کی قدرت کا ظہور، ایمان بالغیب کے استحکام کا باعث ہے۔

اس واقعہ سے "قیامت" اور حشر و نشر و رجعت پر استدلال کیا جاتا ہے۔

چوں کہ قرآن کا مقصد ہدایت ہے اس لیے وہ نام اور تاریخ کے جزئیات سے بحث نہیں کرتا۔ اہل تفسیر کہتے ہیں کہ "بخت نصر" بابل کا بادشاہ تھا، اس نے یہودیوں کو تہہ تیغ کر کے یروشلم کو تباہ کر دیا تھا، شاید اسی عہد میں کسی شہر (بیت المقدس) پر خدا نے کوئی طوفان یا عذاب مسلط کیا، جس سے شہر کے سب باشندے مر گئے، مکان گر گئے، چھتیں بیٹھ گئیں، اور بستی سو برس تک ویران رہی۔ عزیر نبیؑ نے اسی بستی کو ایک صدی بعد آباد دیکھا۔ بخت نصر شاہ بابل نے فلسطین فتح کیا تو یہود کو تباہ کر دیا، اس کے بعد گشتاسپ نے وہ علاقہ فتح کیا اور یہودیوں کو امن و امان ملی، انھوں نے حضرت عزیرؑ کی بدولت جلی ہوئی اور گم شدہ تورات جمع کی۔

درس یہ ہے کہ مردوں کو زندہ کرنا اللہ کے لیے دشوار و محال نہیں ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰىؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْؕ قَالَ بَلٰى وَلٰـكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًاؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۠ (۲۶۰)

ترجمہ:

اور جب ابراہیمؑ نے کہا: پروردگار (رب) مجھے (یہ) دکھا دے کہ تو مردے کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ اللہ نے فرمایا: کیا تمھیں اس کا یقین نہیں ہے؟ انھوں نے کہا بالکل ہے، لیکن اپنے دل کی تسکین چاہتا ہوں۔ (اللہ نے) حکم دیا، پھر چار پرندے لو انھیں مانوس کر لو، اس کے بعد ہر پہاڑی پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو۔ پھر ان کو بلاؤ وہ تمہارے پاس تیزی سے (اڑ کر) آئیں گے اور یہ سمجھ لو کہ اللہ بہت با اقتدار اور حکیم ہے (۲۶۰)

تفسیر:

عزیز نبی نے ویران بستی کو دیکھ کر مردوں کے زندہ ہونے کی آرزو کی تھی، اللہ نے ان کو موت کی نیند سلا کر، مدت کے بعد زندہ کر کے، ناشتے اور کھانے پینے کا سامان اور سواری کا جانور اور دونوں کی حالت دکھا کر ان کے عقیدے کو مشاہدے کے مطابق کر دکھایا۔ عزیزؑ ہی کے لئے یہ قدرت نمائی نہیں ہوئی۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ بھی اس منزل سے شرفیاب ہوئے۔

حضرت ابراہیم بت شکن تھے۔ نمرود سے وہ اللہ کے محی و ممیت ہونے کو ثبوت توحید میں پیش کر چکے۔ ان کے عقائد کی استواری شروع سے آخر تک قرآن میں بیان ہوئی ہے۔ اس لئے ان کا قیاس عام فکر و نظر کے آدمی پر کرنا غلطی ہے۔ قرآن میں کوئی اشارہ ایسا نہیں جس سے خلیل اللہ کے کسی نقص

علم وعقیدہ پر ذہن جا سکے۔ واقعہ یہ ہے کہ۔
جناب ابراہیمؑ نے اپنے ایمان کامل کو مشاہداتی علم ویقین سے آراستہ کرنے کی تمنا کا اظہار کیا تھا اور اللہ نے کسی ناپسندیدگی کے بغیر خود ان کے ہاتھوں یہ تجربہ کروایا حکم دیا کہ چار پرندے لو، انھیں اپنے آپ سے مانوس کرلو، پھر انھیں ٹکڑے ٹکڑے کردو اور ان کے اجزا پہاڑوں پر رکھ دو۔ احادیث اہل بیتؑ کے مطابق جناب ابراہیمؑ نے ایسا ہی کیا، دس پہاڑیوں پر ان پرندوں کے اجزا رکھ دیے اور چاروں کی چونچیں اپنے ہاتھ میں رکھیں اس کے بعد ایک ایک کو صدا دی، وہی آواز جس سے وہ مانوس تھے۔ ہر پرندے کے اجزاء اڑتے ہوئے اپنے سر سے مل کر زندہ ہو گئے۔ یوں جناب ابراہیمؑ نے اپنے رب کی لاجواب قدرت جس کا یقین تھا اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اور اللہ نے عام شک کرنے والوں سے کہا کہ میں "عزیز" ہوں میرے اقتدار کی کوئی حد نہیں۔ اور چار پرندوں کے ٹکڑوں کا دس پہاڑوں پر رکھا جانا اللہ کے حکیم ہونے کا ثبوت ہے یعنی اس کا علم وحکیمانہ معاملات عام ادراک بشر سے ماوراء ہیں، اسے صاحب عین الیقین ہی جانتے ہیں۔ جیسے وجود مکہ کا علم تو ہر شخص کو ہے لیکن جس نے حج کیا ہے بلا تشبیہ اس کا علم ایک اور کیفیت رکھتا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ
اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ
فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: مثال ان کی جو اپنا مال راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں، اس دانے کی مثال ہے جو سات بالیاں نکالے، ہر بالی میں سو دانے ہوں، اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے کئی گنا اضافہ کر دیتا ہے۔ اور اللہ وسعتوں والا بہت علم والا ہے (۲۶۱)

تفسیر :

یہاں سے تقریباً بیس آیتیں "سرمایے" کے بارے میں ہیں۔ آیت نمبر دو سو چوالیس میں بھی دولت کے استعمال کا ایک تذکرہ گذر چکا ہے۔

دولت۔ سرمایہ۔ انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت بھی ہے اور بنیادِ تباہی بھی۔ کسی کے پاس زندگی گذارنے اور فراغت حاصل کرنے کے لیے پیسہ نہ ہو تو اس کی زندگی وبال ہے اور کسی کے پاس دولت رکھنے کا ٹھکانا نہ ہو اس کی دولت بھی فساد ہے۔ اس مشکل کا ایک حل یہ تھا کہ تمام دولت ایک کمیٹی یا حکومت ضبط کر لے اور وہی تمام افراد کو حصہ رسدی تقسیم کرے؟ ایک حل یہ ہے کہ ہر شخص اپنی کد و کاوش سے با اصول و قواعد جو کچھ کمائے وہ اس کی ملکیت ہے۔

اس سے ٹیکس وصول کیے جائیں، رفاہی کاموں کی سفارش کی جائے یہ دونوں تجربے ناکام ہو چکے کیونکہ ان کی اساس غلط تھی۔

قرآن مجید نے ہدایت کی ہے کہ تمام معاملات کی بنیاد ایمان باللہ اور تقویٰ پر رکھو، سعی و کوشش کرو۔ نیکی کرو، قیامت آئے گی اور وہاں یہ دولت وبال ثابت ہو گی۔ یعنی اسلام نے ارتکازِ دولت کو قابلِ مذمت اور خلافِ تقویٰ قرار دے کر اس کے استعمال و خرچ پر زور دیا۔ مال کا راہِ خدا میں خرچ کرنا۔ گویا خدا کو قرض دینا ہے اور خدا اس دولت کو کئی گنا کر کے واپس کرے گا۔ اب جو شخص یا معاشرہ، خدا، رسول، امام، کتاب، حشر و نشر کو نہیں مانتا وہ تجربہ در تجربہ کر کے دیکھ لے، نظامِ زر پر قابو حاصل نہ کر سکے گا۔

آیتِ زیرِ نظر میں، اللہ نے اپنے ماننے والوں سے دولت خرچ کرنے کی بات کی ہے اور جو لوگ، انسان کو محتاج سمجھ کر نہیں بلکہ خدا کی رضا کی خاطر دولت دیتے ہیں، جو فلاحِ بشر کا کام جہاد فی سبیل اللہ سمجھ کر انجام دیتے ہیں وہ ایسا بیج بن جاتے ہیں، جس سے سات بالیاں ہزاروں سے سو دانے نکلیں۔ پھر اللہ جتنا چاہے اضافہ بھی کر دے۔ گویا راہِ خدا میں دولت خرچ کرنے والا۔ حیات آفریں پودا ہے جو خود نشو و نما پاتا ہے اور دوسروں کو پھل دیتا ہے، وہ تخمِ ثمر آفریں ہے کہ خود فنا ہو جاتا ہے مگر اپنے جیسے اور پیدا کر جاتا ہے۔ بشرطیکہ :

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ

اللّٰہِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ

رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ

وَّمَغْفِرَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَۃٍ یَّتْبَعُھَآ اَذًى ۗ وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ﴿۲۶۳﴾

ترجمہ:

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر جو کچھ خرچ کر چکے، نہ احسان جتاتے ہیں نہ دکھ دیتے ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر (صلہ) ہے اور ان کو نہ خوف ہوگا، اور نہ وہ لوگ غمگین ہوں گے (۲۶۲) نرم بات اور درگذر اس داد و دہش سے بہتر ہے جس کے بعد ستانا ہو، اور اللہ بے نیاز، بردبار ہے۔ (۲۶۳)

تفسیر:

راہ خدا میں مال کا خرچ کرنا مسلمانوں کی صفت ہے یہ خصوصیت اسلامی معاشرے کی خصوصیت ہونا چاہئے اور جس کام یا جس شخص سے حسن سلوک کیا جائے چونکہ فی اللہ اور للہ ہے لہٰذا احسان جتانا، برائی ظاہر کرنا، لینے والے کو سبک و حقیر سمجھنا خلاف ضابطہ بات ہے۔ خدا کے لیے مال دینے اور لوگوں کو ممنون نہ سمجھنے والے، قیامت کے دن عذاب سے بے خوف اور غضب رب کے غم میں مبتلا نہ ہوں گے۔

۲۶۳۔ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَۃٌ خَیْرٌ ......

کچھ دے کر احسان جتانے اور نفسیاتی دکھ پہنچانے سے بہتر یہ ہے کہ آدمی شیریں زبانی اور تحمل کے ساتھ حاجت مند کو رخصت کر دے ۔ اللہ بے نیاز اور حلیم ہے ۔ اسے اپنی مخلوق کی توہین مخلوق کے ہاتھ پسند نہیں ہے ۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ

کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۖ لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٢٦٤﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٦٥﴾

ترجمہ:

ایمان لانے والو! راہ خدا میں اپنے دیے ہوے مال کو احسان جتانے اور اذیت دینے سے ضائع نہ کرو۔ جیسے وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور وہ نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ قیامت پر۔ اس کی مثال، اس چٹان جیسی ہے جس پر کچھ مٹی ہو۔ پھر اس پر زور کا مینہ پڑے اور اسے صفاچٹ چھوڑ جائے (ان لوگوں نے) جو کچھ کیا اس کا (ثواب) حاصل نہ کرسکیں گے (اور اللہ کافروں کی رہنمائی نہیں فرماتا (۲۶۴) اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال کو خدا کی خوشنودی اور اپنے عقیدہ (وفکر) کو استوار کرنے کے لیے خرچ کرتے ہیں، ایسی ہے جیسے بلندی پر کوئی باغ ہو اس پر زور کا پانی برسا تو اپنے دوگنے پھل لایا۔ اور اگر زور کا پانی نہ بھی پڑا تو پھوار ہی کافی ہوئی۔ اور اللہ تمہارے اعمال کا دیکھنے والا ہے (۲۶۵)

تفسیر:

مومن وغیر مومن کے عمل میں فرق ہونا چاہیے۔ غیر مومن دکھاوے کے لیے عمل کرتا۔ ریا تو شرک ہے۔ اور دکھاوے کی بھلائی اور خیرات کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چٹان پر مٹی کی تہہ دیکھ کر بیج ڈال دے کہ پانی برسے گا تو اکھوا پھوٹے گا، مگر جب پانی برسا تو بیج بہہ گیا، مٹی دھل گئی

پتیاں چمکنے لگی۔ جب دانہ ہی نہ رہا تو حاصل کیا ہو۔ جو اللہ کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے تو اس کی ہدایت ان تک کیا پہنچے۔

۲۶۵۔ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ . . .

جو لوگ قربتہً الی اللہ، اور اس کے احکام کے مطابق اپنا مال صرف کرتے اور لوگوں کو دیتے ہیں، وہ اپنی خالص نیت پر قائم رہتے ہیں۔ وہ اس باغ کی طرح ہیں جو عمدہ زمین اور بلند جگہ پر اگا ہو، سورج کی براہ راست حرارت حاصل کرتا ہو، زور کا پانی برسے تو زمین کی قوتیں ابھر کر پھلوں کو دوگنا کر دیں۔ زیادہ پانی نہ بھی برسے جب بھی فصل اچھی دیتا ہے۔

واقعہ ہے کہ جو لوگ نمود و نمائش کے لیے کام کرتے ہیں نہ خدا ان سے خوش ہوتا ہے نہ بندے اس سے راضی ہوتے ہیں اور اس کا کیا دھرا اکارت ہو جاتا ہے اور جو لوگ خدا کے لیے دولت صرف کرتے ہیں ان کا ضمیر مطمئن ہوتا ہے، کوئی داد نہ دے تو اچھا، ہاتھ کی ہاتھ کو خبر نہ ہو تو بہتر ہے کیونکہ دیکھنے والا تو دیکھ رہا۔ اسلام ایسے ہی مخیر افراد دیکھنا چاہتا ہے جو اپنے نام اور اپنے سرمایے پر، اللہ کی مرضی کو ترجیح دیں۔ ایسے افراد نہال ہوتے اور اللہ کے یہاں پھل پاتے ہیں اور ان کے بے لوث کردار سے دوسرے صالح افراد پیدا ہوتے ہیں۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ
اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ
ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۶۶

ترجمہ:

بھلا تم میں کوئی بھی یہ پسند کرے گا کہ اس کی ملکیت میں کھجوروں اور انگوروں کا باغ

ہو، ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔ اس کے لیے باغ میں طرح طرح کے میوے ہوں۔ اور اس پر بڑھاپا آچکا ہو، اور اس کی تنگ حال (یا کم سن) اولاد ہو۔ لتنے میں باغ پر ایسا بگولا آپڑا جس میں آگ تھی کہ وہ باغ جل گیا۔ اس طرح اپنی آیتیں واضح کرتا ہے تاکہ تم سوچ سمجھ سے کام لو (۲۶۶)

تفسیر:

دکھاوے کے لیے دولت کا غربا کو دینا یا کسی کی امداد کرکے احسان جتانا اور دکھ پہنچانا ایسا ہے، جیسے کوئی شخص جوانی میں بڑے ذوق شوق سے باغ لگائے، بڑھاپے میں جب اس کے پھل کھانے کا وقت آئے اور چھوٹے بڑے ضرورت مند بچے اس کی آمدنی کی آس لگائیں۔ اچانک باد سموم کا بگولہ درختوں کو جلادے اور بیلوں کو تیرہ مرادے۔

ہر عقل مند یہ چاہے گا کہ زندگی آسودگی سے گذارے۔ خود بھی کھائے اور بعد میں اولاد بھی نفع کمائے۔ راہ خدا میں فقط اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کرنے والا ایسا باغ لگاتا ہے جس کے پھل وقت حساب کتاب اسے بھی ملتے ہیں اور اس کے صدقۂ جاریہ کو برقرار رکھنے کے صلے میں اس کی اولاد بھی بخشی جاتی ہے۔ اور دنیا کا مال آخرت میں کام آتا ہے۔ لیکن اگر یہی باغ لگایا اور دولت کے بیج غریبوں میں بوئے، مگر نیت بری اور کردار اذیت رساں ہو تو لگا لگایا باغ ریا کی آندھی اور اذیت رسانی کی آگ سے خود ہی نذر آتش کردیا۔

یہ مثالیں، یا یہ احکام و ہدایات ایسے ہیں جن پر آدمی کو سوچنا چاہیے اس سے تقوے اور نیت خالص کے دروازے کھلتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٢٦٧﴾ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ

وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

ترجمہ:

ایمان لانے والو! اپنی طیّب (حلال) کمائی میں سے اور جو کچھ ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیداوار دی ہے اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرو۔ اور (راہ خدا میں) خرچ کرنے کے لیئے ناجائز آمدنی کا قصد نہ کرو جبکہ ایسا مال تم خود لینے کے روادار نہیں یہ اور بات ہے کہ تم اس میں چشم پوشی کر جاؤ۔ اور جان لو کہ اللہ بے نیاز، قابل حمد ہے (۲۶۷) شیطان تم کو وعدہ (وعید) دیتا ہے تنگدستی کا اور تم کو حکم دیتا ہے بے حیائی کا۔ اور اللہ تم سے وعدہ کرتا ہے اپنی بخشش اور فضل کا۔ اور اللہ بڑی وسعتوں کا مالک ہے۔ سب کچھ جانتا ہے (۲۶۸) وہ جس کو چاہے حکمت عطا فرماتا ہے۔ اور جسے حکمت ملی اسے خیر کثیر دی گئی۔ اور نصیحت وہی قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں (۲۶۹)

۲۶۷- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا....

ایک مرتبہ پھر اہل تقویٰ پر تاکید ہے کہ "انفاق" کریں، امید یہی ہے کہ ان کی کمائی طیّب ہوگی۔ دستکاری یا تجارت، مزدوری یا کاروبار۔ کاشتکاری ہو یا باغبانی۔ جو چیز اپنے بھائی کو دو تو ایسی دو جو تم اپنے لیے پسند کرو۔ طیب اور عمدہ۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ عہد سرورِ کائناتؐ میں لوگ اپنے باغوں کے گھٹیا خرمے اور کھجور یں غربا کو دیا کرتے تھے۔ آج بھی دوکان دار اور باغبان یہی کرتے ہیں۔ آیت میں ان لوگوں کو چشم نمائی کی گئی ہے۔

ہدایت یہی ہے کہ، انفاق میں جسے کچھ دو طیّب، پاک، حلال اور عمدہ ہو۔

تمہارے "انفاق" سے تمہارا ہی فائدہ ہے۔ اللہ تو بے نیاز ہے، وہ تو حمید ہے سب اس کی حمد و ثنا کرتے ہی ہیں۔

تمہارے "انفاق" سے تمہارا ہی فائدہ ہے۔ اللہ تو بے نیاز ہے، وہ تو حمید ہے سب اس کی حمد و ثنا کرتے ہی ہیں۔

۲۶۸۔ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ.....

سرمایہ دار "انفاق فی سبیل اللہ" سے بچتا ہے کہ دولت ختم ہو جائے گی۔ یہ سرمایہ بڑی مشکل سے جمع کیا ہے۔ کہیں ہاتھ سے جاتا نہ رہے۔ ادھر سینما، جوا اور بے شمار بے ہودہ و مہمل مشغلوں میں اس سے زیادہ لٹا دیتا ہے۔ وہ شیطان کی باتیں تھیں جن پر عمل کیا اور یہ نہ سوچا کہ سچے وعدے والا اللہ مغفرت و فضل کا وعدہ فرماتا ہے۔ اس غنی کا حکم مانو وہ تمہارے دل غنی کر دے گا، اس معبود و محمود کی رضا حاصل کرو۔ قیامت کے دن شکر گذار بندوں میں شمار ہو گے۔

۲۶۹۔ یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ.....

انفاق کی طرح "حکمت" بھی قرآن مجید کی اصطلاح ہے اور اس لفظ کا قرآنی استعمال عموماً "الکتاب" کے ساتھ ہے۔ تقریباً بیس مرتبہ "حکمت" کا تذکرہ ہے اور مجموعی مفہوم ہے "وہ قوت ادراک حق و باطل میں امتیاز کرتی ہے۔" احکام خدا، دریافت رضاء الٰہی۔ دانش اور سمجھ۔ حدیث میں ہے:۔ "انا دار الحکمۃ و علی بابہا" میں حکمت کا شہر اور علی اس شہر کا دروازہ ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ صادق آل محمدؐ نے فرمایا "حکمت، معرفت و فقہ دین کا نام ہے" کافی کی صحیح روایت ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا: "اطاعت الٰہی و معرفت امام "حکمت ہے۔

"من یشاء" جسے چاہے کا مطلب یہ ہے کہ جو بندے صفائے خاطر، توجہ الی اللہ، اور احکام قرآن سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، اللہ ان کی استعداد ملاحظہ فرما کر اپنی حکمت سے انھیں حکمت دیتا ہے اور جسے خدا کی طرف سے حکمت مل جائے اسے بے حساب برکت علم و عمل مل جاتی ہے۔

یہ آیت بطور کلیہ ہے۔ اس سلسلے میں توجہ دلاتی ہے کہ انفاقِ طیّب اور اللہ کے وعدے

یقین رکھ کر فقر و افلاس کا تصور چھوڑ دینا اور راہ خدا میں مال صرف کرنا حکمت ہے اور یہ نکتہ وہی سمجھ سکتے ہیں جن کی عقل اور ادراک اہل ایمان کی عقل ہے۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝

ترجمہ:
جو چیز تم خرچ (انفاق) کرتے یا جس چیز کی تم نذر کرتے ہو۔ اللہ اسے جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں (۲۷)

تفسیر:
مومن اپنے مال میں سے جو بھی راہ خدا میں دیتا ہے اللہ اسے جانتا ہے۔ اس لیے روپیہ پیسہ ہو یا غلہ اناج، مویشی ہوں یا لباس یوں ہی دینا ہو یا نذر، ہمیشہ اچھا مال اور طیب و حلال چیز دو۔ جو لوگ غلط چیزیں، حرام و خبیث مال دیتے یا غریبوں کو محروم رکھتے ہیں انھیں یقین رکھنا چاہیے کہ وہ لوگ اس دن مددگار و امداد سے محروم رہیں گے جس دن سب کو نصرت درکار ہوگی ۔۔ شریعت میں نذر کی شرط یہ ہے کہ قربۃً الی اللہ اور جائز ہو اور کہا جائے "للہ علیّ" میں یہ کروں گا یا نہیں کروں گا۔" شفا پا گیا تو للہ علیّ (اللہ کے لیے مجھ پر لازم ہے) کہ دسترخوان کروں گا۔ مثلاً۔ جو نذر خدا کے لیے کی جائے اس کا ثواب کسی کو بھی ہدیہ کیا جا سکتا ہے۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

ترجمہ:
اگر خیر خیرات ظاہر کر کے دو، تو اچھا ہے اور اگر اس کو چھپا کر اور حاجت مندوں

کو پہنچاؤ تو وہ تمہارے حق میں بہتر ہے، اور اللہ تمہارے گناہوں کے ایک حصے کا عوض کر دے گا (بخش دے گا) اور تم جو بھی کرتے ہو اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے (۲۷۱)

تفسیر:

انفاق فی سبیل اللہ، بجائے خود ایک اچھا عمل ہے، یہ عمل سب کے سامنے ہو تو بہتر ہے اس سے معاشرے میں بھلائی کی تشویق ہوتی ہے - علانیہ نہ ہو تاکہ محتاج کی آنکھ نیچی نہ ہو اس سے تمہاری بڑائی ثابت ہوگی - بہر حال داد و دہش گناہوں کا کفارہ ہے - مگر نیت اللہ کے لیے ہو - اللہ سے کوئی چیز چھپی نہیں ہے -

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

ترجمہ:

ان کو راہ پر لانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے اور، ہاں (لیکن) اللہ جس کو چاہے راہ پر لے آئے اور تم لوگ جو مال خرچ کرتے ہو وہ اپنے لیے (خرچ کرتے ہو) اور تم، تو اللہ ہی کے لئے خرچ کرتے ہو مال، یا کچھ اور، جو بھی خرچ کرو گے وہ تو پورا ادا کیا جائے گا اور تمہارا حق مارا نہیں جائے گا (۲۷۲)

تفسیر:

وسعتِ ظرف ضروری ہے۔ انفاق میں سب کو حصہ دو۔ حاجت مند کوئی بھی ہو، دولت ہو تو دوسروں کو دو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے منصب اور جوابدہی، انسان دوستی اور جذبۂ ہدایت کی بنا پر چاہتے تھے کہ سب انسان مسلمان ہو جائیں اور سب مسلمان مسلمانوں کی مدد کریں۔ اللہ نے فرمایا۔ میرے محبوب، آخر یہ فکر آپ کیوں کرتے ہیں؟ آپ کا منصب ہے میرا حکم صحیح طریقے سے لوگوں تک پہنچانا۔ اس کے بعد یہ سب آپ کی راہ پر آجاتے ہیں یا نہیں؟ یہ آپ کے سوچنے اور پریشان ہونے کی بات نہیں، جس میں جب صلاحیت ابھرے گی وہ اسلام لائے گا۔ اللہ مدد کرے گا۔

مسلمان داد و دہش کرنے والے، غیر مسلموں کو بطور امداد روپیہ پیسہ دینے سے ہچکچاتے تھے۔ جیسے آج بھی لوگ سوچتے ہیں۔ فلاں کو کیوں دیں، وہ مسلمان نہیں ہے۔ اللہ عزاسمہٗ نے فرمایا: جو مال، بوجہ اللہ خرچ کرتے ہو، وہ دیکھنے میں تو تہی دست کو دینا ہے مگر حقیقت میں وہ اپنے آپ کو دے

رہے ہو۔ اپنے فائدے میں صرف کر رہے ہو۔ تمہارا دیا تمہارے ہی کام آئے گا۔ اللہ عادل و رحمان و رحیم ہے۔

ارباب دولت ۔ انفاق ۔ میں صرف مسلمانوں ہی کو پیش نظر نہ رکھیں۔ اسلام حوصلے اور نظر میں وسعت چاہتا ہے۔ پیسے کی خاطر کسی کا دین نہیں بکواتا۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْــَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾

ترجمہ:

(داد و دہش) ان بے نواؤں کے لیے ہے جنھوں نے اپنے تئیں راہ الٰہی کے لیے پابند کر لیا ہے ۔ وہ ملکوں بازاروں میں (کاروبار کے لیے) گھوم پھر نہیں سکتے انجان لوگ ان کی خودداری کی وجہ سے انھیں امیر سمجھتے ہیں ۔ تم ان کی تنگ حالی کو ان کے بشرے سے بھانپ لوگے ۔ وہ لوگوں سے چمٹ کر مانگتے نہیں ہیں ۔ اور تم جو بھلائی میں خرچ کروگے اللہ اس کا پوری طرح علم رکھتا ہے (۲۷۳)

تفسیر:

کہتے ہیں کہ آیت اصحاب صفہ کے بارے میں ہے، یہ حضرات اسلامی حقائق و تعلیمات اور جہاد کے لیے اپنے تئیں وقف کر چکے تھے، مسجد النبیؐ میں ان کے لیے ایک جگہ "صفہ" کے نام سے موسوم تھی یہ لوگ اسی چبوترے پر رہتے اور تعلیم و تربیت حاصل کرتے اور جہاں ضرورت پڑتی وہاں رضاکارانہ حاضری دیتے تھے۔

آیت ہر دور میں پیدا ہونے والے ایسے رضا کاروں، طالب علموں اور مخلصوں کی خبر گیری پر توجہ دلا رہی ہے جن لوگوں نے اپنی زندگیاں تعلیم کتاب و سنت کے لیے وقف کر دی ہوں۔ یہ خود دار لوگ "اہل انفاق" کی توجہ کے پہلے مستحق ہیں یہ لوگ شب و روز ایک مقصد کی تلاش میں مصروف ہیں اور فقط دین کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ چونکہ مانگتے نہیں، خوش پوش اور صابر ہیں اس لیے بے خبر لوگ انھیں پیسے والا جانتے ہیں۔ ان کی صورتیں دیکھیے تو معلوم ہو گا کہ کس قدر ضرورت مند ہیں۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ تم خیر اور بھلائی کا کیا کام کرتے ہو اور کس کی امداد کرتے ہو۔ ایسوں کی امداد بہر حال ضروری ہے۔

اَلَّذِیْنَ
یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

ترجمہ:
جو لوگ اپنا مال رات کو اور دن کو خرچ کرتے ہیں۔ چھپا کر اور علانیہ، ان کے لیے ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۲۷۴)

تفسیر:
یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں اتری ہے۔ حضرت نے ایک مرتبہ ایک درہم رات کو دیا۔ دوسرا درہم دن کو، ایک درہم چپکے سے دیا کہ ہاتھ کی ہاتھ کو خبر نہ ہو اور ایک درہم علانیہ دے دیا، حضرت کے پاس کل چار درہم تھے۔ اللہ نے اس خلوص، للّٰہیت اور اندازِ انفاق کو پسند فرما کر مسلمانوں کے لئے "مثالیہ" قرار دیا، علیؑ کی تعریف فرمائی اور اہل خیر کو سبق دیا اور اطمینان کہ ایسے کردار کا مالک خوف و حزن سے قیامت میں بھی آزاد ہو گا۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ
يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ
مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ
مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ
وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾
يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ
كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

ترجمہ:

جو لوگ (ربا) سود کھاتے ہیں وہ لوگ قیامت میں کھڑے نہ ہو سکیں گے
مگر اس طرح کھڑے ہوں گے جیسے (آسیب زدہ) وہ شخص جسے شیطان نے چھو کر
مخبوط الحواس بنا دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا تھا "سوداگری" بھی تو
ایسی ہی ہے جیسے (ربا) سود لینا حالانکہ اللہ نے سوداگری کو حلال
اور سود لینے کو حرام قرار دیا ہے۔ پھر جسے اس کے رب کی طرف سے "موعظت" (نصیحت)
آچکی اور وہ باز آگیا، تو گذشتہ لے معاف ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے
ہے اور جو شخص دوبارہ سود لے گا تو وہی جہنمی اور اس میں ہمیشہ رہنے
والے ہیں۔ ﴿۲۷۵﴾ اللہ، ربا کو مٹاتا اور صدقات (داد و دہش) کو فروغ
دیتا ہے اور اللہ کسی ناشکرا گنہ گار کو پسند نہیں فرماتا ﴿۲۷۶﴾

تفسیر:

ربا: زیادہ لینا۔ ناپ کر یا تول کر بیچی جانے والی بعض نوع کی چیزوں میں عوض کے وقت زیادتی، خواہ معاملہ (سوداگری) ہو یا قرض (آلاء الرحمن: بلاغی رح) دوسری لفظوں میں "کوئی شئے دے کر اس کا مماثل لینا اور مدت پر اس میں اضافہ (المیزان: طباطبائی رح)

ربا: نفع خوری و افزائش طلبی، وقت نزول آیت اس لفظ اور اس کے معانی کا پس منظر مدینہ نیز مکہ کا وہ اقتصادی نظام ہے جس میں ایک مدت معین کے لئے کوئی چیز یا رقم قرض دی جاتی تھی اور واپسی کے وقت مع اضافہ وہ شے واپس لیتے تھے، وقت پر ادا نہ کرنے کی صورت میں سود در سود کا حساب ہوتا، آخر کار، زن و فرزند، گھر اور اثاثہ سب قرض خواہ و سود خوار کا ہو جاتا تھا۔

شریعت میں "ربا" ایک قانونی اصطلاح ہے اور ہر قانون کی طرح اس کے حدود و اطلاقات ہیں جو کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں۔ روپے کا اضافے کے ساتھ تبادلہ۔ ایک نوع کی دو چیزوں (تول یا ناپ سے بکنے والی چیزوں) کا با اضافہ تبادلہ۔ قرض ہو یا نقد۔ ہر ایک کے جزئیات الگ الگ اور احکام جدا جدا ہیں۔ فقیہ سے رجوع کرنا چاہئے۔

"الذین یاکلون الرّبا" الذین ینفقون اموالھم کے بعد، حسن بیان کی لاجواب مثال ہے۔ انفاق کرنے والے تقوےٰ اور انسان دوستی۔ بے خوف و خطر ہوں گے مطمئن و آسودہ حال ہوں گے اور سود خوار انسان دشمنی اور کفر کی بنا پر پاگل اور حواس باختہ مخمور ہوں گے۔ یہ عقل دشمن سوداگری کو سودکاری کے برابر جانتے ہیں۔ حالانکہ دونوں میں بہت سے اقتصادی تضادات ہیں اور اللہ نے بیع کو مباح اور "ربا" کو حرام قرار دیا ہے۔ یہ احکام مکے میں آچکے، سورۃ الروم کی انتالیسویں آیت میں مذمت، آل عمران کی ایک سو تیسویں آیت میں حرمت اور اسی سورہ کی دو سو نواسی نمبر آیت میں تندید وارننگ مذکور ہے۔ تجارت، پیداوار، گردش زر، محنت و کاوش کو فروغ دیتی ہے اور سود خواری حرص، ارتکاز سرمایہ، غریبوں کو تباہ کرتی ہے۔ اس آیت کے ذریعہ آخری وارننگ دے کر

سابقہ معاملات کو نظر انداز کیا گیا اور ان کا معاملہ اللہ نے اپنے ہاتھ میں لے کر اعلان کیا کہ آیندہ جو سود کاری کرے گا وہ مشرکوں کی طرح ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

۱۷۶ یمحق اللہ الربا۔۔۔۔

اللہ، ربا کو مٹانا پسند کرتا ہے اور صدقات کو فروغ دینے میں اس کی رضا ہے۔ یعنی اسلامی اقتصادیات میں "انفاق" پر بہت زور ہے۔ عوام و سرمایہ دار خوشی

صدقہ، خیرات، کمک، زکوٰۃ، خمس ادا کر کے طبقاتی فرق کو مٹائیں اور پیسے سے محبت کر کے خدا کو نہ بھولیں۔ انسان دشمن نہیں اور جو اللہ کی نعمت کا منکر ہوگا، دولت سے محبت کر کے خدا کو نہ بھولیں۔ انسان دشمن نہیں اور جو اللہ کی نعمت کا منکر ہوگا، دولت سے محبت کر کے اسلامی معاشرے میں نکبت و افلاس چاہے گا اس گنہ گار کافر سے اللہ راضی نہ ہوگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

ترجمہ:

جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کیے اور پابندی سے نماز پڑھی اور زکاۃ دی ان کا اجر ان کے رب کے پاس (محفوظ) ہے اور (روز قیامت) نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ دل ہوں گے (۲۷۷)

تفسیر:

اللہ، رسول، کتاب و شریعت ماننے اور اعمالِ صالحہ بجالانے کے بعد وہ عذاب سے مطمئن اور ثواب کے منتظر رہیں، اللہ کے وہ پسندیدہ بندے ہیں۔ اقتصادِ اسلامی کے اساسی نکتے پر گفتگو کے دوران یہ آیت نماز و زکات کی اہمیت واضح کرنے کے لئے آئی۔ جیسے آیت دو سو اٹھتیس، نکاح و طلاق کے درمیان گذری۔ ایک نکتہ یہ بھی توجہ طلب ہے۔ اعمال صالحہ میں نماز و زکات داخل ہیں۔ مگر انھیں الگ بیان کرنا ان کے مقامی ربط کی بات ہے۔ نماز۔ منکرات سے روکتی ہے اس لئے ربا سے روکے گی۔ زکات اہل ضرورت کی امداد ہے لہٰذا وہ سودی قرضے سے بچیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۝ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

ترجمہ:

مومنو! اللہ سے ڈرتے رہو اور جو سود لوگوں کے ذمے رہ گیا اسے

چھوڑ دو (نہ لو) اگر تم ایمان قبول کر چکے ہو (۲۷۸) اور اگر تم نے یہ نہ کیا تو،
اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کو تیار ہو جاؤ اور اگر تم نے توبہ کر لی تو
اصل مال تمہارا ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو گے نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ (۲۷۹)
اور اگر (قرض دار) تنگ حال تھا تو اسے خوش حالی تک کی مہلت دو
اور اگر وہ مال اسے (بطور) صدقہ دے ہی دو (تو) تمہارے لیے
بہتر ہے۔ اگر تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو (۲۸۰)
اور اس دن سے ڈرو، جس دن تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔
پھر جس شخص نے جو کچھ کیا ہے اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان کی
ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی۔ (۲۸۱)

تفسیر:

۲۷۸۔ یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا . . . . .

جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے اور سود کا کاروبار کرتے تھے یا کرتے ہیں وہ
وہ پابند ہیں کہ جس کے ذمے جتنا "ربا" ہے اسے چھوڑ دیں۔

۲۷۹۔ فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب . . . . .

اگر کوئی شخص اسلام لانے اور اس حکم کو سننے کے بعد بھی سود نہیں چھوڑتا، تو پھر
اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ اللہ نے اصل زر واپس دلا دیا کیا
یہ رحم کم ہے؟ تم ظلم سے باز نہیں آتے یہ بڑی جرأت ہے۔
اس موقع پر اللہ کے ساتھ رسول کا ذکر بہت اہمیت رکھتا ہے۔ بظاہر اشارہ
یہ ہے کہ اللہ قانون بنانے والا اور رسول قانون نافذ کرنے والے ہیں۔ مجرم، قرض خواہ
پر ظلم اور ان دونوں آقاؤں کی حکم عدولی کرتا ہے۔ یعنی حاکم ہونے کی حیثیت سے
دونوں کو ایک درجہ حاصل ہے۔

۲۸۰۔ وان کان ذو عسرۃ ....

سود کی معافی کے ساتھ قرض خواہوں کو نمبر ۱ مہلت دو، ذرا امکان ہو تو پیسے دیں۔ نمبر ۲۔ سود، ناجائز مال بہت کما چکے ہو، بہتر ہے کہ قرضہ معاف کر دو۔ نمبر ۳۔ اگر علم و خرد سے ہاتھ نہیں دھوئے تو یہ تمہارے حسن کردار حسن نیت و حسنِ اسلام کی بات ہے تمہیں اس سے سماجی فائدہ ہوگا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ عزوجل نے ربا حرام کیا کہ لوگ کار نیک سے ہاتھ نہ روکیں (وسائل الشیعہ)

۲۸۱۔ واتقوا یوما ترجعون فیہ .....

عقائد اسلام کی پہلی منزل ہے "اللہ" کو ماننا۔ دوسرا مرحلہ ہے قیامت کو برحق جاننا۔ دونوں عقیدوں کا نتیجہ تقوے۔ خوف خدا۔ ظلم سے بچنے اور انصاف کرنے کا ذریعہ ہے۔ اللہ کو عادل مانو عدل کو اصل اصول جانو۔ وہ نہ کسی پر ظلم کرتا ہے نہ کسی کے ظلم کو معاف کرے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى
فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ
أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ
وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ فَإِنْ كَانَ الَّذِي
عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ
هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ
رِجَالِكُمْ ۖ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ
تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا
الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ
تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ
اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً
حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ
وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ
وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ
اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

ترجمہ:

ایمان لانے والے لوگو! جب معین مدت کے لیے قرض کی لین دین کرو تو اس کی لکھا پڑھی کر لیا کرو اور تمہارے درمیان لکھنے والا ٹھیک ٹھیک لکھے اور لکھنے والا انکار نہ کرے، جس طرح اللہ نے اسے سکھایا ہے اسی طرح اسے لکھنا چاہئے اور بتلائے وہ جس پر قرض ہو، وہ اپنے رب، اللہ سے ڈرتا رہے اور (قرض دینے والے کے) حق میں کمی نہ کرے۔ پھر اگر وہ قرض لینے والا، نادان یا کمزور ہو، یا عبارت خود نہ لکھواسکے، تو اس کا ولی (مختار و مجاز) ٹھیک ٹھیک بتادے (لکھوادے) اور اپنے آدمیوں میں سے دو مرد گواہ بنالو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں میں جن (دو) پر تم سب رضامند ہو۔ تاکہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری عورت اس کو یاد دلادے اور گواہ انکار نہ کریں جب انھیں بلایا جائے اور تم کسی چھوٹے یا بڑے قرض کے لکھنے میں سستی نہ کرنا اس کی میعاد تک۔ یہ (لکھا پڑھی) اللہ کے نزدیک بہت منصفانہ (بات) ہے اور گواہی کے لیے بہت مضبوطی ہے اور نزدیک ہے کہ تم شک میں نہ پڑو۔ مگر جب سودا نقد ہو، جو تم لوگ آپس میں لین دین کرتے رہتے ہو تو اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم نہ لکھو اور جب تم سودا کرو تو گواہ بنالیا کرو اور کاتب کو اور گواہ کو ضرر نہ پہنچایا جائے اور اگر تم نے ایسا کیا تو یہ تمہاری طرف سے اللہ کی نافرمانی ہوگی اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تم کو سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (۲۸۲)

تفسیر:

کاروباری دستاویزات:

جس طرح سورۃ البقرہ سب سے بڑا سورہ ہے اسی طرح یہ آیت قرآن کی سب سے بڑی آیت ہے۔ آیت میں کاروبار و اقتصادیات اور سماج سے متعلق تحفظات کے لئے اخلاقی ضابطے اور قانونی نکات واضح کیے گئے ہیں اور یہی قرآن کی عظمت ہے۔

انفاق کی تعریف وحوصلہ افزائی، سود کی مذمت وحرمت بیان ہو چکی۔ روپے کا دوسرا استعمال، لین دین کے دوسرے طریقے ہیں۔ مثلاً قرض، رہن، بیع یا دوسرے معاملات، جن میں بایع مشتری، قرض دار و قرض خواہ میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ ایک دوسرے کو نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔ اس لیے حکم ہے:

یاایہا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین ۔ ۔ ۔ ۔ دَیْن: معاملہ۔ لین دین، قرض، صلح، کرایہ پر لین دین۔ خرید فروخت۔ سلف۔ نسیہ۔

۱۔ قرض ہو یا معاملہ (لین دین) ہو، تو غلط فہمی یا دھوکا اور بھول چوک کا علاج یہ ہے کہ ایک باقاعدہ کاغذ لکھ لیا کرو۔

۲۔ دستاویز لکھنے والا ایک تیسرا شخص ہو تاکہ طرفین کی مداخلت کا امکان کمزور ہو جائے۔

۳۔ کاتب جو کاغذ لکھے وہ ایمان داری سے لکھے۔

۴۔ کاتب کو ایسی تحریر لکھنے میں انکار نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے رب اکرم نے قلم کے ذریعے انسان کو وہ سکھایا جس سے وہ بے خبر تھا (العلق/۴و۵)

ولیملل الذی علیہ الحق ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۵۔ قرض لینے، کرایہ پر لینے ۔ ۔ ۔ والا کاغذ لکھوائے۔

۶۔ دستاویز لکھواتے وقت اللہ کو حاضر ناظر جانے، غلط یا فریق ثانی کو نقصان دینے کا پہلو سامنے نہ رکھے۔

۷۔ دین دار، ناسمجھ ہو، اپنے حساب کتاب کو نہیں سمجھتا یا دیوانہ ہے یا عبارت نہیں لکھوا سکتا۔ تو اس کا "ولی" (مختار یا نمائندہ) دستاویز لکھوائے۔

۸۔ ولی، ذمہ دار ہے کہ جو کچھ لکھوائے وہ بالکل ٹھیک ہو، واقعہ و معاملہ میں انحراف نہ آنے دے۔

واستشہدوا شہیدین من رجالکم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۹۔ کاغذ لکھوانے کے ساتھ دو گواہ بھی رکھو۔

۱۰۔ دونوں گواہ تمہارے آدمی ہوں "رجالکم" سے بالغ مسلمان، مرد مراد ہیں، جن کو

دونوں فریق متفق ہوں۔

۱۱۔ دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور ایسی دو عورتیں گواہ ہو سکتی ہیں جن پر فریقین متفق ہوں
"ان تضل احداھما فتذکر . . . ." دو عورتوں میں سے اگر ایک اپنے نفسیاتی وجذباتی معاملات کی بنا پر کوئی گمراہ کن بیان دینے لگے تو دوسری اسے اصل بات یاد دلا سکے۔ قرآن نے "تضل" کہا ہے۔ "تنسیٰ" نہیں ہے۔ چونکہ کاروبار اور دستاویزات عموماً مردوں کا روزمرہ ہے۔ عورتیں عموماً یہ کام نہیں کرتیں اس لیے ان کا بیان گمراہ کن نتائج کا حامل ہو سکتا ہے۔ اس خدشے کو دور کرنے کیلئے اس کی دوسری ساتھن روک ٹوک کر کے بات کو درست کہنے میں مدد دے گی۔

۱۲۔ گواہوں پر فریقین کو متفق ہونا چاہیے۔ "ممن ترضون من الشھداء"

۔ ولا یاب الشھداء اذا ما دعوا ۔

۱۳۔ قاضی یا ثالث، یا کوئی فریق گواہ کو بلائے تو اسے حاضری سے انکار کرنے کا حق نہیں ہے۔
ولا تسئموا ان تکتبوہ صغیرا او کبیرا . . .

۱۴۔ چھوٹا معاملہ یا بڑا معاملہ تھوڑی مدت کی بات ہو یا زیادہ دنوں کی، تحریر لکھنے والے کو سستی اور جزئیات لکھنے میں غفلت نہ کرنا چاہیئے اس کے بہت فائدے ہیں۔ منصفانہ کارروائی ہے۔ گواہی اور مقدمے میں پختگی ہے۔ شک شبہے سے بچت کا ذریعہ ہے۔

۔ الا ان تکون تجارۃ حاضرۃ . . . . .

۱۵۔ حاضر سودا اور نقد ادائیگی اور روزمرہ کی لین دین میں کوئی حرج نہیں۔ لکھا پڑھی نہ کرو۔

۱۶۔ خرید و فروخت میں گواہ بنا لیا کرو۔

۔ ولا یضار کاتب ولا شھید ۔

۱۷۔ کاتب اور گواہ کو پریشان کرنے اور نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں۔ بعض لوگوں نے "یضار" کو فعل معروف مانا ہے یعنی کاتب اور گواہ نقصان نہ پہنچائیں۔ غلط ہے کیوں کہ آغاز آیت میں کاتب اور گواہ کو عادل و عدل کا پابند کیا جا چکا ہے۔

۱۸ ۔ کاتب و گواہ کو تکلیف دینے والا قانون شکنی کا مرتکب ہو گا۔
اس بارے میں مزید تفصیل کے لئے کتب فقہ سے رجوع کیجئے۔

واتقوا اللہ - اللہ سے تقویٰ ہر مرحلے میں مدد کرتا ہے۔ اس سماجی عمل میں بھی تقوے کا پھیلاؤ ہونا چاہیئے اور اسی صفتِ کمال سے نفسیاتی کمزوریاں دور کرنا چاہئیں۔

- ویعلمکم اللہ .... - اللہ عالم غیب و شہادت ہے ہی وہ اپنے فضل و کرم سے تمھیں بھی علم و دانش عطا کرتا رہتا ہے۔ یہ سب علم و دانش کی باتیں تھیں جو تم مسلمانوں کو بتائی ہیں۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ
تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ
بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۭ وَلَا
تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۭ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾

ترجمہ:

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا دستیاب نہ ہو تو باقبضہ رہن رکھ لو۔ پھر اگر ایک کو دوسرے پر اطمینان ہو تو اس کے بعد جس پر اعتبار کیا گیا ہے اسے امانت (لی ہوئی چیز) واپس کرنا چاہیئے اور اپنے رب سے ڈرتے رہو اور گواہی کو نہ چھپاؤ۔ جو گواہی چھپائے یقیناً اس کا دل گنہ گار ہے اور اللہ تمہارے ہر عمل کو اچھی طرح جانتا ہے ﴿۲۸۳﴾

تفسیر:

- وان کنتم علی سفر......

۱۔ لین دین کے وقت کاتب نہ ملے جیسے سفر میں ہوں، تو دین دار کوئی چیز دہندہ کو رہن

بالقبضہ کے طور پر دے دے تاکہ اسے اطمینان بھی رہے اور بعد میں بھول چوک بھی نہ ہو۔

ظاہری نظر میں "قانونِ رہن" کی تشریع سفر سے مخصوص معلوم ہوتی ہے مگر "ولم تجدوا کاتبا"۔ اور اگر تمہیں لکھنے والا نہ ملے — پر توجہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ رہن، ہر اس صورت میں ہے جب کاتب دستیاب نہ ہو۔ سفر بطور مثال ہے۔ احادیث سے یہی ثابت ہے۔

۲۔ رہن میں قبضہ ضروری ہے۔ امام جعفر صادق ؑ سے منقول ہے "لا رهن الا مقبوضة" قبضہ کے بغیر رہن ہے ہی نہیں۔

- فان امن بعضكم بعضا .....

۳- لکھت پڑھت، گواہی و رہن سب اس صورت میں ہے کہ فریقین آپس میں اطمینان کامل نہ رکھتے ہوں۔ اطمینان کی صورت میں اس کی ضرورت ہی نہیں۔ اب دین دار کو دہندہ کے اطمینان کی قدر کرنا چاہیئے اور اصولِ تقویٰ کے مطابق جو لے اسے واپس کرے۔ یہ کلیہ ہر امانت پر بھی جاری ہوتا ہے۔

- ولا تكتموا الشهادة .....

۴- لین دین کی بات ہو، یا کسی اور قسم کا معاملہ گواہوں کو حقیقت واقعہ چھپانے کا حق نہیں ہے۔

- ومن يكتمها فانه آثم قلبه .....

۵- گواہی چھپانا، دل کا گناہ ہے۔ حقیقت پوشی انسان کے ضمیر کو چور بناتی ہے۔ اسی سورت کی دسویں آیت میں منافقوں کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد ہوا: "فی قلوبھم مرض...." ان کے دلوں میں مرض ہے اللہ نے ان کے مرض اور بڑھا دیئے اور ان کے لیئے تکلیف دہ عذاب ہے۔

- والله بما تعملون خبير-

حق چھپاتے اور گواہی نہ دینے سے حق وحقیقت چھپ نہیں سکتی۔ اللہ تم سب کے ہر عمل سے کماحقہ باخبر ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا

فِي الْأَرْضِ وَإِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم
بِهِ اللَّهُ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٨٤﴾

ترجمہ:

اللہ کی ملکیت جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو تمھاری ضمیر میں ہے
اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ پھر جس کو چاہے معاف
اور جس پر چاہے عذاب کرے گا اور اللہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا
ہے (۲۸۴)

تفسیر:

مسلمان ہرگز یہ بات نہ بھولیں کہ زمین و آسمان، ملک و ملکوت سب کچھ اللہ کی ملکیت میں ہے۔
وہ دلوں کا بھید جانتا ہے، لہٰذا ہمیشہ اچھی بات سوچو، غلط گواہی اور باطل عقائد کو ضمیر میں راہ
نہ دو۔ کیوں کہ ایک دن اسے جواب دینا ہے اور اس وقت سزا اور درگزر اللہ کے قبضے میں
ہوگی وہ قادرِ مطلق ہے۔

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ
كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ
بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ

رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿۲۸۵﴾

ترجمہ:

ایمان لائے رسول، جو بھی ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کیا گیا اور مومنین بھی، سب کے سب ایمان لائے اللہ پر اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر (اور کہتے ہیں) ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے اور کہتے ہیں: ہم نے سنا اور ہم نے تیرا حکم مانا: تیری مغفرت اے ہمارے رب! اور تیری طرف لوٹنا ہے ﴿۲۸۵﴾

تفسیر:

عقائد و افکار اسلامی میں رسول اور دوسرے مومنوں میں دوئی نہیں۔ اللہ کی جو وحی بھی ان پر آئی ان کا اس پر ایمان مستحکم رہا۔ اسی طرح سب مومن توحید۔ ملائکہ۔ تمام نازل شدہ کتابوں اور سب پیغمبروں پر اعتقادِ کامل رکھتے ہیں۔ رسولوں کی رسالت میں کوئی فرق نہیں مانتے اور سب اللہ کے فرماں بردار رہتے ہیں، وہ دل و جان، عقیدہ و عمل کی زبان سے کہتے ہیں۔ ہم نے تیرا ہر حکم سنا، ہم تیرے ہر حکم کی اطاعت کرتے ہیں۔

عقیدہ و عمل میں استواری مومن کی شان ہے۔ اس کے باوجود، رسول اور امت ہر ایک اللہ کے حضور میں مغفرت کی دعا اور اس کے حضور حاضری کا اقرار کرتا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا

إِنْ نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٨٦﴾

ترجمہ :

اللہ کسی کو اس کی گنجائش (وسعت) سے بڑھ کر ذمے داری نہیں دیتا۔ جو کام اچھا کیا اس کا نفع اسی کو ملے گا اور جو برا کام کیا اس کا نقصان اسی کو پہنچے گا۔ ہمارے رب! ہماری گرفت نہ فرمانا۔ اگر ہم بھول کریں یا غلطی۔ ہمارے رب! اور ہم پر نہ ڈالنا ایسا بوجھ جیسا بوجھ ہم سے پہلے والوں پر ڈالا (تھا)۔ ہمارے رب! اور ہم سے وہ بوجھ نہ اٹھوانا جس کی ہم میں طاقت نہ ہو اور ہمیں معاف کر دے اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہمارا مولیٰ ہے۔ پھر ہمیں کافروں کے گروہ پر فتح دے ﴿٢٨٦﴾

تفسیر :

سورے میں بہت سے احکام بیان ہوئے۔ قوموں کی بداعمالیاں اور ان کی تباہیوں کا تذکرہ ہوا۔ آخر میں اللہ نے تین اہم نکتے بیان فرما کر اپنے مومن بندوں کو رحمت سے نوازا ہے۔

۱۔ اللہ کسی بندے پر ایسی ذمہ داری (واجب وحرام سنت ومکروہ ومباح تکالیف خمس) عائد نہیں کرتا جو اس کی گنجائش و برداشت سے باہر ہو۔

۲۔ لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت۔

انسان جیسا کرے گا ویسا پائے گا، عدلِ خدا سے بعید ہے کہ گنہ گار انعام پائے اور نکوکار جہنم جائے۔

اس یقین دہانی کے نتیجے میں بندۂ مومن کا فکری تقاضہ یہ ہے کہ وہ اعتراف عاجزی و تقصیر کرے اور چونکہ شروع میں اسے حاکم کل ۔ مولیٰ ۔ مان چکا، اس کی رحمت کا علم حاصل کر چکا اس لیے "رب" کہہ کر بار بار پکارے اور بھول چوک پر معافی مانگے ۔ گذشتہ امتوں کی سزاؤں سے پناہ طلب کرے اور اپنی ناطاقتی کا اظہار اور حکم میں درگزر کا طلب گار ہو ۔ رحم و مغفرت کی دعا کرے اور توانائی اسلام اور سربلندی مسلمانان عالم کی فکر و سعی کے لئے کمربستہ ہو کر اللہ سے منکرین اسلام پر فتحیاب ہونے کی درخواست اس کا منتہائے نظر ہو ۔ اسی لئے احادیث میں آیت کو بطور دعا پڑھنے پر زور دیا گیا ہے ۔

والحمد للہ رب العالمین ۔

مصادر :

• نور الثقلین : عبد علی بن جمعۃ العروسی الحویزی م ۱۱۱۲ھ
ناشر : دار الکتب العلمیہ ۔ قم ۔ ایران ۔ ۱۳۸۴ھ بعد
مستعار از کتب خانۂ مدرسۃ الواعظین ۔ لاہور ۔

• المیزان : سید محمد حسین طباطبائی م
طبع تہران ۔ ایران مختلف طبعات ۔ مختلف مقامات سے مستعار ۔

• کلام اللہ مترجمہ سید محمد صادق لکھنوی م ۱۴۰۴ھ ۔ مجاہد بکڈپو ۔ لکھنؤ ۔ ہند ۔ ۱۹۶۶ء کتب خانہ ذاتی ۔

• کلام اللہ مترجم : مولانا سید فرمان علی م
طبع، ھند و پاکستان ۔ مختلف طبعات، کتب خانہ ذاتی ۔

• تفسیر المتقین : سید امداد حسین کاظمی لاہور

• نمونہ بینات در شان نزول آیات : دکتر محمد باقر محقق ۔
تہران، ایران ۔ چاپ دوم ۱۳۵۹ ش (کتب خانۂ ذاتی)

• گفتار فلسفی، آیت الکرسی، پیام آسمانی توحید : محمد تقی فلسفی ،
تہران، ایران ۱۳۵۱ ش (از مولانا سید علی موسوی لاہور)

- تفہیم القرآن: سید ابو الاعلیٰ مودودی
  مکتبہ تعمیر انسانیت - لاہور - متعدد طباعات (کتب خانہ مدرستہ الواعظین لاہور)

- THE HOLY QUR'AN WITH ENGLISH TRANSLATION
  OF THE ARABIC TEST AND COMMENTARY
  ACCORDING VERSION OF HOLY AHLULBAIT,
  BY, MIR AHMAD ALI AND MIRZA MAHDI POOYA
  KARACHI _ PAKISTAN _ 1964
  (کتب خانہ ذاتی)

- البیان فی غریب اعراب القرآن: ابو البرکات بن الانباری م ۵۷۷ھ
  ناشر: انتشارات الہجرۃ - قم - ایران - ۱۴۰۳ھ (کتب خانہ ذاتی)
- فقہ القرآن: قطب الدین الراوندی م ۵۷۳ھ
  ناشر: مطبعہ الخیام - قم - ایران ۱۳۹۹ھ (کتب خانہ ذاتی)
- اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: بااہتمام دانشگاہ پنجاب، لاہور - پاکستان
- قصص قرآن با فرہنگ قصص قرآن: صدر الدین بلاغی۔
  موسسۂ انتشارات امیر کبیر - تہران - چاپ نہم - ۱۳۵۴ ش
- تلخیص البیان فی مجازات القرآن: سید رضی، ابو الحسن محمد بن حسین۔
  طبع مجلس شوریٰ ، تہران ، ۱۳۷۲ھ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

سورۂ آل عمران

چند نکات :

نام: سورت کا نام "آلِ عمران" ہے۔
کلمۂ "آل عمران" آیت نمبر تینتیس میں آیا ہے۔
محل وقوع : تیسرا سورہ، ربع پارۂ سوم کے بعد سے ثلث پارۂ چہارم کے بعد تک۔
آیات : دو سو - حروف، پانچ ہزار دو سو چھبیس۔
کلمات : تین ہزار- پانچ سو بیالیس۔
رکوع : بیس۔
محلّ نزول : مجموعی طور پر مدینہ۔
زمانۂ نزول : غزوۂ احد (۳ھ) اور اس کے بعد۔

مسائل :

• سورۂ آلِ عمران مدینے کی سیاسی صورتِ حال، اقتصادی، نفسیاتی اور سب سے زیادہ عوام کے اعتقادات اور عیسائی رجحانات کا پیش منظر واضح کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مہاجرین و اہل مدینہ کے درمیان جن سماجی مسائل اور داخلی وخارجی سیاست سے دوچار ہوئے اور حضورؐ نے مشکلات کیوں کر حل کئے - یعنی مسلمانوں کے لئے ان سے ملتے جلتے مسائل میں رہنما اشارے ہیں۔

• مدینے کے اندر جنگ کا امکان، یہود و نصاریٰ، مشرک اور منافق گروہوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کا تذکرہ، جنگِ احد کی پیش آمد، قبل جنگ، وقت جنگ اور بعد از جنگ اپنی

اور بے گانوں کا کردار۔ جنگ۔ شہداء اور مجاہدین کا خلوص۔ اس کے مقابلے میں بھاگنے والوں، ذہنی خلفشار میں مبتلا اور اعتقادی کمزوریوں کے شکار مسلمانوں کی تصویر۔ منافقوں کی ریشہ دوانیاں اور ان کے مقابلے میں تحفظ۔ دفاع اور صبر و اصلاح احوال پر زور۔ اسی کے ساتھ مسلمانوں کو داخلی و خارجی دوستوں اور دشمنوں کی شناخت اور ان کے ساتھ میل جول میں دین کی بنیاد پر قربت یا دوری کی ہدایت۔

- "ماکان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتٰب... کونوا عبادا لی" آیت نمبر ۷۹ اور آیت ۱۶۴ لقد من اللہ علی المومنین ....

تربیت"، کی توضیح۔ اسلام، احساسات کی پاکیزگی، نفس کی طہارت کو علم و دانائی کے حصول کا منتہا سمجھتا ہے اور طالب علم جو بھی پڑھے اس کے نتیجے میں "ربانی" بننے اور تعلیم دینے والا کسی کو اپنا بندہ بنانے کا درس نہ دے۔ معلمین بشریت، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰؐ نے اسی فلسفے اور عمل کو سمجھایا اور ذکر و فکر کو ایک کر کے دکھایا ہے، کیونکہ توحید و عدل و قدرت و مالکیت و جزا و سزا ــ اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

- انبیا کے بارے میں یہود و نصاریٰ کے خیالات و تعلیمات کی تصحیح، خصوصاً، زکریاؑ، یحییٰؑ، مریمؑ اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہم السلام کے بارے میں تاریخی اور سوانحی حقائق کا بیان۔

سورۂ بقرہ میں یہود و نصاریٰ کے حوالوں کی حقیقت بیان ہو چکی، کاروبار اور عہد و پیمان کی لکھت پڑھت تحریر میں رد و بدل اور گواہ۔ لین دین اور قرض و امداد کے مسائل میں تورات کے تعلیمات اور قرآن مجید کے احکام بیان ہوئے۔

اس سورے میں، عیسائیوں کے افکار و عقائد کا تجزیہ اور حقائق کا انکشاف ہے۔ تثلیث پرستی کی تردید اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور ان کے ابن اللہ نہ ہونے پر دلائل ہیں۔ ان بحثوں کے پس منظر میں نجران کے رہنماؤں کی بے چینی اور ان کی مدینے آمد، منیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بحث، مناظرہ و مباہلہ اور آخر میں شکست کا تذکرہ کر کے قیامت تک مسلمانوں کو عیسائی، عقائد اور کردار سے باخبر کر کے ہدایت کے ضابطے اور علمی و عملی، سیاسی اور سماجی

قانون قاعدے تعلیم دیے ہیں۔

بعثت سے ہجرت تک حربی اور سیاسی طاقتیں دو تھیں، روم اور فارس دونوں، عرب علاقہ پر قبضے اور تسلط کے لئے برسرِپیکار تھیں۔ مذہبی طور پر اس علاقے میں یہودیت و عیسائیت میں تصادم تھا اور دونوں معرکوں میں، کعبہ سب کے سامنے تھا۔ مگر وہاں کے سیاسی و مذہبی حالات معاشرتی اور معاشی معاملات ایسے تھے کہ دونوں میں سے کوئی بھی فتح کرنے کی طرف متوجہ نہ ہوتا تھا، کعبہ کے مذہبی اہمیت اور تقدس اس قدر اہم تھا کہ سب اس سے ڈرتے اور سب اس کو مانتے تھے۔

جنوبی عرب میں یمن، حبشہ سے قریب تھا، اور حبشہ عیسائیوں کا مرکز، یمن کے فرماں روا یہودی تھے، حبشہ نے یمن فتح کیا تو وہاں عیسائیت کا زور ہوا، اور تھوڑی ہی مدت میں "نجران" میں ایک بڑا چرچ بن گیا اور مذہبی قیادت وجود میں آگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ کے لئے یمن کو چھوڑ کر حبشہ کو نشانہ بنایا اور وہاں حضرت جعفرؓ کی قیادت میں مہاجرین نے جاکر تبلیغ کی اور سورۂ مریم کا درس سنا کر نجاشی کو ہم خیال بنالیا۔ حضورؐ نے دوسری ہجرت کے لئے یثرب کو منزل بنایا۔

یثرب، فدک، خیبر، تیما، دومۃ الجندل اور تبوک، یروشلم اور شام سے قریب تھا دمشق اور فلسطین میں عیسائیوں کو مذہبی اور سیاسی برتری حاصل تھی اس لئے یثرب کے یہودی، طاقت ور تھے۔ مگر عیسائی ان کے دشمن تھے — اور عیسائی قبائل کی آبادیاں بھی کم نہ تھیں۔ بہرحال یہودی مدینے اور مسلمانوں کے لئے بہت خطرہ تھے۔

مدینہ میں آسمانی کتابوں، مذہبی تعلیم و تربیت اور کسی قدر اصول عقائد و احکام اور پڑھنے لکھنے کی بات چیت ہوتی تھی، یہاں کے آسمانی نظام کے مدعی اور پیغمبروں کے حوالے سے نام نہاد قانون کو جانتے تھے۔

• رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغمبرانہ صبر، عفو و درگذر، شجاعت اور میدان میں بے مثال استقامت، زخم بدن اور زخم دل کے باوجود، دشمن کو پسپا کرنا اور دوستوں کی قدر دانی۔

- حضرت علی علیہ السلام اور ائمہ کا علم، آل رسولؑ کی برتری ۔ مباہلہ ۔ ایک عجیب جنگ، معصوم افراد اور ان کی فتح ۔
- احکام میں آیت نمبر ۳۲ و ۳۲ میں "اطیعو اللہ و الرسول" کے حکم میں اطاعتِ رسول کو جزءِ اطاعت اللہ قرار دیا ہے ۔ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۵۹ میں اس کی توثیق اور "اولوالامر" کی اطاعت کو جزءِ اطاعت رسول بتایا ہے ۔
- قبلہ ۔ مقام ابراہیم ۔ حج، تقیہ ۔ جہاد ۔ مذمت فرار ۔ حیات شہدا ۔ انفاق کی تاکید ۔ بخل کی مذمت ۔ سود کی حرمت ۔ مشورہ ۔ ذکر و فکر کی یکجائی ۔ توبہ ۔ قیامت کے تذکرے ۔ عمل اور عوض میں مرد و زن کی یکسانیت ۔

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰن

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَا اٰيَةٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۲﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۳﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ﴿۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۵﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶﴾

ترجمہ:

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو بڑا مہربان، رحم والا ہے۔ الف۔لام۔میم ﴿۱﴾ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ دائمی حیات کا مالک ہے، کائنات کو سنبھالنے والا ہے ﴿۲﴾ اس نے برحق کتاب تم پر نازل کی وہ موجود کتابوں (تورات وانجیل) کی تصدیق کرتی ہے اور اسی نے تورات وانجیل اتاری ﴿۳﴾ اس (قرآن) سے پہلے وہ لوگوں کے لیے ہدایت تھی اور فرقان کو اس نے نازل کیا، یقیناً جو لوگ آیاتِ الٰہی کے منکر ہوئے ان کے واسطے سخت عذاب ہے اور اللہ غالب، بدلہ لینے والا ہے ﴿۴﴾ بلاشبہ، اللہ پر زمین و آسمان میں کوئی چیز مخفی نہیں ہے ﴿۵﴾ وہی رحموں میں تمہاری شکل، جیسی چاہتا ہے، بناتا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غالب اور

توحید ۱۴

زبردست حکمت والا ہے (۶)

تفسیر:

۱۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الٓمٓ۔

بسملہ، ادب قرآن میں ہر سورہ کا سرنامہ ہے۔ "اللہ" وہ نام ہے جو مظہر جمال وجلال ہے، اللہ نے اس نام کو "رحمٰن ورحیم" کے ساتھ ملاکر اپنی صفتِ "رحمت" کو نمایاں فرمایا ہے۔

رحمٰن: اسماء حسنیٰ میں ہے اور غیر اللہ کی صفت واقع نہیں ہوتا۔ قرآن میں بسم اللہ کے اندر ایک سو چودہ مرتبہ اور اثنائے آیات میں پچپن جگہ استعمال ہوا ہے۔

اکثر اہل لغت کے نزدیک "رحمت" سے مشتق ہے اور معنی ہیں "احسان کرنے" اور نعمت دینے والا، بڑا مہربان۔

رحیم: یہ نام بھی اسماء حسنیٰ میں ہے۔

الٓمٓ۔ مقطعات قرآن میں ہے، یہ مقطعات عموماً مکی سورتوں میں آئے ہیں، البقرہ اور اور آل عمران بھی ہجرت کے ابتدائی دور کی سورتیں ہیں۔ ان حرفوں کی الگ الگ صوتی کشش اور آہنگ ہر حرف کی آواز کا دوسرے حرف کی صدا سے جوڑ، نفسیاتی توجہ کو موڑتا ہے اور مؤثر خطاب کا فائدہ دیتا ہے۔ معجزے کی بات ہے، مکی ادیب اس سے پہلے ایسے خطاب سے آشنا نہ تھے وہ اسے سن کر دنگ ہوتے تھے کہ حروف معنی دیتے ہیں اسی وجہ سے انھوں نے اعتراض نہیں کیا اکثر حروف مقطعات کے بعد قرآن کی صفتیں بیان ہوئی ہیں۔ اس سورے میں پہلے اللہ کی حمد ہے پھر قرآن کا ذکر آیا ہے۔

۲۔ اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم......

اللہ، کو صرف پرستش ہی کے قابل نہ سمجھ بیٹھنا، وہ حیات وحیات آفرین ہے۔ نظام کائنات کو گردش دینے اور قائم رکھنے والا بھی ہے، حاکم وسربراہی اسی کی ہے۔

شان نزول: مفسرین کہتے ہیں کہ یہاں سے (۸۰) اسی آیتیں وفد نجران سے خطاب کرتی ہیں اور سورے کا انداز بتاتا ہے جیسے انجیل کا متبادل ہے۔

۳۔ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ . . . .

۴۔ من قبل ھدی للناس . . . . .

اللہ نے ہدایتِ بشر کے لیے قرآن نازل کیا، قرآن کتب وصحف سابق کی تائید کرتا ہے، مگر وہ تورات وانجیل وصحف جو تحریف سے پاک اللہ کی نازل کردہ کتابیں تھیں، اب نئی تعلیم کی ضرورت کے لئے اور تحریفات میں حق و باطل کو جدا کرنے کی خاطر قرآن نازل کیا گیا ہے۔

تورات پر بڑے بڑے ظلم ڈھائے گئے نتیجے میں یہ آسمانی کتاب کچھ سے کچھ ہوگئی۔ موجودہ دور میں تورات بائبل کا ایک حصہ ہے اور اسے "عہد قدیم" کہا جاتا ہے۔ اس کے تین جزو ہیں (الف) تورات، قانون یا شریعت - (ب) صحف انبیاء (ج) صحائفِ مقدسہ یا تحریریں - پھر تورات کے چار باب ہیں :-

۱) تکوین : قبل از موسیٰؑ سے ولادتِ کلیم اللہ تک اس میں تاریخ و ثقافت کی عجیب عجیب داستانیں ہیں۔

۲) خروج ، ولادتِ حضرت کلیمؑ سے طور اور مقدس میثاق اور وضع قوانین کا بیان۔

۳) لاویین : قوانین وشریعت کا بیان۔

۴) تثنیہ : قوانین و تاریخ تا وفات حضرت موسیٰؑ - مزید اطلاعات آگے لکھے جائیں گے انشاء اللہ۔

انجیل : حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب، جو اب بدلی جاچکی ہے - قرآن نے آکر ان کتابوں کی تحریف کو اجاگر کیا۔

سورۂ حمد کا خاتمہ، مغضوب علیہم اور ضالین کے الفاظ پر ہوا تھا، اس کے بعد "بقرہ" ہے جس میں یہود اور یہ تیسرا سورہ آل عمران جس میں نصاریٰ کا تذکرہ اور ان دونوں کے کرتوتوں کی نشاندہی ہے -

- انّ الّذین کفروا بایٰت اللہ . . . . . تورات وانجیل وفرقان کے بعد اللہ کی حجت تمام ہوچکی، اب جو بھی آیتوں کا انکار کرے اور حقائق کو جھٹلائے گا وہ سزا پائے گا اور اللہ چونکہ قادر و توانا ہے لہٰذا بدلہ دے گا۔

توحید ۱۶

احکام و عقائد میں یہود و نصاریٰ کا اختلاف بلا جواز ہے اور قرآن آنے کے بعد تو بالکل حجت تمام کی جا چکی ہے۔

۵۔ ان اللہ لا یخفیٰ علیہ شیٔ . . . . . .

۶۔ ھو الذی یصورکم فی الارحام . . . .

اللہ، عزیز و غالب ہے، حکیم و بصیر ہے اسی وجہ سے زمین و آسمان کی ہر چیز اس پر عیاں ہے رحم مادر میں بچہ کی آمد اور اس کے مختلف مراحل، کبھی سائنس کی آنکھ سے دیکھو اور انکشافات کی بات سنو پھر سوچو کہ اللہ کی قدرت و حکمت و رحمت کتنی وسیع ہے۔

موسیٰ اور عیسیٰؑ کے علم و قدرت کا اللہ سے کیا مقابلہ، آخر اللہ، اللہ اور بندہ بندہ ہے۔ رہی بات خلق عیسیٰؑ کی ؟ تو آدم و مریم و عیسیٰؑ کا معاملہ ایک سا ہے، آدم بے ماں باپ کے خلق ہوئے، مریم، زکریا نبی کی دعاء پسر کے جواب میں خلق ہوئیں۔ عیسیٰؑ کی تخلیق میں باپ کی ضرورت پیش نہ آئی، خلق و امر کا مالک اللہ ہے۔ وہ جسے جس طرح اور جس صورت میں پیدا کرے اس میں بحث کا حق کسے ہے ؟

تلمیح و کنایہ و تنکیر و عموم کا انداز دیکھیے بات سوال و جواب کی تھی بیان میں معجزے کی لطافتیں رکھ کر افادیت میں لامحدود اضافہ کر دیا۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا

وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ﴿٨﴾ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿٩﴾

ترجمہ:

اللہ نے تم پر قرآن نازل کیا، اس میں کچھ "آیاتِ محکمات" اساسِ کتاب ہیں اور کچھ "متشابہات" ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ "متشابہات" کی ادھیڑ بن میں رہتے ہیں، تاکہ خلفشار پیدا کریں اور نئے معنی نکالیں، حالانکہ ان کا مطلب کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور ان لوگوں کے جو علم میں راسخ ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، سب (محکم و متشابہ) ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے اور سمجھانے سے وہی سمجھتے ہیں جو عقلمند ہیں ﴿۷﴾ اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت کرنے کے بعد ڈانواں ڈول نہ ہونے دے اور اپنی بارگاہ سے ہمیں رحمت عطا کر، اس میں تو شک ہے ہی نہیں کہ تو بڑا عطا کرنے والا ہے ﴿۸﴾ ہمارے رب! بے شک تو ایک دن، جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ سب لوگوں کو اکٹھا کرنے والا ہے، یقیناً اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ﴿۹﴾

تفسیر:

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

حی ابن اخطب اپنے بھائی کے ساتھ حاضرِ خدمت نبی خاتمؐ ہوئے اور "الٓمٓ" پر گفتگو کرتے ہوئے ابجدی حساب لگا کر کہا کہ آپ کی امت اکہتر برس سے زیادہ نہ رہے گی ۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر سوچنے کا یہی انداز ہے تو "الٓمٓصٓ" و "الٓرٰ"

۔۔۔۔۔ کو چھوڑنے کا سبب کیا ہے؟ (ان مقطعات سے مراد یہ حساب ہے ہی نہیں) اس وقت یہ آیت اتری۔ (اکمال الدین و اتمام النعمت ، تفسیر نور الثقلین)

البیان میں ہے کہ وفد نجران کی گفتگو سے آیت کا تعلق ہے۔ ان لوگوں نے پوچھا: آپ عیسیٰ کو "کلمۃ اللہ" اور "روح اللہ" نہیں کہتے؟ رسول اللہؐ نے فرمایا کیوں نہیں، پھر ان لوگوں کی زبانبندی میں یہ آیت اور آیۂ "انّ مثل عیسیٰ عند اللّٰہ" نازل ہوئی۔

۷۔ ھوالذی نزّل علیک الکتاب منہ ۔۔۔۔

محکم : وہ آیت جس کے معنی ہر شخص سمجھ لے۔

متشابہ : وہ آیت جس کے الفاظ سے معین معنی تو نکلتے ہوں مگر اس کے مصداق و مطالب اور بھی نکالے جا سکتے ہوں، جن میں سے ایک صحیح اور باقی غلط ہوں۔

متشابہ آیات کیوں؟

قرآن مجید میں متشابہ آیات کی حکمت یہ ہو سکتی ہے کہ بعض فکری مفاہیم ایسے ہوتے ہیں جن کی سمائی یا تو الفاظ میں ممکن نہیں، یا ان پر غور کرنے کے لئے خاص ذہن اور مخصوص افراد اور الٰہی دبستان کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن آئین و دستور ہے، اس میں عقل و فکر کو غور و تدبر کی دعوت دی گئی ہے۔ ہر شخص اگر اپنی آزاد فکر سے قرآن کو موضوع بحث بنا سکتا تو اس کے تعلیمات و فکری اساس میں انحرافات آجاتے، اس لئے ایسے آیات مخصوص مزاج اور دبستان فکر رکھنے والوں کو خصوصی مرکزیت دینے کے لیے نازل ہو۔

متشابہ آیات سے اسلام کے بنیادی تعلیمات میں اختلاف نہ ہونے کا سبب ایک تو محکم آیات ہیں، دوسرے راسخ فی العلم حضرات، رسولؐ و آل رسول علیہم السلام کا وجود ہے۔

فکری خلل میں مبتلا اور بدنیت لوگ متشابہ آیات کا سہارا لے کر من مانی تفسیریں کرتے اور فکری انتشار پھیلانے کی راہ نکالتے ہیں۔ قرآن کے محکم آیات ان ھو الاعبد انعمنا علیہ ۔۔۔۔۔۔
انّ مثل عیسیٰ عند اللّٰہ کمثل آدم خلقہ من تراب ۔۔۔۔۔۔ ذالک عیسیٰ بن مریم قول الحق الذی فیہ یمترون ماکان للّٰہ ان یتخذ من ولد ۔۔۔۔۔۔

موجود ہونے کے باوجود۔ "کلمتہ القاھا الیٰ مریم و روح منہ"۔ کو من مانے عقیدے سے ہم آہنگ کرنے کی سعیِ ناکام کرتے ہیں۔

راسخین فی العلم کون؟

۔ ومایعلم تاویلہ الا اللّٰہ والراسخون فی العلم ۔ متشابہ آیات لاینحل نہیں ہیں۔ قرآن مجید آئین ہے تو اس کے عبارات بے معنی نہیں ہو سکتے۔ یہ معجزہ ہے کہ متشابہ آیتیں معنی رکھنے کے باوجود اللہ کی طرف رجوع چاہتی ہیں کہ ذہن بشر غلط راہ پر نہ چل نکلے اور "راسخ فی العلم" رسول و آل رسول سے پوچھے کہ وہی قرآن کے حقیقی مفسر و عالم ہیں اور صراط مستقیم کے رہنما اور متقین کے امام ہیں۔ اسی حقیقت کو سورۂ فاطر میں بیان فرمایا ہے۔" اور ہم نے وحی کے ذریعے جو کتاب بھیجی وہ حق ہے اور موجود حقائق (تورات و انجیل) کی تصدیق کرنے والی ہے۔ یقیناً، اللہ اپنے بندوں کے بارے میں خبیر و بصیر ہے (۳۱) اس کے بعد ہم نے الکتاب (قرآن) کا وارث اپنے بندوں میں سے چند منتخب لوگوں کو بنایا (کیونکہ) ان بندوں میں سے کچھ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں۔ کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ نیکیوں میں پیش رو ہیں اور یہی اللہ کا بڑا احسان ہے (۳۲) منتخب و سابق بالخیرات کو ایک مرتبہ وارث کتاب اور دوسری مرتبہ راسخ فی العلم کہا ہے تاکہ ہر شخص قرآن کا داعی نہ بن بیٹھے ۔ امام محمد باقر علیہ السلام کی حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم" راسخون فی العلم" میں سب سے بلند مرتبہ ہیں۔ حضورؐ پر جو وحی نازل ہوئی اسکی تاویل و تنزیل سے کماحقہ باخبر تھے۔ اللہ کوئی ایسی بات نازل نہیں کرتا تھا جس کی تاویل کا علم نہ دیتا ہو۔ پہلے آنحضرتؐ اور آپؐ کے بعد آپؐ کے اوصیا تمام علم رکھتے تھے۔(مجمع البیان)

ترکیب نحوی کے اعتبار سے "والراسخون" کی حالت رفع "علی اللہ" پر عطف کی وجہ سے ہے۔

۔ یقولون آمنا بہ کل من عند ربنا ۔ علم میں رسوخ اور مضبوطی رکھنے والے یہ حضرات، سراپا ایمان ہیں یہ لوگ اللہ کی طرف سے ہر آئی ہوئی بات پر کمال علم "عین یقین" کا اظہار کرتے ہیں اور یہ بات اہل دانش و عقل خوب سمجھتے ہیں۔

۸۔ "ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا"۔ اہل ایمان کی دو دعائیں ہیں۔ اور قرآنی دعاؤں میں سورۂ حمد کی بات ذہن میں رہے "رب العالمین" اکثر دعاؤں میں "رب" سے ابتدا ملتی ہے۔

جب صراط مستقیم پر ہم آگئے تو اب رفتار کے ساتھ گفتار اور فکر و عزیمت میں کجی نہ آنے پائے۔ پروردگارا! تجھ سے یہی دعا ہے۔ تیرا کرم تو بہت وسیع ہے۔ اس دعا کی ایک مناسبت آیات متشابہات سے نافہمی کے وقت پیدا ہونے والا امکانی انحراف اور راسخون فی العلم سے رجوع نہ کرنے کی حالت ہے۔

۹۔ ربنا انک جامع الناس۔۔۔۔

پروردگارا! حشر کا دن ضرور آئے گا اور تیرے سب وعدے ضرور پورے ہوں گے۔ دونوں دعاؤں میں اوّل توجہ الی اللہ اور آخر خوف محشر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جس کا نتیجہ "تقویٰ" اور یہی منزلِ اوّل ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ
وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۝
كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ قُل
لِّلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝
قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ
بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۝

ترجمہ:

بلاشبہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا، انھیں، اللہ کے عذاب) سے نہ ان کی دولتیں اور نہ ان کی اولاد بچا سکے گی اور وہ لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے (۱۰) ان کا رویہ آلِ فرعون اور ان سے پہلے والوں کا ہے - انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کے گناہوں پر ان کو گرفت میں لے لیا - اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے (۱۱) آپ کفر اختیار کرنے والوں سے کہہ دیں، تم لوگ جلد ہی مغلوب ہو گے اور جہنم کی طرف جمع کیے جاؤ گے اور برا ٹھکانا ہے (جہنم) (۱۲) تمہارے لیے دو ٹکر لینے والے گروہوں میں ایک نشان تھا - ایک گروہ اللہ کی راہ میں جنگ کر رہا تھا، اور دوسری جمعیت کافروں کی - جن کو مسلمان دوگنا دیکھ رہے تھے اور اللہ، اپنی فتح سے جس کی چاہتا ہے کمک فرماتا ہے - آنکھ والوں کے لیے اس میں بڑا سبق ہے (۱۳)

تفسیر:

۱۰- ان الّذین کفروا لن تغنی عنھم . . . .

مسلمانوں کو اپنے عقیدے پر استوار اور تعلیمات اسلامی پر ثابت قدم رہنا چاہیے - اسلام دشمن اپنی فکری کجی اور غلط روی کی بنا پر اقتصادی اور افرادی قوت کے باوجود اللہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے آیندہ مسلمانوں کے ایمان اور جذبے سے شکست کھائیں گے اور قیامت کے دن جہنم کا ایندھن ہوں گے یہ نصاریٰ بدر کے معرکے ہی سے سبق سیکھ لیں -

۱۱- کدأب آل فرعون والّذین من قبلھم . . . .

فرعون اور اس کی نسل، اس قبیلے کے لوگ اور ان سے پہلے کے آمر و جابر، دولت و قوت میں مست ہو کر اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے اور دین داروں کو ٹھکرانے لگے - آخر اللہ نے انھیں گرفت میں جکڑا اور سخت ترین عذاب میں مبتلا کیا - تو کسی کو دولت، خاندان، نسل اور کثرت پر گھمنڈ نہ کرنا چاہیئے اور با عقیدہ افراد کو ان سے نہ ڈرنا چاہیئے -

۱۲- قل للّذین کفروا ستغلبون . . . .

قرآن، منکرین اسلام کو تنبیہ کرتا ہے کہ مسلمانوں سے ٹکر لینے کا بُرا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ دنیا میں شکست اور آخرت میں جہنم ان کا مقدّر ہے اور مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ غالب ہو کے رہیں گے

مفسرین کہتے ہیں کہ بعد جنگ بدر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قینقاع کے یہودیوں کو جمع کرکے دعوت اسلام دی۔ انہوں نے کہا: ہم قریش نہیں جو اتنی آسانی سے ہار مان لیں وقت آئے تو دیکھ لینا۔ اس پر آیت اتری۔

غزوۂ بدر کا حوالہ

۱۳۔ قد کان لکم آیۃ فی فئتین ...

بے سروسامان مہاجر گنتی میں ستتر اور دو سو چھتیس انصار۔ ان کے پاس ستر اونٹ، دو گھوڑے، چھ زرہیں۔ آٹھ تلواریں، محاذ کی سربراہی حضرت رسالت مآبؐ خود فرما رہے تھے، ان کے ساتھ مہاجرین کی رجمنٹ کا پرچم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں اور انصار کی رجمنٹ سعد بن عبادہ کے ماتحت۔ خدا کا معجزہ کہ نہ رسول اللہؐ کبھی لڑے تھے نہ علیؑ کی عمر اور ایسا کوئی تجربہ تھا، نہ مسلمانوں کی تعداد و فوجی حالت مضبوط تھی، مگر ان کی جنگی تکنیک یہ رہی کہ ایک مسلمان دو مشرکوں کے برابر مانا جائے اور خدا اور رسول پر مکمل اعتماد و توکل رہے۔ نتیجہ میں فتح ہوئی۔

ابو سفیان، ایک ہزار فوجی، سو گھوڑے سوار۔ اس کے علاوہ بہت سے اونٹ اور بہت سا اسلحہ اور مکمل رسد کا سامان لے کر آیا۔ عالم ہی کچھ اور تھا۔ مسلمان ان کی نفری، سرداروں کی شہرت و تجربہ کاری اور سیاسی و اقتصادی مضبوطی کو نظر انداز کرکے، اللہ پر بھروسہ کیے ہوئے آگے بڑھے اور یادگار شکست دے کر پلٹے۔ قرآن نے اس جنگ اور فتح کو "معجزہ" اور آئندہ کے لئے "سمبل" قرار دے کر اللہ کی مدد اور فتح و نصرت کی نوید دی۔ شرط ہے۔ ایمان میں پختگی اور نتائج پر نظر۔

زُیِّنَ

لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ

الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ

وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

ترجمہ: لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے فریفتہ کر لیا، (جیسے) عورتیں، بیٹے، سونے چاندی کے جمع کیے ہوئے ذخیرے، نشان لگے ہوئے گھوڑے، مویشی اور کھیتی باڑی۔ یہ تو زندگانی دنیا کا (وقتی) فائدہ ہے۔ جبکہ اچھی منزل تو اللہ کے یہاں ہے (۱۴) (آپ ان سرمایہ پرستوں سے) کہیے، کیا میں تم کو ان چیزوں سے بہتر چیز بتا دوں؟ تقویٰ رکھنے والے لوگوں کے لیے، اللہ کی بارگاہ میں باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔ اللہ کی خوشنودی ہوگی اور اللہ بندوں پر نظر رکھتا ہے۔ (۱۵)

تفسیر:

۱۴۔ زین للناس حب الشھوات ۔۔۔۔

اللہ نے انسانی فطرت میں عواطف اور آرام طلبی کے احساس و میلانات ودیعت کئے ہیں، وہ عورت، اولاد، سواری، مویشی، زمین، باغ اور دولت سے محبت کرتا ہے انھیں زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ اسلام نے اس رجحان کو معتدل رکھنے کا انتظام کیا۔ جو اللہ کو نہیں مانتے اور دین پر ایمان نہیں رکھتے، ان پر شیطان غالب آجاتا ہے اور چند روز کی آسائشوں کو آخرت کی آسودگی و راحت جاوداں پر ترجیح دلا کر گمراہ کر دیتا ہے یہ لوگ معاشرے کو تباہ کر دیتے ہیں۔

۱۵۔ قل ا ؤ نبئکم بخیر من ذالکم . . . . . .

عیش پرستی اور سرمایہ داری سے بہتر آخرت کے انعامات اور رضاء باری تعالیٰ سے دل لگانا ہے۔ متقی لوگ جو عقل دنیا اور عقل دین دونوں رکھتے ہیں ۔ صرف دنیا کے نہیں ہو جاتے ۔ انھیں یقین ہے کہ اللہ، اپنے بندوں کے معاملات پر نظر رکھتا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کو راستے سے زیادہ اہمیت نہ دینا چاہیئے ۔ اصل منزل آخرت ہے اور اللہ دلوں کا حال، نیتوں کا خلوص خوب جانتا ہے۔ اس لئے نظرت بلند رکھو اور فکری اور عملی لغزشوں سے بچتے رہو۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

ترجمہ:

جو کہتے ہیں ـــ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے ہیں تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا (۱۶) وہ صبر (و تحمل) کرنے والے ہیں اور سچے اور اطاعت گذار اور خرچ کرنے والے اور رات کے پچھلے پہروں میں استغفار کرنے والے ہیں۔ (۱۷)

تفسیر:

۱۶۔ الـذین یقولون ربنا اننا اٰمنا . . . .

چند روزہ متاعِ دنیا پر گرویدہ ہونے والوں کے مقابلے میں ایسے مومن بھی ہیں جو تقویٰ اور اصلاحِ ذات کو بنیادی مرتبہ دیتے ہیں وہ لوگ اپنی مغفرت و نجاتِ عذاب کے بارے میں سوچتے اور خدا سے دعائیں کرتے ہیں ۔

۱۷۔ الصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ ....

یہ لوگ ایمان کی راہ میں پیش آنے والے فکری و عملی معرکوں میں ثابت قدم، متحمل اور راست باز رہتے ہیں۔ اللہ کی بات مانتے، غلط خواہشات کو ٹھکراتے، دولت سے محبت کو دور رکھ کر اسے خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں۔ یہ لوگ پچھلے پہر جب سب میٹھی نیند سوتے ہیں، اللہ کو پکارتے اور اس سے توبہ کرتے ہیں۔

کتنی ہمت آفریں تعریف ہے بندے کی، اللہ کی زبانی اور کس قدر اعزاز ہے مومن کا جو اللہ عز اسمہ اپنی رحمت و پسند سے نواز رہا ہے۔

جنّت کے خزانے

قال علی علیہ السلام:

من کنوز الجنۃ البر و اخفاء العمل و الصبر علی الرزایا وکتمان المصائب۔ {تحف العقول ص۲۱۸}

نیکیاں کرنا، اپنے عمل خیر کو چھپانا، بلاؤں پر صبر کرنا اور مصائب و آلام کو زبان پر نہ لانا، در اصل جنت کے خزانے ہیں۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۙ
وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ
بَيْنَهُمْؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾
فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِؕ وَقُلْ
لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا
فَقَدِ اهْتَدَوْاۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ
بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

ترجمہ :
اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ملائکہ نے اور صاحبان علم نے ۔
درآں حالیکہ (اللہ) عدل پر قائم ہے ۔ صاحب غلبہ و صاحب حکمت اللہ کے سوا کوئی
معبود نہیں ⑱ بے شک، اللہ کے نزدیک دین، اسلام (فرمان برداری) ہے

توحید ۱۲

اور آسمانی کتاب رکھنے والوں نے اختلاف پیدا نہیں کیا مگر علم و آگاہی کے بعد اور وہ بھی باہمی ظلم و ستم کے عالم میں، اور جو بھی انکار کرے اللہ کی آیتوں (دلیلوں) کا، تو اللہ جلد (ہی) حساب لینے والا ہے (۱۹) اس کے بعد بھی اگر یہ لوگ آپ سے حجت کریں تو کہدیجئے، میں نے اللہ کے حضور اپنی پیشانی جھکادی اور ان لوگوں نے (بھی) جو میرے پیرو کار ہیں اور اہل کتاب نیز

ان لوگوں سے پوچھیے جن کے پاس کتاب نہیں ہے ۔ کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟ پھر اگر وہ اسلام لے آئیں (بات مان لیں) تو انھوں نے سیدھی راہ پالی، اور اگر منہ پھیر لیں تو آپ کا کام پیام خدا پہنچانا ہے اور بندوں کے معاملات تو اللہ خوب دیکھتا ہی ہے (۲۰)

تفسیر

۱۸۔ شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو ....

اہل کتاب سے عموماً اور نصاریٰ سے خصوصاً بات ہو رہی ہے، بات کی بنیاد ہے "اللہ" کو ماننا۔ جو اللہ کو مانتا ہے وہ اسے یکتا اور عادل ماننے پر مجبور ہے۔ کیونکہ اپنی توحید پر خود اللہ گواہ ہے۔ (قائماً۔ کلمہ۔ اللہ۔ کا حال ہے) اس مربوط و منظم کائنات کا وجود، عملی گواہی ہے کہ اس کا خالق واحد و یکتا اور نظام عدل کا نگراں ہے۔ اگر دو خدا ہوتے تو کائنات تباہ ہو جاتی۔ اگر اللہ عادل نہ ہوتا تو نظام خلقت میں ہم آہنگی نہ رہتی۔ عقل سلیم و وجدانِ صحیح اس گواہی کو محسوس کرتا ہے۔ خالق کی عملی گواہی کے بعد ملائکہ بھی گواہی دیتے ہیں وہ احکام شریعت و وحی لاتے اور فرمانِ الٰہی کی تعمیل کرکے دوسرے خود ساختہ خداؤں کی نفی کرتے ہیں اور پھر ان دونوں حقیقتوں سے آگاہ انسان "جنھیں اللہ نے علم سے نوازا ہے"۔ یعنی انبیاءؑ، اوصیاءؑ و ائمہ معصومینؑ توحید کے گواہ ہیں۔ صاحبان عقل اور حکمت قرآن سے آگاہ بھی کہتے ہیں "لا الہ الا اللہ" عیسیٰؑ نے کب کہا کہ میری عبادت کرو اور کسی نبی و ولی نے کب کسی غیر خدا کے سامنے گردن جھکائی ان حضرات کی قولی و فعلی گواہی، معجزہ و علم اسرار کائنات کی تائید کے ساتھ ثبوتِ توحید کے لئے کافی ہے۔ وہ واحد بھی ہے اور عادل بھی۔

ملائکہ کے ساتھ "اولوا العلم" کا تذکرہ، علم اور پاک پاکیزہ علماء کے شرف پر دلیل ہے۔

۱۹۔ ان الدین عند اللّٰہ الاسلام ....

دین، جزا، اطاعت۔ حساب۔ شریعت کہ اس میں اطاعت وجزا کا پہلو نمایاں ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں دین کو اسلام کہا گیا ہے۔

"دین" اسلام ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے انبیاء کو قانون عطا کیے۔ ان کا مطلب فقط اللہ کی اطاعت تھا اور آج بھی توحید الٰہی وحدت دین کا ستون ہے، یعنی اللہ عزاسمہ کے حضور تسلیم و عاجزی واطاعت۔ حضرت علی علیہ السلام نے "نہج البلاغہ" میں سمندر کو کوزے میں یوں بند فرمایا ہے، الاسلام ھو التسلیم .....۔ اسلام، تسلیم ہے اور تسلیم سے مراد یقین ہے، یقین نام ہے تصدیق کا اور تصدیق عبارت ہے اقرار سے۔ اقرار کا مطلب ہے ادا، اور ادا کے معنی ہیں عمل (تفسیر البرہان)

اہل کتاب سے امید تھی کہ وہ اسلام کا طریقہ اختیار کریں گے ان کی رفتار و گفتار اطاعت شعاری پر مبنی ہوگی، مگر انھوں نے علم حقیقت توحید وآیات الٰہی کے باوجود ذاتی انا اور باہمی سرکشیوں کی وجہ سے اختلاف ڈالا، جس کا محاسبہ اللہ کے حضور ہوگا۔ دیکھیے یہی سورہ آیت ۸۳ و ۸۵ - النساء آیت ۱۲۵

۲۰۔ فان حاجوک فقل اسلمت وجھی للّٰہ ....

اسلمت وجھی: میں نے اپنا چہرہ اللہ کے سپرد کر دیا، یعنی چشم وگوش وہوش پابند حکم الٰہی کر دیے۔ یا "وجہ" سے مراد "نفس" ہے۔

"اسلمت وجھی للّٰہ" میرا وجود وحقیقت اور میری پیشانی وقف سجدہ اور آنکھیں منتظر اشارۂ فرمان ہیں۔

یہ اہل کتاب، نصرانی اپنی کج بحثی نہ چھوڑیں تو آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ ہم اور ہمارے ساتھی تو سب منہ موڑ کر اللہ سے لو لگا چکے۔ تم اہل کتاب وبے کتاب، مشرک ومکی لوگ اگر اطاعت شعار بنتے ہو تو فائز المرام وہدایت یافتہ ہو اور اگر بات نہیں مانتے تو رسول کی ذمہ داری پیغام پہنچانا اور بات سمجھانا ہے۔ باقی، اللہ جانے اور تم، اس کی نظر میں نیت وعمل، ظاہر وباطن سب کچھ ہے وہ اپنے بندوں کا عمل جانتا ہے اور ہر ایک کو اس کے کیے کا بدلہ دے گا۔

اہل کتاب کے مقابلے میں امی۔ کیا نفیس تعبیر ہے۔ پڑھے لکھے اور آن پڑھ باہر سے آئے ہوئے

یہود و نصاریٰ جو مدعیان علم ہیں اور شہر مکہ " ام القریٰ " کے رہنے والے جو دعوائے علم نہیں کرتے ۔ وہ امی کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ :

بلاشبہ، جو لوگ اللہ کے احکام کا انکار کرتے ہیں ، انبیا کو ناحق قتل کرتے اور ان لوگوں کی جان لے لیتے ہیں جو انصاف کا درس دیتے ہیں ۔ تو انھیں دردناک عذاب کی اطلاع (بشارت) دے دیجئے (۲۱) یہی ہیں جن کے اعمال ، دنیا و آخرت میں ضائع ہوگئے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ۔ (۲۲)

تفسیر

۲۱- انّ الذین یکفرون بآیات اللہ . . . . .

۲۲- اولئٹ الذین حبطت اعمالھم . . . . . .

ان یہود کی تاریخ (سورہ بقرہ میں گزر چکی) اور بنی اسرائیل کی سفاکی یہاں تک پہنچی کہ ایک ایک دن میں ان لوگوں نے کئی کئی نبی اور ان کے جاں نثاروں کو شہید کیا ، اللہ کے احکام نافذ کرنے والوں کے خون بہائے ، اس کے بعد ان کے عمل خود ان کی رسوائی کے علاوہ کیا رہ گئے ۔ بے اساس و بے بنیاد ، کام کی قیمت ہی کیا ، ان کی تو دنیا و آخرت دونوں تباہ ہیں ۔

آج بھی لبنان میں یہ بنی اسرائیل ، علما و صالحین کے قتل اور مومن بستیوں کی تباہی میں جو دلیری دکھا رہے ہیں وہ دلیل ہے کہ اخلاق و عقیدہ نہ ان کے بزرگوں کے پاس تھا نہ ان کے پاس ہے ۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِنْهُمْ وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٥﴾

ترجمہ :

کیا آپ نے ان لوگوں کا مشاہدہ نہیں کیا ، جن کو کتاب (آسمانی) کا تھوڑا حصہ ملا تھا ، انھیں "کتاب اللہ" کی طرف بلایا گیا کہ وہ کتاب ان کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرے ، اس پر ان کے ایک فریق نے منہ پھیر لیا ، در آں حالیکہ وہ سب منحرف لوگ ہیں (۲۳) ان کا یہ رویہ اس بنا پر ہے کہ ان کے بقول ، جہنم کی آگ انھیں گنتی کے دنوں سے زیادہ چھوئے گی بھی تو نہیں ۔ ان کی خود ساختہ باتوں ہی سے تو اپنے دین میں یہ لوگ بہکے ہیں (۲۴) پھر کیا حال ہوگا ، جب ہم ان کو اس دن یکجا کریں گے جس (کے آنے) میں شک کی گنجائش نہیں ہے اور ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان کی حق تلفی نہ ہوگی ۔ (۲۵)

تفسیر:

۲۳۔ الم تر الی الذین اوتوا نصیباً من الکتٰب . . . . .

یہود و نصاریٰ کے رویہ پر سرزنش ہے کہ یہ لوگ تورات و انجیل کا حوالہ دیتے ہیں۔ اس کے بچے کچھے حصے کے علم کا دعویٰ کرتے ہیں۔ انھیں غیر تحریف شدہ حصے کا علم ہے۔ اس کے باوجود جب ان سے اس کتاب کے مطابق فیصلے کرنے کو کہا جاتا ہے اور نبی کریمؐ ان کی غلطیاں دور کرنا چاہتے ہیں تو ایک فریق روگردانی کرتا اور اپنے دعوے سے منحرف ہو جاتا ہے۔ دراصل ان لوگوں نے کچھ غلط عقائد اور بے معنی تصورات قائم کر رکھے ہیں اور خود فریبی کا شکار ہو چکے ہیں۔

بعض روایات کے مطابق ایک شادی شدہ عورت سے زنا کے جرم میں خیبر کے یہودی جھگڑے میں پڑ گئے۔ وہاں کے حاکم نے زانی کو بڑا آدمی ہونے کی بنا پر سنگسار نہ کیا، آخر طے ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاملہ طے کرائیں۔ آنحضرتؐ نے اس وقت کی تورات کے بموجب سنگساری کا حکم دیا۔ لیکن ابن صوریا (ربی) نے اوّل تو تورات کی وہ آیت چھپالی اور جب عبداللہ بن سلام نے اسی کتاب سے وہ آیت پڑھ دی تو ان لوگوں نے بات نہ مانی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"تفسیر نمونہ" میں، تورات سفر لاویان، بیسویں فصل، جملہ نمبر دس نقل کیا ہے، جس میں تحریف کی بنا پر سنگساری کے بجائے یہ درج ہے:

"اگر کوئی آدمی کسی غیر کی بیوی سے زنا کرے (مثلاً) اپنے ہمسائے کی عورت سے زنا کرے تو زانی و زانیہ حتماً قتل کیے جائیں گے۔"

۲۴۔ ذٰلک بانھم قالوا . . . . .

حقائق سے انکار اور نافرمانی کے احساس میں شدت کا سبب ان لوگوں کے من گھڑت تصورات ہیں۔ مثلاً یہ خیال کہ یہود جہنم سے آزاد ہیں اور اگر دوزخ میں گئے بھی تو کچھ دن اذیت رہ کر نکل آئیں گے۔ ایسے عقائد نے انھیں دین سے منحرف کر دیا ہے۔ دین تو قانون کی پابندی کا نام اور جزا و سزا میں انصاف، اللہ کا دستور ہے یہ نہ ہو تو آسمان سے کتابیں اور پیغمبر آنے کا فائدہ کیا ہے۔

۲۵۔ فکیف اذا جمعنٰھم لیوم . . . . .

ایسے لوگ قیامت کے دن اپنے باطل خیالات کی حقیقت دیکھ لیں گے جب ہر ایک کے اعمال کا حساب ہوگا اور ہر عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ لہٰذا اس دن کا انتظام ابھی سے کر لو۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

ترجمہ:

کہئے — اے تمام عالم کے مالک، اللہ! تو ہی جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو ہی جسے چاہے عزت دے اور تو ہی جسے چاہے ذلت دے، ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی قبضے میں ہے — بے شک تو ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے (۲۶) رات کو دن میں داخل کرتا اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو ہی مردہ سے زندہ کو پیدا اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے۔ اور تو ہی جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے (۲۷)

تفسیر:

۲۶۔ قل اللّٰھم مالک الملک . . . .

پیغمبر! اہل کتاب کی سرکشی اور ان کی مشرکین سے دوستی، کفر کی قوت اور مسلمانوں کی موجودہ حالت سے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔

وفد نجران کی پریشانی اور ابوحارثہ ابن علقمہ (رئیس وفد) کا یہ کہنا بے معنی ہے کہ ۔ محمدؐ پر ایمان لائیں تو روم کے بادشاہ جو مالی و اخلاقی امداد و اعزاز سے نوازتے ہیں اس سے محروم ہو جائیں گے۔

مشرک و اہل کتاب، مسلمانوں کے اس یقین پر ہنستے تھے کہ دنیا کی بڑی طاقتیں زیر ہوں گی اور یہ لوگ روم و ایران کے مالک بنیں گے۔

پیغمبر! آپ کہئے ۔ یہ کہنا، جواب ہے ان سوالات کا جو بیان ہوئے، یہ جواب ہے، ان خیالات کا جو کمزور بازو اور طاقت اور عقیدہ و کردار رکھنے والے مسلمانوں کی عزیمت دیکھ کر آئندہ پیدا ہو سکتے ہیں ۔ یہ آیت حمد کے پیرایے میں جواب و تعلیم حکمت قرآن ہے۔

طاقتوں کو نہ دیکھو، اللہ کی پناہ میں رہو، اصل مالک ملک وہی ہے جسے چاہتا ہے عارضی ملک عطا کر دیتا ہے پھر آزماتا ہے کہ وہ شکر گزار ہے یا ناشکرا، وہی ملک و ملکوت پر اقتدار دیتا ہے ۔ انبیاء و اولیاء اسی کی طرف سے قوت و اقتدار حاصل کرتے ہیں ۔

عزت و ذلت فقط اللہ کے قبضے میں ہے، وہ اپنی حکیمانہ مصلحتوں کے مطابق اپنی قدرت مطلقہ کا مظاہرہ فرماتا ہے۔ کسی قوی کو اپنی قوت پر گھمنڈ اور کسی مستضعف کو اپنی حالت پر مایوس نہ ہونا چاہیئے ۔

بنی اسرائیل کو غرور تھا کہ ان کا خاندان ہی نبوت کا وارث ہے تو اللہ نے اولاد اسماعیلؑ میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کیا اور ختم نبوت و قرآن و ائمہ کو اسی گھرانے میں ودیعت کیا

۲۷۔ تولج اللیل فی النھار . . . .

قدرت باری کی عظمت ہے کہ امور تکوینیہ میں رات اور دن کی آمد و رفت، ایک کا دوسرے سے چھوٹا بڑا ہونا، زندگی کی ان سے وابستگی، پھر مردہ زمین کا زندہ اور کافر کے گھر میں مومن کا پیدا ہونا یا اس کے برعکس فقط اللہ کی خالقیت و مالکیت کی دلیل ہے ۔ وہی ہر قسم کی روزی، پوری کائنات کو دے رہا ہے ۔ لہٰذا، وقتی جاہ و جلال، مال و منال پر تکبر کرنا نادانی ہے ۔

توحید ۱۷

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾ یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۚۛ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَبَیْنَهٗۤ اَمَدًۢا بَعِیْدًا ؕ وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

ترجمہ:

مومن، مومن کو چھوڑ کر کافروں کو سرپرست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا۔ اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر اس حالت میں (استثناء ہے) کہ تم ان سے بچاؤ چاہو اور اللہ تم کو اپنے ہی سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (۲۸) آپ کہہ دیں، تم اپنے دلوں کی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو (بہرحال) اللہ اسے جانتا ہے اور وہ (تو) جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اس سے (بھی) باخبر ہے۔ اور اللہ، ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے (۲۹) جس دن ہر شخص سامنے دیکھ لے گا جو بھی اس نے نیکی کی ہوگی یا جو بدی انجام دی ہوگی۔ (اس وقت) وہ آرزو کرے گا، کاش! اس کی بدی اور خود اس کے درمیان دور دراز کا فاصلہ پڑ جائے۔ اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔ اور اللہ، بندوں پر (رؤف) مہربان بھی (۳۰)

تفسیر:

۲۸۔ لا یتخذ المؤمنون الکافرین . . . .

سماجی و فکری و سیاسی اعتبار سے مومن و کافر کی دوستی کا مطلب ہے اسلام کی اساس سے انحراف

کی راہ نکالنا اور صراط مستقیم سے ہٹنا محبت، دوستی، امداد طلبی و سربراہی کی جو حیثیت بھی ہو کافر کا عمل دخل مومن فرد یا معاشرے پر ہونے کا امکان پیدا کرتا ہے اور یہ امکان خطروں کی راہ اور گمراہی تک لے جانے والی بات ہے۔ اس سے احتیاط ضروری ہے — الا ان تتقوا منھم تقٰۃ۔ معاشرتی معاملات میں بسا اوقات الگ تھلگ رہنا ممکن نہیں ہوتا، پھر بین الاقوامی تعلقات میں بھی اسلامی مفادات کا تحفظ ضروری ہے۔ قرآن مجید نے ایسے مقامات کے لئے قانونِ تقیہ وضع کیا ہے۔

تقیہ جسے آیت میں تقٰۃ کی قرأت اور تتقوا (مشتق) کے ذریعہ بطور اصول ذکر کیا ہے۔ تقیہ، موجودہ قانون کی سائنس، انسانی جبلت اور عقلی تقاضوں کے مطابق ہے۔ تقیہ، دفاع کا ایک انداز بھی ہے اور پیش قدمی کا رخ بھی ہے اور مرد مؤمن کو ان مقامات سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ اور بتا دیا ہے کہ جب حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ کی طرح وقت آپڑے تو حفاظت خود اختیاری کے لئے دشمن سے وقتی ہم نوائی کرنے میں تامل نہ کرو۔ بشرطیکہ عقیدہ نہ بدلے اور دین کو ضرر نہ پہنچے۔ تقیہ کو ہمارے بھائی "اکراہ" اور مدارات کا نام دیتے ہیں۔ مولانا محمود حسن و شبیر احمد صاحب نے حواشی قرآن میں لکھا ہے:

"الا ان تتقوا منھم تقٰۃ کو حقیقت موالات نہیں فقط صورت موالات سمجھنا چاہئے، جس کو علم مدارات کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔"

تقیہ۔ سیرت حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ماننے والوں کے انداز تبلیغ و مقابلہ کفار کا مسلم طریقہ کار تھا۔ مکہ مکرمہ میں پوری زندگی تقیہ کی آئینہ دار رہی اور مدینے میں بھی آپ نے قرآن کے اس حکم کو لوگوں تک پہنچایا۔ حدیث وفقہ و سیرت کی کتابوں میں تفصیل و اجمال موجود ہے۔ مکے سے خفیہ ہجرت اور اس کے جزئیات، دشمنوں سے جنگ کا ایک رخ تھا جو تقیہ کے علاوہ کچھ نہیں۔ لیکن یہ اس وقت جب اپنی جان اور اپنا مال بچانے کے لئے تقیہ سے اصل دین کو خطرہ نہ ہو اور اگر دین اور اپنی ذلت کا معاملہ آپڑے تو امام حسینؑ کے ماننے والے شہادت قبول کرتے ہیں مگر یزید جیسوں کی بیعت نہیں کرتے۔ نیز دیکھئے سورۃ النحل آیت/۱۰۶ اور میرا مقالہ مشمولہ "اردو دائرہ معارف اسلامیہ، طبع پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

بعض مفسرین نے نزول آیت کا موقعہ یہ بتایا کہ حاطب ابن بلتعہ نے ایک خفیہ خط کے ذریعہ

کفارِ مکہ کو، ہجرتِ رسولؐ کے منصوبے سے باخبر کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے باشارۂ وحی، حضرت علیؑ کو قاصد کی گرفتاری کے لئے بھیجا، حضرت علیؑ نے ایک عورت سے وہ خط برآمد کر لیا، کچھ عرصے بعد آنحضرتؐ نے اس خط کے بارے میں ایک اجتماع سے سوال کیا، حاطب نے اقرارِ جرم کیا اور حضرتؐ نے تنبیہ فرمائی اور یہ آیت نازل ہوئی۔

۲۹۔ قل ان تخفوا مافی صدورکم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بات نفاق وکذب کی ہو یا تقیہ و مدارات کی، اللہ تو ظاہر و باطن نیت وعمل کے ہر گوشے سے باخبر ہے اس کے حضور زمین وآسمان کی ہر بات عیاں وآشکار ہے وہ قادر ومختار ہے اس لئے مومن کو نیت پاک اور عقیدہ استوار رکھنا چاہیئے ۔

۳۰۔ یوم تجد کل نفس ما عملت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

کافروں سے روابط استوار کرنے والوں کو تنبیہ ہے کہ قیامت کا دن آنے والا ہے وہاں نفاق کام نہیں آئے گا، ہر شخص کا نامۂ اعمال اسے دیا جائے گا مومن ونیک عمل خوش ہوں گے ۔ بدکردار لوگوں کو وحشت ہوگی ۔ وہ سوچیں گے یہ دن دور ہی رہتا تو اچھا تھا ۔ ان حالات وخطرات سے آگاہی کیلئے رحمت وکرمِ خداوندی تمہیں ایک مرتبہ پھر قبل ازوقت ڈراتا اور توبہ وبازگشت کی راہ دکھاتا ہے ابھی وقت ہے کہ اللہ کی رحمت کا سہارا لے لو اور کافروں سے رشتہ توڑ دو ۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۞

ترجمہ: کہہ دیجئے ۔ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری راہ چلو تاکہ اللہ بھی تم سے محبت

کرے

فرمائے اور تمہارے گناہ بخش دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے (۳۱) کہہ دیجئے، تم سب، اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ منہ موڑلیں تو یقیناً اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا (۳۲)

تفسیر

۳۱ - قل ان کنتم تحبّون اللہ فاتّبعونی .....

انسان اپنی آسانی کی خاطر فرار کی راہ تلاش کرنے میں سستی نہیں کرتا ۔ انھیں راہوں میں ایک راہ ہے دعوئے محبت و وصال الٰہی ۔ اب کون کہے کہ آپ خدا سے محبت کرتے ہیں تو دلیل لائیے ۔ لوگ اس سے آگے بڑھ کر یہ کہنے لگے کہ عشق الٰہی کا تقاضہ یہ ہے کہ جو کچھ لیا جائے وہ قرآن ہی سے لیا جائے ، "قرآن کافی ہے ۔ ایسے محقق نما افراد ماضی کی طرح آج بھی ہیں ۔ اللہ عزّ اسمہ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا ۔ اللہ سے سچی محبّت کا تقاضہ اس کی رضا جوئی و قربت کی سعی ہے ۔ امام جعفر صادقؑ نے اس کی تفسیر میں فرمایا : "ما احبّ اللہ من عصاہ" جو اللہ کا نافرمان ہو، اللہ اس سے محبت نہیں کرتا ۔ محبّتِ خدا کا دعویدار اس آیت کی روسے اطاعت خاتم الانبیاءؐ کے بغیر غلط کار ہے ۔ جب محبت خدا میں اطاعت رسول کرے گا تو قرآن ضامن ہے کہ اللہ بھی اس سے محبت کرے گا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

"..... وھل الدّین الّا الحبّ والبغض فی اللہ ، اس فلسفہ محبت کے بعد اسلام "محبّت" کا نام ہے ۔ مگر اللہ کی محبت ، اللہ کی رضا کے لئے محبت ۔

محبت خدا کے ساتھ اطاعت رسول، غفور و رحیم اللہ کی طرف سے بخشش گناہ کی نوید رکھتی ہے ۔

۳۲ - قل اطیعوا اللہ و الرسول ....

یہود و نصاریٰ کی طرح کسی کا یہ دعویٰ ماننے کے قابل نہیں کہ وہ اللہ سے محبت کرتا ہے ۔ جو اللہ سے محبت کرتا ہے اسے اللہ و رسول کی اطاعت کرنا لازم ہے "اطیعوا" اطاعت کرو ایک حکم عام ہے اور اسی کے ساتھ اللہ اور بلا فاصلہ حرف و فعل "الرسول" کا ہونا دلیل وحدت حکم ہے، جو بھی آپ کی اطاعت نہیں کرتا وہ کافر ہے اور اللہ کافر کو پسند نہیں فرماتا ۔

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٣﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٣٤﴾

ترجمہ:

بے شک، اللہ نے آدمؑ، نوحؑ اور آل ابراہیمؑ و آل عمرانؑ کو پورے جہان سے چن لیا ہے (۳۳) وہ اولاد تھے ایک دوسری کی۔ اور اللہ سننے اور علم رکھنے والا ہے (۳۴)

تفسیر:

۳۳- اِن اللہ اصطفیٰ اٰدم . . . . .

مفسرین کے بقول ان آیتوں کا نزول وفد نجران کے ذیل میں ہوا۔ یعنی نصاریٰ کے مذہبی لیڈروں کے خیالات پر گفتگو ان آیتوں کا پس منظر ہے۔

نجران، حجاز و یمن کے درمیان بہتر بستیوں کا علاقہ جہاں کی آبادی عیسائی اور تقریباً ایک لاکھ فوجیوں پر مشتمل تھی۔ تین سرداران کے حکمران – عاقب، جو حاکم و سردار تھا، دوسرا "رسید" جو تمدنی و سیاسی امور کی ذمہ داری رکھتا تھا۔ تیسرا "اسقف" — بشپ تھا۔

فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں نجران سے ایک وفد تینوں سرداروں کے ہمراہ سرور دو عالمؐ کے حضور حاضر ہوا۔ قرآن میں جو کچھ ہے اس سے وفد کی ملاقاتوں میں مذہبی امور پر گفتگو اور اسلام کا موقف عیسائیت کے بارے میں واضح ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ عیسائیان نجران جو کبھی کعبہ ڈھانے اور متقابل بڑا چرچ بنانے کی سوچا کرتے تھے، وہ بڑی شان و شوکت سے تو آئے مگر گردن جھکائے اور صلح پر آمادہ رہے۔

بات آدم و نوح و ابراہیم علیہم السلام سے شروع ہوتی ہے کہ ان پر عیسائی و موسائی بھی متفق ہیں۔ اللہ نے کہا: ہم نے کائنات سے آدمؑ و نوحؑ کو چنا۔ پھر آل ابراہیمؑ اور آل عمرانؑ کا انتخاب کیا

اسی آخری کلمہ پر سورے کا نام آل عمران قرار پایا۔ آدمؑ و نوحؑ پر سب کا اتفاق ہے، ابراہیمؑ کو بھی سب مانتے ہیں تو اسلام ان سب کا پیام ہے۔ ابراہیمؑ کی آل میں اسحاقؑ کو لے کر بنی اسرائیل الگ ہو گئے اور اسماعیلؑ کو چھوڑ گئے پھر عمران کی اولاد میں عیسیٰ ہوئے، قرآن ان کو بھی منتخب و سردار دینی قرار دیتا ہے۔

۳۴۔ ذریۃ بعضہا ۔۔۔۔۔

آل ابراہیمؑ و آل عمران ایک ہی دادا کی اولاد ہیں، بنی اسرائیل یا کسی کو ان کے نہ ماننے کا جواز کیا ہے اسماعیلؑ نے کعبہ بنایا ابراہیم کا ہاتھ بٹایا، ابراہیمؑ نے دعا کی تھی کہ پروردگارا! میری ذریت کو بھی امامت دے، میں نے وعدہ کیا تھا کہ "غیر ظالم" افرادِ ذریت کو منصب دوں گا، یہ محمدؐ اسی ابراہیمؑ و اسماعیلؑ علیہما السلام کی آل ہیں، جیسے عیسیٰ عمران کی آل ہیں۔ یہ خاندانی اعزاز ہم نے بخشا۔ یہ سب ایک ہی دین کے داعی اور ایک ہی راہ کے امام ہیں۔

یاد رہے کہ اسی ضمن میں آل محمدؐ کا انتخاب اور ان کی بڑائی کا مظاہرہ ہونے والا ہے (آیت / ۶۱ و نیز النساء آیت/ ۳۲ و ۳۳)

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ

عِنۡدِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

ترجمہ:

(وہ تاریخ یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے اللہ سے دعا کی: اے رب! میرے پیٹ میں جو (بچہ) ہے اسے میں تیری نذر کرتی ہوں وہ "محرّر" ہوگا، تو، میری نذر قبول فرما! بے شک تو سمیع و علیم ہے ﴿۳۵﴾ پھر جب اسے جنا۔ کہنے لگیں۔ میں نے تو یہ لڑکی جنی ہے! اور اللہ تو خوب جانتا ہے کہ اس نے کیا جنا۔ اور لڑکا، لڑکی جیسا تو نہیں ہوتا۔ اور میں نے اس کا نام "مریم" رکھا۔ اور میں اس کو اور اس کی ذرّیت کو مردود شیطان سے تیری پناہ میں دیتی ہوں ﴿۳۶﴾ تو اس کے پرور دگار نے اسے حسنِ قبول کے ساتھ قبول کرلیا اور اس کی نشو و نما اچھی طرح کی۔ اور زکریا کو (اللہ نے) مریمؑ کا کفیل بنایا۔ جب بھی زکریاؑ اس کے پاس محراب میں آتے (تو) اس کے پاس کھانا موجود پاتے۔ پوچھتے، مریم، تمہارے پاس یہ کہاں سے آتا ہے؟ وہ کہتیں: یہ، اللہ کی طرف سے آتا ہے۔ بے شک، اللہ، جسے چاہے بے حساب روزی دیتا ہے ﴿۳۷﴾

تفسیر:

۳۵۔ اذقالت امرأۃ عمران ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

عورت کا مرتبہ اور فضائل عیسیٰؑ کا بیان دیکھیے، حضرت عمرانؑ کی بیوی (بقول امام صادقؑ حنہؑ) بڑی متقی اور خدا دوست تھیں، زمانۂ حمل میں اولاد کو خدمتِ دین کے لئے وقف کرنے کی آرزو کا انعام پایا کہ قرآن میں تذکرہ آیا اور مسلمان خواتین کو انداز فکر اور اولاد کی مثال سمجھائی گئی۔ زوجۂ عمران نے خدا سے عہد کیا " ان کے شکم میں جو بھی ہے پیدا ہونے کے بعد اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کردیں گی۔

۳۶۔ فلما وضعتھا قالت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ہر عورت کی خواہش کے مطابق حنہ بھی سوچتی ہوں گی "اللہ لڑکا دے گا"۔ خدا کی قدرت — پیدا ہوئی لڑکی، حنہ کو ذرا دھچکا سا لگا۔ مگر نیت نہ بدلی۔ صرف اتنا عرض کیا۔ لڑکا اور لڑکی یکساں نہیں ہوتے

توحید ۲۴

"محرّر" ۔ ہر ذمہ داری سے آزاد مرد جس طرح دین کی خدمت کر سکتا ہے، عورت کہاں کر سکے گی ؟ اس کے باوجود "ام مریم" نے نذر پوری کی ۔ لڑکی کا نام "مریم" رکھا، جس کے معنی ہیں "عابدہ خاتون"۔ پھر دل کی گہرائی سے دعا کی ـــ یا اللہ ! اسے اور اس کے بچوں کو (جب بھی ہوں) شیطان کے شر سے بچانا، اسے معصوم بنانا اس کی اولاد کو عصمت دینا ۔

یہ دعا اور اس میں "ذریّت" کا تذکرہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا یاد دلاتا ہے ۔ اور "اولاد در اولاد" کے معنی معین کرتا ہے ۔ جیسے آل عمران سے بیٹی اور نواسے کے معنی عیاں ہیں ۔

۳۷ ۔ فتقبلها ربها بقبول حسن . . . . . .

حنہ کی نذر قبول ہوئی ۔ اللہ نے مریم کو ہر مرد سے زیادہ محترم خدمت گزار بیت المقدس کے طور پر قبول کیا ۔ اس معصومہ کی پرورش کے لیے قدرت نے اپنے پسندیدہ بندے حضرت زکریا کو منتخب کیا (دیکھئے آیت ۴۴) جناب زکریا نے مریم کے سمجھ دار ہونے پر بیت المقدس کا ایک حجرہ عبادت کے لئے، مخصوص کر دیا ۔

مادر مریم کی فکر بلند کا تذکرہ کرنے کے بعد، حضرت مریمؑ کی زندگی کا ابتدائی دور بیان کرنے کے بجائے صرف مریم کی محبوبیت و تقریب اور اپنے انعام کی یاد دلائی ۔

مریم خدمت بیت المقدس کرتی اور حجرۂ عبادت میں سرگرم یاد خدا رہتی تھیں ، زکریاؑ ، آتے اور رنگا رنگ نعمتیں دیکھ کر دنگ ہو کر پوچھتے تھے، مریم ! یہ کہاں سے آیا ؟ مریم ، جواب میں کہتی تھیں ۔ بے حساب روزی رساں معبود کے یہاں سے آتا ہے یہ جنت کے میوے اور کھانے ہیں اور بے موسم کے پھل ۔

هُنَالِكَ
دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً
طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۞ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ
قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا

بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ﴿۴۰﴾

اس موقع پر زکریاؑ نے اپنے رب سے دعا کی ۔ کہا : پروردگار، مجھے اپنی بارگاہ سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا سننے والا ہے (۳۸) وہ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، جو ملائکہ نے انھیں ندا دی ۔ اللہ، آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے" وہ کلمۃ اللہ" کی تصدیق کرنے والے اور سردار اور جنسی خواہشات سے دور، اور صالحین میں سے نبی ہوگا (۳۹) زکریاؑ نے عرض کیا، پروردگار! میرے یہاں لڑکا کیسے ہوگا ۔ حالانکہ میرا بڑھاپا آپہنچا ہے اور میری زوجہ بانجھ ہے ۔ (اللہ نے) فرمایا : اللہ، اسی طرح جو چاہتا ہے کرتا ہے ۔ (۴۰)

تفسیر :

۳۸ ۔ ھنالک دعا زکریا . . . . .

جناب زکریاؑ نے، خدا کے حضور، مریمؑ کا مرتبہ دیکھ کر اپنی محنت و پرورش کا پھل پایا اور جیسے حضرت ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ کی تکمیل و تجدید کے موقعہ کو قبول دعا کا لمحہ سمجھا تھا ویسے ہی حضرت زکریاؑ نے سوچا جو اللہ، مریمؑ کو بے موسم کے پھل دے رہا ہے وہ مجھ بوڑھے کو اولاد کا میوہ بھی دے سکتا ہے، لہٰذا انہوں نے" ذریت طیبہ" کی دعا کر دی ۔

۳۹ ۔ فنادتہ الملئکۃ وھو قائم . . . .

حضرت زکریاؑ کو عین نماز کی حالت میں نہ صرف فرزند عطا کرنے کی نوید دی گئی بلکہ قبل از ولادت ان کا نام اور سب سے اہم ذمہ داری بتائی گئی یعنی وہ اولوا العزم رسول، عیسیٰؑ کی خبر آمد دیں گے ۔ اعلان رسالت کریں گے تو یحییٰ ان کی تائید کریں گے اور یہ تائید و گواہی معمولی نہیں، ایک قائد، ایک زاہد بے مثال اور

نبی معصوم و صالح کی گواہی ہوگی۔

"یحییٰ" نام کی اہمیت کے لئے اور ان کی ولادت سے حضرت عیسیٰ کا استدلالی ربط سورۂ مریم کے آغاز میں دیکھئے۔ اور "کلمۃ من اللہ" کے معنی حضرت عیسیٰ کے لئے سورۃ النساء کی آیت ۱۷۱ — اور آل عمران کی آیت ۴۴ —

۴۰ - قال ربّ انی یکون لی غلام . . . .

جناب ذکریاؑ نے ایک سوال حل کرانا چاہا۔ بھلا بانجھ عورت اور بوڑھے پھوس کے یہاں بچہ ہو سکتا ہے؟ فزیکلی ناممکن بات ہے۔ اللہ نے جواب دیا۔ آدمؑ کو بے ماں باپ کے پیدا کیا، تمہارا بیٹا عام تجربوں کے برخلاف پیدا ہوگا، یہ تمہید ہے عیسیٰؑ کے وجود پذیر ہونے کی۔ اللہ ہر چیز پر قادر و مختار ہے جو اسے مانتا ہے وہ چون وچرا کیسے کر سکتا ہے۔ یہ سوال وہاں ہو سکتا ہے جہاں قوانینِ طبعیت کی پابندیاں ہوں، وہ تو خالق کل ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝

ترجمہ:

(ذکریا نے) عرض کی: پروردگار! میرے لئے ایک نشانی مقرر کر دے، اللہ نے فرمایا: تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تین دن اشارے کے علاوہ بات نہ کہہ سکوگے۔ اور اپنے رب کا شام اور صبح زیادہ (سے زیادہ) ذکر کرنا۔ (۴۱)

تفسیر

جیسے حضرت ابراہیمؑ نے مردے کو زندہ کرنے کی دعا مانگی تھی کہ اطمینانِ قلب و عین الیقین میں کمال حاصل کریں اسی طرح جناب ذکریاؑ کے دل سے صدا نکلی تاکہ قدرت مطلقہ کا یہ کرشمہ بھی دیکھ لیں۔

یہ کیسے ہوگا کہ قوتِ باہ اور طاقتِ حمل نہ رکھنے والوں کے یہاں بچہ ہو جائے۔ اشارہ ہوا کہ جب تین دن تک تم ذکرِ خدا کے علاوہ کچھ نہ بول سکو گے اس وقت میری آیت و معجزہ نمائی دیکھنا کہ استقرارِ حمل کا یقین ہو جائے گا۔ بس ذکرِ خدا صبح و شام جاری رکھو اس سے اطمینانِ قلب حاصل ہوگا۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ
اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝
يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝
ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ
اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ
اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝

ترجمہ:

اور وہ واقعہ جب ملائکہ نے کہا: اے مریم! اللہ نے تم کو برگزیدہ کیا اور پاک کر دیا اور پوری دنیا کی عورتوں میں سے تم کو منتخب کیا (۴۲) اے مریم! اپنے رب کی اطاعت کرو اور سجدہ بجالاؤ، اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع (۴۳) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تم کو بھیجتے ہیں۔ اور تم ان کے پاس نہ تھے، جب انھوں نے اپنے اپنے قلم (قرعے کے لیے) ڈالے، کہ ان میں سے مریم کی نگہداشت (کفالت) کون کرے، اور نہ تم اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑا کر رہے تھے (۴۴)

تفسیر

۴۲ - واذ قالت الملائکۃ . . . . .

حضرت زکریاؑ کی دعا اور قبولیت کی بات حضرت مریمؑ و مسیحؑ کے اظہارِ شرف کا ایک پہلو

اور واقعات کے منطقی فوائد کے لئے تھی۔ اب مریم سلام اللہ علیہا کے شرف پر ایک اور نظر ہے۔ مریم سے ملائکہ ہم کلام ہوئے، وہ پیغمبر نہیں تھیں، مگر اللہ نے انہیں بیت المقدس کی خدمت کے لئے منتخب فرمایا (یہ بہت بڑا مرتبہ ہے) انھیں ظاہری و باطنی طہارت عطا فرمائی پھر انھیں کلمۃ اللہ" کا ابن اور مسِ بشر کے بغیر روح اللہ کی ماں بننے کا شرف بخشا۔

احادیث فریقین کی روشنی میں سب کا اتفاق ہے کہ اولین و آخرین میں نسوان عالم کی سردار حضرت فاطمہ زہراؑ ہیں اور مریمؑ اپنے عہد کی عورتوں پر برتری رکھتی تھیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل فرمائی ہے: اما مریم کانت سیدۃ نساء زمانہا، اما فاطمۃ فھی سیدۃ نساء العالمین من الاولین والآخرین۔

علامہ اقبال نے مثنوی اسرار و رموز میں کہا:

مریمؑ از یک نسبت عیسیٰؑ عزیز	از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز
نور چشم رحمۃ للعالمین	آن امام اولین و آخرین
بانوے آن تاجدارِ ھل اتیٰ	مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا
مادر آن مرکزِ پرکارِ عشق!	مادرِ آں کارواں سالارِ عشق
آں یکی شمعِ شبستانِ حرم	حافظ جمعیتِ خیر الامم
واں دگر مولائے ابرارِ جہاں	قوت بازوئے احرارِ جہاں

۴۳۔ یامریم اقنتی لربک . . . . .

ملائکہ نے انتخاب و طہارت و اصطفا کی خبر دینے کے ساتھ یہ بھی کہا کہ طبقہ نسواں میں وحی و اصطفا و طہارت کا مرتبۂ بلند ملنے پر عبادت میں سرگرمی بڑھتی رہنا چاہیئے۔ قیام و سجود و رکوع کے آداب بجا لاتی رہو رکوع کے معنی نماز بھی مراد لئے گئے ہیں اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنے کا مطلب ہے کہ جیسے رکوع کرنے والے رکوع کرتے ہیں، اسی طرح تم بھی سجدہ ریز و رکوع گزار رہو۔

۴۴۔ ذالک من انباء الغیب نوحیہ . . . . . .

حضرت مریم بطور نذر قبول ہو چکیں، تو آل عمران کے اس اعزاز میں حصہ لینے کے لئے، خاندان اور بیت المقدس کے عہدیداروں میں یہ بحث شدت پکڑ گئی کہ مریم کی پرورش کون کرے؟ جب کوئی

فیصلہ نہ ہو سکا تو بات قرعہ پر ٹھہری اور رسم کے مطابق ہر ایک نے ایک ایک قلم پانی میں ڈالا، حضرت زکریاؑ کا قلم نہ ڈوبا تو وہی کفیل مریم قرار پائے۔ حضرت زکریاؑ نبی معصوم اور حضرت مریم کے خالو تھے۔ اس طرح گھر کا شرف گھر ہی میں رہا۔

واقعات کا یہ سلسلہ اس وقت ہوا جب حضرت رسالت مآبؐ تشریف نہ رکھتے تھے، اس بنا پر یہ بیان اور اس کی لطافت و پاکیزگی و ہدایت آفرینی وحی کا ثبوت اور نبوت ختم الرسلؐ کا معجزہ ہے۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ قَالَ كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ ۝ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝

ترجمہ:

اس وقت کو یاد کرو جب ملائکہ نے کہا: اے مریم! اللہ تم کو اپنے ایک "کلمہ" کی بشارت دیتا ہے۔ اس کا نام ہے "مسیح عیسیٰ ابن مریم" دنیا و آخرت میں آبرومند اور مقربین الٰہی میں ہوگا اور لوگوں سے گہوارے میں اور بڑی عمر پاکر (بھی) گفتگو کرے گا اور صالحین میں ہوگا۔ (۴۶) مریم نے عرض کی: میرے بچہ کہاں سے ہو جائے گا۔ حالانکہ مجھے کسی مرد نے چھوا تک نہیں۔ فرمایا: اللہ جسے چاہتا ہے یونہی پیدا کر دیتا ہے۔ جب وہ معاملے کو طے کر دے تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ فرما دے "ہو" اور وہ ہو جائے (۴۷) اور اللہ اس کو کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کا علم دے گا۔ (۴۸) اور بنی اسرائیل کا رسول قرار دے گا۔ میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس معجزے کے ساتھ آیا ہوں۔ میں تمہارے سامنے گندھی مٹی سے جانور کی شکل بناتا پھر اس میں دم کرتا ہوں پھر وہ اللہ کے حکم سے اڑنے لگے گا۔ اور میں مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا اور مردے کو زندہ کر دوں گا، اللہ کے حکم سے اور میں تمہیں جو کھایا ہے اور جو گھروں میں جمع کیا ہے وہ بتا دوں گا۔ اس میں تمہارے لیے دلیل ہے اگر تم ایمان قبول کرتے ہو (۴۹) اور تصدیق (تائید) کرتا ہوں جو میرے سامنے ہے۔ تورات۔ اور (میرے آنے کا سبب یہ ہے کہ) میں (حکم خدا سے) حلال کر دوں بعض ایسی چیزیں جو تم پر حرام کی گئی ہیں اور میں تمہارے سامنے تمہارے رب کی نشانی لے کر آیا ہوں لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو (۵۰) بے شک اللہ، میرا رب ہے

اور تمہارا بھی (وہی) رب ہے تو اسی کی عبادت کرو۔ یہ ہے صراط مستقیم (۵۱)

تفسیر :

۴۵۔ اذقالت الملائکۃ . . . . . .

فرشتوں نے مریمؑ کو بشارت فرزند دی، مگر قرآن کی عظمت دیکھئے کہ اس نے کرامت مریمؑ کے لئے فرزند کی جگہ "کلمۃٍ منہ" کہا ہے۔ "مسیح عیسیٰؑ" کلمۃ اللہ ہیں، تکوینی طور پر کہ "کن فیکون" سے بغیر پدر خلق ہوئے۔ یا حاملِ کلام اللہ ہونے کی بنا پر۔ یا، ان کا وجود وظہور کتب سابقہ کی بشارتوں کا مظہر تھا اس کے بعد عیسیٰؑ ابن مریم ہیں انھیں "ابن اللہ" کہنا کس قدر غلط اور آبرو مندو مقربِ خدا عیسیٰ کی کتنی بڑی توہین ہے ؟

۴۶۔ ویکلم الناس فی المھد . . . . .

وہ پختہ عمر تک پہنچیں گے۔ ان کی دعوت کا آغاز، گہوارے سے ہوگا اور بڑھاپے تک وہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہیں گے۔

۴۷۔ قالت ربّ انّی یکون لی غلام . . . .

نظامِ تخلیق بشر بظاہر تو زن و مرد کے ذریعہ ہی قائم ہے۔ اسی لیے لوگوں کو شبہ ہوگا۔ بن باپ کے بچہ کیسے ؟ مولانا فرمان علی کہتے ہیں کہ "میں اس حیرت میں ہوں کہ خود ماں باپ دونوں سے مل کر کیوں کر پیدا ہوئے۔ اگر وہ (نیچری و نصاریٰ) کہیں کہ دونوں نطفوں کا مل جانا پیدائش کا سبب ہے، تو آخر سیکڑوں ہزاروں نطفے روزانہ بیکار کیوں جاتے ہیں ؟ انسان، جب جماع کرے تو نطفہ کیوں منعقد نہیں ہوتا اور سیکڑوں بے اولاد کیوں رہ جاتے ہیں۔ آخر اس میں اثر کس نے دیا کہ کہیں ہوا کہیں نہ ہوا" اور اس سے بڑھ کر سات آیتوں سے پہلے بے قوتِ باہ اور بانجھ عورت کی بات ہوچکی، اللہ نے اسباب منقطع ہونے کے بعد اپنی قدرت کا مظاہرہ کیا۔ یوں ہی اگر مریم کو مرد نے نہ چھوا تو کیا ہوا ؟ ہماری قدرت کا ایک مظہر یہ بھی دیکھ لو۔

تخلیق عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اسلام کے اس موقف کا مقابلہ عیسائی داستانوں سے کر کے دیکھ لو۔

۴۸۔ ویعلمہ الکتاب والحکمۃ ....

مریم سے خطاب اور قوموں کو اطلاع ہے۔ عیسیٰؑ کو اللہ، کتاب وحکمت، تورات وانجیل کا علم دے کر بھیجے گا۔ یعنی یہی نہیں کہ وہ بے باپ کے پیدا ہوں گے، بلکہ وہ جھولے میں بات کریں گے، عالم کتب وحکمت الٰہیہ بن کر دنیا میں آئیں گے (دیکھئے سورۂ مریم) اللہ جسے چاہتا ہے کمال عطا کرتا ہے۔

۴۹۔ ورسولاً الیٰ بنی اسرائیل .....

وہ اسرائیلیوں کے رسول ہوں گے، وہ اپنی رسالت کے ثبوت میں تقاضائے زمانہ کے مطابق معجزے دکھائیں گے: بحکم خدا مٹی کا پرندہ بناکر، دم کرکے قوتِ پرواز بخشیں گے۔ مادرزاد نابینا اور برص جس کا علاج لوگ نہ کرسکیں گے اسے ہاتھ سے مس کرکے بینا و حسین بنادیں گے۔ مردے کو زندہ کر دکھائیں گے۔ وہ تمہارے اندر باہر کی بات بتائیں گے۔ مگر دیکھنا ہے کہ ایمان کون لاتا ہے۔

۵۰۔ ومصدقاً لما بین یدیّ ......

عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام انھیں سمجھائیں گے، تم لوگ یہ دیکھو میں آسمانی کتاب کی تائید کر رہا ہوں، اللہ کے حلال وحرام پہنچا رہا ہوں، اس کے بعد کہتا ہوں کہ تقویٰ اختیار کرو۔ اور میری تعلیمات کے پابند رہو۔

۵۱۔ انّ اللہ ربّی وربکم ......

سورۂ فاتحہ کے چار بنیادی نکتے ایک آیت میں آگئے، یہ معجزہ ہے۔ حضرت عیسیٰؑ "صراطِ مستقیم" کے داعی تھے لہٰذا ان کا پیام یہ تھا کہ "اللہ" ہمارا تمہارا رب ہے، صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت ہی صراطِ مستقیم ہے۔ بھلا بتاؤ، عیسیٰؑ نے اپنی ابنیت کا دعویٰ کہاں کیا اور اپنی عبادت کی دعوت کب دی۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ
اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ

وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾

ترجمہ:

پھر جب عیسیٰؑ نے ان لوگوں کا کفر معلوم کر لیا، تو کہا: اللہ کی راہ میں میرا مددگار کون ہے؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ اور ہم اللہ پر ایمان لائے۔ اور آپ گواہ رہیں کہ ہم فرماں بردار (مسلمان) ہیں (۵۲) اے ہمارے رب! جو بھی تو نے نازل کیا ہم اس پر ایمان لائے اور رسول کی پیروی کی تو ہمیں (حق کے) گواہوں کے ساتھ لکھ لینا (۵۳) اور ان یہودیوں نے ایک منصوبہ بنایا پھر اللہ نے بھی منصوبہ بنایا اور اللہ بہترین مدبر ہے (۵۴)

تفسیر:

۵۲۔ فلما احس عیسیٰؑ ....

حضرت عیسیٰ کو بنی اسرائیل کے انکار سے بڑھ کر کفر کا تعین ہو گیا اور ان کو حق کے مٹانے پر کمربستہ دیکھ لیا، تو مخلص و جاں باز ساتھیوں کی تلاش شروع کی۔ آخر انھیں "انصار اللہ" کی ایک چھوٹی سی جماعت مل گئی۔ قرآن نے انھیں "حواری" کہا ہے۔ حواریوں نے اللہ سے وعدہ کیا اور حضرت عیسیٰؑ کو اپنے ایمان و تائید کا تعین دلا دیا، روح اللہ علیہ السلام نے اس مختصر سی جماعت کو اپنے پیغام کا امین بنا کر عزت بخشی۔

۵۳۔ ربنا آمنا بما انزلت....

انہوں نے اللہ سے عہد میں کہا کہ ہم تورات کے بعد انجیل کو مانتے ہیں، عیسیٰؑ رسول کی پیروی کرتے ہیں، ہم حق کے گواہ اور کفر بنی اسرائیل کے شاہد ہیں۔ لہٰذا ہمارا نام ان لوگوں کی فہرست میں درج فرما، جو تیری بارگاہ میں "شاہد" کے نام سے معزز ہیں۔

۵۴ ۔ ومکروا ومکر اللہ . . . .

مکر : صَرفُ الغَیرِ عَمّا یَقصِدُہٗ ، یعنی کسی کو اس کے مقصد سے روکنے کی کوشش ۔

حضرت روح اللہ نے احکام الٰہی کی تبلیغ کے ساتھ رسولِ آخر الزمان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی ۔ معجزے دکھائے نرمی کا بے مثال سلوک کیا مگر یہودی نے ان کو طرح طرح کے دکھ دیئے ان کے خلاف منصوبے بنائے ۔ آخر جان کے درپے ہوئے ، اللہ نے سب منصوبے خاک میں ملا دیئے ۔

یہودیوں نے انھیں قتل کرنا چاہا ۔ اللہ نے انھیں آسمان پر اٹھا لیا ۔ یہودی فلک کے درپے تھے اللہ نے انھیں بقا عطا کی ، اب وہ قربِ قیامت آسمان سے اتریں گے ، دینِ محمدی کی تصدیق کریں گے اور حضرتِ ولی عصرؑ کے پیچھے نماز ادا کریں گے ۔ یہ ہے یہودیوں کے مکر و منصوبے کا جواب ۔ نجران کے نصرانیوں ، یہ ہے ہمارا پاک عقیدہ ۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ

وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ

ترجمہ:

وہ دن یاد کرو۔ جب اللہ نے فرمایا، اے عیسیٰ میں تمھیں لے لوں گا اور اپنی طرف اٹھالوں گا اور کافر لوگوں سے پاک کردوں گا۔ اور تمہارے پیروؤں کو کافروں پر قیامت تک برتر قرار دوں گا۔ پھر تم سب کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ تب جو بھی تمھارے درمیان اختلاف ہوں گے ان کا فیصلہ کروں گا (۵۵) تو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کو اللہ سخت ترین عذاب کرے گا دنیا و آخرت (دونوں) میں اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا (۵۶) اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کرتے رہے ان کو (اللہ) پورا اجر و ثواب دے گا اور اللہ بے انصاف لوگوں کو پسند نہیں کرتا (۵۷) یہ جو ہم تمہارے لیئے بیان کررہے ہیں حق کی نشانیاں اور حکیمانہ یاد دہانی ہے (۵۸)

تفسیر:۔

۵۵۔ اذ قال اللّٰہ یا عیسیٰ ....

حیاتِ مسیح

مُتَوَفِّیْ: واپس لینے والا۔ لفیف مفروق ہے اور باب تفعّل سے ہے۔ توفّی کے معنیٰ ہیں، تمام و کمال لے لینا۔ استیفا۔ " فامسکوھن فی البیوت حتیٰ یتوفّاھن الموت .... " (النساء/۱۵) ان عورتوں کو گھروں میں روکے رہو، یہاں تک موت انھیں اٹھالے۔ فلمّا توفّیتنی کنت انت الرقیب علیھم " (مائدہ/۱۱۷) پھر جب تو مجھے اٹھائے گا تو تو ہی ان کا نگہبان ہوگا۔" وھو الّذی یتوفّاکم باللیل .... (انعام/۶۰) وہی ہے جو تم کو گرفت میں لے لیتا ہے رات کو۔ سورۃ النساء میں توفّی کی خبر "رفعہ اللّٰہ" کی لفظوں میں دے کر مزید توضیح فرمادی ہے۔

یہودیوں کی عادت تھی کہ انبیاء سے لڑتے اور انھیں قتل کرتے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی انہوں نے ایسا ہی منصوبہ بنایا، اللہ نے انھیں رسوا کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کو اطمینان دلایا اور سب کو اطلاع دی کہ ہم عیسیٰؑ کے دشمنوں کی تدبیر ناکام بنا دیں گے عیسیٰؑ کو زندہ اٹھالیں گے اور اپنی بارگاہ میں قیامت تک زندہ رکھیں گے اور تمہارے پیرو کاروں (کل کے مسیحی اور آج کے مسلمان) ان کو یہودیوں پر برتری دیں گے قیامت تک۔ قیامت سے پہلے زمین پر جاؤ گے پھر آخری بازگشت میرے حضور میں ہوگی وہاں سب ہوں گے اور حق و باطل کی نزاع ہم فیصل کریں گے۔ دیکھیے النساء، آیت ایک سو ستاون، اٹھاون، نیز ہماری کتاب "آخری تاجدار امت"

۵۶ - فاما الذین کفروا فاعذبهم .....

کافروں کو دنیا و آخرت میں سخت سزا ملے گی اور ان کی مدد و سفارش کرنے والا کوئی نہیں ہوگا جو نبی کا منکر ہوگا وہ شفاعت سے محروم رہے گا۔

۵۷ - واما الذین امنوا وعملوا الصالحات ....

ظالم و بے انصاف لوگ مجرم ہیں اور اللہ عادل ہے۔ اس لیے صحیح العقیدہ اور صحیح العمل لوگوں کے صلے اور بدلے میں کمی کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔

۵۸ - ذالك نتلوه علیك ......

انبیاء کے یہ واقعات اور ہدایت کے یہ نکات، قرآن حکیم کی برحق آیتیں ہیں ان کا مقصد اہل کتاب کی غلط کہانیوں کی تردید اور انبیاء پر افترا پردازیوں کے پردے چاک کرکے حقائق سے آگاہ کرنا ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ
خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ
فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝

ترجمہ:

بے شک، عیسیٰؑ کی مثال اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسے آدم کی مثال، اسے مٹی سے خلق کیا، پھر کہا "ہو جاؤ" وہ ہو گیا (۵۹) حق (بات) تمہارے رب کی

طرف سے (بتائی جاتی) ہے تو شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔ (۶۰)

تفسیر :-

۵۹۔ انّ مثل عیسیٰ عند الله . . . . .

عیسیٰؑ کے بارے میں گہوارے میں بات کرنا مسلّم ہے۔ انھوں نے اللہ کا بندہ، رسول خدا اور صاحب کتاب ہونے کا دعویٰ کیا رب نے مانا عیسیٰ، بندے تھے، مگر مردے کو حکم خدا سے زندہ کرتے تھے؟ مٹی کی چڑیا بنا کر اس میں پھونکتے تھے وہ مٹی کا کھلونا پرندہ بن کر اڑتا تھا؟ زکریاؑ کی عاجزی اور ان کی اہلیہ کے بانجھ ہونے کے باوجود، یحییٰ پیدا ہوئے؟ ان باتوں کو مانتے ہو۔ مگر عیسیٰ" بن باپ کے پیدا ہوئے، یہ نہیں مانتے، تو اپنے جد آدم کو دیکھو، پس جیسے اللہ نے ان کو پیدا کیا اسی طرح اپنی قدرت کاملہ سے عیسیٰ کو پیدا کر دیا، ایک کو مٹی سے بنایا دوسرے کو شکم مادر میں خلق کیا۔ دونوں میں اس نے اپنی قدرت کا مظاہرہ فرمایا۔ اس میں نہ ماننے کی بات کیا ہے۔

۶۰۔ الحق من ربّک فلا تکن . . . . .

من گڑھت افسانے جھوٹے ہیں اور اللہ کی وحی سچی ہے اسی پر یقین رکھنا چاہئے اور شک سے دور رہنا ضروری ہے ورنہ بات کفر و الحاد تک پہنچے گی اور انکار خدا کی بات انسانیت کے خلاف اور بندگی کے منافی ہے۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ
مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ وَ
نِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ
فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾

ترجمہ:

جب آپ کے پاس اس بارے میں علم (استدلال صحیح) آچکا، تو اس کے بعد بھی اگر کوئی آپ سے حجت کرے تو کہدیجئے، آؤ، ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے لائیں، تم اپنے بیٹوں کو، ہم اپنی عورتوں کو تم اپنی عورتوں کو ہم اپنی جانیں تم اپنی جانیں۔ پھر التجا کریں (اللہ سے) اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں (٦١)

تفسیر: آیۂ مباہلہ کی خصوصیت:

آیۂ مباہلہ، دو زاویوں سے قابل غور ہے ۱۔ بہت دنوں سے آئے ہوئے عیسائی رہنماؤں کی آخری بحث کا عملی و فیصلہ کن جواب ہونے کی بنا پر ۲۔ پنجتن پاک کی دینی عظمت اور ان کی عصمت و سرداری امت کی جہت سے۔

مباہلہ: حضرت روح اللہؑ کے پرستار، دینی زعماء اور نجرانی لیڈر بہت عرصے سے اسلامی تعلیمات و عقائد پر وحی کی زبان سے اپنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حقائق سن رہے تھے اس مدت میں وہ اپنے خیالات کی صحت ثابت نہ کر سکے۔ ان کا زور اسی پر رہا کہ "عیسیٰ" ابن اللہ ہیں۔ انھیں دلائل دیئے کہ تمہارا خیال غلط ہے۔ مگر وہ نہ مانتے۔ اس بحث میں ایک مدت گذر گئی۔ رسول اللہؐ انسان دوستی اور تبلیغ کے جذبے کی بنا پر اس کا حل چاہتے تھے اور اس کا سب سے اچھا موقع یہی تھا، نجران کے پادریوں اور عیسائیوں کی مکمل نمایندگی کرنے والوں کا وفد بات مان جاتا تو قصہ تمام تھا۔ حکم خدا ہوا کہ اچھا، بس جتنے دلائل تمہیں دیئے جا چکے وہ کافی ہیں اگر یہ لوگ نہ مانیں تو میدان میں نکل کر گڑگڑا کر دونوں فریق دعا مانگیں کہ جو حق پر ہو اللہ اسے فتح دے اور جو بھی جھوٹے ہوں اللہ ان پر لعنت نازل کرے۔ اس اجتماع میں بگل، ناقوس، چرچ کے آدمی یا ایرے غیرے نہ ہوں، دونوں مدعی اپنے جگر کے ٹکڑے، اپنے دین کے محافظ، اور صدق و صفا، روحانیت

توحید ۱۰

دعصمت کے مجسمے لے آئیں - بیٹے اور عورتیں ۔ اور جانیں۔

صحیح مسلم و مسند احمد ابن حنبل جیسے بیسیوں محدثین اور طبری و کشاف جیسے درجنوں مفسرین نے لکھا ہے۔ بالفاظ شیخ الھند محمود حسن و علامہ شبیر احمد عثمانی : " وفدِ نجران نے مہلت لی، کہ ہم آپس میں مشورہ کر کے جواب دیں گے آخر مجلس مشاورت میں ان کے ہوشمند[1] تجربہ کار ، ذمہ داروں نے کہا کہ لے گروہ نصاریٰ! تم یقینا دلوں میں سمجھ چکے ہو کہ محمدؐ، نبی مرسل ہیں کہ اللہ نے بنی اسماعیلؑ میں نبی بھیجنے کا وعدہ کیا تھا ، کچھ بعید نہیں یہ وہی نبی ہوں ۔بس ایک نبی سے مباہلہ و ملاعنہ کرنے کا نتیجہ کسی قوم کے حق میں یہی نکل سکتا ہے کہ ان کا کوئی چھوٹا بڑا ہلاکت یا عذاب الٰہی سے نہ بچے اور پیغمبر کی لعنت کا اثر نسلوں تک پہنچ کر رہے ، بہتر یہی ہے کہ ہم ان سے صلح کر کے اپنی بستیوں کی طرف روانہ ہو جائیں ۔ کیونکہ سارے عرب سے لڑائی مول لینے کی طاقت ہم میں نہیں ۔ یہی تجویز پاس کر کے حضورؐ کی خدمت میں پہنچے ۔

شرکاءِ مباہلہ: پنجتن پاک[2] :

آپؐ حضرتِ حسنؓ، حسینؓ ، فاطمہؓ و علی، رضی اللہ عنہم کو ساتھ لیے باہر تشریف لا رہے تھے ، یہ نورانی صورتیں دیکھ کر ان کے لاٹ پادری نے کہا کہ میں ایسے پاک چہرے دیکھ رہا ہوں جن کی دعا پہاڑوں کو ان کی جگہ سے سرکا سکتی ہے ۔ ان سے مباہلہ کر کے ہلاک نہ ہو ۔ ورنہ ایک نصرانی زمین پر باقی نہ رہے گا ۔ آخر انھوں نے مقابلہ چھوڑ کر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا ، اور صلح کر کے واپس چلے گئے ۔حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مباہلہ کرتے تو وادی آگ بن کر ان پر برستی اور خدا تعالیٰ نجران کا بالکل استیصال کر دیتا ۔ ایک سال کے اندر اندر تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے ۔" (قرآن مجید، عکسی مترجم و محشی ، شیخ الھند مولانا محمود حسن و علامہ شبیر احمد عثمانی ۔ طبع نور محمد ۔ کراچی ، ۱۹۶۴ء)

نجاشی کے دربار اور مباہلے میں مماثلت ۔

عصمت و صدیقیت و حجیّت اہل بیت پر اس سے جو استدلال ہوتا ہے ۔ وہ اپنی جگہ مسلّم ہے وہاں

---

[1] برسوی نے روح البیان میں اس ہوشمند کا نام "عبد المسیح" بتایا ہے۔

[2] روح البیان میں ہے، حسینؓ کو گود میں لیے حسنؓ کا ہاتھ تھامے فاطمہؓ آنحضرت کے اور علیؓ فاطمہؓ کے پیچھے و ہو یقول اذا انا دعوت فامّنوا " اسقف نجران (یعنی اپنے علوم میں سب سے بڑے عالم) ابوحارثہ نے کہا . . . . .

حبشہ میں حضرت جعفر ابن ابی طالبؑ کی فتح اور نجاشی کا زبانِ جعفرؑ سے سورۂ مریم سن کر اسلام لانے اور یہاں نجران کی فتح اور چرچ کے بڑے سربراہ کا ان کی حقانیت کے اقرار میں مماثلت قابل توجہ ہے۔

عیسٰی روح اللہ کو ماننے والے جس قسم کے عرفانی و روحانی تصورات رکھتے تھے اصحاب کساءؑ میں تصور حقیقت بن کر مجسم نہ ہوتے تو صاحبان کلیسا کبھی نہ جھکتے۔

تبلیغ دین کی بڑی مہم میں عورت کا حصہ

خواتین کا اسلام میں کتنا حصہ اور دین میں عورت کی حیثیت کے لیے حضرت مریمؑ کے واقعات اور حضرت فاطمۃ زہرا سلام اللہ علیہا کا مباہلے میں مردوں کے ساتھ آنا فتح اسلام میں برابر کی شراکت نہیں تو اور کیا ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ
الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾

ترجمہ:

یقیناً، یہ سب سچے واقعات ہیں۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ ہی غالب وصاحب حکمت ہے (۶۲) پھر اگر وہ لوگ منہ پھیریں تو اللہ فسادیوں کو خوب جانتا ہے (۶۳)

تفسیر:

۶۲۔ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ....

عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو قصے گڑھے پھر انھیں خدا کا بیٹا یا خدا بنایا قرآن مجید ان کی تردید کرتا اور واقعات و حقائق کو اصل صورت میں پیش کرتا ہے اور اللہ چونکہ عزیز وحکیم ہے۔ لہذا وہی یہ کر سکتا تھا۔ ورنہ پروپیگنڈہ حقیقت کو مسخ کر چکا تھا۔ اور نئے معبود بنائے جا چکے تھے۔

۶۳۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ ......

دلیل قدرت و وحدانیت واصل واقعہ معلوم ہونے یا مباہلے کے چیلنج کے بعد اگر لوگ حق کو پھر نہ مانیں
تو سمجھ لو کہ جو یائے حق ہونے کے بجائے فسادی ہیں یہ لوگ، ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

قُلْ

يَآ أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ
أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا
أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا
مُسْلِمُونَ ۝

ترجمہ :

کہہ دیجئے، اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہم میں تم میں برابر (نقطۂ اشتراک) ہے کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی پرستش نہ کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ اور اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب نہ مانیں۔ پھر اگر وہ روگرداں رہیں تو تم کہہ دو، گواہ رہنا ہم مسلمان (اللہ ہی کے فرماں بردار) ہیں (۶۴)

تفسیر :

اہل کتاب آؤ ہم تم اتحاد کرلیں، تم بھی آسمانی کتاب کو مانتے ہو ہم بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں، تم بھی عقیدۂ توحید کے مدعی ہو تو بس اسی عقیدہ پر متفق ہو جائیں غیر اللہ کی پرستش چھوڑ دیں، عزیز و مسیح، ربّی اور پوپ کو فرزند خدا اور رب نہ مانیں۔ آنحضرت ؐ کی یہ دعوتِ اتحاد عام تھی اور مصر کے مقوقس یا روم کے قیصر کو جو خط لکھے ان میں بھی اللہ کا یہ پیغام لکھا تھا۔ اس سیاسی و دینی پیش کش سے نصرانیت بہت متاثر ہوئی۔ لیکن ان کے مفسد، اسقف اور مذہبی ٹھیکے دار لے نہ مانے۔ قرآن نے اعلان کیا کہ اگر یہ اصول نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مسلمان، اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کے فرمان بردار ہیں۔

پھر ہمارے تمہارے درمیان اتحاد نہیں ہوسکتا۔

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِىٓ إِبْرَٰهِيمَ وَمَآ أُنزِلَتِ ٱلتَّوْرَىٰةُ وَٱلْإِنجِيلُ إِلَّا مِنۢ بَعْدِهِۦٓ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٥﴾ هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ حَٰجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ إِبْرَٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾

ترجمہ:

اے اہل کتاب! ابراہیمؑ کے بارے میں بحث کیوں کرتے ہو، تورات و انجیل تو ان کے بعد نازل ہوئی، کیا تم عقل استعمال ہی نہیں کرتے (۶۵) تم وہی تو ہو کہ جس کا علم تھا اس میں جھگڑ چکے۔ اب اس بات میں کیوں بحث کرتے ہو جس سے تم واقف نہیں ہو اور (حقائق) اللہ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے (۶۶) ابراہیمؑ یہودی یا نصرانی نہیں تھے۔ وہ "حنیف" و "مسلم" خالص حق پرست اور بندۂ فرماں بردار تھے، اور مشرکوں سے بھی نہ تھے (۶۷)

تفسیر:

۶۵۔ یا اھل الکتٰب لم تحاجّون ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حجاز کے ہر معاشرے میں، خصوصاً یہود و نصاریٰ میں بہت محترم تھے، دونوں انھیں اپنے اپنے مذہب کا پرستار بتاتے تھے۔ اسلام نے اس کا جواب دیا کہ یہودا کے ماننے والے یہودی اور مسیح کے ماننے والے نصرانی کہنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ یہ سب بعد کے جھگڑے ہیں ابراہیم کے زمانے میں نہ تورات تھی نہ اہل تورات، نہ انجیل تھی نہ اہل انجیل۔ البتہ، اسلام چونکہ توحید خالص اور اللہ کے حضور سپردگی

کامل کا داعی ہے اس لئے خلیل اللہ کو "مسلم حنیف" کہنا صحیح ہے۔ انھوں نے کب شرک کیا؟ وہ نمرود کو رب ماننے کے لئے کبھی تیار نہ ہوئے، انھوں نے بتوں کو توڑا۔ ان کا تم مشرکوں سے تعلق ہی کیا۔

۶۶ - ھاانتم ھؤلاء، حاججتم . . . . . .

ھآانتم. ھؤلاء ہاں ہاں تم لوگ۔ یہ تنبیہ براہ راست تمہیں ہے، اسلاف کی بدکاریوں کی وجہ سے نہیں خود تمہارے کرتوت قابل نفرت ہیں۔

تم جانتے ہو کہ عیسیٰؑ نبی تھے، الوہیت کا دعویٰ انھوں نے نہیں کیا، پھر بھی بحثیں کر رہے ہو۔ تو دعوتِ ابراہیمؑ پر گفتگو کا تمہیں کیا حق ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ ابراہیم موحد تھے۔ خواہ مخواہ اپنی جہالت کا مقابلہ وحی الٰہی اور علم حقیقی سے کر رہے ہو۔ . . .

۶۷ - ما کان ابراھیم یہودیا . . . .

اللہ کے حضور میں ابراہیم علیہ السلام کا مرتبہ باطل کی راہیں چھوڑ کر راہ حق پر چلنے اور سراپا اطاعت و سپردگی پر فائز نبی کا مرتبہ ہے۔ تعمیر بیت اللہ کے لئے مہاجرت، بیٹے کی قربانی، بت شکنی، نمرود کی طاغوتیت سے کا انکار دیکھو اور یہود و نصاریٰ کی تاریخ پر نظر ڈالو، بھلا تم دونوں کا ابراہیم سے کیا رابطہ رہ جاتا۔

اِنَّ اَوۡلَی النَّاسِ بِاِبۡرٰھِیۡمَ لَلَّذِیۡنَ
اتَّبَعُوۡہُ وَھٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَاللّٰہُ وَلِیُّ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۶۸﴾

ترجمہ:

یقیناً، ابراہیمؑ سے زیادہ خصوصیت ان لوگوں کو تھی جو ان کی پیروی کرتے تھے، پھر یہ تعلق اس نبی (خاتمؐ) اور مومنوں کو حاصل ہے۔ اور اللہ مومنوں کا ولی ہے ﴿۶۸﴾

تفسیر:

ابراہیم علیہ السلام کے نام لیوا تو سب ہی ہیں مگر ان سے حقیقی رابطہ ان لوگوں کا مانا جائے گا جو ان کے تعلیمات و نصب العین کے پیرو کار رہے ہوں، تو ان میں اولیت تو خود ان کے دور میں ان کی امت کو حاصل ہے پھر نبی آخر الزمانؐ اور مومنوں کو، جو اسی طرح توحید کے علم بردار اور خانۂ کعبہ کے خدمت گذار اور ان کی

دعا کا نتیجہ ہیں۔ یہ لوگ وارثِ خلیل اللہ ہیں اور اللہ ان کا مولیٰ ہے۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٩﴾ يَآ اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿٧٠﴾ يَآ اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٧١﴾

ترجمہ:

اہل کتاب کے ایک گروہ کی تمنا ہے کہ تمھیں منحرف کردیں، حالانکہ وہ اپنے تئیں ہی گمراہ کر رہے ہیں مگر وہ (اس حقیقت کا) شعور نہیں رکھتے (۶۹) اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا انکار کیوں کرتے ہو، حالانکہ تم (ان کے) قائل ہو (۷۰) اے اہل کتاب! تم حق کو باطل میں کیوں ملاتے اور حق کو چھپاتے ہو! حالانکہ (اصل حقیقت) جانتے ہو (۷۱)

تفسیر:

۶۹۔ ودت طآئفۃ من ....

آج کی طرح ماضی بعید میں بھی یہودی اور عیسائی مسلمانوں کو فکری اور عملی راہ اسلام سے بھٹکانا چاہتے تھے، لیکن جو مسلمان اللہ کی ولایتِ مطلقہ کے معتقد ہیں وہ ان کے پھندوں میں نہیں پھنستے۔ لیکن ان دشمنوں کو شعور نہیں۔ نیز دیکھیے سورۃ النساء آیت ۱۱۳۔

۷۰۔ یاأهل الکتاب لم تکفرون ....

یہود و نصاریٰ، وحی کے قائل ہونے کے بعد آیات کے منکر اور دلائل آسمانی کو جانتے بوجھتے قبول نہیں کرتے، کتنی حیرت خیز بات ہے۔ خود دھوکے میں ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں؟

۷۱۔ یاأهل الکتاب لم تلبسون الحق ....

توراۃ و انجیل کے ماننے والے حق و صداقت جاننے کے باوجود حقائق بیان کرتے ہوئے

مغالطے پیدا کرنے اور حق کو چھپانے کے عادی ہیں اس لئے ان کی بات ناقابل اعتبار ہے ۔

وَقَالَتْ
طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝
وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى
اللّٰهِ ۙ اَنْ یُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ
رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ
وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِیْمِ ۝

ترجمہ :

اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا مسلمانوں پر جو (دین) اترا ہے اس پر صبح ایمان لاؤ (اعلان اسلام کرو) اور دن کے آخر میں (اعلانیہ) انکار کر دو ۔ ہو سکتا ہے وہ (مسلمان) لوگ بھی پلٹ جائیں ۝۷۲ اور جو تمہارے دین کی پیروی کرے اس کے علاوہ کسی کی بات نہ مانو (ایمان نہ لاؤ) ۔ آپ کہہ دیں ۔" کہ ہدایت فقط اللہ کی ہدایت ہے ۔ (اور یہ دشمنی اس لیے ہے کہ) جیسا تم کو ملا ہے کسی اور کو کیوں مل گیا ، یا وہ (مسلمان) تمہارے رب کے حضور ، تم پر کیوں غالب ہوئے ۔ آپ کہہ دیں ، فضل (و کرم) اللہ کے ہاتھ ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ صاحب وسعت و علم ہے ۝۷۳
وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے اور اللہ ، بڑے فضل کا مالک ہے ۔ ۝۷۴

تفسیر:

۷۲۔ وقالت طائفۃ من اھل الکتٰب ......

بارہ یہودیوں نے پروگرام بنایا۔ چلو صبح کو اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کریں۔ اس سے مسلمان خوش ہوں گے اور عام لوگوں کی توجہ ادھر مڑے گی، جب ہر طرف یہ چرچا پھیل جائے تو آٹھ دس گھنٹے بعد مشہور کر دیں کہ ہم سب اپنے دین پر واپس آ گئے، کیونکہ اسلام کو قریب سے دیکھا تو اس میں کوئی سچائی نظر نہ آئی۔ اس طرح ممکن ہے کہ مسلمان ہماری طرف لوٹ آئیں اور اسلام چھوڑ دیں۔

اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نام نہاد اہل کتاب کی اس حرکت سے باخبر کر کے مسلمانوں کو سمجھایا کہ یہ قوم مکمل طور پر فریب کار بن چکی ہے ان کی باتوں پر بھروسہ نہ کرنا۔

۷۳۔ ولا تؤمنوا الا لمن تبع ......

یہود نے جان بوجھ کر اپنے معلومات کو چھپانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں سے تاکید کرتے ہیں کہ خبردار تمہاری کتابوں میں رسول اسلامؐ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس پر اپنے معلومات کا اظہار نہ کر دینا، اگر اس کا اظہار کرنا بھی ہو تو آپس میں قابل اعتبار یہودی سے اظہار کرنا تاکہ مسلمان اس سے فائدہ نہ اٹھائیں، ہرگز یہ نہ کہنا کہ کسی پر حضرت موسیٰؑ جیسی شریعت اور تورات جیسی کتاب نازل ہو سکتی ہے۔ اور کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکالنا جس سے وہ خدا کے سامنے تم پر اتمام حجت کر سکیں۔ (دیکھئے سورۂ البقرہ آیت ۷۶ و ۷۷)

پیغمبر! آپ پہلی بات کے جواب میں کہہ دیجئے اور مسلمان اسے سمجھ لیں کہ ہدایت ان کے اشاروں کی پابند نہیں ہے۔ ہدایت تو اللہ ہی دیتا ہے۔ اور دوسری بات یہ کہیے کہ بزرگی و فضل کا مالک اللہ ہے۔ اللہ کی قدرت کا پھیلاؤ اور اس کے علم کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

۷۴۔ یختص برحمتہ ...

اللہ نے حضرت موسیٰ کو نبوت و کتاب سے نوازا تو اب اسے کون روک سکتا ہے کہ وہ عیسیٰؑ کو رسالت نہ عطا کرے۔ وہ اس کے بعد اگر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمۃ للعالمین و خاتم النبیین بنا دے تو اسے حق ہے۔ وہ اپنی رحمت سے جسے چاہے خاص کر لے۔

آج کے اہل کتاب بھی یہی کام کر رہے ہیں، مسلمانوں کو دین سے منحرف کرنے کی خاطر نئے

ثقافتی، سائنسی، نفسیاتی اور تاریخی فلسفے گڑھ کر اسلام و پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بدظن کرنے اور اپنا اقتدار قائم رکھنے کی سعی پیہم میں مصروف ہیں۔

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

ترجمہ: کچھ اہل کتاب ایسے ہیں کہ ان کے پاس دولت کا انبار امانت رکھو تو وہ واپس کر دیں۔ اور کچھ ایسے ہیں اگر ان کے پاس ایک دینار امانت رکھ دو تو اس وقت تک نہ ادا کریں۔ جب تک ان کے سر پر کھڑے نہ رہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا قول ہے کہ ہم امی لوگوں کے بارے میں جواب دہ نہیں۔ حالانکہ وہ لوگ جان بوجھ کر اللہ پر بہتان باندھتے ہیں (۷۵) ہاں جو شخص اپنا عہد پورا کرے اور پرہیزگار رہے، تو اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔ (۷۶) بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑے

سے معاوضے پر بیچتے ہیں ۔ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور اللہ ان سے بات نہ کرے گا نہ قیامت کے دن ان پر نظر (رحمت) کرے گا، نہ ان کو بری (پاک) کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے (۷۷)

تفسیر :

۷۵ ۔ من اهل الکتب من ان تأمنه . . . .

اہل کتاب کہے جانے والوں کا کردار یہ ہے ۔

۱۔ امانت دار اور روپے پیسے کے معاملے میں کھرے، جو چیز انھیں امانت دو وہ اسی طرح واپس کر دیتے ہیں ۔

۲۔ بدنیت و بدمعاملہ ۔

فکری رویہ جس سے ان کی رفتار بگڑتی ہے وہ ہے :

" امی لوگ کچھ نہیں جو کچھ ہیں ہم ہیں " اُمیّوں " کو اہل کتاب سے کسی مطالبہ کا حق نہیں ۔ گویا اہل کتاب آقا اور سب غلام ہیں ۔

اہل کتاب جان بوجھ کر اللہ کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے ہیں ۔

۷۶ ۔ بلیٰ من اوفیٰ بعهده . . . . .

اللہ عزّ اسمہ نے عہد کی پابندی اور پرہیزگاری کو پسند کیا ہے ۔ تقوے پر زور دیا اور متقی کو عزت بخشی ہے ۔

۷۷ ۔ انّ الّذین یشترون بعهد الله . . . . .

عہد شکنی بدترین صفت ہے جو لوگ عہد الٰہی کو سبک جانتے اور اپنی قسم و حلف کو چند ٹکوں پر بیچتے ہیں وہ قیامت کے دن رحمت خدا سے محروم ہوں گے ۔ دردناک عذاب ان کا مقدر ہے ۔ (دیکھیے بقرہ/۱۷۴)

امانت و وفا اچھے آدمی اور منضبط نظام اور معقول انسانی معاشرے کے لئے انتہائی ضروری صفات ہیں ۔ ہمارے نبی معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبل بعثت اسی کردار کی تبلیغ فرمائی ۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے تو یہاں تک فرمایا : علیکم باداء الامانات فوالذی بعث محمداً بالحق نبیاً لو ان قاتل ابی حسین بن علی ابن ابی طالبؑ ائتمنی علی السیف الذی قتله به

لادیتہ الیہ (امالی صدوق) یعنی ادائے امانت کے پابند رہو۔ قسم اس خدا کی جس نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی برحق مبعوث فرمایا، اگر میرے والد کا قاتل وہ تلوار مجھے امانت میں دیتا جس سے حضرت کو شہید کیا تھا جب بھی میں اسے واپس کر دیتا۔

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾

ترجمہ:

ان میں کچھ لوگ زبان یوں گھماتے (ایسا لہجہ بناتے) ہیں کہ تم سمجھو جیسے کتاب الٰہی کا حصہ ہے۔ حالانکہ وہ کتاب کا جزو نہیں۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں، کہ اللہ کی طرف سے ہے باوجودیکہ، اللہ کی طرف سے وہ نہیں ہے اور وہ لوگ اللہ پر جان بوجھ کر بہتان باندھتے ہیں (۷۸)

تفسیر:

یہ اہل کتاب پیسوں کی خاطر آیتیں اور تفسیریں بدل ڈالتے ہیں۔

عبرانی کی تحریر کچھ ایسی تھی کہ لہجہ بدلنے سے معنی کچھ سے کچھ ہو جاتے تھے، پھر نیک نیت لوگوں کے سامنے اپنے طور پر زبان کو یوں موڑتے اور توراۃ و انجیل سے ملتے جلتے آہنگ میں یوں بڑبڑاتے کہ لوگ اسے آسمانی کلام سمجھنے لگتے تھے۔ پھر اس کی شرح میں اللہ کا حوالہ دیتے تھے۔ آج بھی کم و بیش ان لوگوں کا حال یہی ہے۔ نہ کوئی کتاب قطعی ہے نہ ان کا مفہوم قطعی ہے۔

مگر مذہبی رہنما جب چاہتے ہیں آسمانی خداوند پر بہتان طرازی سے کام چلاتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشن گوئی سے احکام تک ہر مرحلے میں ان کی بدنیتی ایک طرح رہی ۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ
الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا
لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ
الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ۝ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ
تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ
إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝

ترجمہ :

یہ تو کسی بشر کو زیب نہیں دیتا کہ اللہ تو اسے کتاب و حکم و نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے عبادت گذار بنو۔ وہ تو یہی کہتا کہ تم اللہ والے بنو۔ اسی طرح تم کتاب کو پڑھاتے اور یونہی خود بھی تو ہمیشہ پڑھتے رہے ہو (۷۹) اور نہ وہ یہ حکم دے گا کہ ملائکہ اور انبیا کو رب بنالو۔ کیا وہ تمھیں کفر کی دعوت دے گا جب کہ تم مسلمان ہو چکے (۸۰)

تفسیر :

۷۹۔ ماکان لبشران یوتیہ .....

پیغمبر معلم انسانیت اور مربی دیانت ہوتے ہیں ان کو نعمت کتاب۔ معارف الٰہیہ و فلسفہ شریعت اور نبوت سے نوازا گیا۔ وہ اسی دائرے میں رہتے اور فرد و معاشرے کو اسی مقصد سے تربیت دیتے ہیں۔ وہ لوگوں کو اپنا بندہ اور خود معبود بننے کا رویہ کیسے اپنا سکتے ہیں لہٰذا اناجیل میں جہاں جہاں ایسی بات ہے وہ انبیا کی تعلیم اور وحی خدا کے برخلاف لوگوں کی لکھی ہوئی ہے اور کتاب خدا میں تحریف

کی گئی ہے۔

آیت سے یہ فلسفہ بھی معلوم ہوا کہ نظام تعلیم میں استاد کو مقصد تعلیم کچھ پیش نظر رکھنا چاہیے اور وہ ہے عقیدہ توحید اور استاد کو اپنی ذات کی نمود و نمائش سے بچنا چاہیے۔

شان نزول

نجرانی وفد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خواہش کی کہ وہ عام لوگوں کو سلام کرنے کے طریقے سے آپ کو سلام نہ کریں۔ بلکہ سجدہ کرنے کی اجازت دیں، آنحضرتؐ نے فرمایا: غیر خدا کو سجدہ جائز نہیں، میرا احترام میرے احکام کی پیروی میں مضمر ہے۔

۸۰۔ ولا یامرکم ان تتخذوا الملائکۃ ....

اپنی پرستش تو کیا، کسی نبی نے ملک، یا کسی پیغمبر کو "رب" ماننے کی بات نہیں کی۔ وہ توحید کے داعی اور اللہ کے حضور سپردگی کی تعلیم دینے کے بعد کفر کی طرف کیسے بلا سکتے ہیں صابئی جو فرشتوں کو رب مانتے اور یہودی جو "عزیر" کو رب کا درجہ دیتے اور عیسائی جو حضرت عیسیٰؑ کو خدا مانتے ہیں جھوٹے ہیں یحییٰ، عزیر اور عیسیٰ علیہم السلام کی ذات ان اتہامات سے پاک ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے ان آیات کی عملی تفسیر یوں فرمائی۔

انبار (عراق) کے زمیندار امیر المومنینؑ کی خدمت میں آن کر زمین بوس ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ تم نے یہ کیا کیا؟ انھوں نے عرض کی: اپنے حکام کے لئے ہمارا یہ پرانا دستور ہے: حضرت نے فرمایا: خدا قسم! تمہارے سربراہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے، ہاں تم نے اپنی جان پر ایک وبال لے لیا پھر آخرت میں مبتلائے مشقت ہوگے۔ مشقت بھی ایسی جس کا نتیجہ عذاب ہے کس قدر نقصان رساں ہے اور وہ آرام و آزادی کس قدر نفع بخش ہے جس کا نتیجہ دوزخ سے امان ہو۔ نہج البلاغہ کلمہ نمبر ۳۷

اسلام نے غیر اللہ کی بندگی پر سختی سے ممانعت کرنے کے بعد صفات خدا سے متصف معصوم انسانوں کو اور فوق البشر قوت رکھنے والے فرشتوں کی اطاعت و محبت، عزت و احترام پر نظر رکھی اور سخت تنبیہ کی، خبردار ان کے احترامات فراواں کے باوجود انھیں رب، اِن و مسجود و معبود نہ ماننا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب معصوم کی حد یہ ہے تو سلطان و حکمران ظالم و بے دین کے لئے اسلام کا رویہ کیا ہوگا۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۞ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۞

ترجمہ:

اور جب اللہ نے پیغمبروں سے اقرار (میثاق) لیا کہ ہم تم کو جو کتاب و حکمت دیں، اس کے بعد تمہارے پاس کوئی رسول آئے اور اس کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہو۔ تو (یاد رکھو) اس پر ضرور ایمان لانا اور اس کی ضرور مدد کرنا۔ اللہ نے فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا؟ اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا؟ سب نے عرض کی: ہم نے اقرار کیا، ارشاد فرمایا، تو اب تم گواہ رہو، اور تمہارے ساتھ میں بھی گواہ ہوں (۸۱) اب اس کے بعد جو بھی پھر جائے، تو وہی لوگ نافرمان ہیں (۸۲)

تفسیر:

۸۱ - واذ اخذ اللہ میثاق النبیین .....

معصوم پیغمبروں پر اہل کتاب کے اتہام رد کرتے ہوئے قرآن سمجھاتا ہے کہ سب انبیاء ایک راہ اور ایک دعوت لے کر آئے، اللہ نے ان سے اور پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں سے میثاق لیا کہ جو کتاب (وحی و قانون) تمہارے پاس ہو، جب دوسرا رسول اللہ کی طرف سے

آئے اور گذشتہ وحی و شریعت کی تصدیق کر کے اسی طریقے کو آگے بڑھائے تو اس رسول کی تصدیق کرنا، مدد و تقویتِ دعوت میں غفلت کو راہ نہ دینا، یہ عہد مستحکم تمام انبیاء نے اپنے اپنے عہد میں دہرایا اور امتوں کو ان کا پابند کیا، اس سے اس قول و اقرار کا اقرار لیا۔ نبی امتوں کے گواہ اور اللہ بھی ان سب کا گواہ بنا۔ اس کے بعد انفرادیت و الوہیت کا سوال کہاں سے آیا سب کی دعوت ایک سب کی تعلیم ایک سب آدمیت کے عروج کے داعی، ہر پہلے نے بعد والے کی بشارت دی۔ بشارتوں کا یہ سلسلہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تمام ہوا۔ تورات وانجیل میں آج بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ دیکھئے بائبل، اعمال رسل، باب ۳ آیت ۲۱ کہ حضور "میثاقِ انبیا" کی شہ سرخی، اور سلسلہ مرسلین میں اول مخلوق نوری اور آخری نبی بشریت میں وہ آدمؑ سے پہلے پیدا ہوئے۔ اور ان کی زمین پر تشریف آوری کے بعد نبوت کا مقصد پورا ہوگیا یہی روایاتِ اہل بیت کا خلاصہ ہے اور اسی بنا پر میثاق کا مصداقِ اول محمدؐ و آل محمدؐ ہیں۔ نیز دیکھئے النساء آیت ۱۷۳۔

۸۲۔ فمن تولیٰ بعد ذٰلك ....

میثاقِ الٰہی سے روگرداں قوم، توحیدِ الٰہی، وحدتِ تعلیم انبیاء سے منحرف لوگ، فاسق اور حکم الٰہی کے نافرمان قرار پائیں گے، کسی دور کے لوگ ہوں اور کسی قوم کے فرد۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۞ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَاۤ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۞ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ

يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٨٥﴾

ترجمہ:

کیا دین اللہ کے علاوہ کچھ چاہتے ہیں؟ حالانکہ گردن جھکائے ہوئے ہے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، خوشی یا ناخوشی سے اور اسی کی طرف سب پلٹ کر جانے والے ہیں۔ (۸۳) آپ کہہ دیجئے، ہم اللہ، اور جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اس پر ایمان لاچکے اور اس پر بھی لائے جو نازل ہوا، ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ اسباطؑ پر اور جو تعلیم عطا ہوئی موسیٰ و عیسیٰ اور دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب طرف سے، ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے اور ہم تو اللہ ہی کے سامنے گردن جھکائے ہوئے ہیں (۸۴) اور جو بھی اسلام کے سوا کوئی اور دین ڈھونڈے گا تو وہ دین اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں کی صف میں ہوگا (۸۵)

تفسیر:

۸۳۔ افغیر دین اللّٰہ یبغون ....

کہتے ہیں کہ حرث ابن سوید بن صامت نے مسلمان ہوکر، محذر ابن زیاد کو قتل کردیا اور سزا کے ڈر سے مرتد ہوگیا، اس کے بعد پشیمان ہوکر اپنے ساتھیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کرنے کی تاکید لکھی اور پوچھا کہ اس کی توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ اس بارے میں آیات ۸۲ تا ۸۹ کا نزول ہوا۔ ان میں عمومی کلیات اور دائمی ہدایات ہیں۔

اللہ کا پسندیدہ دین تو ایک ہی ہے اور وہ ہے اسلام، احکام و عبادت الٰہی کے لئے سرخم رکھنے کا آئین۔ اس دین کو چھوڑ کر نجات ممکن نہیں۔ بندے کو خدا کی پسند سے منحرف ہونے کا حق کیا ہے؟ پھر اللہ کا حکم تو پوری کائنات پر ہے۔ اس کے تکوینی احکام کوئی خوشی سے مانے۔ یا اظہار خوشی و ناخوشی نہ کرے اور ناچار ہو جیسے ذرات سے سیارات تک سب اس کی مشیت

کے تابع ہیں۔ انسان عاقل وہ ہے جو حکم تشریعی کو بھی حکم تکوینی کی طرح قبول کرے ورنہ جانا تو سب کو اسی کے حضور میں ہے اور وہاں جزا بھی ہے سزا بھی۔ دیکھئے البقرہ

۸۴۔ قل اٰمنا باللہ وما انزل ....

اہل کتاب عہد الٰہی سے پھر گئے تو نبی آخر الزمان علیہ السلام تجدید عہد کی دعوت دینے آئے ان کا پیام ہے اللہ اور قرآن پر ایمان لا کر "میثاق" کی پابندی کرو۔ انبیاء سابقین جو تعلیمات جو صحیفے اور کتابیں لائے ان پر اعتقاد رکھو۔ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ، اسحاقؑ و یعقوبؑ، پھر ان کی اولاد جو نبی یا وصی نبی ہوئی۔ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ علیہم السلام میں باعتبار دعوت کوئی فرق نہ تھا اس لیے فرقہ بندیاں چھوڑ کر رب اللہ کے حضور سر تسلیم خم کر کے "مسلمان" ہو جائیں۔ اور ہم تو بہر حال مسلمان ہیں۔ دیکھیے سورۃ البقرہ آیت ۱۳۳

۸۵۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا ......

حقیقی اسلام اور الٰہی راستہ اور انسانی فلاح، صرف پیروی حضرت خاتم الانبیاء روحی لہ الفداء میں ہے۔ اس راہ سے ذرہ برابر ادھر اُدھر ہوئے اور زندگی کی متاع عزیز ہاتھ سے کھوئی۔ دنیا میں رسوا اور آخرت میں خالی ہاتھ رہنا ہوگا۔

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ

ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

ترجمہ:

اللہ، ان لوگوں کی ہدایت کیوں کرے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔ حالانکہ وہ حقانیتِ رسول کی گواہی دے چکے تھے۔ اور ان کے پاس واضح دلائل تھے۔ اور اللہ ظالم وہٹ دھرم لوگوں کی ہدایت نہیں کرے گا (۸۶) ان کی سزا، ان پر اللہ، ملائکہ اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔ (۸۷) وہ لوگ ہمیشہ اسی حالت میں رہیں گے، ان کے عذاب میں کمی نہ ہوگی۔ نہ انھیں مہلت دی جائے گی (۸۸) ہاں، جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کی اور خرابی دور کر لی، تو یقیناً اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (۸۹)

تفسیر:

۸۶ - کیف یھدی اللہ قوماً ....

اہلِ کتاب جن کو رسولِ خدا ؐ کی سچائی معلوم ہے اور مسلمان ہو جانے والے جنھیں ہدایت مل چکی، رسول کو مان چکے، یہ لوگ دوبارہ اسلام چھوڑ دیں اور مرتد ہو جائیں تو ان کی ہدایت کا مسئلہ باقی نہیں رہتا یہ اصول وآئین سے بغاوت کا مسئلہ ہے - آئین وقانون سے ناواقف منکر اور جاننے ماننے والے شخص کا انکار برابر نہیں، ارتداد: آئین ماننے کے بعد انحراف ہے اور ایسے باغیوں کو ڈھیل دینا، آئینی، قانونی، انتظامی اور سیاسی طور سے غلط ہے۔ یہ لوگ استحقاقِ ہدایت سے محروم ہو چکے۔

۸۷ - اولئک جزاؤھم ....

منحرف از رسول ؐ وقرآن وشریعت کی ایک سزا تو ہے کہ اللہ، رسول اور ملائکہ نیز مسلمان بلکہ تمام آدم زاد ایسے گمراہوں پر لعنت کرتے ہیں۔ یعنی منحرفین پر دعاءِ دوری از رحمت سنتِ الٰہی۔ عملِ ملائکہ اور دستورِ اہلِ اسلام ہے۔ اور سزا کا ایک طریقہ ہے۔

توحید ۱۸

۸۸ ۔ خالدین فیھا لا یخفف عنھم ....

اسلامی تعلیمات سے جان بوجھ کر انحراف کرنے والوں کی یہ سزا (لعنت) دائمی ہے ان کی رحمت سے دوری دوامی ہے۔ ان کی سزا میں تخفیف نہ ہوگی اور دوبارہ دنیا میں جاکر تلافی کا حق نہ ملے گا۔

۸۹۔ الا الذین تابوا من بعد ....

غلط فہمی و کج اندیشی کی وجہ سے ترک اسلام اور احساس غلطی کے بعد دوبارہ واپسی کی اجازت تو ہے بہ شرطیکہ وہ توبہ کرلے پھر اسے پرکھا جائے گا آیا، واقعتاً فکری و عملی طور پر وہ مسلمان ہو چکے ہیں یا ابھی شک و انحراف باقی ہے، اطمینانِ رجوع کے بعد اس کو مسلمان مان لیا جائے گا۔

مرتد دو قسم کے ہیں:

مرتد فطری: مسلمان ماں باپ کی اولاد ہو، خود بھی مسلمان ہو، پھر کافر ہو جائے۔

مرتد ملّی: غیر مسلم ماں باپ کی اولاد ہو، اسلام لائے پھر کافر ہو جائے۔

قانونِ اسلام میں مرتد ملّی سے رعایت کی گئی ہے، وہ سچے دل سے توبہ کرلے۔ اصلاحِ احوال ہو جائے تو سزا معاف ہو سکتی ہے۔

مرتد فطری کا جرم ناقابل معافی ہے، یہ معاشرۂ اسلامی کا ناسور ہے، اسے قتل کیا جائے گا۔ اس کی ملکیت میراث کے طور پر تقسیم ہوگی۔ اس کی بیوی اس سے الگ ہو جائے گی۔ خواہ قتل ہو یا نہ ہو۔ ارتداد کی سزا لئے قتل سے عورت مستثنیٰ ہے۔

یہ حکم سائنس آف لا، اور دنیا بھر کے با اصول قانون و معاشرتی اصولوں کے مطابق، عقلی و الٰہی قانون و حکم ہے۔ یہی داخلی افراتفری کا علاج اور انارکی کا حل ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا

بَعْدَ اِیْمَانِہِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُہُمْ وَاُولٰٓئِکَ
ہُمُ الضَّآلُّوْنَ ۝

ترجمہ:

جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے پھر کفر میں اضافہ کرتے گئے
ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی۔ یہی لوگ گمراہ ہیں (۹۰)

تفسیر:

ایسے افراد جو اسلام کو حق جان کر مسلمان ہوئے، پھر منکر ہو کر زندگی بھر اسلام کے
خلاف پروپیگنڈا کرتے رہے۔ مرنے لگے تو معافی و توبہ پر اتر آئے۔ ان کی بات ناقابل اعتبار اور
توبہ نامنظور ہے۔ ان کا نام مستقل گمراہوں میں رہے گا۔ اعاذنا اللہ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَہُمْ کُفَّارٌ
فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِہِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَہَبًا وَّلَوِ افْتَدٰی بِہٖ
اُولٰٓئِکَ لَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَہُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۝

ترجمہ:

جو لوگ کفر اختیار کر چکے اور حالتِ کفر میں مر گئے، تو اگر ان کی طرف سے کوئی
دامن زمین بھر سونا بھی فدیے میں دے تو ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ ایسے ہی

لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان لوگوں کا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا (۹۱)

تفسیر:

اللہ، عادل ہے اس نے قانون بنایا اور سزا و جزا اپنے ہاتھ میں رکھی۔ جو شخص منکرِ خدا، منکر قانونِ جزا و سزا رہا ہے اور پوری زندگی اپنے خالق اور اس کے قانون کا قائل نہ ہوا، تو دنیا بھر کی دولت دے کر، بڑے بڑے خیراتی کام کر کے وہ خود یا اس کا کوئی ہمدرد اسے عذاب سے نہیں بچا سکے گا وہاں امداد و رشوت و کفّارہ کا سوال ہی نہیں ہو سکتا۔ نیز سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۳۶ و ۳۷۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ

فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ:

کمالِ نیکی ہرگز حاصل نہ کر سکو گے جب تک اپنی محبوب چیزوں میں سے کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور تم جو کچھ خرچ کرو گے اللہ اس کا علم رکھتا ہے۔

تفسیر:

اللہ اور رسولؐ سے بغاوت کے بعد، دنیا جہان کی دولت اس لئے لٹانا کہ عذاب سے بچ جائیں گے، بے عقلی کی بات ہے۔

ہاں "انفاق" اللہ کو پسند ہے۔ خوشنودیٔ خدا کے لیے، قانونِ اسلام کے مطابق، راہِ خدا میں خرچ کرنا (انفاق) کارِ خیر ہے، اور خیر کے درجے ہیں، اصلِ خیر بِر ہے اور "بِر" یا نیکی کا واقعی بدلہ اور انعام اس وقت ملے گا جب اپنی کوئی پیاری چیز راہِ خدا میں دی جائے اور دل کو خوشی ہو۔ مزید دیکھئے البقرہ/۱۷۷ — الدھر/۸ و ۹

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ

قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْھَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

ترجمہ:

بنی اسرائیل پر کھانے کی سب چیزیں حلال تھیں، ان چیزوں کے علاوہ جو اسرائیل (یعقوبؑ) نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں، تورات نازل ہونے سے پہلے. کہہ دیجیے، تورات لاؤ، اسے پڑھو، اگر سچے ہو (۹۳) اس کے بعد جو بھی اللہ پر بہتان باندھے تو وہی لوگ (ہٹ دھرم) ظالم ہیں (۹۴) کہہ دیجئے! اللہ نے سچ فرمایا ہے: تو، باطل سے کترا کر چلنے والے ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو اور وہ مشرک نہ تھے (۹۵)

تفسیر:

۹۳۔ کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا ....

اسلام نے ملت ابراہیمؑ کو مرکز اتحاد قرار دیا تو اہل کتاب پریشان ہو گئے یہود جو تحریف میں استاد تھے، آگے بڑھے اور کہا بھلا تم ابراہیمؑ کے ماننے والے کیسے بن گئے۔ فلاں فلاں چیز۔۔۔ (اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ) تو شریعت میں حرام ہے، تم مسلمان اسے کیوں حلال سمجھتے ہو؟ قرآن نے جواب دیا، یہود غلط کہتے ہیں، سب چیزیں حلال تھیں، یعقوبؑ نبی نے بطور خود ایک آدھ چیز کھانے سے پرہیز کیا تھا، اور وہ نزولِ تورات سے پہلے کی بات ہے اور اگر یہ سچے ہیں تو سب کے سامنے تورات کے احکام حلال و حرام پڑھ کر سنائیں۔ یہود اس کا جواب نہ دے سکے۔

تورات ؟

مکی آیتوں میں خاص تورات کو فرقان وضیا کے نام سے یاد کیا گیا ہے (الانبیا/۴۸) سورۂ قصص میں بصائر و ھدیٰ و رحمت کا لقب ملا ہے (آیت ۴۳) ، الاسرا/۲ ، الاعراف/۱۴۵ مگر مدنی آیات میں اصل نام اور کی شرعی حیثیت کا حوالہ آیا ہے ۔ جیسے مذکورہ آیت اور مائدہ کی ۴۳/ ، نیز اعراف کی آیت ۱۵۷ ۔ یہ تورات ، چالیس دنوں میں بصورت الواح حضرت کلیم اللہؑ پر اتری ، اس وقت آپ بنی اسرائیل کو فرعون سے بچا کر جزیرہ نمائے سینا سے گزرتے ہوئے کوہ طور پر ٹھہرے تھے (طٰہٰ/۸) موجودہ تورات وہی ہے؟ یا بدلی ہوئی حالت میں ہے ؟ قرآن مجید سے اس بارے میں یہ روشنی ملتی ہے ۔

الف ۔ رسول اللہؐ کے زمانے میں تورات کا ایک ایسا حصہ موجود تھا جس میں حلال چیزوں کا تذکرہ تھا ۔

ب ۔ سورۂ مائدہ کی بیالیسویں اور تینتالیسویں آیت میں مذکور ہے کہ تورات میں اللہ کے قطعی حکم ہیں ، انہیں کو احبار بیان کرنے کے پابند ہیں ۔

ج ۔ الاعراف ، آیت ایک سو ستاون میں ہے :

جو لوگ نبیِ اُمّی کی بات مانتے ہیں وہ آپ کی باتوں کو تورات کے مطابق پاتے ہیں ۔

د ۔ سورۂ مائدہ کی بعض آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت نزولِ قرآن تورات کے کچھ اصل حصے باقی اور کچھ غائب ہو چکے تھے یا ان میں تحریف راہ پا گئی تھی ۔ **فبما نقضھم میثاقھم** . . . . ان کی عہد شکنی کے نتیجے میں اللہ نے ان پر لعنت کی ان کے دل سخت کر دیے ، وہ کلمات کو اپنی جگہ سے ہٹانے لگے ۔ اور وہ حصہ بھول گئے جسے انھیں یاد رکھنے کو کہا گیا تھا اور تم ان کی خیانت کاری سے برابر مطلع ہوتے رہتے ہو ۔

ھ ۔ آل عمران کی تیسویں آیت میں ہے کہ کتاب کا ایک حصہ پانے والے کتاب اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں ۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک حصۂ تورات موجود تھا ، تفصیل کے لئے دیکھئے :

"الہدیٰ الیٰ دین المصطفیٰ" اور "آلاء الرحمٰن" شیخ جواد بلاغی رحمۃ اللہ علیہ۔

۹۴۔ فمن افتریٰ علی اللہ الکذب ۔۔۔۔

یہود اپنے دعوے کی دلیل میں تورات لاتے نہیں اور کہتے یہی ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے ہی سے گوشت شتر حرام ہے تو یہ ظلم اور اللہ پر افترا سے زیادہ کچھ نہیں۔

۹۵۔ قل صدق اللہ فاتبعوہ ۔۔۔۔۔۔

تورات پیش نہ کرنے کے بعد تم جھوٹے اور قرآن سچا نکلا، اور اسلام ہی دین ابراہیمی ہے۔ لہٰذا تم سب کو اسلام کا حلقہ بگوش ہوجانا چاہیئے۔ وہ بھی مشرک نہ تھے تم بھی مشرک اور مشرکوں کے ساتھی نہ بنو۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۗ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝

ترجمہ:

بلاشبہ پہلا گھر (کعبہ) جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہ یہیں مکہ (میں) ہے۔ خیر و برکت والا اور دنیا بھر کا رہنما ہے (۹۶)

اس میں روشن نشانیاں ہیں ۔ جیسے "مقامِ ابراہیمؑ" اور جو اس میں داخل ہوا وہ امان میں آگیا ۔ اور لوگوں پر اللہ (کی رضا) کے لئے ہے ۔ "البیت" کا حج کرنا ، جو بھی اس راہ پر چلنے (سفر) کی استطاعت رکھے ۔ اور جو نہ مانے تو پھر اللہ سارے جہاں سے بے نیاز ہے (۹۷)

تفسیر :

۹۶ - انّ اوّل بیت . . . .

بکّۃ : ازدحام کی جگہ ۔ مکہ ۔

"تحویلِ قبلہ کے اعلان سے یہود ، مذہبی و سیاسی شکست محسوس کر رہے تھے ۔ انھوں نے گھبراہٹ میں یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ ابراہیمؑ بیت المقدس کو سجدہ کرتے تھے ۔ مسلمان دعویٰ تو اتباعِ ابراہیمؑ کا کرتے ہیں اور قبلہ بنا رکھا ہے کعبے کو ! قرآن نے کہا : روئے زمین پر عبادت کا پہلا گھر بنا ہی مکے میں اور اللہ نے اسی کو قبلۂ عبادت قرار دیا ۔ کعبے کی ایک تعمیر حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے کی ۔ اور حج کی دعوت ابراہیم علیہ السلام نے دی ۔ بیت المقدس تو مدتوں بعد سلیمانؑ نبی کے ہاتھوں بنا ہے ۔ پھر کعبہ تو عالمین کی ہدایت کا مرکز ہے ، اللہ کی طرف سے روحانی و مادّی برکتیں یہاں موجود ہیں مسلمانوں کا اسے قبلہ ماننا بالکل درست اور طریقِ ابراہیم کی پیروی ہے ۔

۹۷ - فیہ آیات بیّنات ۔ مقام ابراہیم . . . .

بیت اللہ میں واضح علامتیں ہیں ، جن سے کعبے کی عظمت اور خلیل اللہ سے اس کا تعلق روشن ہوتا ہے ۔ مقامِ ابراہیمؑ ہے ۔ وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر انھوں نے تعمیر بیت اللہ یا عبادت کی تھی ۔ امان ۔ جو بیت الحرام میں آجائے وہ محفوظ ہے ، یہ دستور قدیم بھی ابراہیمؑ سے پہلے اور ان کے زمانہ سے آج تک برقرار ہے ۔ فریضۂ حج : حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کے مطابق ہو رہا ہے ۔ یہ سب اسلام و خلیل اللہؑ کے روابط کی دلیل ہے ۔

حج میں آیات و علامات پر میں نے اپنے سفرنامۂ حج میں گفتگو کی ہے۔ مثلاً حج کی بدولت توجہ الی اللہ میں گہرائی اور گیرائی پیدا ہوتی ہے۔ مرکز توحید کے گرد طواف سے اسلامی اتحاد جذبۂ ایثار و قربانی وللّٰہیت کا اظہار ہوتا ہے۔ مکہ و عرفات و منیٰ اور مدینے میں اسلامی اخوت باہمی خیرسگالی، بین الاقوامی مسائل حل کرنے کے مواقع ملتے ہیں۔ اسلامی علوم و ثقافت کے بارے میں مطالعاتی و مذاکراتی فوائد حاصل ہوسکتے ہیں۔ نیز دیکھیے البقرہ/۱۹۶ تا ۲۰۳

حج بشرط استطاعت ہر مسلمان پر واجب ہے، جو یہ فریضہ بجا نہیں لاتا وہ نقصان اٹھاتا ہے۔ اللہ، ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

> اللہ نے اسے، اپنی عظمت کے سامنے لوگوں کی عاجزی اور اپنی عزت واقتدار کے حضور انسانوں کے اقرار کی علامت بنایا۔ اللہ نے اپنی مخلوق میں کچھ لوگوں کو چنا جنھوں نے اس کی دعوت پر لبیک کہی، اس کے فرمان کی تصدیق کی اور وہاں جاکر کھڑے ہوئے جو انبیا کی جگہ تھی۔ وہ عرش کے گرد طواف کرنے والے ملائکہ کے مانند بن گئے۔ عبادت کے بازار میں نفع اندوزی کرنے اور عطا و مغفرت کے ٹھکانوں کی دوڑ لگانے۔ کعبہ کو اللہ عز اسمہ نے اسلام کے لئے پرچم اور پناہ لینے والوں کے لئے حرم قرار دیا۔
>
> (نہج البلاغہ، پہلا خطبہ)

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ

بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَٱللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ۝ قُلْ يَٰٓأَهْلَ

ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ تَبْغُونَهَا

عِوَجًا وَأَنتُمْ شُهَدَآءُ ۗ وَمَا ٱللَّهُ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِن تُطِيعُوا۟ فَرِيقًا مِّنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟

ٱلْكِتَٰبَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ كَٰفِرِينَ ۝ وَكَيْفَ

تَكْفُرُونَ وَأَنتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتُ ٱللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُۥ ۗ

وَمَن يَعْتَصِم بِٱللَّهِ فَقَدْ هُدِىَ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝

ترجمہ:

کہد یجئے، اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کو کیوں جھٹلاتے ہو۔ دراں حالیکہ اللہ تمھارے اعمال کو دیکھنے والا ہے (۹۸) کہد یجئے، اہل کتاب! تم لوگوں کو راہ خدا سے کیوں روکتے ہو، ان لوگوں کو جو ایمان لا چکے۔ اس عمل (بد) کی وجہ سے تم دیدہ و دانستہ بھٹکانا چاہتے ہو، اور اللہ تمہارے کرتوتوں سے غافل نہیں ہے (۹۹) ایمان لانے والو! اگر تم نے چند اہل کتاب کی بات مان لی تو یہ تمھیں ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف پلٹا دیں گے۔ (۱۰۰) اور تم کافر بننا کیسے پسند کروگے، جب کہ تمہارے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اللہ کا رسول تمہارے درمیان موجود ہے اور جو اللہ سے وابستہ ہوا وہ صراط مستقیم پر لگایا جا چکا۔ (۱۰۱)

تفسیر

۹۸۔ قل یا اھل الکتاب لم تکفرون بآیات اللہ . . . . .

آنحضرت کی ہجرت واقعتاً تاریخی اور تخلیقی عمل تھا۔ اوس خزرج کے معرکے اور یہودیوں کے اقتصادی منصوبے اور انسان دشمن سیاسی نظام درہم برہم ہو گیا با اقتدار یہودی اس صورتحال سے پریشان تھے۔

شان نزول: آخر ایک یہودی نے آپس میں پھوٹ ڈالنے کا منصوبہ بنایا اس نے ایک آدمی کو ایک ایسے اجتماع میں بھیجا جہاں اوس خزرج کے لوگ بیٹھے ہنس بول رہے تھے۔ اس شخص نے مجمع میں جنگ بعاث کے کچھ قصے اور کچھ شعر اس انداز سے سنائے کہ ایک تاریخی طویل جنگ کی یاد نے کروٹ لی اور کچھ لوگوں کے تیور بھی بدلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حالات کشیدہ ہونے کی جیسے ہی اطلاع ملی فوراً موقع پر پہنچے اور معاملات رفع دفع کر دیئے، کہتے ہیں کہ یہ چاروں آیتیں اسی سلسلے میں نازل ہوئی تھیں۔

میرے نبیؐ آپ ان اہل کتاب سے کہیئے تم لوگ اللہ کی نشانیوں اور اسلام کی بالادستی کا انکار کیوں اور کب تک کرو گے۔ یاد رکھو! تمہاری شرارتیں اللہ دیکھ رہا ہے، وہ اس کی سزا دے گا۔

۹۹۔ قل یا اھل الکتاب لم تصدون عن سبیل اللہ . . . . .

یا رسول اللہ ان اہل کتاب سے کہیئے اور کیوں کہ فساد میں یہود و نصاریٰ دونوں ایک ہیں۔ لہٰذا ان دونوں کو تنبیہ کیجیے کہ مسلمانوں کو بھٹکانے کی سعی چھوڑ دیں اور جان بوجھ کر کج روی نہ اختیار کریں ان کے منصوبے، "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی اللہ خوب جانتا ہے۔ یہ لوگ سزا سے بچ نہیں سکتے۔

لطیف بات یہ ہے کہ اہل کتاب سے بات تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترجمان بنایا اور اب مؤمنوں سے گفتگو ہے تو براہ راست خطاب ہے۔

۱۰۰۔ یا ایھا الذین آمنوا ان تطیعوا . . . .

مسلمانو! ہوشیار رہو! اہل کتاب کے گروپ تمہیں اپنی قیادت میں لینا چاہتے ہیں انکا مقصد صرف بے دین بنانا اور اسلام سے منحرف کرنا ہے۔

وہ تمہیں مومن دیکھ نہیں سکتے۔

۱۰۱۔ وکیف تکفرون وانتم تتلیٰ علیکم ......

اسلام سے بدگمانی کرنے والے، ذرا اسلام چھوڑنے کا جواز تو سوچ لیں۔ اللہ نے تو مومنو کے ایمان کو مستحکم بنانے کا اہتمام فرمایا ہے۔ قرآن کی تلاوت، رسول اللہ ؐ کا وجود مقدس۔ اللہ سے وابستگی اور صراط مستقیم پہ چلنے کی سعادت تم مسلمانوں کو حاصل ہے۔ اور کفر میں رسوائی، آوارگی فکر ونظر، اور عذاب کے علاوہ رکھا کیا ہے۔ خبردار ان کا فروں کے پیچھے نہ چلنا ان کا فلسفہ اور ان کی ثقافت تمہیں اسلام سے منحرف کرنے کے بہانے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ۞ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۞

ترجمہ:

مومنو! اللہ سے ڈرو، جتنا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور نہ مرنا مگر مسلمان (حالت ایمان میں) (۱۰۲) اور تم سب اللہ کی رسی مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ اور اللہ کی نعمت (اور اس احسان عظیم) کو یاد کرتے رہو کہ تم آپس میں دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی، اس کے بعد تم اس کے احسان سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے، اور تم سلگتی آگ کے دہانے پر

کھڑے تھے، پھر اللہ نے اس (میں گرنے) سے بچالیا۔ اس طرح اللہ تمہارے لئے
اپنی آیتوں کو واضح کرتا ہے تاکہ تم ہدایت (راہ راست) حاصل کر لو ﴿۱۰۳﴾

تفسیر:

۱۰۲- یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

فکری آوارگی سے بچنے کی ہر وقت کوشش کرنا چاہیئے اور اسلام جیسے کامل و مکمل نظام زندگی مل جانے کے بعد، کافروں کے پیچھے چلنا، کہاں کی عقلمندی ہے۔ کمال دانش و بینش یہ ہے کہ آدمی تقوے کی راہ چلے اور یہ عزیمت رکھے کہ جئیں گے مسلمان اور مریں گے مسلمان ہونے کی حالت میں۔

۱۰۳ واعتصموا بحبل اللہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"حبل اللہ" اسی پارہ کی آیت نمبر ایک سو بارہ میں دیکھئے، اور حدیث ثقلین سے مزید تشریح ہوگی۔ خلاصہ ہے: اللہ کا عہد۔ قرآن و اہل بیتؑ۔ اللہ کی رسّی۔ نعمت: ممکن ہے رسول اللہؐ کا استعارہ ہو۔

اسلام نے قرآن و اہلبیتؑ، اصول عقائد و احکام شرع کو سب کے لئے نقطہ اتحاد بنا کر کہا "یہ صراط مستقیم" ہے۔ گروہ بندیاں، جماعت سازیاں، ذاتی بڑائیاں، بات بات پر لڑنا جاہلیت و تباہی کے آثار مٹا کر اخوت کے رشتے میں جوڑ دیا۔ اب اس رشتے کو نہ توڑو، اللہ کی رسی کو تھامے رہو، ورنہ بکھر جاؤ گے، ہوا اکھڑ جائے گی اور دشمن غالب آجائے گا۔

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى
الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا
مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

عَظِیْمٌ ۝

ترجمہ:

تمہارے درمیان ایک جماعت رہنا چاہیئے (جس کے افراد) نیکی کی طرف بلاتے معروف کا حکم (واشارہ) کرتے اور (منکر) برائی سے منع کرتے رہیں، اور وہی فلاح (کامیابی) حاصل کرنے والے ہیں (۱۰۴) اور اُن جیسے نہ بنو جو الگ الگ ہوگئے اور اختلاف میں الجھ گئے جبکہ ان کے پاس کھلی نشانیاں (اور حق کی دلیلیں) آچکی تھیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے بڑا عذاب ہے (۱۰۵)

تفسیر:

۱۰۴۔ ولتکن منکم امۃ . . . .

اُمَّتٌ: قرآنِ مجید میں اس کی متعدد تعبیریں ہیں۔ ایک فردِ کامل وہادی (جیسے ابراھیمؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہما وآلہما السلام) چند افراد (جیسے ائمہ اہل بیتؑ اور علماء امت) قوم (جیسے مسلمان)۔

فکری اور اسلامی اتحاد دینی تعلیمات کے تحفظ اور مسلمانوں کو انحراف سے روکنے، تحریک کو جمود سے بچانے اور اسلام و اہل اسلام کو تازہ دم رکھنے کے لیے ایسے افراد کا وجود ضروری ہے جو اسلام کی تعلیم دی ہوئی بھلائیوں اور اسلام کی تباہی ہوئی برائیوں کی تعلیم و تربیت دیتے رہیں۔ اتحاد کو برقرار رکھنے کی خاطر اور تقوے کے فروغ کے لئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے رہیں۔ جس مسلمان معاشرے میں ایسے لوگ ہوں گے وہ معاشرہ زندہ اور وہ لوگ دنیا و آخرت میں کامیاب رہیں گے۔ ان کے اخلاق و عقائد مستحکم اور راہ حق و اسلام پر ان قدم استوار رہیں گے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر، فروعِ دین و عبادات میں ہے۔ یہ انفرادی عمل بھی ہے اور جماعتی بھی، ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو سمجھائے بجھائے اور غلطی پر ٹوکے اور ایک اداری عمل بھی ہے

یعنی اسلامی حکومت یا مسلمان معاشرے کی طرف سے اس کام کے لیے "گروہ و جماعت" مقرر ہونا چاہیئے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس گروپ کے علاوہ اسلامی معاشرے کے دوسرے افراد اس ذمّے داری سے آزاد ہیں۔ دراصل یہ گروپ معاشرے کو اپنا ہم آہنگ بنانے اور تربیت دینے کے لئے بہت ضروری ہے۔

جیسے پڑھنا پڑھانا ہر آدمی کا فریضہ ہے، لیکن استاد و معلّم، مکتب و مدرسہ اس تعلیم و تعلّم کو منضبط کرنے کے لئے ہیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: انّ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر فریضۃ عظیمۃ .... امر بالمعروف و نہی عن المنکر "عظیم فریضہ" ہے۔ اس کے ذریعے ذمہ داریاں برقرار، راستے محفوظ، حصول معاش کے ذرائع حلال، رہتے ہیں، ظلم کی بیخ کنی، زمین کی آبادکاری، دشمنوں سے انصاف لیا جاتا اور تمام کام روبراہ رکھے جاتے ہیں۔ (وسائل الشیعہ) یہ ایک اہم فلسفیانہ عمل اور سیاسی نظام و انتظامی ضرورت ہے۔ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے :—

لتامرنّ بالمعروف ولتنھون عن المنکر، او لیسلطنّ علیکم شرارکم ثم تدعون فلا یستجاب لکم" امر بالمعروف و نہی از منکر ضرور کرتے رہنا۔ ورنہ تمہارے بدکردار و بدمعاش لوگ غلبہ حاصل کرلیں گے پھر چیخو چلاؤ گے، دعائیں مانگو گے اور کوئی شنوائی نہ ہوگی۔

۱۰۵۔ ولا تکونوا کالّذین تفرّقوا ....

ان لوگوں کا رویہ اختیار نہ کرو، جن کا راستہ اختلاف و انتشار ہے۔ تعلیم اسلام، قرآن وائمہ و علماءِ حق کے ہوتے ہوئے اختلاف میں پڑو گے تو دنیا و آخرت کی عظیم مصیبت و سزا جھیلنا پڑے گی۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ
اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا
الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ

وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٠٧﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعَالَمِينَ ﴿١٠٨﴾

ترجمہ:

وہ دن، جب کچھ چہرے سفید (و منور) ہوں گے، کچھ منہ کالے (بھیانک) ہوں گے پھر جن کے منہ کالے ہو چکے ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم کافر ہو گئے تھے ایمان لانے کے بعد؟! تو پھر، چکھو، عذاب کا مزہ، جیسے کافر ہوئے تھے (۱۰۶)
اور جن کے چہرے چمکتے ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور اسی رحمت میں ہمیشہ رہیں گے (۱۰۷) یہ اللہ کی نشانیاں ہیں جنھیں ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور اللہ مخلوق پر ظلم نہیں کرنا چاہتا (۱۰۸)

تفسیر:

۱۰۶ - یوم تبیض وجوہ ....

روزِ قیامت جب دین میں متحد رہنے والے، معروف کو قائم اور منکر کو مٹانے والے جزا اور سزا کے لئے حاضر ہوں گے۔ اس وقت کامیاب و انعام یافتہ لوگوں کے چہرے چمکتے اور ناکام اور سزا پانے والوں کے چہرے بگڑے ہوئے ہوں گے۔ ان بدھیئت لوگوں کو ایک اذیت یہ دی جائے گی کہ ان پر طعن و تشنیع، نفرت و حقارت کی نظر ڈال کر کہا جائے گا، تم ایمان لانے کے بعد کفر میں گئے تھے؟ تاکہ مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا ہو۔ تو اب، عذابِ عظیم کے مزے چکھو۔

۱۰۷ - واما الذین ابیضت وجوھھم ......

کامیاب و سرخ رو، لوگ رحمتوں کے سایے میں دوامی آسودگیوں سے بہرہ ور رہوں گے۔ یہ بشارت و خبر آج بھی اہل ایمان کو سرور اور اہل تقویٰ کو طمانینت عطا فرماتی ہے۔ رحمتِ عالمین اور رحمتِ پروردگار کے سایے میں رہنے سے بڑی نعمت کیا ہوگی۔

۱۰۸ - تلک آیت اللہ نتلوھا ....

قرآن کی یہ آیتیں، حق و ایمان کی تعلیم و تربیت کیلئے پڑھی جا رہی ہیں ان کا مقصد فقط سنا سنانا نہیں بلکہ خیر و صلاح کی تشویق اور کفر و انحراف سے تنبیہ مراد ہے، چونکہ اللہ عادل ہے اس لئے وہ حجت تمام کر رہا ہے تاکہ اس کی جزا و سزا میں ظلم کا شائبہ نہ رہے۔

توحید ۱۸

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ ﴿١٠٩﴾

ترجمہ:

اور اللہ کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف سب کاموں کی رجوع ہے۔ ۱۰۹

تفسیر:

ہر وقت یہ حقیقت یاد رکھنا چاہئے کہ ساری کائنات اللہ اور صرف اللہ کی ہے، ہر نقل و حرکت، ہر فکر و نظر، ہر کام کا علم بہرحال اللہ کو حاصل ہے۔ ہر چیز اسی کی بارگاہ تک پہنچتی ہے۔ لہذا کسی مسلمان کو نیکی، بھلائی اور عبادت و اطاعت میں غفلت زیب نہیں دیتی۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ
تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ
لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُوْنَ ﴿١١٠﴾

ترجمہ:

"تم اچھی امت ہو، جو انسانوں کی رہنمائی کے لئے پیدا کی گئی، لوگوں کو "معروف" (اچھے کاموں) کا حکم دیتے اور "منکر" (برے کاموں) سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو ان کے حق میں اچھا ہوتا، ان میں سے کچھ تو صاحب ایمان ہیں، مگر زیادہ تر بدکار ہیں ﴿١١٠﴾

توحید ۱۳

تفسیر:

وجہ شرف امت امر بالمعروف ونہی عن المنکر

امّت مسلمہ کی تعریف اور ان کی غرض تخلیق کا بیان ہے۔ یہ امت تمام امتوں سے بہتر ہے، نسب وحسب، جغرافیہ اور تاریخ کے حوالے سے نہیں۔ حوالہ ہے "امر بالمعروف ونہی عن المنکر" کا۔ اس امّت کے افراد اس فلسفے کے حامل اور کردار ومعاشرہ ساز انقلاب کے داعی ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ "جو ہورہا ہے ہونے دو" بدعات کا خاتمہ، برائیوں کا قلع قمع، اچھائیوں کی ترویج مؤمن کی خواہش اور اس کا عمل ہے۔ اگر یہود ونصاریٰ بھی قرآن کو مان لیتے اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں آجاتے تو وہ بھی خیر امّت بن جاتے مگر ان کی نیتیں خراب اور وہ "ایمان باللہ" کے لئے تیار نہیں۔ چند افراد مومن ہوئے اور ایمان ضرور لائے مگر اکثریت بدنیت وبدکردار لوگوں کی ہے۔

لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى ۖ وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ﴿١١١﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿١١٢﴾

ترجمہ:

یہ لوگ سوائے ایذا پہنچانے کے تمہیں نقصان ہرگز نہیں پہنچا سکتے، اور اگر تم سے لڑے تو پیٹھ دکھائیں گے۔ پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی (۱۱۱) ان پر

ذلت کی مار ماری گئی ہے، جہاں بھی پائے جائیں، سوائے اس کے کہ اللہ کی دست آویز (عہد) یا لوگوں کی پناہ میں آجائیں (اور عہد لکھوالیں) اور وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہو چکے۔ اور پریشانی کی مہر ان پر لگ چکی۔ یہ اس لئے کہ وہ آیاتِ الٰہی کا انکار، اور بے قصور انبیا کو قتل کرتے تھے۔ نیز نافرمانی کرتے اور حد سے گزر جاتے تھے۔ (۱۱۲)

تفسیر:

۱۱۱۔ لن یضروکم الا اذیٰ ....

مسلمانوں کو بشارت ہے۔ جب تک وہ مسلمان اور مومن ہیں، امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل ہے انھیں یہودی نقصان نہیں پہنچا سکتے، زخمی کر سکتے ہیں، پریشان کر سکتے ہیں مگر ناکام نہیں کر سکتے، آخری فتح مسلمانوں ہی کو ملے گی۔ اور یہود کا کوئی مددگار کام نہ آسکے گا۔ آج لبنانِ جنوب کے مسلمان ۱۴۰۵ھ میں اس کے زندہ گواہ ہیں کہ یہود ان کے گاؤں، قریے شہر کھود کر پھینک رہے ہیں مگر مٹھی بھر مسلمان انھیں جہاں دیکھتے ہیں مار رہے ہیں، زندگی دو بھر کر دی ہے۔ آخر انھیں لبنان سے اپنی فوجیں نکالنا پڑیں اور ان کے حامی امریکہ کو اپنی فوجیں اور اب محرم ۱۴۰۶ھ میں روس کو اپنا سفارت خانہ نکالنا پڑا۔

۱۱۲۔ ضُرِبَتۡ عَلَیۡهِمُ الذِّلَّةُ ....

ان یہودیوں نے اللہ کی نافرمانی کی، پیغمبروں کو قتل کیا، اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا۔ اس پر اللہ کا غضب اترا، ذلت کی مار پڑی، جہاں ملیں انھیں پکڑ لو۔ انھیں پناہ نہ دو۔ صرف ایک صورت سے انھیں چھوڑ دو اور وہ عہد خدا اور اسلام پر آجائیں یا مسلمانوں کے باج گزار بن کے رہیں۔ کیونکہ اسلام خون اور قتل کے بجائے امن و امان کا خواہاں ہے۔

لَیۡسُوۡا سَوَآءً ؕ مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ

يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا
يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ:

اہل کتاب بھی سب ایک جیسے نہیں ہیں، ایک جماعت (ان میں) ایسی بھی ہے جس کے افراد رات کے لمحوں میں تلاوتِ آیات کرتے اور سربسجود رہتے ہیں (۱۱۳) وہ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے اور نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔ اور یہی لوگ صالح افراد میں ہیں (۱۱۴) اور وہ جو کچھ بھی نیکی کریں گے، اس کی ناقدری ہرگز نہیں کی جائے گی اور اللہ، پرہیزگاروں سے خوب واقف ہے (۱۱۵)

تفسیر:

۱۱۳۔ ولیسوا سوآء من اھل الکتٰب ....

اہل کتاب میں کچھ لوگ علم و معرفت اور عقل و عمل میں دوسروں سے ممتاز ہیں آیاتِ الٰہی کو سمجھ کر پڑھتے اور ان پر عمل کرتے ہیں، راتیں، عبادت میں گزارتے ہیں۔

مثلاً یہودیوں میں عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی، عیسائیوں میں چالیس نجرانی اور بتیس حبشی اور آٹھ روم کے آدمی۔

۱۱۴۔ یؤمنون باللہ والیوم الآخر ....

نیک فطرت اہل کتاب وہ ہیں جو اللہ کو مانتے اور قیامت کو برحق جانتے ہیں اسی وجہ سے انھیں جب اسلام کی حقانیت کا علم ہوا، مسلمان ہو گئے۔ یہ لوگ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل کرتے بھلائیوں کی طرف دوڑتے اور اللہ کے صالح بندوں میں شمار ہوتے ہیں۔

۱۱۵ - وما یفعلوا من خیر فلن یکفروہ ....

اللہ، قوم، رنگ، نسل اور چھوٹے بڑے کو نہیں خیر اور بھلائی کو دیکھتا ہے جو کفرانِ نعمت نہیں کرتا اسے صلہ ملے گا - متقی لوگوں پر اللہ، نگاہِ خاص رکھتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١٦﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٧﴾

ترجمہ :

یقیناً، جن لوگوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے ان کے مال اور ان کی اولاد، اللہ کے یہاں کچھ کام نہ آئے گی اور وہی لوگ جہنمی ہیں (۱۱۶) جو کچھ وہ، اس زندگانی دنیا میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس تیز ہوا کی ہے جس میں سخت ٹھنڈک ہو، اور وہ اس قوم کی کھیتی پر پڑے اور اس کو تباہ کر دے جس نے اپنی جانوں پر ستم ڈھائے ہوں اور اللہ نے ان پر کوئی ستم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنے اوپر زیادتی کرتے ہیں (۱۱۷)

توحید ۱۶

تفسیر:

۱۱۶۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا . . . .

مال، اولاد، جمعیت اور قوت کا سامان کافروں کو دنیا مغرور کیے ہوئے ہے، لیکن ان میں سے کوئی چیز انھیں عذاب آخرت سے نہ بچا سکے گی وہاں ان کے انحراف کا سخت ترین بدلہ ملے گا: مسلمانوں کو بھی مال و اولاد پر غرور زیب نہیں دیتا، کافر مال و منال کی وجہ سے سرکش بنے، مومن کو جاہ و جلال کے سبب کر گزار، اور عاجزی اختیار کر کے تقوے کے مدارج طے کرنا آخرت میں سودمند ہے۔

۱۱۷۔ مثل ما ینفقون فی ھٰذہ الحیاۃ . . . .

"انفاق" پسندیدہ عمل ہے، کیونکہ اس سے ارتکاز زر اور سرمایہ داری پر ضرب پڑتی ہے۔ مگر انفاق وہ ہے جس میں اللہ کی رضا بنیادی نیت ہو۔ اللہ کی مرضی کے خلاف دولت بہانا بے سود ہے۔ کافر، بڑے بڑے (نام نہاد) خیراتی کام کرتے ہیں، تم ان مصارف کا مقصد دیکھو، یہ چاہتے ہیں ان کا نام ہو، ان کا نشان رہے، یہ بڑے مانے جائیں۔ یا پھر مسلمانوں سے ڈر کر ان کی خوشامد میں دادو دہش کرتے ہیں، ان کے اس عمل کی مثال، بے حد ٹھنڈی ہوا کی ہے۔ کھیتی بوئی، تیار کی، اب جو برفیلی ہوا آئی اور پالا لگا تو سارا اناج، سارے کھیت جل گئے۔ یعنی دنیا میں پھلے پھولے، نام ور ہوئے، قیامت کے دن نتیجہ صفر، کیوں؟ اس لئے کہ دنیا میں مشرک رہے۔ اللہ کا انکار کیا، اپنے اوپر ظلم کیا جو بویا تھا، جو کچھ کیا تھا وہ اتنا جاندار نہ تھا کہ قیامت میں کام آتا اب جہنم میں جاؤ یہ ظلم نہیں، یہ وہی کرتوت ہیں جو تم نے کیے تھے آج تمہارے آگے آ رہے ہیں۔

شانِ نزول:

کہتے ہیں: ۱) ابو سفیان اور اس کی پارٹی نے بدر و احد میں جو دولت خرچ کی تھی اس پر تنبیہ میں یہ آیت اتری۔

۲) ان یہودیوں کے بارے میں نازل ہونے کا قول بھی، جنھوں نے اپنے

کاہن اور ربیوں پر دولت لٹائی تھی (امثال قرآن)
بہرحال اس کی تنبیہ سب کو شامل ہے۔ دیکھئے البقرہ/۲۶۶ -

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ
وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِيْ
صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾
هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ
كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ
الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ
الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَاِنْ تُصِبْكُمْ
سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ
شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾

ترجمہ:

مومنو! اپنوں کو چھوڑ کر غیروں (کافروں) کو رازدار (دوست) نہ بناؤ وہ تمہاری بربادی میں کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔ جتنی مصیبت میں مبتلا ہو گے وہ خوش ہوں گے۔ دشمنی تو ان کی بات بات سے ظاہر ہو رہی ہے۔ اور

توحید ۱۸

جو کچھ ان کے دلوں میں بھرا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے ۔ ہم نے تمہارے لئے دلائل واضح کر دیے ۔ اگر تم عقل سے کام لو (۱۱۸) اب تم انھیں سے محبت کرتے ہو ۔ اور وہ تمہیں چاہتے ہیں ۔ حالانکہ تم پوری کتاب پر ایمان رکھتے ہو ۔ اور جب تم سے ملتے ہیں ، کہہ دیتے ہیں (تم مومن ہیں) ہم ایمان لا چکے ۔ اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف غصے میں انگلیاں چباتے ہیں ۔ کہدو ۔ تم اپنے غصے میں مر جاؤ ۔ بے شک اللہ دلوں کے حال سے خوب واقف ہے (۱۱۹) اگر تمہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو ان کو برا لگتا ہے ۔ اور اگر تم پر مصیبت پڑتی ہے تو اس سے وہ خوش ہوتے ہیں ۔ اور اگر تم صبر کرلو (ان سے نہ ملو) اور ان سے بچے رہو تو ان کی غلط تدبیریں تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گی ۔ اور یہ لوگ جو کر توت کرتے ہیں وہ اللہ کے بس میں ہے (۱۲۰)

تفسیر :

۱۱۸ ۔ یاایھا الذین آمنوا لا تتخذوا ....

بطانۃ : لباس کا استر ۔ جگری دوست مراد ہے ۔

حسنۃ : نیکی ، بھلائی ، فائدہ اچھائی ۔

سَیِّئَۃ : حسنہ کی ضد ۔

عنت : تعب ، تکان ، دکھ ، مصیبت ۔

تینوں آیتیں ایک اہم ، سیاسی ، سماجی اور جنگی نکتے کی توضیح کر رہی ہیں ۔ کوئی زمانہ ہو اہل کتاب و منکرین اسلام پر بھروسہ کرنا ، اہم معاملات میں ان کو معتمد ساتھی نہ بنانا ، معاملات میں ان سے مشورہ نہ لینا ۔ آخر یہ لوگ تمہارے بنیادی مقصد کے دشمن ہیں ، تمہارے عقیدہ پر چوٹ لگانا چاہتے ہیں ۔ کسی بحران ، کسی پریشانی اور کسی مشکل میں پھنسو گے تو وہ خوشیاں منائیں گے ۔ ان کے لہجوں کا زہر دیکھو ،

ان کے دلوں کی آگ دیکھو۔ اللہ نے تمہیں حقائق سمجھا دیئے، عقل کے ناخن لوگے تو ان کی زد سے بچے رہو گے۔

۱۱۹۔ هاانتم اولاء تحبّونهم ....

انامل : انگلیاں - پوریں۔

خود سوچو، تم پوری کتاب (قرآن) پر ایمان رکھنے کے باوجود ان سے محبت کرتے ہو اور وہ انکار کے باوجود تمہیں دیکھنا نہیں چاہتے، تمہیں دھوکا دینے کے لئے ایمان کا دعوے کرتے ہیں۔ تم سے دور ہوتے ہی تو بوٹیاں کاٹتے اور انگلیوں کے سرے چباتے ہیں۔ اللہ، ان کے دل کی باتیں جانتا ہے، ان کو حسد میں جلنے اور اپنی دشمنی میں تڑپ تڑپ کر مرنے دو۔

۱۲۰۔ ان تمسسكم حسنة تسؤهم ....

مسلمانوں کو زد پڑتی ہے تو یہ کافر خوش ہوتے اور کامیابی پر انھیں غم ہوتا ہے۔ تم ان کو نہ دیکھو اپنا راستہ ہموار، عقیدہ استوار رکھو صبر و استقامت کے ساتھ ان سے بچنے کی احتیاطی تدبیریں جاری رکھو، ان کے منصوبوں سے نہ ڈرو۔ ان دشمنوں پر اللہ غالب ہے۔

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۲۱﴾ إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۲۲﴾

ترجمہ :

اور وہ وقت، جب آپ اپنے بال بچوں میں سے صبح سویرے نکلے

اور مسلمانوں کو لڑائی کے مورچوں پر بٹھانے لگے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے (۱۲۱) اور وہ وقت جب تم میں سے دو گروہوں نے سستی دکھانا چاہی، حالانکہ اللہ ان دونوں کا ولی تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل رکھنا چاہیئے (۱۲۲)

تفسیر:

۱۲۱۔ واذغدوت من اهلك ....

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی فوجی مہارت اور جنگی بصیرت کا بیان ہے۔

۱۲۲۔ اذهمّت طائفتان منكم ....

جنگ احد دفاعی جہاد تھا، دشمن شہر مدینہ پر حملہ آور تھے، اور مسلمان اس بحث میں الجھ گئے کہ شہر بند ہو کر لڑنا چاہیئے یا شہر سے باہر احد کی پہاڑیوں کے میدان میں مقابلہ کیا جائے۔ جب فیصلہ ہو گیا کہ مقابلہ شہر کے باہر ہوگا، اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فوجوں کو تیاری کا حکم دے دیا۔ خود حرم سرا میں جا کر لباس جنگی زیب تن فرمایا اور صبح سویرے فوج لے کر چلنے لگے تو چلتے چلتے عبداللہ بن ابی سلول اپنا گروپ لے کر الگ ہو گیا اوس وخزرج کے دو اور ضمنی قبیلوں بنوسلمہ وبنوحارثہ نے بھی بزدلی کا مظاہرہ کیا، لیکن حضور کے اعلیٰ تدبّر سے ان لوگوں نے ہمت کی اور ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئے۔

دونوں آیتوں میں کوچ کے وقت فوج کی صورتِ حال پر روشنی ملتی ہے، منافق اشخاص اور کم ہمت مسلمان کس عالم میں تھے اور حقیقی مسلمان اور جان پر کھیلنے والے مجاہد کس حالت میں۔

اسی پس منظر میں جنگ کا نقشہ، موروچوں کا انتظام، دشمن کا حملہ، مسلمانوں کا فاتحانہ کردار، پھر مورچوں سے سپاہیوں کا ہٹنا اور نقشۂ جنگ کا بدلنا، مسلمانوں کا فرار اور مومنوں کا استقلال آگے بیان ہو گا۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿١٢٤﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿١٢٦﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿١٢٧﴾

ترجمہ:

اور اللہ، بدر میں تمہاری مدد کر چکا ہے، حالانکہ تم کمزور تھے، تو اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ اس کا شکر ادا کرو (۱۲۳) وہ وقت جب آپ اہل ایمان سے کہہ رہے تھے۔ کیا تمہارے لیے کافی

نہیں، کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار، آسمان سے اترنے والے ملائکہ سے (۱۲۴) ہاں، اگر ثابت قدم رہو اور تقویٰ برتو۔ اور دشمن اگر اپنے جوش میں تم پر چڑھائی کر بھی دے تو تمہارا رب ایسے پانچ ہزار ملائکہ سے تمہاری مدد کرے گا جو خاص نشان لگائے ہوں گے (۱۲۵) اور اللہ نے یہ صرف تمہارے لئے بشارت قرار دیا اور اس واسطے کہ تمہیں اطمینانِ قلب ہو ورنہ کامیابی تو ہے ہی اللہ کی طرف سے وہ عزیز (غلبہ والا) و حکیم (حکمران) ہے (۱۲۶) اللہ نے یہ اس لئے کہا کہ کافروں کے ایک حصے (گروہ) کو کاٹ دیا جائے، دبا ڈال کر ذلت کے ساتھ پسپا کر دے آخرِ کار وہ مایوس و نامراد میدان سے پلٹ جائیں۔ (۱۲۷)

تفسیر:

۱۲۳- ولقد نصرکم اللہ ببدر........

بدر، مدینے سے ایک سو ساٹھ (۱۶۰) کیلومیٹر دور ہے۔ اس نشیبی میدان میں قریشِ مکہ سے مسلمانوں کی پہلی جنگ رمضان ۲ھ میں ہوئی اور مسلمان فتح یاب ہوئے۔ دیکھئے تفسیر سورۃ الانفال۔

اب ڈر کیوں ہے، ایک فتح حاصل کر چکے، پہلے کے مقابلے میں قوت زیادہ رکھتے ہو، ہمت بلند اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔

۱۲۴- اذ تقول للمؤمنین.......

جنگ میں ایک نازک وقت وہ تھا، جب تین سو تیرہ فاقہ کش اور بے گھر مومن مزید کمک چاہتے تھے، اس وقت آنحضرتؐ نے آسمانی امداد کی نوید دی۔ اس سے ان کے حوصلے ٹھہرے۔

۱۲۵۔ بلیٰ ان تصبروا ۔۔۔۔۔۔

فور : (فار، یفور، فورا) جوش کھانا، ابلنا، طوفانِ نوح ؑ کی آمد کے بیان میں ہے " وفار التنور" اور آتشِ جہنم کے لیے ہے " وھی تفور" اس مقام پر " ویاتوکم من فورھم" وہ تم پر آئیں، حملہ آور ہوں جوش میں اور زور میں"۔

دشمن پورے جوش اور جذبے سے بھرپور حملہ کرے اور مسلمان ثابت قدمی اور توکل علی اللہ کے ساتھ مقابلہ کریں تو اللہ مدد کرتا ہے ۔ بدر میں علامتیں لگائے فرشتوں کا آنا یاد رکھو ۔

صفین میں حضرت علی علیہ السلام نے محمد حنفیہ سے کہا تھا : زمین میں قدم جماؤ، پہاڑ ہل جائیں تم نہ ہلنا، دانت بھینچ لو ، نگاہیں حریف کی آخری صفوں پر رکھو ، اور اپنا سر خدا کے حوالے کر دو ، اور یقین رکھو کہ اللہ ہی نصرت دیتا ہے ۔

احد میں حضرت علی ؑ نے یہی کیا تھا اور دشمن فتح یاب نہ ہو سکا ، علی علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کی سپر بن کر حضرت کو دشمن کی بدنیتی سے بچایا، مغرور فوج کو پسپا کیا ، جیسے بدر میں پینتیس ۳۵ نامور مشرک مارے تھے احد میں بھی بڑے بڑوں کو مار کر اسلام کی لاج رکھ لی ۔ اللہ نے علی ؑ کی مدد کی اور خود علی ؑ نصرتِ الٰہی بن گئے ۔

بدر کا تذکرہ نصرت کی یاد دہانی اور نزاکت میں فتح حاصل کرنے کا انداز بتانا ہے۔

۱۲۶۔ وما جعلہ اللہ الا بشریٰ لکم ۔۔۔۔

غیبی نصرت کی بشارت مومنوں کے قلبی اطمینان کے لئے تھی ورنہ نصرتِ الٰہی کی ہزار صورتیں ہیں ، اللہ کی نصرت کی بنیاد مومن کے اس یقین پر ہے کہ وہ اسے عزیز و غالب ، حکیم و علیم جانتے اور مانتے ۔ (دیکھیے ، اس سے ملتی جلتی آیت ، الانفال / ۱۰)

۱۲۷۔ لیقطع طرفا من الذین ۔۔۔۔۔

فرشتے بھیجنے کا اس وقت مقصد یہ تھا کہ دشمن کا بازو کٹ جائے اس کے نامور سردار اور اسلام کے سرکردہ دشمن مارے جائیں اور دشمن بہ ہزار رسوائی پسپا ہو۔ اور ایسا ہی ہوا۔ بدر میں ابوسفیان کی فوج کے ستر نامور مارے گئے اور ستر قید، مال غنیمت اس پر مستزاد تھا۔ احد میں ستر مسلمان تو شہید ہوئے مگر دشمن کا اصل مقصد قتل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قتل علی علیہ السلام پورا نہ ہوا، نہ وہ لوگ کسی کو گرفتار کر سکے۔ اس کے عوض ان کا مال لوٹا گیا اور مسلمان میدان جنگ میں ٹھہرے رہے اور ابوسفیان مرعوب ہو کر اپنی فوج سمیت واپس گیا

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۝ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

ترجمہ:

تمہارا تو اس امر میں کوئی دخل نہیں (جنگ میں شریک فراری مجرم ہوں یا حملہ آور کافر)، چاہے، ان کی توبہ قبول فرمائے یا ان کو سزا دے۔ کیونکہ وہ ظالم تو بہر حال ہیں (۱۲۸) اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ وہ جسے چاہے (لائق جانے) بخش دے اور جسے چاہے سزا دے اور اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے (۱۲۹)

تفسیر:

۱۲۸- لیس لک من الامر شئ ......

اب یہ سوال کہ رسول اللہ فلاں کافر کو معاف کر دیں کہ وہ کسی کا رشتہ دار ہے، فلاں فراری مسلمان کو بخش دیں کہ اس سے فلاں کی دوستی ہے، تو یاد رکھو، یہ معاملہ براہ راست دین اور اللہ کا معاملہ ہے، اللہ، قادر و حکیم ہے۔ زیر نظر افراد نے ظلم و انحراف کیا ہے۔ اب اللہ دیکھنا اور تمہیں دکھانا چاہتا ہے کہ یہ لوگ کس حد تک شرمندہ ہیں اور کس طرح توبہ کرتے اور از سر نو عزیمت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور کون لوگ بظاہر شرمندہ نظر آتے ہیں مگر دل میں وہی نفاق ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے یہ فرمانا کہ "تم اس بات میں اختیار نہیں رکھتے۔" کا مطلب ظاہری اور منطقی یہی ہے کہ نبی آخر الزمان خلیفۃ اللہ ہیں ان کا ہر ارادہ و عمل تابع رضائے خدا ہے۔ جب کوئی معاملہ خدا براہ راست اپنے ہاتھ میں لے لے تو نبی خود بخود ساحتِ ادب پر ٹھہر جاتے ہیں کہ "عبد اللہ" ہیں اور جہاں اذنِ خدا ہوتا، اور اشارۂ رضا ملتا ہے وہاں آپ شفیع ہیں کہ "رؤف و رحیم" خود اللہ نے آپ کی صفت قرار دی ہے۔ لیس لک من الامر شیء سے یہ استدلال کہ آپ بالکل اور ہر جگہ بے اختیار ہیں، آیت کے سیاق و سباق سے نہیں نکلتا آیت نے "یتوب علیھم" اور "یعذبھم" کی وجہ بتائی ہے۔ "فانھم ظالمون" چونکہ زیر نظر افراد نے ظلم کیا ہے لہٰذا، مقدمہ سزا چاہتا ہے۔ پھر رحم کی گنجائش ہوگی ۔ آگے آرہا ہے کہ اللہ غفور و رحیم ہے۔ اور یہ مقام و مقدمہ براہ راست اللہ فیصل کرے گا۔

حق شفاعت :

اس کا مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے اختیارات سلب کرنا نہیں ہے، بات احد کے واقعہ کے خاص حوالے سے ہے ۔ ورنہ قرآن مجید نے آپ کو ایک بڑا اعزاز اور حق یہ عطا کیا ہے کہ آپ شفیع ہیں۔ آپ کی سفارش قبول ہے۔ اس سلسلے میں سورۃ البقرہ کی آیت ۲۵۵، اور اس کی تفسیر مزید برآں سورۂ نساء کی چونسٹھویں آیت ہے: "ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔" "اگر لوگ اپنے اوپر ظلم کریں، غلطی و گناہ کریں

پھر آپ کی خدمت میں آئیں تو آپ وسیلہ ہیں، آپ کو اختیار دیا جاتا ہے کہ آپ ان کی اللہ سے توبہ قبول کروائیں اور انھیں بھی یقین رکھنا چاہیے کہ اگر رسولؐ (آپ) نے ان کے لئے بخشش مانگی تو اللہ ان کی توبہ قبول کرے گا اور رحم فرمائے گا۔"

۱۲۹۔ وللہ مافی السمٰوات .....

اللہ کی حاکمیت وقدرت غیر محدود ہے، اس کا کوئی شریک نہیں وہ جس کو چاہے بمعیارِ حکمت معاف کر دے، جسے چاہے بہ تقاضائے عدل وحکمت عذاب وسزا دے۔ اللہ کی رحمت، غضب سے مقدم ہے۔ مغفرت اس کا کام ہے، توبہ وتقویٰ بندے کا وطیرہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

ترجمہ:

اے ایمان والے لوگو! ربا، بڑھا چڑھا کر نہ کھاؤ۔ اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پا سکو (۱۳۰) اور اس آگ (جہنم) سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ (۱۳۱) اور اللہ ورسولؐ کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (۱۳۲)

تفسیر:

ربطِ آیات کے سلسلے میں عرض ہے کہ سورۃ البقرۃ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور

ان کے دشمنوں کی سرد جنگ کے تذکرے میں بات ختم ہوتے ہی، انفاق اور ربا کی گفتگو آچکی۔ یہاں بھی کفار ومنافقین وجنگ احد کا ذکر ہے اور اس کے بعد "ربا" اور "انفاق" کی آیتیں آرہی ہیں۔ پھر اہل مکہ ہوں یا مدینے کے یہودی ان کے سودی کاروبار کی زد میں سب ہی تھے۔ اور یہ بندھن مسلمانوں کو کہیں بھی ان لوگوں کے مقابلے میں نفسیاتی ضعف پہنچا سکتا ہے۔ لہٰذا آیات کا محل وقوع، اللہ سے لڑنے والوں، اور جنگ کی نوعیتوں کے ذیل میں انتہائی برمحل ہے۔ اور یہ اشارہ نہایت مناسب جگہ پر ہے کہ اقتصادی معاملات اور کافرانہ رسم ورواج میں کافروں کے زیر اثر نہ رہنا مومن کے لئے بے حد ضروری ہے، ورنہ بزدلی اور ایمان میں کمزوری پیدا ہوگی، اور مقابلے میں شکست کا امکان ہے۔ کیونکہ جو لوگ ربا کھاتے ہیں وہ آسیب زدہ اور ان کے ذہن اور عقیدے کمزور ہو جاتے ہیں۔

۱۳۰ - یا ایہا الذین لا تاکلوا الربا اضعافاً....

"ربا" کا خاتمہ، اسلام کا عظیم کارنامہ ہے۔ اقتصادی نظام میں افراد واقوام کا استحصال سود سے مکمل ہوتا ہے۔ پیسہ آدمی کی ضرورت ہے، اور جنگ میں اس کی ضرورت اور بڑھ جاتی ہے، زمین دار، تاجر اور غریب یا عیاش وبے فکر دولت مند جو بھی اس جال میں پھنس جائے وہ مشکل سے نکلتا ہے۔ سود لینا اور سود دینا دونوں کا فلسفہ ایک ہے، نتیجہ ایک ہے۔

معاشرے کے اس سرطان کو چار مرحلوں میں ختم کیا گیا۔

سورۂ روم کی انتالیسویں آیت میں پہلی مرتبہ ارشاد ہوا کہ ربا سے دولت میں اضافہ اتنا نہیں ہوتا جتنا اللہ کا غضب ہوتا ہے۔ سورۂ نساء کی آیت ایک سو اکتالیس میں سود کو یہودیوں کا طریقہ بتایا اور یہ کہ ان کے مذہب میں بھی اسے ممنوع کیا گیا تھا۔ پھر سورہ بقرہ میں آیت نمبر ۲۷۵ سے ۲۷۹ تک سختی سے ممانعت ہوئی ہے اور ہم نے وہاں "ربا" کے معنی اور کچھ مباحث کی طرف اشارے کئے ہیں۔

اس آیت میں براہ راست "رباء فاحش" پر مزید قدغن ہے۔ یعنی ایک تو ربا سادہ ہے کہ قرض لیا اور اس پر شرح سود کا اضافہ کیا، اس کے بعد عدم ادائیگی کی صورت

ہیں معین مدت کے بعد سود در سود کا اضافہ مانا، آخر کار قرض دار اور اس کا سماج تباہ ہو گیا۔ اسلام اسے خلاف تقویٰ بلکہ ایک جگہ اللہ سے جنگ قرار دیتا ہے۔ اس لئے ترک ربا میں راہ فلاح و بہبود ہے۔

۱۳۱۔ واتقوا النار التی ......

سود خواری ایمان کی ضد ہے اس لئے اس کی سزا وہ ہے جو کافروں کو دی جائے گی، اہل ایمان کو تقوے کی راہ سامنے رکھنا چاہئے اور ایسے معاملات سے دور رہنا واجب ہے۔

۱۳۲۔ واطیعوا اللہ والرسول ......

رحمت الٰہی کی بارش اور رضاء معبود کا طریقہ صرف یہی ہے کہ ہر معاملے میں وہ کرو جو اللہ کے حکم اور شریعت اسلام کے مطابق ہو۔

وَسَارِعُوٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

ترجمہ: اور دوڑو اپنے رب کی بخشش کی طرف، اور جنت جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کی ہے وہ متقی لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے (۱۳۳) وہ (متقی) لوگ جو، خوشحالی و تنگی میں انفاق (خرچ) کرتے اور غصہ پی جانے والے ہیں اور لوگوں سے درگذر کرتے ہیں، اور اللہ بھلائی کرنے والوں کو چاہتا ہے (۱۳۴) اور وہ لوگ جب کھلا گناہ کر بیٹھتے یا اپنے حق میں ظلم کر گزرتے ہیں، (تو) اللہ کو یاد کرتے پھر اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں، اور گناہوں کو معاف کون کر سکتا ہے، اللہ کے سوا اور اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں (۱۳۵) انھی لوگوں کی جزا، ان کے رب کی طرف سے بخشش ہے اور ایسے باغ، جن کے نیچے ندیاں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور نیک عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے (۱۳۶)

تفسیر:

۱۳۳۔ وسارعوا الیٰ مغفرۃٍ من ربکم .....

جنگ احد میں چوٹ کھائے ہوئے لوگوں کو ڈھارس اور تمام اہل ایمان و تقویٰ کو مغفرت طلبی میں مقابلے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی طرف دعوت و تشویق ہے۔ عمل خیر کرنے اور اپنے رب کی مغفرت حاصل کرنے کے لئے دوڑو اور تیزی سے بڑھو، اور اس جنت کا استحقاق پیدا کرو جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے۔ یہ جنت ہر ایک کے لئے نہیں، دراصل یہ اہل تقویٰ کے واسطے تیار کی گئی ہے۔ سورۃ الحدید کی اکیسویں آیت میں ہے: سابقوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃٍ عرضہا کعرض السمآء والارض" گویا "سارعوا" کے معنی "سابقوا" ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اس آیت میں تیاری کا اشارہ نہیں اور "سابقوا" میں فوریت کا مفہوم دبا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلسل کوشش جاری ہے، تھکنے اور ہارنے کا خیال کسی وقت بھی رکاوٹ نہ بننے دو۔

جنت وجہنم دونوں موجود ہیں، دونوں کی وسعت کا پیمانوں سے اندازہ نہیں

ہو سکتا، جیسے ہماری گھڑی کی ساعت اور دقیقے کی بات ماوراء فضا اور چاند میں بدل جاتی ہے اسی طرح سے کائناتِ ارضی کی پیمائشیں وہاں کام نہیں آتیں جس عالم میں بہشت اور دوزخ ہے جسے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ نے دیکھا اور انبیاء و ائمہؑ تو بہت بلند مرتبہ ہیں۔ اہل تقویٰ نیز شہید جیسے محبوبینِ خدا بھی دیکھتے ہیں۔

۱۳۴۔ الذین ینفقون فی السراء والضراء ....

متقیوں کی پہچان، اور ان کی سیرت و عادت یہ ہے کہ ۔ انفاق ۔ کظم غیظ ۔ اور ۔ عفو ۔ کرتے ہیں۔ خوش حالی ہو یا تنگدستی، امن ہو یا جنگ۔ جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے وہ راہ خدا میں دے دیتے ہیں۔ اپنی ذات پر آنے والی زیادتی، خلاف مزاج ہونے والے کام کو دیکھ کر صبر کا گھونٹ پی لیتے اور بدلہ، سرزنش یا جواب دینے کو پسند نہیں کرتے معاشرے، پاس پڑوس اور ملنے جلنے والوں کی غلطیاں معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے افراد خود اپنی جگہ متقی اور معاشرے میں خوش کردار اور قابل تعریف لوگ ہیں، اللہ بھی انہیں محبوب رکھتا ہے۔

احد میں جو کچھ ہوا، اس کا مداوا بتایا جا رہا ہے۔ کہ اب آئندہ کی تیاری کرو، مال خرچ کرو، باہمی غم و غصے کو تھوک دو۔ حسن سلوک سے پیش نہ آئے تو آئندہ لڑائیاں کیسے لڑو گے۔ اہل ایمان مستقبل پر نظر رکھتے اور حسن تدبیر سے کام کرتے ہیں۔ پھر عفو و درگذر تو ہر اس شخص کا شیوہ ہونا چاہیئے جو بار بار گناہ کرنے کے بعد بھی اللہ کی مغفرت کا طلب گار و امیدوار رہتا ہو۔ (قرآن) غصہ پینے کی صفت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا ہے: من کظم غیظاً وھو قادر علی انفاذہ، ملأہ اللہ امناً وایماناً؛ جو شخص غصہ آنے پر سزا دے سکتا ہو، پھر اسے پی جائے تو اللہ اس کے قلب و ضمیر کو امن و ایمان سے لبریز کر دیتا ہے۔ غصہ پی جانا شخصیت کی بڑائی اور آدمی کی دلیری پر دلیل ہے۔

۱۳۵۔ والذین اذا فعلوا فاحشۃً ......

متقین کی اصل خوبی تو احسان ہے، دوسروں سے اچھا سلوک اپنی ذات سے حسن معاملہ، لیکن وہ معصوم تو ہیں نہیں، کبھی کبھی گناہ بھی کر بیٹھتے ہیں۔ مگر جب بھی کوئی

برا کام کرتے اور فحشا سرزد ہوجاتا ہے۔ فحشا کی آخری حد زنا ہے۔ یا اپنے نفس کو ارتقائی منازل عرفان و کردار ایمان سے روکتے ہیں وہ فوراً اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اس کی رحمت و مغفرت، اس کے انعام، اس کے وعدے وعید، کو یاد کرکے مغفرت مانگتے ہیں۔ وہ حالت گناہ و غفلت سے نکلنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ چونکہ گناہ اللہ کا کیا تھا تو بخشنے والا دوسرا کون ہے۔ ان کی توبہ، ان کے تقوے کی اساس اور توجہ خالص کی بنیاد پر ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، گناہ پر اصرار نہیں کرتے کیونکہ انھیں علم و معرفت کا ذخر حاصل ہوتا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے: اصرار یہ ہے کہ آدمی گناہ کرے اور اللہ سے بخشش کی دعا نہ کرے اور اپنے دل میں توبہ کا خیال نہ لائے (تفسیر عیاشی)

۱۳۶ اولئك جزآؤهم مغفرة . . . . . .

ایسے متقی مسلمان جن کے صفات بیان کیے گئے وہ کبھی اور کہیں بھی ہوں یہ بشارت سن لیں کہ ان کے حسن ظن، توبہ اور توجہ الی اللہ کی جزا مغفرت اور جنت ملے گی۔ وہ بہشت میں ہمیشہ رہیں گے۔ عمل کرنے والوں کو اللہ اچھا اجر و انعام دیتا ہے۔

پہلی آیت میں علم کا فائدہ، اور اس آیت میں عمل کا فائدہ حسن بیان و اعجاز قرآن کا ایک پہلو ہے۔"

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿﴾ هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿﴾

ترجمہ:

تم سے پہلے بہت سے واقعات گزر چکے تو زمین میں چلو پھرو۔ پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا (۱۳۷) یہ عام لوگوں کے لئے بیان (توضیح) ہے اور متقی افراد کے لئے ہدایت (۱۳۸)

تفسیر:

۱۳۷۔ قد خلت من قبلکم ......

سُنَنٌ: سنت کی جمع، رویہ۔ رفتار و گفتار کشادہ۔ راستہ۔ واقعہ۔ سرگزشت۔

قرآن مجید علم کے رواج کا حامی اور مسلمانوں کی فکری و عملی ترقی کا داعی ہے، اس راہ میں اس نے ہر رکاوٹ کو دور کرکے بے شمار ایوان تعمیر کئے جن میں تاریخ اور جغرافیہ، اور مطالعۂ کائنات کی بات آیت سے مربوط ہے۔ ماضی اور اس کے تمدن و ثقافت کا وجود نیز اس کے مطالعے پر توجہ دہانی۔ اسے فراموش نہ کرنے کا اصول، بے شمار علوم و فنون کی اہمیت اور اس سے متعلقہ مسائل کی طرف اشارہ ہے۔ سیر و گردش کی ہمت افزائی ہے مگر بامقصد سیاحت، مقصد معرفت خدا اور عبرت و ہدایت طلبی ہو۔ ایک آیت ہے مگر پہلو بہت ہیں۔ اور ہر پہلو کا نتیجہ، فائدہ اٹھانا، معرفت بڑھانا، متعدد پہلو ہیں، اور سارے پہلوؤں سے جو نتیجہ کبریٰ مراد ہے۔

اور سنت اللہ کی دریافت "سیروا فی الارض" پر کم از کم چھ آتیں ہیں، جن میں جھٹلانے

والوں اور مجرموں کے نتائج حیات پر غور کرنے کی دعوت ہے۔ سورۃ العنکبوت میں ارشاد ہے:

قل سیروا فی الارض فانظروا کیف بدأ الخلق ثم اللہ ینشئ النشأۃ الآخرۃ ، ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر ﴿۲۰﴾

کہہ دیجیے! زمین میں چلو پھرو، غور کرو اللہ نے تخلیق کی ابتداء کیسے کی۔ پھر اللہ آخرت میں حشر و نشر کرے گا؟ بلاشبہ، اللہ، ہر چیز پر قادر ہے۔

۱۳۸۔ هٰذا بیان للناس ......

خلاصۂ سیر و گردش، فکر و نظر اور حاصل مطالعہ و سفر اللہ کی معرفت، تقویٰ اور قدرت کی بصیرت حاصل کرنا ہے۔ اس کے بعد جو اطمینانِ قلب پیدا ہوگا وہ ہزاروں مشکلوں کو آسان کر دے گا (مزید ملاحظہ ہو تفسیر آیہ ۱۱، انعام۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ۝ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَقَدْ كُنتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِن قَبْلِ أَن

تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

ترجمہ:

اور ہمت نہ ہارو، غم نہ کھاؤ، اگر تم مومن ہو تو غالب تم ہی رہو گے (۱۳۹) اگر تم کو زخم لگا، تو (اس) جمعیت کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے۔ اور ہم یہ دن (اور حالات) انسانوں میں ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ تاکہ اللہ ان لوگوں کو پرکھ لے جو ایمان لا چکے اور اللہ تم میں سے کچھ کو شہید قرار دے۔ اور اللہ ظالم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (۱۴۰) اور اس لئے بھی کہ اللہ پاک صاف کر دے مومنوں کو اور مٹا دے کافروں کو (۱۴۱) کیا یہ سمجھتے ہو کہ تم جنّت میں چلے جاؤ گے۔ حالانکہ اللہ نے تم لوگوں میں سے جہاد کرنے والوں اور ثابت قدم لوگوں کو پرکھا نہیں ہے (۱۴۲) اور تم لوگ تو موت کا سامنا کرنے سے پہلے اس کی تمنا کرتے تھے، تو اب اسے آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا، اور اب تو اچھی طرح دیکھ رہے ہو (۱۴۳)

تفسیر:

۱۳۹۔ ولا تھنوا ولا تحزنوا....

احد کا تذکرہ اور مختلف گروہوں کی بات ہے، درمیان میں کچھ کردار ساز و ہدایت آفریں آیتوں کے بعد پھر آہنگ بدلا۔ فوج سے خطاب اور مسلمانوں کی ہمت افزائی ہے۔

ہر دور کے مومن، اور آج کے جنگ زدہ، ایران و لبنان کے مسلمان بھی اس اعلان کو سنیں اور یاد رکھیں۔ "انتم الاعلون" اللہ کا دیا ہوا اعزاز ہے کہ ہر مومن اعلیٰ اور برتر ہے، پھر سستی اور کم ہمتی کیسی؟ جذبات میں پژمردگی کیوں ہے؟ ہمت بلند رکھو،

طبیعت شگفتہ رکھو، تم ہی اونچے ہو اور اونچے رہو گے۔ سورۂ نساء میں ارشاد ہے " ولا تھنوا فی ابتغاء القوم ..... اس قوم کی جستجو اور پیچھا کرنے میں سستی نہ کرو بڑھو اور ان کو جانے نہ دو۔"

۱۴۰۔ ان یمسسکم قرح فقد ....

اس معرکے میں تمہیں چوٹ لگی تو کیا ہوا، بدر میں ایسی ہی زک وہ بھی تو اٹھا چکے، اس میں ان کے ستر مارے گئے اور اتنے ہی اسیر ہوئے، اس جنگ میں تمہارے ستر پچھتر آدمی شہید ہوئے اور کوئی قید نہ ہوا۔ اس لیے احساسِ کمتری کیوں ہے۔ فطرت کا اصول اور اللہ کی سنت یہی ہے کہ حالات بدلتے رہیں ۔ رات دن کی گردش اور حالات کی الٹ پلٹ سے آدمی اور کردار پرکھے جاتے ہیں، تنگی و ترشی میں باعقیدہ کتنے رہے اور خوش حالی میں صاحب ایمان کتنے؟ پھر اللہ، شہید بھی تو دیکھنا چاہتا ہے کہ شہادت، بامقصد جنگ اور مجاہدین آہنگ پیدا کرتی ہے۔ شہید، حق کا زندہ جاوید گواہ ہوتا ہے۔ شہیدوں کے دم سے خونوں میں گرمی اور تاریخ میں سرخ روئی کی نئی آفریں زندگیاں ابھرتی ہیں جس سے قوم کی توانائی عزیمت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس راہ سے انحراف ظلم ہے اور ظلم و ظالم اللہ کا محبوب نہیں ہو سکتا۔ کسی مسلمان کو فکری و عملی ظلم زیب نہیں دیتا۔

لہ زعیم انقلاب اسلامی سید روح اللہ خمینی، ان آیتوں کی بنیاد پر امریکہ اور یہودیوں کو ایران سے نکال چکے ان کی دعوت ہے کہ ان کو دنیا جہان سے نکال دو، لبنان نے دونوں کو اپنے یہاں سے نکال دیا، روس افغانستان پر قابض ہو گیا وہاں کے مسلمان اس سے لڑ رہے ہیں۔ لیکن عرب ممالک امریکہ کے سامنے جھکے ہوئے ہیں اور سب نے مل کر فلسطینیوں کو ذلیل کرایا، مصر جو یہودیوں سے معاہدہ کر کے امریکہ کی اطاعت اور مسلمانوں کی ذلت کرچکا تھا، آج ۳ صفر ۱۴۰۶ھ کو اسی امریکہ سے ناراض ہے اور جنگی مشقیں بند کردی ہیں۔

←

١٤١ - ولیمحص اللہ ......

محص: صاف، کھوٹ نکال دینا۔ محق: آہستہ آہستہ کم ہونا۔

احد کی پسپائی کا ایک راز یہ بھی تھا کہ اللہ، کھرے کھوٹے الگ کرنا چاہتا تھا۔ انقلاب و دعوت اسلام میں کڑی منزلیں کٹھن گو لوگوں میں صاف شفاف کندن کی طرح چمکنے والے کردار اجاگر نہ ہوں تو فکری تبدیلیوں کی رفتار خطرے میں پڑ جائے۔ جب فلسفہ سے کماحقہٗ آگاہ اور عمل میں مثالی کردار داعی کے پہلو میں کھڑے ہوں تو کفر و کافر، منکر و منحرف آہستہ آہستہ میدان سے رخ موڑنے لگتے ہیں، آخر اللہ نے مسلمانوں کو وہ دن دکھایا اور مکہ فتح ہو کے رہا۔

١٤٢ - ام حسبتم ان تدخلوا ......

مومنوں کے زمرے میں گھس جانے سے تو فتح و نصرت اور جنت نہیں ملا کرتی، اللہ کا دستور ہے سب کو آزمانا، کھرے کھوٹے، اعلیٰ اور ادنیٰ، مستحق اور غیر مستحق، مجاہد اور فراری الگ الگ کرنا۔ سورۂ عنکبوت میں ہے "ام حسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وھم لا یفتنون" کیا لوگوں نے یہ عقیدہ بنا رکھا ہے کہ وہ "آمنا" کہنے کے بعد آزمائے نہ جائیں گے، مصیبتوں میں مبتلا نہ کیے جائیں گے؟ حالانکہ سنتِ الٰہی یہ ہے کہ وہ سچے اور جھوٹے کی آزمائش و امتیاز کے لئے ہمیشہ سے امتحان لیتا رہا ہے۔

١٤٣ ولقد کنتم تمنّون الموت ....

آیت میں ان لوگوں کے نفسیات کو مہمیز ہے جو مرنے سے کتراتے اور ایمان کے بلند بانگ دعوے کرتے تھے۔ مسلمانوں کو جنگ سے پہلے کے نعرے یاد دلائے جا رہے

٩، اکتوبر ١٩٨٥ء کو فلسطینی آدمیوں نے مصر کی بندرگاہ پر اٹلی کا ایک جہاز اغوا کر لیا، کیونکہ یہودیوں نے ٹیونس میں ان کے ہیڈ کوارٹر کو تباہ کیا تھا۔ بات چیت کے بعد اغوا کرنے والے جہاز سے نکل آتے اور جہاز چھوڑ دیا، اغوا کرنے والے چار فلسطینی مصری ہوائی جہاز سے ٹیونس جا رہے تھے۔ ٹیونس نے جہاز کو اڈے پر اترنے کی اجازت نہیں دی کہ امریکی ہوائی جہازوں نے اس طیارے کو جھپٹ کر اغوا کر لیا اور سسلی میں اترنے پر مجبور کر دیا۔ اب سب عرب شرمندہ اور مشتعل ہیں۔ ١٩، اکتوبر ١٩٨٥ء

توحید ١٤

ہیں کہ، ہم مرنے پر تیار تھے۔ راہ خدا میں موت کو باعث فخر کہتے تھے، مگر جب احد کا امتحان ہوا، تو موت سے ڈر گئے، ارادوں سے پھر گئے، موت کا بازار گرم ہو تو راستہ چھوڑ کر بھاگے، خبردار! سچے مسلمان اور مستقبل کے دعویدار یہ کردار کبھی نہ اپنائیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۗ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۗ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۗ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

ترجمہ:

اور محمدؐ صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے متعدد رسول گزر چکے، تو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم اپنے پچھلے پاؤں پلٹ جاؤ گے؟ اور جو بھی اپنے پچھلے پیروں پلٹے گا وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا، اور اللہ شکر کرنے والوں کو جلد ثواب عطا کرے گا (۱۴۴) اور کوئی سانس لینے والا حکم الٰہی کے بغیر مر ہی نہیں سکتا۔ ایک معین وقت لکھا ہوا ہے۔ اور جو شخص دنیا کا بدلہ چاہے گا ہم اسے یہیں بدلہ دیں گے اور جو آخرت کا بدلہ چاہے گا ہم اسے وہاں دیں گے۔ اور عنقریب ہم شکر گزاروں کو ثواب دیں گے (۱۴۵)

تفسیر:

۱۴۴۔ وما محمد الا رسول . . . . .

جبلِ رماۃ سے تیر اندازوں کا اترنا، حضرت حمزہ اور وفادار اصحاب کا شہید ہونا اور پھر دشمن کا پلٹ کر حملہ کرنا، غضب ہوگیا، صحابہ بھاگ گئے اور دشمن نے حضور کو نشانہ بنا کر پتھر برسانا شروع کر دیئے، جاں نثار چند صحابہ دست بدست جنگ کر رہے تھے حضرت علیؑ زخموں سے چور دشمنوں پر کاری ضربیں لگا رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سپر بنے تھے۔ دشمن نے ریلا کیا علیؑ نے انھیں ڈھکیلا، اس نے دور سے نشانہ بنا کر پتھر مارا اور حضورؐ کے دندانِ مبارک پر چوٹ لگی۔ مصعب بن عمیر شہید ہوئے رسول اللہؐ سامنے سے ہٹے اور دشمن نے شور مچایا، کہ محمد مارے گئے۔ نتیجہ میں جو مسلمان اب تک جمے تھے وہ بھی بھاگے۔ ابو دجانہ رضوان اللہ علیہ جیسے چند افراد رہ گئے۔ اس عالم میں حضرت علیؑ کسی طرح خدمت سرورؐ عالم تک پہنچے اور آپ کو محفوظ جگہ پر پہنچانے میں کامیاب ہوگئے اور آنحضرتؐ دشمن کی زد سے بچ گئے (دیکھیے آیت/۱۵۳)

دشمن تو ہوائی اڑا کر مطمئن تھا مگر اہل بیت میں تلاطم برپا ہو گیا۔ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، دوڑی ہوئی بابا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ علیؑ و فاطمہؑ نے زخم دھویا۔ علاج کیا اور آنحضرتؐ دوبارہ میدان میں آئے، زخمی مجاہد جمع ہوئے کچھ بھاگے ہوئے آدمی بھی پہنچے، حضرتؐ نے دشمن کو ہمیشہ کے لئے روکنے کا منصوبہ دیا۔ اس طرح مسلمان دشمن کی آخری ضرب اور اس کی قید سے بچ گئے اور دشمن فتح یاب نہ ہو سکا۔

صورتحال کے نتائج بد سے تحفظ کے لیے، اللہ نے نصیحتیں فرمائیں۔

۱۔ نبوتوں اور رسالتوں کا سلسلہ مدتوں سے جاری ہے، ہر نبی و رسول اپنا دور گزار کر زمین کے اندر یا فلک کے اوپر چلا جاتا ہے۔ خاتم النبین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کو بھی ایک دن جانا ہے لہٰذا یہ کوئی نئی بات نہیں۔

۲۔ رسول خاتم محمد مصطفیٰؐ دراصل صرف رسول ہیں، یعنی ان کا منصب الٰہی پیغام پہنچانا ہے۔ اب اس پر عمل کرنا قوم کی ذمہ داری ہے۔

۳۔ تحریک کا فلسفہ اور دین کے اصول قوم بدل دیتی اور خود بھی منحرف ہوجاتی ہے، اللہ نے اپنے دین کے تمام تعلیمات کی حفاظت کے انتظامات کر لیے ہیں۔ قوم کو اپنی راہ سیدھی رکھنا چاہیئے۔

۴۔ آیت بتاتی ہے کہ آنحضرتؐ کے زمانے میں خبر بد سننے پر جب بڑے بڑے حضرات کی اکثریت منحرف ہوگئی تو واقعی رحلت کے بعد مسلمانوں کا رویہ اور بھی مشکوک ہوجاتا ہے۔

۵۔ آج بھی یہ آیت راہ نمائی کررہی ہے کہ نبی آخر الزمانؐ کے بعد کسی کو یہ حق نہیں کہ جاہلیت کے حوالے سے بات کرے۔ مسلمان وہی ہے جو نبی کو قائم و دائم مانے اور آنحضرت کے نقش قدم کو ہر وقت رہ نما جانے۔ "ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا۔"

۱۴۵۔ وما کان لنفس ان تموت ۔۔۔۔۔

موت کا وقت مقرر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے زندگی کے آداب اور اس کی کامیابی کے طریقے بتا دیے۔ اب یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ مسلمان و مومن و متقی بن کر اللہ کی رضا کے مطابق عمل کریں تاکہ آخرت میں جزا ملے یا پھر دنیا کے لئے عمل کریں اور اسی چند روزہ دنیا میں لذت اٹھائیں۔

نعمت زندگی، اللہ نے عطا کی ہے اس لیے جو اسے برمحل استعمال کرے گا اور یہ عطیہ اسی کی راہ میں قربان کرے گا اسے وہ خاص ثواب ملے گا جو شکر گذار بندوں کے لئے مقرر ہے۔

رسول خدا مخدوم کونین تھے، حضرت علیؑ و فاطمہؑ نے مل کر حضورؐ کی مرہم پٹی کی جب فارغ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ علیؑ کی مرہم پٹی کی جائے امام

محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اکسٹھ زخم تھے، اور ام سلیم وام عطیہ نے بحکم رسولؐ زخموں کی مرہم پٹی کی مگر حالت دیکھی نہ جاتی تھی، لوگ عیادت کو آتے اور پریشان پلٹتے تھے، آنحضرتؐ عیادت کو تشریف لاتے اور بدن پر دست مبارک رکھتے اور صحت و سکون مرحمت فرماتے تھے۔

زخموں کی فراوانی اور جذبات کی شدت کے باوجود نہ جنگ میں کمی کی نہ مقصد سے نظر ہٹائی اسی بنا پر اللہ نے فرمایا کہ ایسے شکر گذار کو ہم خود جزا دیں گے۔ پہلی آیت میں "یجزی" اور اس آیت میں "نجزی" ایک جگہ صیغۂ غائب اور دوسری جگہ صیغۂ متکلم مخاطب کے مرتبے پر روشنی ڈالتا ہے۔

یہی واقعہ، شیخ مفید رحمہ نے آیت ۱۴۶ کا سبب نزول بتایا ہے۔(نمونہ بینات)

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

ترجمہ:

اور بہت سے نبی ہیں جن کی ہمراہی میں بہت سے اللہ والے لڑے، پھر اللہ کی راہ میں ان پر جو مصیبتیں پڑیں ان سے نہ تو وہ سست ہوئے، نہ

بودا پن دکھایا اور اللہ ثابت قدم افراد کو یقیناً دوست رکھتا ہے (۱۴۶)
اور وہ صرف یہ بات کہتے تھے کہ، ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے
اور اپنے معاملات میں جو زیادتی ہم سے ہوئی اسے معاف فرما اور ہمیں ثابت
قدم رکھ اور کافر جمعیت کے خلاف ہماری مدد کر (۱۴۷) تو اللہ نے
انھیں اس دنیا میں بدلہ دیا اور آخرت کا بہتر بدلہ دیا اور اللہ اچھے کام کرنے والوں
کو دوست رکھتا ہے - (۱۴۸)

تفسیر:

۱۴۶- وکاین من نبی قاتل معہ ....

کاین: (ک ا ی) کاف تشبیہ کو معنی سے دور رکھنے کے لئے "من" ایک قرینہ
ہے - سورۃ الطلاق کی آٹھویں آیت ہے " کاین من قریۃ عتت عن امر ربھا-
(ابن الانباری) کاین: بہت زیادہ - ربی - : اللہ سے تقرب رکھنے والا جمع ربیون
"قد خلت من قبلہ الرسل" پیغمبران سلف کے حوالے سے ایک بات تو یہ کہی گئی
کہ تم سوچو، کیا رسول کے دنیا چھوڑ جانے کے بعد سب کو سابقہ حالت میں پلٹ جانا
زیب دیتا ہے؟ گذشتہ انبیاء اور ان کی امتوں کا حال دیکھ کر جواب دو، تاکہ تسلسل
تاریخ سے رشتہ ٹوٹنے نہ پائے - اس آیت میں ارشاد ہے کہ گذشتہ پیغمبر کے مخلص
ساتھی اپنے اپنے نبی کے پرچم تلے، قدم جما کے لڑے اور دشمن کی طاقت وجبروت
کے مقابلے میں شمہ بھر کمزوری کا احساس قریب نہ آنے دیا - سخت ترین مشکلات
ان کے سامنے آئے مگر ان کا حسن کردار دبنے نہ پایا - ایسے ثابت قدم جب بھی ہوں
اور جہاں بھی ہوں، اللہ کے محبوب ہیں -

۱۴۷ - وما کان قولھم .....

ایسے با عزیمت مجاہد، اور ایسے خدا دوست و ثابت قدم ہونے کے باوجود
وہ غلط اندیش اور اپنے بارے میں خود پسند نہ تھے، ان کا ادب بندگی وجاں نثاری

ان کی توجہ الی اللہ میں کمی نہ آنے دیتا تھا وہ کوتاہیوں کا اعتراف، زیادتیوں پر معذرت اور اللہ پر توکل کا اظہار ہی کرتے اور اپنی قوت پر بھروسہ ـ کے بجائے اللہ سے مدد مانگنے کو شرف جانتے رہے ـ

ربنا اغفرلنا ..... بہترین دعا ہے جو ہر مرد مؤمن کو ہمیشہ پڑھنا اور اس کے معانی سے اصلاح ذات کا فائدہ حاصل کرنا چاہیے ـ

۱۴۸ ـ فاٰتٰھم اللہ ثواب الدنیا ...

نیک کردار، ہر کام کو بوجہ احسن انجام دینے والوں کو اللہ محبوب رکھتا ہے ـ انھیں دنیا میں ان کے عمل کا صلہ دیتا ہے اور آخرت میں اس سے بھی اچھا انعام دے گا ـ

تینوں آیتوں میں کچھ اصولی اشارے ہیں جو ہمیشہ ہدایت آفریں رہیں گے ـ

۱ـ "صبر" ثابت قدمی اور مستقل مزاجی یعنی ایمان کے ساتھ استقامت کا نام ہے ـ اس کی ضد ہے "ضعف" اور "وھن" یا طاغوت و باطل کے سامنے سر جھکانا ـ محسن وہ ہے جو اپنا فرض اچھے طریقے سے انجام دے جنگ ہو یا راہ حق میں مشکلات کا مقابلہ، صابر ان کا مقابلہ کرتا اور اللہ سے نوید انعام سنتا ہے ـ

واللہ یحب الصابرین ـ واللہ یحب المحسنین ـ

۲ـ مخلص و مؤمن، مجاہدوں کا کردار یہ ہے کہ وہ شکست اور احساس ضعف کے بجائے، جوان ارادے اور توجہ الی اللہ کے ساتھ دشمنانِ اسلام پر فتح کا یقین رکھ کر اپنا فریضہ انجام دیتے اور ہمہ وقت اللہ سے اپنی کمزوری کا اظہار اور اس کی امداد کی تمنا کرتے رہتے ہیں ـ

۳ـ دنیا کا صلہ "ثواب الدنیا" اور آخرت کا صلہ "حسن ثواب الآخرۃ" کہہ کر یہ درس دیا ہے کہ دنیا بہت کچھ ہونے کے باوجود اللہ کے نزدیک سب کچھ نہیں شرف آخرت اور وہاں کے انعام ہی کو حاصل ہے ـ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ۝ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ۝ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ۝

ترجمہ:

ایمان لانے والے لوگو! اگر تم ان لوگوں کی بات مان لو گے جو کافر ہیں تو وہ تمھیں پیچھے لوٹا دیں گے، پھر تم گھاٹے میں چلے جاؤ گے (۱۴۹) بلکہ اللہ تعالیٰ ہی تمھارا سربراہ (مالک) ہے اور وہی اچھا مددگار ہے (۱۵۰) عنقریب ہم منکرینِ حق کے دلوں میں رعب بٹھا دیں گے، اس وجہ سے کہ انھوں نے اللہ کا شریک مانا، جس پر اللہ نے کوئی ثبوت نازل نہیں کیا، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بہت ہی بری ہے ظلم کرنے والوں کی آخری منزل (۱۵۱)

تفسیر:

۱۴۹- یاایھا الذین آمنوا ان تطیعوا۔۔۔

گزشتہ آیت میں محبوب اہلِ ایمان کا رویہ بیان کیا اب ایک خطرے کی نشان دہی کی جارہی ہے، یعنی دشمنوں کے پروپیگنڈے کی مہم جاری ہے، وہ لوگ احد کے واقعات کی من مانی تاویلیں کرکے، ہمت ہارنے والے لوگوں کو اسلام سے منحرف کرنے کی فکر

ہیں ہیں۔ خبردار! مومن ہو تو ان کے اشاروں پر نہ چلنا، افواہوں پر کان نہ دھرنا، اسلام ترقی فکر و عمل اور کمالِ انسانیت کا راستہ ہے، توحید کا اعتقاد ماسوی اللہ کا انکار، رسولِ مقبولؐ کی پیروی اور آلِ رسولؐ کی اطاعت اور قرآن کا اتباع، آزاد و باعزت معاشرے کی بشارت ہے۔ اگر تم نے طاغوتیوں کی بات مان لی تو اپنے روشن مستقبل سے ہاتھ دھو بیٹھو گے اور جانوروں کے درجے میں پہنچ جاؤ گے ــ رہی جمعیت اور قوت، تو جس کا اللہ والی ہو اسے ڈر کس کا، اللہ سے بڑا حامی و ناصر اور ہے کون۔

آج دنیا میں مسلمان جس عالم میں ہیں وہ سب پر عیاں ہے، اور ایران کے انقلاب نے ہر مسلمان کو دکھا دیا کہ امریکہ اور روس کو ٹھکرا کر، قوم پرستی کی طرف رجعت کو چھوڑ کر اسلام سے وابستگی عزت و قوت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، البتہ اس کے لئے علم قرآن اور پختگیِ ایمان شرط ہے۔

۱۵۰۔ بلِ اللہ مولاکم ......

جنگ میں مشرکوں کے نعرے تھے " اعلیٰ ھبل ـ عزیٰ لنا ولا عزیٰ لکم ـ ھبل ـ ہبل کی جے ــ عزیٰ ہمارا ہے ـ مسلمانوں کے نعرے تھے " اللہ اعلیٰ واجل ـ اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم " آیت میں اس نعرے کی تائید کی گئی ہے اور بشارت ہے ہاں، ہاں تمہارا مولا اللہ ہی ہے اور وہ بہترین مددگار ہے۔ وہی فتح دینے والا ہے۔

۱۵۱۔ سنلقی فی قلوب الذین کفروا ....

یہ کافر، جو ابھی للکارتے اور دف بجاتے گئے ہیں، انھیں دیکھنا، ان کے دلوں پر اللہ وہ دہشت و ہیبت طاری کر دے گا کہ تمہیں پلٹ کر دیکھ نہ سکیں گے۔ ایسا ہی ہوا احد سے ذرا دور جا کر، ابوسفیان نے چاہا کہ پلٹے اور مسلمانوں پر آخری ضرب لگائے، مگر ہمت نہ پڑی، ادھر، زخمی مجاہد "حمرآء الاسد" تک ان کے تعاقب میں گئے اور انھیں بھگا کر واپس آئے۔

آج بھی آیۂ کریمہ کی سچائی نمایاں ہے اور افغانستان و لبنان و ایران میں، روس و امریکہ اور یہودی گھبرائے ہوئے ہیں اور مسلمان مجاہد غالب ہیں، خصوصاً ایران میں تو

غزوات النبیؐ کا صاف پرتو نظر آرہا ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ

وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ

وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَاۤ اَرٰٮكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ

الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ

لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ:

اللہ نے تم سے اپنا وعدہ پورا کر دیا، جب تم اللہ کے حکم سے ان دشمنوں کو قتل کرنے لگے، آخر کار تم نے نامردانگی دکھائی اور مسئلے میں جھگڑنے لگے اور حکم عدولی کی۔ بعد اس کے کہ اللہ تمہیں تمہاری مطلوب چیز (فتح) دکھا چکا تھا۔ تم میں کوئی دنیا چاہتا تھا کوئی آخرت چاہتا تھا۔ پھر اس نے تم کو ان کے مقابلے سے پھیر دیا۔ تاکہ وہ تمہارا امتحان لے۔ اور بے شک اللہ نے تم کو معاف کیا۔ اور اللہ عزّ اسمہ مومنوں پر بہت فضل کرنے والا ہے۔ (۱۵۲)

تفسیر:

تَحُسُّوْنَهُمْ: حَسَّ، حواس چھین لیے، قتل عام کر دیا، دشمن کو تہس نہس کر دیا۔
"اذا" شرطیہ نہیں ہے۔ اس کے معنی ہیں "وقت" "زمانہ" "فشلتم" فشل انتہائی بزدلی، انتہائی نامردی۔
آنحضرتؐ کی جنگی مہارت اور محاذ کی ترتیب نیز اللہ کی مدد کا حال اس وقت کھلا،

جب احد کے میدان میں مشرکوں نے پیش قدمی کی اور مسلمانوں نے انھیں تلوار کی باڑھ پر لے لیا کہ بنی عبدالدار کھیت رہے اور فتح کا چہرہ نظر آنے لگا دشمن بھاگا، یہ مومنوں کی آزمائش کا مرحلہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے تاکید فرمائی تھی کہ جبل عینین کو نہ چھوڑنا مگر میدانی فوج کو مال غنیمت لوٹتے دیکھ کر تیر انداز اپنے مورچے سے اتر کر اپنا حصہ لینے دوڑے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ، سپاہیوں کو حکم رسولؐ یاد دلاتے رہے مگر لوگ نہ مانے، آخر ایک لمحے میں جنگ کا نقشہ بدل گیا، عکرمہ بن ابوجہل پلٹا اور مصعب ابن جبیرؓ پر خالد بن ولید نے حملہ کیا وہ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ مورچہ خالی ہوتے ہی دشمن نے ہر طرف سے گھیر کر خوب مارا وہ تو خدا نے عفو و بخشش کی ورنہ سب مارے جاتے۔ بالفاظ قرآن "ومنکم من یرید الآخرۃ" آخرت کے طلب گار، ابودجانہ و معصب بن عمیر رضوان اللہ علیہما جیسے چند صحابہ دشمن کو روکے ہوئے تھے، اسی معرکے میں حضرت حمزہ رضوان اللہ علیہ شہید ہوئے، اور ابوسفیان کی بیوی نے ان کی لاش سے بے ادبی کی، حضرت کا جگر چبایا اور ناک کان کاٹ کر مثلہ کیا۔ حضرت علیؑ کو بھی ابوسفیان نے نشانہ بنایا مگر نہ علیؑ جیسا کوئی جوان تھا نہ ذوالفقار جیسی تلوار۔

لافتیٰ الا علیؑ۔ لاسیف الا ذوالفقار۔ حضرت علی مجسم نصرت الٰہی بن کر دشمن پر غالب آگئے اور مسلمان شکست سے بچ گئے۔ اللہ نے دشمنوں کو دور کیا۔ اور مومنوں پر فضل عظیم ہو گیا۔

اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوۡلُ يَدۡعُوۡكُمۡ فِىۡۤ اُخۡرٰٮكُمۡ فَاَثَابَكُمۡ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّـكَيۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۝

ترجمہ:

جب تم دور بھاگے (چڑھے) جا رہے تھے اور مڑ کر کسی کو بھی نہ دیکھتے تھے

توحید ۲۴

حالانکہ رسول ص تمھیں پیچھے کھڑے پکار رہے تھے، لہٰذا اللہ نے تمھیں صدمے پر صدمے دیے تاکہ جو ہاتھ سے نکل جائے یا جو افتاد آپڑے اس پر غم نہ کھاؤ اور اللہ تمہارے کرتوتوں سے باخبر ہے۔ (۱۵۳)

تفسیر:

تُصْعِدُونَ: اَصْعَدَ، یُصْعِدُ، اصعاداً، ہموار زمین میں یا بلندی کی طرف بھاگنا، دور تک نکل جانا۔ صعود: بلندی پر جانا۔

تَلْوٗنَ: تم پلٹ کر دیکھتے ہو۔ مڑتے ہو۔ اخریٰ: آخر میں پس پشت۔

معجزہ اسے کہتے ہیں ایک جملے میں واقعہ، نفسیات کی تصویر، اور اظہارِ غضب میں رحمت کی جھلکیاں پھر اصولی تعلیم اور قانونی تنبیہ، سب باتیں موجود ہیں۔

دشمن جھپٹا تو لوگ سب کچھ بھول گئے: بالفاظ مودودی صاحب "کچھ لوگ مدینے کی طرف بھاگ نکلے اور کچھ احد پر چڑھ گئے" ڈر کے مارے کوئی مڑ کر پیچھے نہ دیکھتا تھا، کہ قائد کس حال میں ہے اور گنتی کے ساتھی کیا کر رہے ہیں۔ اس حالت پر غور کیجیے فوج بھاگ چکی، دشمن چیختا چنگھاڑتا، خون آشام تلواروں سمیت ٹوٹ پڑا ہے، اور اللہ کا رسول، اسی نشیب میں کھڑا پکار رہا ہے، لات و ھبل کے منکرو، اللہ کی بندگی کا دم بھرنے والو، میرے پاس آؤ، پلٹو اور نہ بھاگو۔ حضور، خود سواری پر بیٹھ کر فوج کو واپس لانے کے لیے آگے جاتے تو میدانِ جنگ میں لڑنے والے مجاہد بے سہارا ہو جاتے اور دشمن کو دوسری طرح سوچنے کا موقع بھی ملتا، پھر قائد کا مثالی کردار بھی محلِ بحث بن سکتا تھا لہٰذا آپ اپنی جگہ کھڑے تھے اور اسی اطمینان سے جنگ لڑ رہے تھے۔ حضرت علیؑ نے اس کیفیت کی تصویر کشی اور اس عمل کا ردِّ عمل یوں بیان کیا ہے۔ اذا وطی الحمیس کنا لجأنا برسول اللہ جب جنگ کا میدان بھڑکتا تھا تو ہم حضور کے وجودِ مقدس کی پناہ لیتے تھے۔ اس وقت گنتی کے چند مجاہد مصروفِ جہاد تھے، جن میں حضرت علیؑ، حضرت ابودجانہ رضؓ اور حضرت مصعب بن عمیر خاص طور پر دشمن پر بھاری تھے۔ حضرت مصعب

شہید ہوگئے اور حضرت ابو دجانہ زخمی ہو کر گر پڑے، حضرت علیؑ بھی بہت زخمی تھے مگر لڑتے رہے
سوال ہے کہ اللہ نے انھیں کیوں نہ لوٹایا؟ جواب ہے کہ جب عقیدہ کمزور ہو تو واپسی کا فائدہ
کیا ہوتا۔ انھیں اور بعد والوں کو سبق کیا ملتا۔ اللہ نے ان کو سزا دینا چاہی تاکہ دوسرے عبرت حاصل
کریں نیز لوگ یہ نہ سمجھنے لگیں کہ ان کے ساتھ چھوڑ دینے سے اللہ کا رسولؐ میدان ہار جائے گا سب کو
یقین رکھنا چاہیئے اللہ کی نصرت رسولؐ کے ساتھ ہے اور رہے گی۔ بھاگنے والوں کو سزا اور
معاشرتی نفرت کا سامنا کرنا ہوگا۔ فرار کی شرمندگی، عظیم ساتھیوں کی شہادت اور ان کی محرومی،
دوسرے۔ لکیلا تحزنوا علیٰ ما فاتکم...، ہجوم غم و سیلاب اندوہ میں مال غنیمت ہاتھ
سے جانے اور زخم یا چوٹ کھانے پر توجہ نہ دو، یہ دیکھو کہ اس واقعے سے تمھاری نیت و عمل پر
کیا مثبت نتائج مرتب ہو رہے ہیں۔ اپنا محاسبہ کرو، اور یہ عقیدہ کمزور نہ ہونے دو کہ۔ اللہ
تمھارے اعمال کو دیکھ رہا ہے، وہ ہر بات سے باخبر ہے یہ عقیدہ تقوے کی اساس اور تقویٰ
ثابت قدمی اور جاں نثاری کا محرک ہے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ
عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ
وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ
الْجَاهِلِيَّةِ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ
كُلَّهٗ لِلّٰهِ يُخْفُوْنَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ يَقُوْلُوْنَ
لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ
بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ
وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

ترجمہ: پھر اللہ نے تم پر رنج کے بعد ہلکی سی نیند کی صورت میں سکون نازل کیا جو تمھارے کچھ لوگوں پر غالب آگئی۔ اور ایک گروہ تھا کہ یقیناً اسے اپنی جانوں کی فکر تھی (اس گروہ کو اونگھ نہ آئی) وہ لوگ اللہ کے بارے میں غلط قسم کے خیالات، جاہلیت کی (کافرانہ) بدگمانیاں کرتے تھے، وہ کہنے لگے، کیا فتح میں کچھ ہمارا بھی اختیار ہے؟ کہیے۔ بلاشبہ ہر امر کا اختیار تو اللہ ہی کو ہے۔ وہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی باتیں چھپائے ہوئے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر معاملے میں ہمیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم یہاں مارے نہ جاتے جواب دیجئے، کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے جب بھی وہ لوگ میدان میں نکل آتے جن کے مقدر میں جنگ کرکے مرنا لکھا گیا ہے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تمھارے سینوں کے اندر چھپے ہوئے کھوٹ کو پرکھے، اور جو تمہارے دلوں میں ہے اسے نکھار دے اللہ تمھارے سینے کے اندر کی بات سے باخبر ہے۔ (۱۵۴)

تفسیر:

اَمَنَةً: اطمینان سکون، انزل کا مفعول لہ اور نعاساً، انزل کا مفعول اور بدل۔ یعنی "انزل علیکم من بعد الغم نعاساً لامنة" مگر ترتیب آیت میں ایک خاص انداز اعجاز ہے جو "امنة۔ نعاسا۔ یغشی، اور اَھَمَّتْھُمْ کے تناظر سے واضح ہوتا ہے۔

لوگ ڈرے سہمے ہوئے یکجا ہوئے، کمزور عقیدہ لوگ طرح طرح کے وسوسوں میں گرفتار تھے اور اہل ایمان واقعات کا جائزہ لے رہے تھے کہ اللہ نے خاص کرم فرمایا۔ اچانک ان کے دماغ نے سکون محسوس کیا اور انہیں نیند آگئی، سپاہی کے لئے ایک جھپکی' اور صاحبِ عزیمت و مشغولِ کار کا ایک لمحے کے لئے سوجانا نعمت ہوتا ہے۔ یہ نعمت پہلی مرتبہ بدر میں عطا ہوئی تھی۔ اذ یغشیکم النعاس امنةً ... (الانفال/۱۱) کہ لوگ" اطمینانِ خاطر سے لذت یاب ہوئے اور انھیں ہلکی سی نیند آگئ اور بقول مولانا محمد حسن صاحب و مؤرخین بعینہ یہی انعامِ حق و فتح صفین میں حضرت علیؓ اور ان کے مخلص ساتھیوں کو ملا تھا۔

آج بھی مومن آدمی سخت ترین حالات میں بھی لذت بخش سکون سے شادکام رہتا ہے اور کمزور عقیدہ لوگ اس نعمت سے محروم رہتے ہیں۔

"یظنون باللہ ۔ ۔ ۔" جن کے عقیدے استوار نہ تھے وہ غلط خیالات میں الجھ گئے کہ ہم نے پہلے منع کیا تھا، شہر سے نکل کر نہ لڑیں مگر یہ لوگ نہ مانے اس میں ہمارا کیا اختیار، اب تو بات بگڑ گئی خدا اور رسولؐ کے وعدے دیکھ لیے ۔ اب رسولؐ بچ کے جائیں گے نہ ان کے مومن ساتھی (سورۃ الفتح) "بھلا ہمارا کیا اختیار؟" ایسا جملہ ہے جس کا مطلب بظاہر تو اچھا تھا مگر منافق کی زبان نے اسے زہر خند کے طور پر ادا کیا تھا وہ کہہ رہے تھے، "خود کردہ را علاج نیست" اللہ نے دل کا چور پکڑ لیا اور بتایا کہ یہ جو کہتے ہو کہ اگر ہمارے اختیار میں کچھ ہوتا تو ہمارے ساتھی یہاں نہ مارے جاتے ۔ ان کا جواب یہ ہے کہ اول تو واقعاً ہر معاملہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے، وہ چاہے تو شکست کو ابھی فتح میں بدل دے ۔ دوسرے یہ کہ تمہارے میدان جنگ میں آنے نہ آنے سے موت نہیں ٹلتی، جن کے مقدر میں شہادت کی سعادت تھی وہ بہرحال میدان میں آتے اور قتل گاہ میں آرام کرتے ۔ دراصل پوری صورت حال عزیمتوں اور ایمانوں کی آزمائش کی ہے ۔ جو لوگ دلوں میں کچھ چھپائے بیٹھے ہیں وہ کھل جائیں گے، کھرے لوگ اور صحیح مسلمان جان پر کھیل کر عزت و افتخار کی راہوں میں حیات جاوداں کے چشمے رواں کر جائیں گے اور عقیدوں میں کچے، ہمیشہ رسوائیوں میں مبتلا رہیں گے، بدر اور اس جیسے معرکے درحقیقت کسوٹی کا کام دیتے ہیں ۔ اور اللہ، مومن و منافق، کافر اور مشرک ثابت قدم اور فراری ہر ایک کے خیالات و افکار سے واقف ہے متقی لوگ اسی وجہ سے اپنا ظاہر و باطن یکساں رکھتے ہیں ۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ
يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ
مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾

ترجمہ:

یقیناً جو لوگ دونوں فوجوں کی ٹکر کے وقت منہ موڑ گئے ان کو شیطان نے ڈگمگا دیا، ان کے چند کرتوتوں کی وجہ سے۔ اور اللہ نے ان کو معاف کر دیا۔ بے شک اللہ بخشنے والا، حلیم (بُردبار) ہے ﴿۱۵۵﴾

تفسیر:

جن کو بڑے کام کرنا ہوتے ہیں ان کے حوصلے بلند نہ ہوں تو کامیابی مشکل ہو جاتی ہے، پھر اللہ تو عظیم و رحیم ہے۔ اس نے اپنی عظیم رافت و رحمت کے نمونے دکھائے۔ اسی احد میں گھمسان کا رن تھا، حضرت علیؓ خون میں نہا رہے تھے، حضرت حمزہؓ شہادت کی قبا پہن چکے تھے، چند باوفا اصحاب کبار بڑھ بڑھ کر اسلام پر قربانیاں پیش کر رہے تھے۔ اس ٹکر اور دست بدست لڑائی میں اکثر فرار کر گئی (بت کے لئے درمنثور سیوطی دیکھئے) اس کے بڑے بڑے اثرات مرتب ہونے کے امکانات تھے۔

(الف) دشمن دوبارہ حملہ کرتا اور میدان میں باقی رہنے والے چند آدمیوں کو قتل کر کے معاملہ ہی ختم کر دیتا۔

(ب) بھاگنے والوں پر عذاب خدا نازل ہوتا اور وہ سب ہلاک ہوجاتے۔

(ج) بھاگنے والوں کو آنحضرتؐ سخت سزا دیتے۔

(د) بھگوڑوں کو آیندہ فوجی خدمات سے محروم کردیا جاتا۔

(ھ) بہرصورت نئی جنگ کے وقت قومی کردار اور فوجی نفری پر اثر ضرور پڑتا۔

اُحد دوسری بڑی لڑائی تھی اور فتحِ مکہ تک کئی معرکے ہونے والے تھے اس بنا پر مسلمانوں کو تربیت اور آیندہ مجاہدوں کو ضابطہ دینا تھا۔ اللہ نے ان جیسی ہزاروں باتوں کو واضح کرنے کے لئے دو باتیں سمجھائیں:

۱۔ بھاگنے والوں کا فرار، ان کے ماضی کے فکری اور عملی کردار میں خلل کا نتیجہ تھا، وہ پہلے بھی مردِ میدان اور صحیح العقیدہ نہ تھے اور شیطان ان پر قابو حاصل کرچکا تھا اسی وجہ سے اس نے ان کے پیر اکھڑوا دیے۔

۲۔ جہاں، رسول مقبولؐ ہوں وہاں اللہ عذاب نہیں کرتا۔ لہٰذا ان گنہ گاروں کو بھی حکمت کی بنا پر معاف کیا تاکہ آیندہ جہاد میں ایسی غلطی نہ کریں۔

۳۔ اللہ، رحیم و حلیم، غفار و ستار ہے۔ اس کا فضل و کرم اس وقت بھی آگے بڑھا۔ اور آیندہ بھی اس سے امیدِ مغفرت ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَّوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ
خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ۝ وَلَئِنْ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ۝

ترجمہ :

اے وہ لوگو! جو ایمان لاچکے ہو، تم ان لوگوں جیسے نہ بنو جنھوں نے کفر اختیار کیا اور وہ اپنے دوستوں کے بارے میں۔ جب وہ سفر میں گئے یا مجاہد بنے۔ یہ کہنے لگے کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو ان کے دلوں میں حسرت بنا دے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی زندہ رکھتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ اور اللہ، جو کچھ تم کرتے ہو اسے دیکھنے والا ہے۔ (١٥٦)
اور اگر تم، اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے یا ایسے ہی مر گئے۔ تو اللہ عزاسمہ کی بخشش ورحمت (تمہارے لیے) اس سے بہتر ہے جسے وہ لوگ جمع کرتے ہیں (١٥٧) اور اگر تم، اپنی (طبعی) موت سے مر گئے یا قتل کر دئے گئے تو بہرحال اللہ تعالیٰ کے حضور میں جمع کئے جاؤ گے۔ (١٥٨)

تفسیر :

١٥٦ یاایہاالذین آمنوا لاتکونوا . . . . . .

اخوان : اخ۔ دوست، بھائی۔ عزیز واقارب۔

غزیٰ : غازی کی جمع۔ غزوہ میں جانے والا۔ غازی۔

غزوۂ احد کے بعد لوگوں کے خیالات کی اصلاح اور نفسیات کی قوت کو بحال کرنے کے لئے کچھ حقائق سمجھائے جا رہے ہیں۔

یہ چہ میگوئیاں غلط ہیں کہ اگر لوگ شہر سے باہر نہ جاتے، خواہ سپاہی ہوں یا معاون تو آج یہ گھر خالی نہ ہوتے اور وہ لوگ نہ مرتے ـــ کم از کم اہل ایمان کو منکرین خدا و رسول کی طرح نہ سوچنا چاہئے ۔ کیونکہ وہ لوگ نہ حکمت الٰہیہ کے معتقد ہیں نہ رسولؐ کی حقانیت کے، نہ اللہ کو خالق مانتے ہیں نہ حشر و نشر کے قائل ہیں ۔ تم، کافروں کو اسی پیچ و تاب میں رہنے دو، اللہ، ان کو نفسیاتی کرب میں رکھنا چاہتا ہے ۔ اللہ نے ان کو انھیں حسرتوں میں مبتلا رہنے کو درست جانا ہے ۔ تم ان جیسے کیوں بنو ۔ تم اپنے جذبات کو استوار رکھو، کیونکہ زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے اور اللہ، تم سب کی ہر نقل و حرکت کا نگران ہے ۔ وہی ناصر و مددگار ہے ۔

۱۵۷ ۔ ولئن قتلتم فی .....

جہاد میں شہادت حاصل ہو یا راہ خدا میں گھر سے نکلو اور موت آجائے دونوں طرح تمہیں رحمت و مغفرت کا حصہ ملے گا اور یہ انعام، ہر قسم کے مال سے بدرجہا بہتر ہے کافروں کو ان کی دولت کیا فائدہ پہنچائے گی ؟ ایک دن مریں گے تو سب کچھ یہیں رہ جائے گا اور آخرت میں عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا اور تم یہاں بھی نیک نام وہاں بھی شادکام ہوگے ۔

۱۵۸ ۔ ولئن متم .....

پھر سوچو، تم راہ خدا میں موت کی نیند سوؤ یا شہادت کا خلعت پہنو، دونوں حالتوں میں اللہ عز اسمہ کے حضور میں عزتیں پاؤ گے ۔ جس کا مقصد بلند اور تقویٰ ارجمند اس کی منزل سفر قربت الٰہی کے سوا اور کیا ہے ۔

راہ خدا میں فقط جہاد کی خاطر جان دینے والے ہی قابل ستائش نہیں، ان لوگوں کی خدمت بھی قابل توجہ ہے جو تبلیغ و تحفظ اسلام کے لئے گھر سے نکلیں اور اللہ کے لئے کام کریں ۔ موت و حیات کی فکر وہ کریں جو فنا مطلق کے قائل ہوں ـــ اللہ کو ماننے اور جزا و سزا کو برحق جاننے والے نہ تو موت سے ڈرتے ہیں نہ غیر مومن لوگوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوتے ہیں ۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۝ إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

ترجمہ :-

اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے نرم مزاج ہو۔ اور اگر تم تند خو (اور) سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے اِدھر اُدھر ہو جاتے اب ان کو معاف کر دو اور ان کے لیے دعاء مغفرت کرو اور ان سے کام کاج میں مشورہ کر لیا کرو۔ پھر جب عزم (بالجزم) کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو توکل کرنے والے ہیں (۱۵۹) اگر اللہ تعالیٰ تمہاری کمک پر ہو تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں، اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر اس کے بعد کون ایسا ہے جو تمہاری مدد کرے گا؟ اور مومنوں کو تو اللہ ہی پر توکل (بھروسہ) کرنا چاہیے (۱۶۰)

تفسیر :-

۱۵۹- فبما رحمۃ من اللہ . . . . .

قرآن مجید میں اللہ کی پہلی صفت رحمٰن و رحیم ہے ، یہی صفت ہر جگہ جلوہ فگن ہے احکام کے نزول و نفاذ ، جنگ کے حکم اور اس کے متعدد پہلوؤں میں رحمت الٰہی کے آثار ملتے ہیں ۔ رسول اللہ کو رحمت بنایا اور مہربانی و درگزر ، خوش خلقی اور کردار میں دلکشی کی ، وجہ سے رنگا رنگ نسلی و علاقائی تعصبات کے باوجود لوگ حضورؐ کے گرد جمع ہوئے ، ایک لڑی میں پروئے گئے ، وہ میدان میں گئے ، ڈر کے بھاگے اور دوبارہ جمع ہوئے ؟ اگر آنحضرتؐ درشت مزاج ہوتے اور بھاگنے والوں ہی سے سختی پیش آتے تو لوگ قریب نہ آتے اور دوبارہ جنگ کی صورتِ حال کچھ اور ہوتی ۔

غلطی سے بچو ، اللہ کی سزا اور عذاب سے ڈرو ۔ عقیدہ درست رکھو ، توبہ کرتے رہو اللہ اور رسول کے رحم و کرم سے مایوس نہ ہو ۔

شاورھم : ان سے مشورہ کیجئے ۔ یہ حکم جنگ کے خاتمے پر ہے ، اس سے مشورے کی دینی اہمیت واضح ہوتی ہے ۔ آیت کا سیاق و سباق بتاتا ہے کہ رسول اللہؐ کا مزاج رحمت و عفو و درگزر ہے ۔ آمریت و انتقام کا ان کے وجود نوری سے کوئی تعلق نہیں میدان سے بھاگے ہارے لوگوں کو وہ پاس بلاتے ، اپنائیت کے لئے جنگ سے پہلے ہی نہیں جنگ کے بعد بھی صلاح مشورہ کرتے ہیں ۔ کہ لوگ ہمت نہ ہاریں ، احساسِ کمتری میں مبتلا نہ ہوں ۔ قرآن گواہ ہے کہ ریاست و سیاست میں اسلام آمریت نہیں چاہتا ۔ حضرت سلیمانؑ کا خط ملکہ سبا کو ملا تو اس نے ارکانِ حکومت کو بلا کر مشورہ کیا ، قرآن مجید نے اس واقعے کو سورۃ النمل میں محفوظ کر کے ایک دستور دیا ۔ اس کے علاوہ سورۃ البقرہ کی آیت ۲۳۳ ، نیز سورۃ الشوریٰ میں بھی مشورے کا حکم ہے ۔

رسول اللہؐ کی حدیث ہے ۔ ماھلک امرؤٌ من مشورۃ ۔ مشورے سے

کوئی شخص تباہ نہیں ہوتا۔ دوسری احادیث کے علاوہ حضرت علی علیہ السلام کے مکتوب بنام مالک اشتر میں جامع تفاصیل موجود ہیں۔ لہٰذا رائے لینا اور مشورہ کرنا اسلامی ریاست سیاست اور معاشرے کی خصوصیت ہے۔

قانون سازی چونکہ اللہ سے مخصوص ہے۔ اس لیے جہاں جہاں، حرام و حلال کے احکام ہیں وہاں کسی کو مشورے کے ذریعے کسی حکم بنانے یا حکم خدا و تشریح رسول و ائمہ میں ترمیم و تنسیخ کا حق نہیں۔ ہاں، جہاں قانون بنانے کی گنجائش رکھی گئی ہو وہاں بشرائط شرعیہ مشورے کی ضرورت اور قانون سازی کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ولی شرعی اور مولائے مطلق کے چناؤ، یا نامزدگی میں لوگوں کا مشورہ کرنا غلط ہے کیونکہ وہاں، مشورہ، حکم الٰہی سے متصادم ہوتا ہے۔

فاذا عزمت: جب رسول عزم فرمالیں تو اس کا مطلب ہوگا کہ یہ عزیمت اشارۂ خداوندی سے اختیار کی گئی ہے، رسول (یا ائمہ) کی عزیمت کے بعد کسی انسان یا جماعت کو حق حاصل نہیں کہ وہ کوئی فیصلہ ان پر مسلط کرے۔ اہل تقویٰ ایسے مراحل میں اللہ پر توکل کرتے ہیں اور اللہ ان کی تدبیروں اور کوششوں کو بارآور کرتا ہے۔

مسلمانوں کو نوید ہے کہ خلوص نیت سے دین اسلام کی خدمت کے صلے میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوگا۔ اور اگر اسلام کی مدد سے ہاتھ کھینچ لوگے تو پھر تمہاری کمک کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا
غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾

ترجمہ:

اور کسی نبی کے لیے ممکن ہی نہیں کہ وہ خیانت کرے، اور جو بھی خیانت کرے وہ اپنی خیانت قیامت کے دن اپنے ساتھ لائے گا۔ اس کے بعد ہر شخص اپنے

کیے کا پورا بدلہ پائے گا - اور ان کی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ (۱۶۱)

تفسیر:

غِلّ ، غَلَلٌ : کینہ - عداوت - خیانت -

خیانت اور ہیرا پھیری پیغمبر کی شان سے بعید ہے -

پیغمبر معصوم ہوتے ہیں وہ قیامت کے دن گواہ ہوں گے - بھلا خیانت کرنے والے جب قیامت میں اپنی خیانت کی ہوئی چیز عذاب کی صورت میں لائیں گے اس وقت پیغمبرؐ اور امت نبی اور گنہ گار ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟ ایسے پیغمبرؐ کو پیغمبر کہنا غلط ہو جائے گا - اللہ جسے نبی بناتا ہے اسے بے مثال کردار سے آراستہ کرتا ہے - وہ صاحب خلق عظیم ہوتا ہے -

آیت سے جنگ کے بعد لوگوں کے رویے اور رسول اللہ ؐ کے مشکلات کا اندازہ ہوتا ہے - اور آیت کا انداز بتاتا ہے کہ اس غلط فہمی پھیلانے والوں کا جواب دینا ضروری تھا -

۱- نبی ، ہرگز خیانت کار نہیں ہوتے -

۲- ہر خیانت کار اپنی خیانت کے ساتھ میدانِ حشر میں آئے گا تاکہ رسوائی ہو - اور سزا پائے -

۳- کسی کی حق تلفی قانونِ الٰہی میں جائز نہیں ہے -

أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَن بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ هُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝

ترجمہ:

بھلا جو شخص اللہ کی مرضی پر چلتا رہا وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو اللہ کے غضب میں گرفتار ہو چکا۔ اور جس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری منزل ہے (۱۶۲) یہ لوگ، اللہ کے حضور میں مختلف درجوں کے ہیں وہ لوگ جو عمل بجا لاتے ہیں۔ اللہ اس پر نظر رکھتا ہے (۱۶۳)

تفسیر:

گزشتہ آیت کے بعد دوبارہ عصمت انبیاء پر دلیل ہے کہ نبی پابند اشارۂ الٰہی اور اس کا عمل اللہ کی خوشنودی کے مطابق ہوتا ہے، اس کا مقابلہ گنہ گاروں سے کیا۔ نیز انسانوں کے دو گروہ ہیں۔ کچھ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی مرضی کے مطابق عمل کرتے ہیں، انھیں احد چلنے کا حکم ملا تو بلا بحث وحجت تیار ہو گئے۔

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو، بہانہ تراشی اور دلیل وبحث کرنے کے عادی ہیں، یہ لوگ اپنی سمجھ پر بھروسہ کرتے اور خدا ورسولؐ کا حکم ماننے سے کتراتے ہیں۔ ظاہر ہے دونوں گروہ قدر وقیمت، اجر اور انعام میں یکساں نہیں ہو سکتے۔ دنیا میں ایک کو مومن کہا جاتا ہے دوسرے کو منافق۔ پھر دونوں کے عقیدہ وعمل کے اعتبار سے الگ الگ درجات ہیں۔ ایک جنت میں ایک جہنم میں ہوگا۔ جنت والے بھی عقیدہ وعمل نیت وکارکردگی کے لحاظ سے بلند، بلندتر اور بلندترین درجوں میں ہوں گے۔

سورۂ بقرہ کی آیت ۲۵۳، سورۂ نساء کی آیت ۱۳۵ میں درجات ودرکات کا بیان ہے، اور "مَرضات" کے لئے عمل کرنے والوں کا مرتبہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۰۷ میں دیکھئے۔

اتّبعِ رضوان اللہ کی مثال اعلیٰ رسول خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے بعد ائمۂ اطہارؑ ہیں۔ پھر وہ حضرات جن کا رویہ ان کی سنت وسیرت کے مطابق ہو۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

ترجمہ

بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا، کہ ان میں ایک رسول انھیں میں سے بھیجا جو ان کے روبرو اللہ کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور ان کو تعلیم دیتا ہے کتاب و حکمت کی، اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے (۱۶۴)

تفسیر

آیت ۱۶۱ میں ایک بہت بڑے گمراہ کن پروپیگنڈے کی رد کی گئی، بعد کی دو آیتوں میں ایسی ایسی باتوں پر دھیان نہ دینے والے مخلص و متقی مومنوں اور دل میں کھوٹ رکھنے والوں میں فرق بتا کر تشویق و ترہیب کا عمل انجام دیا گیا۔ اس آیت میں معرفت رسول کا درس دیا جا رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، واقعاً تمام انسانوں کے لیے نعمت و رحمت بن کر آئے مگر اللہ تعالیٰ کا براہ راست مومنوں پر احسان عظیم ہے کہ وہ اس وجود مقدس سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

بامقصد تعلیم، کردار اور صاحب بصیرت استاد پر موقوف ہوتی ہے۔ حضور اکرمؐ کا علم، مخلوق کے علم سے ہمہ جہت بلند تھا، قرآن مجید چونکہ آخری کتاب الٰہی اور قیامت تک رہنما ہے اس لیے حضورؐ کا علم بھی ما کان و ما یکون پر مشتمل ہے۔

آپ لوگوں کو فقط کتاب پڑھ کر سنانے نہیں آئے۔ بلکہ سمعی و بصری، فکری اور عقلی ارتقاء کی بلندیوں تک پہنچانا آپ کا منصب تھا۔ آیتیں پڑھ کر سناتے تھے کہ اہل بینش کے لیے عبارت

جذر و مد، سکون و روانی، تیور اور انداز سے پڑھنے اور سننے کا عمل بہت سے حقائق کو روشن کرے۔ وحی کو اگر وحی آشنا پڑھ کر نہ سناتا، تو صوت و صدا بدلنے سے مفہوم بدل دیا جاتا یہ سمعی و بصری معاونت کا عمل تمام ہوتے ہی، فکری تطہیر اور باطن کا تزکیہ فرماتے تھے کہ غیر قرآنی فکر اور ذہنی کثافتوں کے ہوتے ہوئے یہ نور اپنی تابناکی سے عقل و خرد کو کما حقہ اپنا آئینہ کیسے بناتا۔ کتاب کی تعلیم اور دانش و بینش اسلام کی آب و تاب کے لئے ضمیر و فکر پر صیقل سے ذہنی کجی اور ادراک کی کثافت دور کرنے کا مشکل عمل حضور نے انجام دیا۔ اس کے بعد کتاب و حکمت کے رموز و اسرار کے درس سے آدمی کو مومن، مومن کو متقی اور متقی کو امام اور امام کو قائد امت اور قائد امت کو اپنے پہلو میں بٹھا کر، اسلام کے ابدی ہونے کا انتظام فرمایا اور یہ سب اس حالت میں ہے کہ شرک و جہالت نے لوگوں کو ہر طرف سے گھیر رکھا تھا۔ حضورؐ کی محنت شاقہ اور اللہ کی توفیق بے حساب سے رسول خداؐ نے یہ مرحلہ کما حقہ انجام دے کر سند تکمیل دین حاصل کی۔ نیز دیکھئے سورۂ بقرہ آیت ۱۲۹۔ و سورۂ جمعہ آیت ۲۔

أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا ۖ قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾

ترجمہ

یہ کیا۔ کہ جب تم پر مصیبت آئی جس کی دگنی مصیبت تم ڈال چکے ہو۔ تم کہتے ہو، یہ آفت کہاں سے آئی؟ آپ کہہ دیجئے یہ خود تمہاری طرف سے ہے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۱۶۵)

تفسیر

جاں نثار اصحاب اپنی ذمہ داری پوری کر چکے تھے اور خدا اور رسول ان سے راضی تھے مسئلہ تھا بھاگنے اور جنگ میں شرکت نہ کرنے والوں کا، یہ لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے تھے، مثلاً۔ بھئی ہم خدا اور رسولؐ کے ماننے والے حق پر لڑنے گئے تھے پھر یہ نقصان کیوں اٹھانا پڑا؟ عام آدمی کے لئے

سوال پریشان کن تھا، ایک سپاہی اگر یونہی سوچے تو ہمت توڑ بیٹھے گا۔

اللہ نے اس سوال کو دوسرے تناظر میں منتقل کر دیا۔ تم اپنی الجھن کو یوں دیکھو کہ۔ بدر میں تم نے دشمن کے ساتھ کیا کیا تھا، اور موجودہ نتائج سے دگنی مصیبت ان پر ڈالی تھی یا نہیں؟ وہ تمہاری پہلی جنگ تھی، تم کم تھے، وہ زیادہ، پھر بھی ان کے ستّر مارے اور ستر قید کیے اور مال غنیمت فراواں اس پر اضافہ، تاوان جنگ (فدیۂ اسرا) بھی وصول کیا۔ اور اب خود تمہاری کم ہمتی، تمہاری بدنظمی، تمہاری نافرمانی، تمہارے لالچ کے ہاتھوں، تمہارے ستر آدمی شہید ہوئے۔ وہ تمہارا کچھ لوٹ کے نہ لے گئے، وہ کسی کو قید نہ کر سکے، پریشان کیوں ہو۔ ہمت کرو اور اللہ کی قدرت پر یقین رکھو حکم رسول مانو، باہمی اتحاد برقرار رکھو، مرنے سے نہ ڈرو، تقویٰ شعار بناؤ پھر دیکھو فتح تمہیں ہوتی ہے یا نہیں۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّااتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ
لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ
مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۝

ترجمہ

اور دونوں فوجوں کے ٹکراؤ کے دن جو نقصان تمہیں پہنچا وہ اللہ کے مشیت سے تھا، اور اس لیے ہوا کہ مؤمن پہچان لئے جائیں (۱۲۶) اور اس لئے کہ منافق لوگوں کو پہچان لیں۔ اور ان سے کہا گیا۔ آؤ، اللہ کی راہ میں جہاد یا دفاع کرو۔ انھوں نے جواب دیا۔ اگر ہمیں یقین ہوتا کہ جنگ ہو گی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ وہ لوگ اس دن ایمان کے مقابلے میں

کفر سے زیادہ قریب تھے۔ وہ لوگ زبان سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتا۔ اور اللہ ان باتوں کو خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں۔ (۱۶۷)

تفسیر

اذن اللہ : اللہ کا دستور، اللہ کی مشیت۔ سنت اللہ۔

جب ارادوں میں فتور ہو اور مخلص و غیر مخلص مل جل جائیں تو اللہ کی سنت ہے کہ وہ کھرے کھوٹے کو الگ کرتا ہے، اس کی حکمت کا تقاضہ ہے کہ مومن و منافق پہچان لیے جائیں۔ احد میں فتح کے بعد جو کچھ ہوا وہ اسی حکمت کے مطابق ہوا۔

ان سے کہا گیا تھا کہ محاذ پر چلو، ایک گروہ نے عبداللہ ابن ابی کی سرکردگی میں خانہ نشینی اختیار کی ان کا ردِ عمل بہت سے فوجیوں پر ہوا۔ جَبَلِ عُنَیْنَیْن کے تیر اندازوں کا مورچے سے اترنا اسی سلسلے میں ہے۔ ان ناپختہ یقین لوگوں کو سزا ملی اور نقصان پہنچا۔ اب گھر بیٹھنے والوں کا یہ کہنا کہ ہمیں اس وقت جنگ کا یقین نہ تھا، ورنہ ہم ضرور ساتھ دیتے۔ یہ عقل و بیداری کا مذاق اڑانا ہے۔ ان لوگوں کا ظاہر و باطن ایک نہیں ہے۔ ایسے لوگ، اس طرح کی باتیں سوچتے اور کہتے وقت کفر سے قریب اور ایمان سے دور ہوتے ہیں۔ مومن و مسلم کا یہ طور و طریقہ نہیں ہوتا۔ اللہ عزّ اسمہ لوگوں کے دلوں کے بھید جانتا ہے۔ اس پر ہر بات عیاں ہے۔

اَلَّذِيْنَ

قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا قُلْ

فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

ترجمہ

منافق وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں۔ حالانکہ ان کی امداد سے دست کش ہیں اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے جاتے۔ ان سے کہہ دیجئے تو پھر تم اپنے آپ سے موت کو

دور کر کے دکھاؤ اگر سچے ہو (۱۶۸)

تفسیر

منافق، قومی کردار کو نقصان پہنچانے والے، ہمدردی کے لہجے میں کہتے تھے کہ "بھائی" اگر ہمارا کہا مانتے تو نقصان نہ اٹھاتے۔ منافقوں کی ہمدردی کا بھرم تو ان کی خانہ نشینی سے کھل جاتا ہے۔ رہا موت سے بچنے کا طریقہ؟ تو ان آستین کے سانپوں سے کہو کہ اگر تم موت سے بچانے کے طریقے جانتے ہو تو خود اپنی جان بچا کر دکھاؤ۔ یہ لوگ بزدل اور سازشی ہیں۔ ہر معاشرے کو، خصوصاً ہر جنگ کے ماحول میں ایسے لوگوں پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ یہ بہت خطرناک ہوتے ہیں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿١٦٩﴾ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٧٠﴾ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٧١﴾

ترجمہ

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں انھیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا۔ بلکہ وہ لوگ (جیتے جاگتے موجود ہیں) وہ اپنے رب کی بارگاہ سے روزی پاتے ہیں (۱۶۹) اللہ نے جو فضل و کرم ان پر کیا ہے اس سے خوش و خرم ہیں۔ اور جو لوگ ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے اور اب تک ان سے (شہید ہو کر) نہیں ملے،

ان کے بارے میں مطمئن ہیں کہ انھیں بھی نہ خوف ہوگا نہ کوئی غم ہوگا (۱۷۰) وہ، اللہ کی نعمت و کرم سے نہال ہوں گے اور یقیناً، اللہ مومنوں کے ثواب برباد نہیں کرے گا (۱۷۱)

تفسیر

۱۶۹ ۔ ولا تحسبن الذین قتلوا.....

اسلام نے بہت سے فکری انقلاب برپا کیے اور بہت سے حقائق سے پردے اٹھائے ہیں ۔ ان میں سے ایک حقیقت "حیات شہدا" ہے ۔ قرآن مجید واضح طور پر "مقتول فی سبیل اللہ" کو زندہ قرار دیتا ہے، یہ جاں نثار زندوں کی طرح اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہوتے ہیں، ان کے احساسات زندوں جیسے ہوتے ہیں۔

حقیقت کی اہمیت چاہتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کیا جائے کہ "شہیدوں کو مردہ نہ سمجھیں" مقصود مسلمانوں کو اس فکر کا پابند کرنا ہے ۔ سورۃ بقرہ کی آیت ۱۵۴ میں اہل اسلام سے کہا گیا ہے کہ شہیدوں کو مردہ نہ کہیں ۔ یعنی شہیدوں کو مردہ کہنا اور سمجھنا دونوں غلط ہے ۔

۱۷۰ ۔ فرحین بما آتٰھم ....

اللہ نے جو فضل کرم ان پر کیا ہے، قرب رضا کا جو درجہ انھیں دیا اس پر وہ خوش ہیں اور جو مجاہد و صاحبان عزیمت مومن ان کی راہ پر چل رہے ہیں ان سے خوش ہیں کہ وہ دنیا و آخرت میں غم عذاب و رنج ناکامی سے دور ہیں ۔ وہ زندوں کو اسی راہ پر چلنے کا پیغام دے رہے ہیں اور دیتے رہیں گے۔

۱۷۱ ۔ یستبشرون بنعمۃ ....

شہیدوں کو پہلے بھی یقین تھا اور بعد شہادت عین الیقین ہوگیا کہ اللہ، مومنوں کا اجر محفوظ رکھتا ہے وہ راہ حق و اسلام میں جاں بحق ہونے والوں کو اسی طرح نعمتیں دیتا ہے اور دے گا جیسے ان پر بارش فضل ہو رہی ہے۔

روایات

آیت حیات شہداء کے بارے میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ شہداء بدرو

احد کے لئے نازل ہوئی ہے۔

تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جہاد کے شوق میں حاضر ہوا، اور اپنے جذبۂ فراواں کا اظہار کیا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا: فی سبیل اللہ جہاد کرو، اگر قتل کر دیئے گئے تو زندہ رہو گے اور اللہ کے حضور سے روزی ملے گی۔ اور اگر جہاد کے بعد طبیعی موت سے مر گئے۔ اور اگر خاص اجر دے گا۔ لیکن اگر زندہ بھی رہے تو گناہوں سے پاک ہو کر تقربِ خدا حاصل کرو گے۔ یہی کمال انسانی کی آخری حد ہے۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ؕۛ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۞ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ۞ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ۞ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۞

ترجمہ

وہ لوگ جنہوں نے زخم کھانے کے بعد اللہ اور رسول کی آواز پر لبیک کہی، ان میں جن لوگوں نے اچھے طریقے سے کام کیا اور تقویٰ برتا، ان کے لئے بڑا ثواب ہے (۱۷۲)

وہ لوگ جن سے لوگوں نے کہا: دشمن نے تمہارے مقابلے کے لئے لشکر تیار کر لیا

ہے، تو ان سے ڈرو۔ مگر ان کا ایمان اور زیادہ ہوگیا اور کہنے لگے ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے (۱۷۳) اس کے بعد وہ لوگ اللہ کے انعام اور اس کے فضل سے پلٹ کر آئے ان کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا اور وہ اللہ کی رضا کے پابند بھی رہے۔ اور اللہ بڑا افضل کرنے والا ہے (۱۷۴) اب تمہیں معلوم ہوگیا کہ وہ شیطان ہی تھا جو اپنے دوستوں کو خواہ مخواہ ڈراتا تھا، لہٰذا تم انسانوں سے نہ ڈرا کرو۔ مجھ سے ڈرو! اگر تم حقیقی معنوں میں صاحب ایمان ہو (۱۷۵)

تفسیر:

۱۷۲- الذین استجابوا للّٰہ .....

واقعۂ احد نے اہل ایمان و تقویٰ کو اور زیادہ حسن کارکردگی پر ابھار دیا، وہ چوٹ کھا چکے تھے مگر اللہ اور رسول کے اشارے پر کمر کس کر میدان میں پھر نکل آئے۔ ایسے ہی لوگ خدا کے یہاں اجرِ عظیم کے حقدار ہوں گے۔

۱۷۳- الذین قال لھم الناس .....

مخالف پروپیگنڈہ اور ہمت شکنی کی مہم چلا رہے تھے، انہوں نے عوام کو خوف زدہ کرنے کے لئے جنگی تیاریوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا شروع کر دیا۔ مگر مجاہدِ اسلام کے غلبے اور اپنی فتح فتح مندی کے لئے عددی کثرت کے بجائے اللہ کی رضا کو کافی جانتے تھے۔ ان لوگوں نے دشمنوں کے پروپیگنڈے کے جواب میں کہا، "حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل" اللہ ہمارے ساتھ ہے اور وہی سب سے بڑا کارساز ہے ہمیں اس کے ہوتے ہوئے کیا فکر؟

۱۷۴- فانقلبوا بنعمۃ من اللّٰہ .....

"حمراء الاسد" تک جانے والے مجاہد، انعام ربانی و فضل خداوندی کے ساتھ پلٹے، مشرکوں نے ان کا سامنا نہ کیا، اور ان غازیوں کو کسی قسم کی گزند نہ پہنچی۔ اللہ کی سنت آج تک یہی ہے کہ جو اس کا ہو رہے وہ سرخرو رہتا ہے۔

۱۷۵۔ انما ذالکم الشیطان یخوف . . . . .

اولیاء اللہ اور دوستداران خدا و رسول کو ڈرانا دھمکانا شیطانوں کا کام ہے۔ ذاتی مفاد کے لیے کام کرنے والے ڈریں تو ڈریں۔ اہل ایمان صرف اللہ سے ڈرتے اور اسی سے تقویٰ کرتے ہیں۔

غزوۂ حمراء الاسد

یہ آیتیں اعجازی انداز میں "غزوۂ حمراء الاسد" کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ اللہ کا کرنا دیکھیے کہ دشمن جنگ کے آخری نتائج حاصل کیے بغیر میدان سے چلا گیا۔ دوحاء پہنچ کر اسے خیال آیا۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دو دن کا وقفہ دے کر مجاہدین کو آگے بڑھنے کا حکم دے دیا۔ حضرت علیؑ "علم لشکر" لے کر چلے، زخمی مجاہد ہمراہ تھے، مدینے سے آٹھ میل، یعنی حمراء الاسد نامی منزل میں تین دن تک پڑاو کیا۔ ابوسفیان کو رسول اللہؐ کی یلغار کا علم ہوا تو خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ یوں رسول اللہ نے دشمن کو آخری پسپائی دے کر معرکہ جیت لیا۔

اندرون مدینہ سے راہ مکہ تک بسنے والے قبائل اور خود مکے والوں کو یقین دلایا کہ مسلمان اسی طرح جوان ہمت اور آمادۂ جنگ ہیں۔ مسلمانوں کو یقین دلایا کہ دشمن بزدل اور تم سے خوف زدہ ہے۔ آنے والی نسلوں کو ہدایت فرمائی کہ جہاد فی سبیل اللہ میں تھکنے اور ہمت ہارنے کا سوال پیدا نہ ہونا چاہیے۔ آخری فتح تک لڑنا اور دشمن پر ضرب لگانا چاہیے۔

۱۷۲، اسلام دشمن پروپیگنڈا۔ اس کا خیال نہ کرنا۔ خوف خدا کے علاوہ کسی بات یا کسی ذات سے ڈرنا مومن کا شیوہ نہیں ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ
شَيْئًا ۗ يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ
عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ
لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٧﴾

ترجمہ

اور آپ ان لوگوں کا غم نہ کھائیں جو کفر میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ رہے ہیں
یہ لوگ، یقیناً اللہ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ اللہ کا فیصلہ ہے کہ آخرت
میں ان کے لئے کوئی حصہ نہ رکھے۔ اور ان کے واسطے بڑا عذاب ہے ﴿١٧٦﴾ جن
لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا، وہ اللہ کو ہرگز کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکیں گے
اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿١٧٧﴾

تفسیر

١٧٦۔ ولا یحزنک الذین ......

اُحد کی جنگ اور اس کے بعد کفار کی ریشہ دوانیاں اور مختلف گروہوں کی کفر میں دوڑ
اور سیاسی و معاشرتی معاملات میں اسلام کو نقصان پہنچانے کی جدوجہد سے، مسلمانوں یا بطا[ہر]
رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس تکلیف اور نفسیاتی ردّعمل کا امکان تھا۔ یا اس جیسے حالا[ت]
میں جب بھی منفی تأثر کا امکان ہو، اس لمحے، قرآن مجید کی یہ تلقین و یقین دہانی حوصلہ افزا ہے۔ کہ دشمنا[ن]
اسلام کے مختلف گروہ و افراد جو چاہیں کریں۔ اللہ کو، دین اسلام کو اور پیغام حق کو کبھی ک[وئی گز]
ند نہیں پہنچا سکیں گے۔ لہٰذا اے رسولؐ آپؐ یعنی مسلمان کبیدہ خاطر نہ ہوں۔ ہمت بلند

دیکھیں۔ منکرین اسلام کے لئے اللہ نے سخت عذاب مقدر کر دیا ہے۔

۱۷۷۔ ان الذین اشتروا الکفر . . . .

بحران پیدا کرنے والے، خالص کافر ہوں یا کفر و ایمان میں کفر کو ترجیح دینے والے، اسلام اور اللہ کو گزند بہر حال نہیں پہنچا سکتے۔ البتہ اپنے اس کرتوت کے بدلے انتہائی تکلیف دہ عذاب سے ضرور دوچار ہوں گے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ

الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝

ترجمہ

کافر یہ نہ سمجھیں کہ ہم جو انہیں ڈھیل دیتے ہیں وہ ان کے لئے بھلائی ہے یقیناً ہم ان کو مہلت دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ گناہوں میں اضافہ کرتے ہیں۔ اور ان کے لئے رسواکن عذاب ہے (۱۷۸)

تفسیر

طول عمر طول امتحان ہے۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے، یہاں جتنی کم مدت صرف ہو اسی قدر زحمت کم اٹھانا ہوگی عمر کی زیادتی ممکن ہے گناہوں میں اضافے میں بسر ہو، اس لئے طول عمر سے ہر باخدا انسان ڈرتا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے محمد بن مسلم کے ایک سوال کا جواب دیا تھا کہ۔ مومن و کافر دونوں کے لئے موت بہتر ہے، دلیل یہ ہے کہ قرآن میں مومنوں کے بارے میں ارشاد ہے "وما

عند اللہ خیر للابرار (۱۹۸، آل عمران) نیکو کاروں کے واسطے، اللہ کے یہاں خیر
اور بھلائی ہے۔ پھر کفار سے کہا گیا ہے کہ "ولا یحسبن الذین کفروا ...."
ناعاقبت اندیش لوگ کافروں کی لمبی عمروں کو "خیر و برکت" سمجھتے ہیں، در
زندگی، مہلت میں اضافہ اور دولت کی فراوانی آخر کار وبال ہوگی، یہ لوگ مہلت کا ناجائز
استعمال سے گناہوں میں اضافہ کریں گے۔

اس غفلت کے نتیجے میں، عذاب کی رسوائیاں ان کی منتظر ہیں۔

آیت میں "لیزدادوا" کا "ل" عاقبت و نتیجہ کار کے معنی دیتا ہے جیسے فالتقطہ
آل فرعون لیکون لھم عدوًا وحزنًا" (القصص/۸) "لیکون" کے معنی ہیں کہ آخر
موسیٰ ان کے دشمن ہوں۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ
عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ
يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ
اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

ترجمہ

اللہ ایسا نہیں کہ مومنوں کو ایسی حالت میں چھوڑ دے جس میں تم لوگ آج ہو۔
وہ ناپاک افراد کو پاک لوگوں سے نمایاں کرکے رہے گا۔ اور نہ اللہ تعالیٰ
ایسا ہے کہ تمہیں غیب کی باتیں بتا دے۔ لیکن اللہ (اس کے لئے) اپنے
پیغمبروں میں جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ لہٰذا تم، اللہ عز اسمہ اور اس کے

پیغمبروں پر ایمان لاؤ۔ اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور تقویٰ برتو گے تو پھر تمہارے لئے بڑا اجر ہے۔(۱۷۹)

تفسیر

جب بھی مسلمان معاشرے میں ایسی گومگو کی حالت ہو کہ مومن کون ہے اور منافق کون، تو اللہ تعالیٰ آزمائش کے ذریعہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیتا ہے۔ رہا یہ سوچنا کہ اللہ ہر ایک کے دل کی بات اور کردار کا حال ایک دوسرے کو یا سب مومنوں کو کیوں نہیں بتا دیتا؟ تو اللہ کا دستور ہے، وہ غیب کی بات سب کو نہیں بتاتا، اس کے لئے منتخب پیغمبر ہی اہل ہیں وہ انبیاء و مرسلین میں جسے چاہتا ہے علم غیب دیتا ہے۔

مومن کو عقیدہ و عمل میں استواری کی سعی کرنا چاہئے، جس قدر ایمان میں پختگی اور تقوے میں استقامت ہو گی اسی قدر ثواب میں اضافہ ہو گا۔

آیت میں "من" بیان صفت کے لئے ہے کیونکہ تمام پیغمبر مجتبیٰ ہیں۔ "الغیب" میں الف لام عہد کا ہے یعنی، نوعیت امتحان، اسرار احکام و شریعت، منافقین کے نام اور حقائق حکمت و مشیت کے مطابق جس پیغمبر کو جتنا چاہتا ہے علم غیب عطا فرماتا ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ آتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾

ترجمہ

اور جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل (و کرم) سے نوازا ہے (پھر) وہ بخل کرتے ہیں وہ ہرگز یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ یہ ان کے حق میں اچھی بات ہے بلکہ یہ ان کے لئے

بدتر ہے۔ وہ مال جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ اور آسمان و زمین کا وارث (مالک) اللہ ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے (۱۸۰)

تفسیر:

بخل اور انفاق، قرآن مجید کی دو اصطلاحیں ہیں، بخل ارتکاز زر کا سبب ہے، اور انفاق مال کو ضرورت مند افراد تک پہنچانے کا نام ہے۔ اسی وجہ سے انفاق کی تعریف اور حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔

اس آیت میں سابقہ آیات سے ربط کی بنیاد ہے۔ جان اور مال بچانے کی فکر۔ منافق جان بچا کر جہاد سے بھاگتے ہیں، اور مال دار زکوٰۃ و خمس سے مال بچاتے ہیں۔ طیب و خبیث میں وجہ امتیاز یہ ہے کہ جب اللہ جان طلب کرے تو شہادت کے لئے میدان میں آئیں، طیب کہلائیں گے، مال کا مطالبہ ہو تو مال سے دریغ نہ کریں، کیونکہ زکات و خمس، مال کی وہ قربانی ہے جس سے مال بچانے والا سخت عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اس کا بچایا ہوا مال اژدھا بن کر گلے کا ہار بنے گا۔

سوچنے کی بات ہے، جب مال اپنے مالک کے پاس ہمیشہ نہیں رہ سکتا اور اللہ کی ملکیت سے کوئی جان یا مال نکل نہیں سکتا تو پھر اس کے حکم عطا پر بخل کا جواز کیا ہے؟ یاد رہے بخل و سخاوت۔ مالی حقوق کی ادائیگی اور عدم ادائیگی سب کچھ اللہ کے علم میں ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ○

ترجمہ

بے شک اللہ نے سنی ان کی بات، جنھوں نے کہا "اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔" ہم لکھ رکھیں گے جو انھوں نے کہا۔ اور انھوں نے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا۔ اور ہم کہیں گے جلتی آگ کا عذاب چکھو (۱۸۱) یہ بدلہ ہے (اس کا) جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا۔ اور بے شک اللہ، بندوں پر ظلم نہیں کرتا (۱۸۲)

تفسیر

۱۸۱۔ لقد سمع اللہ قول الذین ....

"کون ہے جو اللہ کو "قرض حسن" دے پھر اللہ اسے کئی گنا کر کے واپس کرے گا۔ اور حکم زکات پر یہودیوں نے کہا۔ "خدا فقیر ہے کہ قرض اور زکات مانگتا ہے۔" اور وہ سرمایہ دار ہیں کہ ان سے روپیہ طلب کیا گیا ہے، یا مسلمانوں کی غربت اور اپنی دولت مندی کی بنیاد پر خدا کو غریب (نعوذ باللہ) کہا گیا تھا۔ اور خود کو غنی۔ سرمایہ داروں کی یہ ذہنیت اور سود خواروں کا یہ تاثر، فکری غلطی ہے۔ سرمایہ دار سے مالی حقوق کا مطالبہ فقر کی وجہ سے نہیں ہوتا، اس کا سبب ہے، معاشرے میں توازن کا قیام اور مختلف طبقوں کے درمیان استحکام۔

ایک گروہ کے پاس ارتکاز زر، عمومی ظلم کی بدترین صورت ہے۔ اس سلسلے میں سرمائے کا بحق سرکار ضبط ہونا ممکن تھا۔ مگر اللہ، رؤف و رحیم ہے اس لیئے ان لوگوں کو ڈھیل دی ہے اس سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور ذاتِ مقدسِ باری تعالیٰ پر حملہ اور دریدہ ذہنی سے کام لینا بڑی سرکشی ہے، یہ قوم ماضی سے پیغمبروں کی قاتل ہے وہ آج اسی طریقے پر کاربند ہیں، ان کا بس چلے تو آخری نبیؐ کو بھی قتل کر دیں۔ یہ لوگ فطرتاً باغی اور گستاخ ہیں۔ اللہ نے ان کا یہ گستاخانہ جملہ لکھ لیا، فرشتوں نے نامۂ اعمال میں یہ الفاظ محفوظ کر لیئے ہیں۔ اب ان کا کہا اور ان کا کیا، ان کے سامنے آئے گا۔ ان کے بول اور ان کی

سوچ لکھی گئی ہے پھر ان کا کچا چٹھا ان کے ہاتھوں میں دیا جائے گا۔ اور جہنم کی آگ ان کی سزا قرار پائے گی۔

۱۸۲۔ ذٰلک بما قدمت ....

جلتی آگ کے عذاب کا سبب ان کے سابقہ کرتوت ہوں گے، چونکہ عذاب بہت سخت ہوگا اس لیے اسے ظلم نہ خیال کرنا۔ اللہ، عادل ہے، اس نے ظلم کو قبیح قرار دیا ہے، اللہ نے بندوں کو ظلم سے بچانے کے لیے قانون بنائے پھر اپنے نمائندے بھیجے اس کے بعد نافرمانوں کو سزا ملنا عدل ہے۔ حقدار کو حق نہ دلوانا اور حق نہ ادا کرنے والے کو سزا نہ دینا ظلم ہے۔ اللہ یہ نہیں کرتا۔ اللہ، انبیاء کے قاتلوں یا قتل انبیاء پر خوش ہونے والوں کو مومنوں کے برابر قرار دے کر ظلم نہیں کرے گا۔

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَهِدَ إِلَيْنَا أَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِن كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۝

ترجمہ :

وہ لوگ جنھوں نے کہا، اللہ نے ہم کو پابند کیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی نہ پیش کرے جسے آگ کھا جائے۔ ان سے کہیے کہ تمہارے پاس مجھ سے پہلے متعدد پیغمبر معجزات، اور یہ بھی جو تم نے کہا ہے کر آ چکے، پھر تم نے ان کو قتل کیوں کیا، اگر تم سچے تھے۔ (۱۸۳) پھر اگر یہ تم کو جھٹلائیں تو تم سے پہلے بہت سے پیغمبروں کو جھٹلایا گیا، وہ دلائل اور صحیفے اور روشن کتاب لائے تھے (۱۸۴)

تفسیر

۱۸۳۔ الذین قالوا ان اللہ عھد ....

موجودہ عہد نامۂ قدیم کے سفر لاویان میں قربانی اور آگ کا ذکر ہے۔ ہماری تفسیروں میں بھی اسرائیلی انبیاء کا یہ معجزہ مذکور ہے، مگر تورات میں اس معجزہ کو شرطِ قبول نبوت نہیں کہا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کا انکار کرنے والے یہودی کہتے تھے کہ انھیں حکم ہے کہ ہم یہ معجزہ دکھانے کے بعد نبی کو برحق مانیں۔ قرآن مجید نے ان کو جھٹلاتے ہوئے کہا کہ تمہاری قومی عادت ضد و کد ہے، رسولِ آخر الزمان سے پہلے بنی اسرائیل میں کئی نبی ایسے آئے جو معجزے

بھی لائے اور مطلوبہ قربانیاں بھی دکھا چکے اس کے باوجود تم یہودیوں (تمہارے آباء و اجداد) نے انھیں جان سے مارا۔

(بلاغی: آلاء الرحمٰن۔ جیمز ہاکس: قاموس کتاب مقدس (فارسی) قربانی)

۱۸۴۔ فان کذبوک ....

اگر یہ لوگ آپ کو باوجود دلائل و معجزات نہیں مانتے تو کوئی نئی بات نہیں ان یہودیوں نے آپ سے پہلے بھی صاحبانِ معجزہ پیغمبروں کو جھٹلایا اور ان کی شریعت اور صحیفوں کو نہیں مانا۔ ان یہودیوں کی تاریخی اور قومی روایت یہی ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

ترجمہ

ہر نفس کو موت چکھنا ہے اور قیامت کے دن تم کو تمہارے (اعمال کے) پورے بدلے ملیں گے۔ پھر جو شخص جہنم سے ہٹا دیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا، وہ کامیاب ہو گیا۔ اور دنیا کی زندگی تو سرمایۂ فریب سے زیادہ کچھ نہیں (۱۸۵) تم اپنے مال اور اپنے نفوس میں ضرور آزمائے جاؤ گے اور ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب (توارت و انجیل)

دی گئی ہے نیز مشرکوں سے، بڑی تکلیف دہ باتیں ضرور سننا ہوں گی، اور اگر صبر اور تقویٰ اختیار کرلو تو یہ قابل اطمینان (ہمت کے) کام ہیں۔ (۱۸۶)

تفسیر

۱۸۵۔ کل نفس ذائقة الموت ....

"تُوَفَّوْنَ"۔ توفیاً۔ عطاء کامل۔ پوری ادائگی۔

موت کا مزہ سب کو چکھنا ہے۔ جیسے دنیا میں خوراک سے زندگی بڑھتی تھی اسی طرح موت زندگی کا خاتمہ کرتی ہے۔ خوراک کی لذت تمام حواس محسوس کرتے ہیں، موت کا مزہ بھی تمام حواس محسوس کریں گے۔ اور موت کے بعد اجر توں اور جزا و سزا کا معاملہ ہو گا۔ ہر ایک کو اس کا پورا حساب بے باق کیا جائے گا۔

آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ دنیا میں بھی کچھ اجر دیا جائے گا۔ اور آخرت میں حساب بے باق ہو گا۔

جنت، زندگی کی دوڑ دھوپ کی کی صحیح منزل کامیابی ہے

موت کے بعد اصل حال کھلے گا، دنیا میں جو اچھی بری تگ و دو کی تھی اس کے نتیجے میں یا جنت ہے یا جہنم۔ دوزخ سے دامن بچا کر زندگی بسر کرنے والے کامیاب قرار پائیں گے اور جنت جائیں گے، یہی اہل ایمان کی بڑی کامیابی اور مقصد کی تکمیل ہے۔

دراصل دنیا کا سرمایہ، فریب کا ذریعہ ہے، اس سے احتیاط کرنا عقلمندی ہے، دنیا میں ہو تو اس سے فائدہ حاصل کرو، چوٹ نہ کھاؤ اور نقصان نہ اٹھاؤ۔ جہنم کی آگ ہر چیز کو کھینچے گی، تمھاری عقلمندی یہ ہے کہ اس کی کشش سے دور رہو جو دوزخ سے بچ نکلے گا وہی کامیاب ہو گا۔

۱۸۶۔ لتبلون فی اموالکم ....

مسلمان مکے سے نکلے تو مشرکوں نے ان کے گھر بار لوٹ لیے، بچے کھچے متعلقین کو دکھ اور آزار دیے۔ مدینے میں آئے تو یہودیوں نے مخالفت اور بدگوئی شروع کر دی (واقدی المغازی) کعب بن اشرف سب سے آگے تھا اس نے ہجویہ نظمیں لکھیں اور مسلمان خواتین کو موضوعِ سخن بنایا۔ بات حد سے بڑھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے اسے قتل کا حکم دے دیا اور کعب بن اشرف مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس پرآشوب ماحول میں آیت آئی اور مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہوئی۔

حواشی محمود حسن دیوبندی میں ہے کہ "بخاری کی ایک حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت بدر سے پہلے نازل ہوئی قتال کا حکم اس کے بعد آیا......" فتدبر۔

ہمت نہ ہارو

سختیاں ہیں اور جان و مال پر آفات پڑتی رہے گی، مردانِ راہ اور اہل ایمان آزمائے جائیں گے ایک دشمن کے مرنے یا کچھ دیر وقفہ ملنے اور زمان و مکان بدلنے سے امتحان نہیں ٹلتا۔ جان و مال اگر بچ بھی جائے تو زبان کے تیر و سناں کے زخم کھانے پر تیار رہو، صبر و استقامت تقویٰ اور عزیمت کا دامن تھامے رہو، یہی رویہ شاندار ہے۔ مسلمان اسی کردار کے پابند رہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ
اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ
وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ
ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ
بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ
بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾

ترجمہ

وہ وقت، جب اللہ نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم ان تعلیمات کو بہرحال لوگوں میں واضح کرنا اور انھیں چھپانا نہیں۔ اس کے باوجود ان لوگوں نے کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور تھوڑی سی قیمت پر اسے بیچ ڈالا۔ برا ہے جو کچھ انھوں نے خریدا ﴿۱۸۷﴾ اور جو لوگ اپنے کرتوت پر پرخوش ہوئے اور بن کیے کاموں پر آفرین چاہتے ہیں ان کو عذاب سے محفوظ کبھی نہ سمجھنا ان کے لئے تو دردناک عذاب ہے ﴿۱۸۸﴾ اور زمین اور آسمانوں کا مالک اللہ ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۸۹﴾

تفسیر

۱۸۷۔ واذ اخذ اللہ میثاق ....

لتبیننّ، لام تاکید وقسم بانونِ تاکید۔ تم ضرور ضرور، بقسم، بیان کرو گے۔

اس کے بعد " لا تکتمون" اور نہ چھپاؤ گے، یہ میثاق تورات میں مذکور ہے۔ مگر یہودی توریت کے حقائق نہیں بتاتے اور اللہ کے تعلیمات کی تبلیغ نہیں کرتے۔ وہ تو دولت کی خاطر اللہ، اور پیغمبروں کی محنت برباد کرنے پر تیار رہتے ہیں۔

(دیکھئے البقرہ آیت ۷۹ و ۱۷۴ و آل عمران آیات ۱۷ تا ۷۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ من کتم علما عن اھلہ الجم یوم القیامۃ بلجام من نار، جو بھی علم کو نیازمندانِ علم سے، چھپائے گا قیامت میں اسے آگ کی لگام دی جائے گی۔

۱۸۸۔ لاتحسبن الذین یفرحون ......

یہودی، اپنی تحریف و انحراف اور جھوٹی تعریف و فرضی مقصد برآری پر خوشیاں مناتے تھے، آیت اسی پس منظر میں اتری۔

بقولِ بعض آیت کا نزول اس وقت ہوا جب منافقین اپنی بدفطرتی سے جہاد میں شریک نہ ہونے کے باوجود مجاہدین میں داخل ہو کر ان کے ساتھ اپنی بھی تعریف سننے اور فتح میں اپنا نام بڑھانے کے خواہش مند تھے، آیت ان کی مذمت میں اتری۔

برخود غلط اندیش:

نکمے اور بدنیت لوگ، موقع سے فائدہ اٹھا کر، پروپیگنڈے اور دکھاوے کے سہارے کامیابی کا سہرا باندھ کر دوسروں سے اپنی بڑائی منوانا چاہتے۔ آیت میں ایسے بے حیا، خود پسند افراد کے بارے میں حسن ظن سے روکا گیا ہے اور ان لوگوں کو سخت ترین عذاب سے خبردار کیا گیا ہے۔

۱۸۹۔ و للہ ملک السمٰوات ....

جھوٹ اور نفاق، انحراف اور ریاکاری کے ذریعے نام و کام کا خواب دیکھنے والے یاد رکھیں اور مومن و باکردار مسلمان مطمئن رہیں کہ پوری کائنات پر اقتدار صرف اللہ کو حاصل ہے، اس کی قدرت سے زمین و آسمان کی کوئی چیز باہر نہیں، وہی سب کو جزا و سزا دے گا

إِنَّ

فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا

وَقُعُودًا وَعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ

وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا

عَذَابَ النَّارِ ﴿﴾ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ

أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿﴾ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا

مُّنَادِيًا يُّنَادِي لِلْإِيْمَانِ أَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ
رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ
الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

ترجمہ

بلا شک وشبہ، آسمانوں اور زمین کی خلقت اور رات دن کے آنے جانے میں روشن نشانیاں ہیں عقل مند لوگوں کے لئے (۱۹۰) ایسے لوگ جو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور کروٹ کے بھل اللہ کا ذکر اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں فکر کرتے ہیں۔ پروردگارا! تو نے اس کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ تو پاک پاکیزہ ہے۔ لہٰذا ہم کو آگ کے عذاب سے بچا (۱۹۱) ہمارے رب! بیشک جسے تو نے جہنم میں ڈالا اسے رسوا کر دیا، اور ظلم کرنے والوں کا کوئی مددگار نہیں (۱۹۲) ہمارے رب! ہم نے ایک منادی کو ایمان کی دعوت دیتے سنا، کہ "ایمان لاؤ اپنے رب پر" تو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ اٹھا لے (۱۹۳) پروردگارا! اپنے پیغمبروں کی معرفت جو ہم سے وعدے فرمائے وہ ہمیں عطا فرما۔ اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔ تو وعدہ خلافی تو کرتا ہی نہیں ہے (۱۹۴)

تفسیر

۱۹۰۔ اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ . . . . . .

اللہ کے وجود پر عقلی دلیلیں بھی ہیں اور انبیا کی تعلیم بھی۔ قرآن اس پر زور دیتا ہے کہ زمین و آسمان و کائنات، ایسی نشانیوں کا مجموعہ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان سب کا خالق عظیم ہے، اس کے سائنسی مطالعہ سے دلائل ڈھونڈو۔

۱۹۱۔ الـــذین یـذکرون اللہ۔۔۔۔۔۔

یاد خدا کے ساتھ فکر و نظر کو نہ چھوڑو، یہ کائنات بے کار خلق نہیں ہوئی ہے۔ ذکر و تقویٰ کے ساتھ دنیا کے مسائل و معاملات سمجھو، دین کے حقائق سمجھاؤ، ورنہ اہل فکر تمہاری آزادی چھین لیں گے، فکر و نظر کی اساس ذکر الٰہی پر ہوگی تو نہ تم اپنی ہوس کے غلام بن سکو گے نہ غیر کی غلامی میں پھنسو گے۔ علامہ اقبال کے بقول:

یہ سب ہیں ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام ؛؛ وہ جس کی شان میں آیا ہے "عَلَّمَ الاسما"
مقام ذکر، کراماتِ رومی و عطار ؛؛ مقام فکر، مقالاتِ بوعلی سینا
مقام فکر ہے پیمائش زمان و مکان ؛؛ مقام ذکر ہے "سبحان ربّی الاعلیٰ"

دنیا کی تباہی اور مسلمانوں کے زوال کا ایک سبب "ذکر و فکر" میں جدائی ہے۔

روایت ہے کہ حضرت علیؑ جب مکے سے خواتین کو لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضری کے لئے روانہ ہوئے تو مقام ضجنان میں ایک شب و روز قیام فرمایا، اور ہمہ وقت و ہمہ حال بڑی بے چینی سے ذکر خدا فرماتے رہے، اللہ نے اس حالت کو پسند فرمایا اور پیغمبر کو وحی بھیجی۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم راتوں کو عبادت کے ساتھ، اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے ذکر خدا فرماتے اور آسمان کو دیر تک دیکھا کرتے تھے۔

احادیث میں آیت کی ترتیب "قیام و قعود و جنوب" کو نمازی کی صحت و مرض کی حالت میں صورت ادائے نماز کی تشکیل قرار دیا ہے کہ صحت مند کھڑے ہو کر، کھڑا ہونے کی قوت نہ رکھنے والا، بیٹھ کر ورنہ رو بہ قبلہ لیٹ کر نماز پڑھے۔

۱۹۲۔ ربنا انک من تدخل النار ۔۔۔۔۔۔۔

اہل خرد، موت سے پہلے، امکان بھر دوزخ سے بچنے کا انتظام کر لیتے ہیں۔ اور اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اپنے نفس پر ظلم یا بندگان خدا پر ستم نہ ہونے پائے اس کے بعد رحمت خدا و شفاعتِ نبی و آل نبیؑ جیسے وسیلے کا سہارا ملنا آسان ہوگا۔

۱۹۳۔ ربّنا اننا سمعنا۔۔۔۔۔

اہل ذکر و فکر اور اہل دانش و بینش وہ لوگ ہیں کہ ایمان کی صدائے دعوت سنتے ہیں

توجہ ۱۷

تو پکارنے والے کی آواز پر لبیک کہتے ہیں اور آداب ایمان کی پابندی کے ساتھ اللہ سے توبہ، مغفرت اور صحبتِ ابرار کی دعا کرتے ہیں۔

آیت، وجود باری تعالیٰ اور درسِ توحید کے بعد، رسالتِ خاتم الانبیاءؐ کی طرف متوجہ کررہی ہے۔ اسی بنا پر روایات میں ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی تعریف کرتی ہے کہ آنحضرتؐ کی پہلی صدائے دعوت پر انہوں نے نہ صرف لبیک ہی کہی بلکہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ نصرت دین میں جہاد کیے۔

آیت کے آخر میں "توفّنا مع الابرار" سے یہ اشارہ بھی ہے کہ متقی، اور معصوموں کی معیت اور ابرار کی راہ اور ان کے جتھے سے تعلق خطروں سے نجات کا سبب ہے۔

پانچوں آیتیں، مناجات اور اصول ہدایت کو اپنے اندر لیے ہوئے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا، جو شخص مشکل میں مبتلا ہو وہ پانچ مرتبہ "ربّنا، ربّنا" کہہ کر دعا کرے، اللہ اس کی دعا قبول کرے گا۔ خود ان آیتوں میں پانچ مرتبہ "ربّنا" ہے اور چھٹی آیت میں ان دعاؤں کی قبولیت کی بشارت ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ
رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ
بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ
وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ
وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ
اللَّهِ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

ترجمہ

تو ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی۔ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا،

توحید ۱۸

مرد ہو یا عورت - تم ایک دوسرے میں سے ہو - لہٰذا جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنی بستیوں سے نکالے گئے اور میری راہ میں انھیں اذیت دی گئی اور وہ لڑے اور قتل کیے گئے میں ضرور بالضرور ان کی برائیوں سے درگزر کروں گا اور انھیں جنتوں میں بھیجوں گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی (یہ) اللہ کی طرف سے ان کا عوض ہے اور اللہ کے حضور میں اچھا ہی بدلہ ہے (۱۹۵)

تفسیر

سورت تمام ہو رہی ہے، اور درس بندگی کے ساتھ اچھے انسانوں کے طور طریقے بیان کرکے ان کی حوصلہ افزائی ہے ۔ قیامت تک ایسے آدمی حسن ثواب حاصل کرتے رہیں گے جنھوں نے فی سبیل اللہ وطن چھوڑے، دکھ جھیلے، جہاد کیا اور شہید ہوئے، یہ لوگ سابقہ لغزشوں سے بری قرار دیے جائیں گے۔

اجر و ثواب میں مرد و زن برابر ہیں ۔ مردوں کو ان کے عمل، عورتوں کو ان کے عمل کا صلہ یکساں ملے گا ۔ کسی کا عمل اور کسی کا عوض ذرّہ برابر ضائع نہ ہو گا ۔

دنیا میں، اسلام نے پہلی مرتبہ بہت سی جہتوں میں مرد و عورت کو مساوی قرار دیا ہے، خصوصاً، عمل اور کسب و کار، سزا و اخروی اور اجر ابدی میں مرد و عورت کی درجہ بندی ہے ہی نہیں ۔

علی ابن ابراهیم نے "الذین" کا مصداق اول حضرت علیؑ کو پھر سلمان و ابوذر جیسے صحابہ کو، اور منادی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ) کی آواز پر بے مثال لبیک سے حضرت علی علیہ السلام کی افضلیت ثابت ہو گئی ۔

"انثیٰ" کا مصداق اول وہ خواتین ہیں جو ہجرت مدینہ کے اس قافلے میں تھیں جس کی سربراہی حضرت علیؑ سے وابستہ تھی ۔

روایت میں ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ ہجرت کے مصائب میں عورتوں کا

حصہ بھی تھا تو ان کا اجر کیا ہوگا؟ وحی نے ان کو اطمینان دلایا اور مرتبہ بتایا۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِلْأَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾

ترجمہ

آپ کو غلط فہمی میں نہ ڈال دے (ان) کافروں کا شہر شہر بستی بستی پھرنا ﴿١٩٦﴾ تھوڑا فائدہ ہے، اس کے بعد ان کی منزل دوزخ ہے اور وہ بری قرار گاہ ہے ﴿١٩٧﴾ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے، ان کے لئے جنتیں ہیں، جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ مہمانی ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ کے حضور تو نیکوں کے واسطے بہتری ہی ہے ﴿١٩٨﴾

تفسیر

۱۹۶- لا یغرنک تقلّب . . . . . .

۹۷- متاع قلیل . . . .

منکرینِ دین کو دنیا جہاں میں گھومتے پھرتے اور دولت و قوت کی حالت میں دیکھ کر ذہنی کوفت یا دھوکے میں مبتلا نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ زندگی کا مقصد چند روزہ دنیا وی لذتیں نہیں ہیں۔

دیکھنا تو یہ ہے کہ ان آوارہ گردوں کو منزل بھی ملتی ہے؟ یقین رہے کہ بے راہ چلنے

والوں کو منزل تو کیا، ایک ٹھکانا دوزخ ضرور ملے گا اور وہ بہت بری منزل ہے، جہاں آگ کا اوڑھنا بچھونا ہوگا۔

۱۹۸۔ لکن الذین اتقوا۔۔۔۔۔

اللہ و رسول ؐ کو ماننے اور ان کے احکام کو پوری احتیاط سے عمل میں لانے والے اہل تقویٰ، امتحان دے کر، صراط مستقیم کے ذریعے صحیح منزل پر پہنچیں گے یہ منزل، اللہ جل جلالہ کی طرف سے ایسے ہی کامیاب لوگوں کی خاطر دائمی مہمانداری کے لئے تیار ہے۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

ترجمہ

اور یقیناً، اہل کتاب میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور آپ پر جو نازل کیا گیا اور جو ان پر اترا، ان سب پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ کے لئے عاجزی و خوف بھی ان میں ہے۔ اللہ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر بیچتے بھی نہیں (تو) ان لوگوں کے واسطے ان کے رب کے حضور ان کا اجر ہے۔ اور اللہ، جلدی حساب لینے والا ہے ﴿۱۹۹﴾

تفسیر

آخر میں ایک بات اہل کتاب سے اور ایک نکتہ اہل ایمان سے کہا جا رہا ہے۔
جن اہل کتاب کے عیوب بتلائے گئے انھیں میں وہ قابل آفرین لوگ بھی ہیں جو دشمنی

سے دور ہیں۔ اللہ پر ایمان اور اسلام پر توجہ رکھتے ہیں۔ ان لوگوں نے تورات و انجیل کی آیتوں میں ذاتی نفع کی خاطر تحریف اور ان کے مطالب میں تبدیلی نہیں کی۔ وہ قرآن کو احترام کی نظر سے دیکھتے اور اللہ کے حضور خوف و خشیت کے ساتھ حاضر رہتے ہیں۔ ان کا حساب کتاب الگ ہوگا، ان کو ثوابِ کثیر ملے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

ترجمہ

اے وہ لوگو! جو ایمان لاچکے ہو۔ صبر کرو، مقابلے میں ثابت قدم رہو اور تیار رہو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم سب اپنی مراد حاصل کر لو (۲۰۰)

تفسیر

آخری آیت میں قرآن مجید کا معجزانہ اسلوب بڑے گہرے نکات پر توجہ دلا رہا ہے۔ یہ نکات ہر دور اور ہر عہد کے مسلمانوں سے مربوط ہیں۔ ان میں اجتماعی شعور کو ابھارنے اور مسلم معاشرہ کو مضبوط اکائی دینے کا پیام ہے اس کا مقصد اعلیٰ انسانی اقدار کا فروغ اور عقیدہ و عمل کے نتائج کو مفید تر بنانا ہے۔

نکات فطرتِ بلند و استوار پر مبنی صحیح عقائد و افکار و اعمال کا نظام جس سے انسانیت ترقی کرے۔

۲- اس نظام پر ایمان و استقامت۔

یہ دونوں نکتے "الذین آمنوا" کے ضمن میں صاف اور نمایاں نظر آتے ہیں۔

۳- صبر- حوصلہ مندی، عملی قوتوں میں توانائی کا خیال، جس سے شریعت پر عمل اور مشکلات کی برداشت آسان ہو۔ یوں پہلے جہاد بالنفس میں کامیابی ہو، اس کے منکروں سے جہاد

میں سرخروئی حاصل ہو۔ ہوا و ہوس اور طاغوت دونوں کا مقابلہ صبر و حوصلہ مندی ہی سے جیتا جا سکتا ہے۔

۴۔ صابرو مصابرہ اسلامی معاشرے اور مسلمانوں کے ایک صف بننے کے بعد باہمی ہمت افزائی اور ایک دوسرے کی پشت پناہی کہ دشمن آگے نہ بڑھ سکے اور مسلمانوں میں بے صبری نہ آنے پائے حوصلے بڑھتے بڑھاتے رہو کہ دشمن میدان چھوڑنے پر مجبور ہو جائے۔

۵۔ "رابطوا" جمے رہو۔ ہمہ وقت کمربستہ، آمادہ و مستعد اور ہر طرف سے چوکنا رہو۔ نظریات کی سرحد ہو یا اسلامی معاشرے کی حد، دشمن کا نشانہ ہو یا خود تمہارے فکری اور ارضی حدود، جہاں سے دشمن تمہارا حصار اور تمہارا دائرہ علم و عمل توڑ سکے وہاں "آمادہ باشی" اور ثابت قدمی کی حالت رہنا چاہیئے۔"

۶۔ تقویٰ، ہر مرحلے میں "تقویٰ" پیش نظر رہے کہ مسلمان کے داخلی اور خارجی ہر سفر حرکت و عمل، فکر و نظر کا مرکز تقویٰ ہی ہے اس سے نہ اپنے اوپر ظلم ہونے پائے گا نہ دوسرے پر۔ خوف خدا ہی اساس کار اور نجات کا وسیلہ ہے۔

ان اسباب کو جمع کرنے کے لئے فلاح و فتح، نصرتِ الٰہی اور مشکلات سے رہائی ضرور حاصل ہوگی۔

محمد بن مسعود بن عیاش نے اپنی تفسیر میں امام باقر و صادق علیہما السلام سے اس آیت کے بارے میں متعدد روایتیں نقل کی ہیں، جن میں ارشاد ہے:۔

اصبروا علی الفرائض	فرائض کے پابند رہو۔
وصابروا علی المصائب	مصیبتوں میں صبر کرو اور دوسروں کو صبر دو
ورابطوا علی الائمۃ ۴	ائمہ علیہم السلام سے پوری طرح وابستہ رہو۔

سبحان ربک رب العزت عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چند نکات

نام: سورت کا نام "النساء" ہے۔ سورۃ البقرہ کے بعد قرآن مجید کی یہ دوسری طویل ترین سورت ہے۔ حروف وکلمات اور طویل آیات اس میں زیادہ ہیں۔

سورت کا نام بلکہ موضوع بھی "خواتین" ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ مجید نے پہلی مرتبہ "عورت" کے اعزاز، عورت کے حقوق اور عورت کے سماجی مرتبے پر کس زمانے میں بات کی اور اسے خاص درجہ بخشا اس درجے کا تذکرہ پہلی آیت سے شروع ہوگیا: "لوگو! اللہ سے ڈرو، اس نے تمھیں ایک نفس سے پیدا کیا اور اس سے اس کا ساتھی پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور خواتین کو پیدا کیا....."

بعض مفسرین نے سورۃ النساء کا نام "سورۃ النساء الکبریٰ" اور سورۃ الطلاق کا نام "سورۃ النساء الصغریٰ" لکھا ہے۔ اس کے مقابلے میں کسی سورت کا نام "الرجال" نہیں ہے۔

محلِ وقوع: قرآن مجید کا یہ چوتھا سورہ ہے جو پارۂ چہارم کے ثلث کے بعد سے چھٹے پارے کے ربع سے پہلے تمام ہوتا ہے اور بہ ترتیبِ نزول اس کا نمبر بانوے ہے۔

آیات: ایک سو چھہتر۔ (۱۷۶)

حروف: سولہ ہزار چھ سو ستر سٹھ۔ (۱۶۶۶۷)

کلمات: تین ہزار سات سو بیس۔

رکوع: چوبیس۔

محلِ نزول: مدینہ

زمانۂ نزول: ۳ھ اور ۵ھ کے حدود میں۔

مسائل

النساء کا تاریخی و سیاسی پس منظر و پیش منظر بتاتا ہے کہ دو معرکوں اور ان کے درمیان فوجی جھڑپوں، زخمیوں اور جاں بحق ہونے والوں کے پسماندگان کی روز افزوں تعداد سے پیدا ہونے والے سماجی مسائل اور ان کے حل کے لئے قانون کی ضرورت پیش آئی۔ ان باتوں میں اہم ترین سوال، مرنے والے کے ترکے کا تھا۔ میراث کے ساتھ ہی لالچی رشتے دار اور ضعیف و کمزور، غم زدہ یتیم لڑکوں، اور بیوہ، نیز یتیم لڑکیوں اور اہل خاندان کا رویہ تھا۔ چنانچہ اس سورے میں وارثوں کی درجہ بندی، ان کے حصص یعنی ۔میراث۔ کا قانون نازل ہوا۔ لاچار و معذور افراد کے مال کی حفاظت۔

عائلی اور گھریلو زندگی، ازدواجی روابط، تعدد ازواج۔ زوجہ کے حقوق، شوہر کے حقوق مرد و زن میں مساوات اور برتری۔ احترامِ زن۔

نکاح دائمی۔ نکاح منقطع (متعہ)۔ طلاق۔ اور اس کے درمیان شوہر یا وارثوں کے رویّوں پر پابندی۔ عورت کی آزادی کے مقامات۔ محرم عورتیں۔ نامحرم خواتین۔

عام زندگی اور معاشرے میں۔ رنگ و نسل کے امتیاز کی نفی۔ سلام و ہدیہ، انفاق و زکوٰۃ و احسان۔ جواب محبت۔ امانت داری۔ افواہوں کی اشاعت کی ممانعت، خفیہ میٹنگ پر قدغن سفارش، مجرم کی بے جا حمایت نہ کرنے کا حکم، بہتان طرازی کی مذمت کی یاد دہانی کرنے اچھے انسانی اور اسلامی اخلاق سے آراستہ معاشرے کی تشکیل پر زور دیا گیا ہے۔

فکری طور پر مسلمانوں کو توحید۔ نفی شرک و تثلیث۔ پیغمبروں پر اعتقاد۔ ان کے بارے میں غلو درست نہیں۔ اور ان میں تفریق نہ کرنا۔ نبی کا معصوم ہونا سب پیغمبروں کا راستہ ایک، جیسے کلیات ماننا ضروری ہیں۔

اسی طرح یہ عقائد بھی دلائل سے ماننا ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں۔ اس سورے میں حضور کی ختم نبوت پر دلیل کا اشارہ۔ آپؐ کا علم۔ آپؐ کی سیرت۔ سنتِ رسولؐ حجت ہے

خلافت و امامت۔ شفاعت کا بیان ہے۔

عملی لحاظ سے عبادات میں: وضو۔ غسل۔ نمازِ خوف۔ نمازِ قصر۔ قانون فوجداری میں قتل کی سزا کے احکام ہیں۔

اسلامی نظامِ حیات اور خطوطِ حکومتِ اسلام پر روشنی موجود ہے۔ یعنی اللہ جل جلالہ اور نبی آخر الزمانؐ و ائمہؑ کی ولایت و حاکمیت ان کی اطاعت کے دائرے کی وسعت اور حدود۔ کتاب وسنت۔ عدل۔ قانونی معاملات میں شرعی عدالت کی طرف رجوع کا حکم اور دوسری ایجنسیوں سے رجوع کی ممانعت۔ فیصلے اور گواہی میں صداقت و عدالت۔ دنیا و آخرت دونوں۔ دین کے معنے۔ صراطِ مستقیم اور تقوے کی پابندی۔ اسلامی حکومت کے مرکز میں ان مسلمانوں کی ہجرت ضروری ہے جو دشمن کے علاقے میں مجبور اور دبے ہوئے ہوں۔ سرحدی حفاظت داخلی و خارجی امن کے لئے جہاد کی ہمہ وقت تیاری۔ شبہے کی حالت میں جنگ سے بچنا۔ صلح کی پیش کش قبول کرنا چاہیے۔

داخلی و معاشرتی مسائل میں کمزور و غریب عوام۔ بے یقین لوگ۔ منافق و نفاق و معاشرے کا سرطان۔ صلح و جنگ میں ان پر نظر۔ اسلام دشمن اقوام و مذاہب کے افکار و کردار پر توجہ۔ خصوصاً یہود و نصاریٰ ان دونوں کے انحرافات اور دین اللہ سے نکل کر کافر و مشرک و نجس قرار دیا جانا۔ سورے کی خصوصیت ہے۔

آخر میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں اسلام کے موقف کی تشریح۔ حیات و نزول مسیح و ظہور مہدیؑ کا بیان ہے۔ کیونکہ سورے کا پیش منظر بنی نضیر یعنی مدینۂ منورہ کے مسیحیوں کے خلاف کاروائی تھی۔ اور ان لوگوں کے پروپیگنڈے سے پہلے سب کو بتانا ضروری تھا۔ کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف اسلام، حضرت عیسٰیؑ کے بارے میں کس احترام کا قائل ہے۔

یہ سب باتیں جیسے کل ہدایت تھیں۔ آج بھی اور قیامت تک ہدایت رہیں گی۔ ان رہنماؤں سے انسان اور مسلمان سیدھا راستہ حاصل کرسکتا ہے۔ وہ راستہ فکری ہو یا عملی سیاسی ہو یا سماجی۔

سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَسِتٌّ وَسَبْعُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿١﴾

ترجمہ

اللہ کے نام سے (وہ) رحمٰن و رحیم ہے۔ اے لوگو! اپنے اس پروردگار سے تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا، اور اسی جنس سے اس کا جوڑا خلق کیا، اور ان جوڑوں سے زن و مرد میں فراوانی کی۔ اور اس اللہ سے تقویٰ اختیار کرو جس کے وسیلے سے آپس میں ایک دوسرے سے مانگتے ہو۔ اور قطع رحم سے ڈرو۔ بے شک اللہ تم پر نظر رکھتا ہے ①

تفسیر

گزشتہ سورے کا آخری حصہ تھا — "واتقوا اللہ لعلکم تفلحون" — اس سورہ کا آغاز اسی پیام سے ہو رہا ہے۔ رحمٰن و رحیم اللہ سے تقویٰ تمام انسانوں کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ، اللہ ہی نے ایک انسان سے بے شمار انسانوں کو پیدا کیا۔ اور اللہ ہی کی دی ہوئی صلاحیتوں کی بدولت تم معاشرتی زندگی کے معاملات انجام دیتے ہو، اللہ ہی ہمہ وقت تمہارا نگہبان ہے، وہ ہر آن تم پر نظر رکھتا ہے۔ پھر اس سے تقویٰ نہ کرنا شانِ بندگی کے خلاف ہے۔

امتیازِ رنگ و نسل کی نفی

اسلام کا انقلابی فلسفہ اور ہر دم حیات آفرین پیام پر غور کرنے کے لئے اس آیت کے ساتھ سورۃ الحجرات کی تیرھویں آیت بھی دیکھئے :

یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثیٰ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔

لوگو ! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ تمھیں قوموں اور قبیلوں میں جان پہچان کے لئے رکھا۔ تم میں زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔

دونوں آیتوں میں، رنگ و نسل، قومیت اور معاشرت کے مفروضہ اصولوں کی مکمل نفی ہے۔ اسلام ان حلقہ بندیوں کو توڑ کر ایک لائن اور آگے بڑھنے اور صراطِ مستقیم پر مسلسل گامزن رہنے کا داعی ہے۔ افتراق و اختلاف کا نقطہ مٹا کر مرکزِ اتحاد پر جمع کرنے ایک ساتھ قدم بڑھانے کی دعوت اسلام کا اصل مقصد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

"عربی کو عجمی اور قرشی کو حبشی پر کوئی برتری نہیں، اگر برتری ہے تو تقوے کی بنیاد پر ہے"

لوگو! تمہارا رب ایک تمہارا باپ ایک، تم سب آدمؑ سے اور آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے، بلاشبہ تم میں۔ اللہ کے حضور زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔ برتری کا معیار صرف تقوےٰ ہے۔

اس وقت اسلام کے مقابلے میں دو فکری نظام ہیں۔ ایک عیسائیت، عالمی تحریک ہونے کی مدعی ہے۔ مگر اس کی کتابِ مقدس بنی اسرائیل کے علاوہ سب کو "کتا" کہتی ہے۔ اس کے نزدیک دنیا میں کبھی انسانیت آئی ہی نہیں۔ یہ تحریک دراصل آج کل یہودیت کی تابع ہو چکی ہے۔

دوسری فکری تحریک مارکسزم ہے۔ اس کے حلقہ بگوش، اس فلسفے کو عالمی تحریک مانتے ہیں۔ حالانکہ یہ فلسفہ شروع ہی سے انسانی تحریک نہیں ہے۔ اس کا مرکزی محور صرف مادّہ اور سرمایہ ہے۔ اس تحریک میں عظمت کے چشمے اور روحانی پہلو، انسانیت کے منفرد نقطۂ امتیاز سے انسان کو جدا کر دیا گیا ہے۔

لہٰذا یہ فکری نظام عالمی تحریک بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس لئے کہ عالمی تحریک کی بنیادی شرط ہے "انسان کو ماننا اور فرد کو با اختیار سمجھنا۔"

اسلام انقلابی، فکری اور ترقی پسندانہ راہ میں جو سمت دیتا ہے اس میں جغرافیہ، نسل اور گروہ در گروہ سیاست کی نفی ہے۔ ایک آزاد آدم زاد، اللہ کا بندہ اور اللہ کی حکومت میں ہر طاغوت سے ٹکر لینے والا طاقت ور انسان، عقل صحیح اور کردار صحیح۔ علم حق اور علم درست کی وجہ سے انفرادی طور پر بھی محترم ہے اور ایسا اجتماع و معاشرہ بھی معزز ہے۔

انسان مخلوق اور ابن آدم ہونے کی وجہ سے ایک ہی جنس ہے۔ اس میں اگر کوئی فرق ہے تو وہ ہے مرد و زن کا فرق اور اس میں بھی زوجیت یعنی ہر ایک کے ساتھ دوسرے کا ہم سر ہونے کی صفت لازم ہے

اللہ پر ہر چیز عیاں ہے۔ لہٰذا تقویٰ اور صلۂ رحمی سے غفلت پر وہ گرفت کرے گا۔

آیت میں "نفس واحد"، "خلق منہا زوجہا" اور — "بث منہما رجالاً کثیراً و نساءً" — تین جزو ہیں اور ان سے متعلق تین سوال سامنے آتے ہیں:۔

۱۔ نفس سے مراد کیا ہے؟

۲۔ حوّا کیوں کر پیدا ہوئیں؟

۳۔ آدمؑ و حوّاؑ کے لڑکے لڑکیوں کی شادی کیسے ہوئی؟

احادیث محمدؐ و آل محمدؐ کی روشنی میں نفس واحد سے مراد حضرت آدمؑ ہیں۔ اور جناب حوّا فاضل طینت آدمؑ سے خلق ہوئیں۔ اور فرزندان آدم کے توالد و تناسل کے لئے ایک خاص مخلوق کو جوڑے کے لئے خلق کیا، اسے جنیہ اور کبھی حورا، کہا گیا ہے۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝

ترجمہ

اور یتیموں کو ان کا مال دے دو۔ اور نہ بدلو برے مال کو اچھے مال سے۔ اور ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ہضم نہ کرو۔ کہ یقیناً یہ بڑا گناہ ہے (۲)

تفسیر

شان نزول: بنی غطفان کا ایک دولت مند آدمی مرگیا تو اس کے بھائی نے یتیم بھتیجوں کو اپنی سرپرستی میں لے کر ان کے روپیہ پیسے میں خورد برد شروع کردی۔ کچھ دن بعد ایک یتیم ذرا سمجھ دار ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں اطلاع دی گئی کہ فلاں شخص اپنے یتیم بھتیجے کا مال دینے سے پہلو تہی کر رہا ہے اس پر آیت نازل ہوئی۔

حق ایتام

جس معاشرے میں خوف خدا نہ ہو، وہاں بہت سے ایسے ظلم ہوتے ہیں جنھیں قانون کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا، اسلام کی بڑائی یہ ہے کہ اس کا عقیدہ ضمیر انسانی پر گرفت رکھتا ہے۔ اسلام مجبور افراد کی دستگیری کا بہترین نظام ہے۔ مثلاً یہی آیت جس میں تین حکم ہیں اور تینوں کا تعلق قیام عدل، امداد مظلوم اور مجرم کی مؤثر تنبیہ سے ہے (نیز دیکھئے البقرہ/۲۲۰)

۱۔ یتیم، قابل احترام ہے اس کا مال قابل حفاظت، امانت ہے جو مطالبے کے بعد بلا تاخیر ادا کردو۔

۲۔ یتیم کا مال جب تک تمھیں رکھنا پڑے اس وقت تک امانت داری سے رکھنا۔ اس کی اچھی چیزیں، اس کی حلال و پاک چیزیں۔ نکمی، بری یا حرام و ناپاک چیزوں سے نہ بدلنا۔

۳۔ اگر گھر کے مشترک اخراجات میں یتیم کے پیسے اس پر خرچ کرنے کے ارادے سے ملا کر خرچ کرو تو پوری احتیاط رکھو کہ اس بہانے سے اس کا مال نہ کھا جاؤ ۔۔ یہ سب اللہ کی نافرمانی اور گناہ کے کام ہیں۔ اور حقِ عباد ضائع کرنے کے گناہ کی سزا سخت ہے۔

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِى الۡيَتٰمٰى
فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ
فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ
ذٰلِكَ اَدۡنٰٓى اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ؕ

ترجمہ

اور اگر تم کو خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں سے انصاف نہ کر سکو گے تو نکاح کر لو، جو عورتیں تمہیں اچھی لگیں دو، دو۔ تین تین، چار، چار۔ اس کے بعد اگر اندیشہ ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک (پر اکتفا کرو) یا وہ (لونڈی) جو تمہاری ملکیت میں ہو۔ یہ (بات) بے انصافی نہ کرنے سے زیادہ قریب ہے (۳)

تفسیر

پرانے اور بعض نئے معاشروں میں یتیم کو بوجھ مانا گیا ہے، ان کے حقوق ضائع کرنا، ان کو میراث سے محروم کرنا، یا ترکہ دے کر خورد برد کر دینا معمولی بات قرار دی گئی۔ قرآن مجید اس رویّے کے خلاف ہے، اللہ عزّ اسمہ نے اس پر سخت تنبیہ و سزا کا اعلان فرمایا ہے۔ خصوصیت سے یتیم لڑکیوں کے بارے میں ان کی ناموس اور ان کے مستقبل کا تحفظ کیا اور حکم دیا کہ اگر تم ان کو غیر سمجھنے سے باز نہ آؤ تو ان سے بہ شرائط آدمیت شادی کر لو۔

تعدّد ازدواج

آیت کا انداز بتاتا ہے کہ بات اس معاشرے کی ہے۔ جہاں عورتوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ایک مرد کے لئے کئی شادیاں ضروری ہیں۔

(۱) بین الاقوامی اعداد و شمار کی رو سے مختلف وجوہ کی بنا پر خواتین کی تعداد مردوں سے

زیادہ ہے۔

۲۔ یہ بات مسلّم ہے کہ بیوی کے بغیر مرد زندگی گزار سکتا ہے۔ مگر بے شوہر عورت کی زندگی مشکل اور آزار ہے۔

۳۔ جنسی طور پر عورت کا بلوغ، عورت کے نفسیات، عورت کے فکری مسائل، مرد سے زیادہ اہم اور سنگین ہوتے ہیں۔ عورت مرد کی حمایت اور مرد کے سہارے، اور مرد کے برابر رہ کر قوت، سکون عزت اور اولاد سے لذت اندوز اور سربلند ہوتی ہے۔ اس کے بغیر وہ ذہنی اور اعصابی امراض میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

یتیم لڑکی بہت خطرناک حالت میں ہو سکتی ہے۔ خاندانی پابندیاں، خاندان میں اچھے رشتوں کا نہ ملنا، عورت کی جوانی یا دولت سے فائدہ اٹھانے کے آرزو مند شخص یا اشخاص کی للچائی نگاہیں۔ خود لڑکی کا ناعاقبت اندیشی کا اقدام یا چوری چھپے قانون شکنی کے امکانات اور اس کے نتائج نظر انداز کئے جانے والی باتیں نہیں ہیں۔

جنگ کے نتیجے میں مردوں کی کمی، سپاہی کے گھروں میں بیواؤں اور یتیموں کا ہونا، اقتصادی اور افرادی ضرورتوں کی فراوانی کے پیش نظر اللہ کا یہ حکیمانہ فرمان کہ ایک آدمی اگر ہمت کر کے اپنی قوم کی عورتوں کا بوجھ اٹھا کر معاشرے کی مشکلات حل کر سکے تو اس کا اخلاقی فریضہ ہے کہ عورتوں اور یتیموں کا بوجھ اٹھائے۔ خاص کر یتیم لڑکیوں کی عزت و ناموس و ملکیت پر پوری توجہ دلائی کہ یہ مسئلہ بہت نازک ہوتا ہے۔

کنیز، کیوں

کئی، یتیم، بیوہ یا صاحبِ ناموس خواتین سے بشرط عدل و انصاف شادی کی جا سکتی ہے، مگر بہ یک وقت نکاح دائمی سے بننے والی بیویاں چار سے زیادہ نہ ہوں۔ چار نکاحوں کی اجازت میں عورت کے حقوق کا احترام اور ان کی ادائیگی شرط ہے۔ گویا اس اجازت میں ضرورت خواتین کا پہلو ملحوظ ہے۔ لیکن اگر مرد یہ بوجھ نہیں اٹھا سکتا تو اسے اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے کسی آزاد عورت کو گھر میں آباد نہ کرنا چاہیئے، کیوں کہ عورت خادمہ نہیں بنائی جا سکتی۔ ہاں ایسے آدمی کو جہاد میں حاصل شدہ کنیزوں کو شریک زندگی بنانے کی اجازت ہے۔

پاک معاشرہ

اسلام ناموسِ زن اور طہارتِ اولاد کے معاملے میں انتہائی اہتمام کرتا ہے، عورت کو جسم فروشی اور مرد کو ناجائز اولاد پر بند باندھنے کا ذمہ دار بنا کر، ملکِ یمین و متعہ اور نکاح کے تین ضابطوں کا پابند کرتا ہے اور تینوں طریقوں، میں عدل و انصاف اور ادائیگی حقوق محبت اور حسنِ معاشرت کی نگہداشت واجب قرار دیتا ہے، یعنی اسلام قیامِ عدل اور نفیٔ ظلم اور بندشِ آوارگی کے ذریعے پاک صاف معاشرے کا داعی ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً

فَاِنۡ طِبۡنَ لَکُمۡ عَنۡ شَیۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَکُلُوۡهُ هَنِیۡٓـًٔا مَّرِیۡٓـًٔا ۝

ترجمہ

عورتوں کو ان کے مہر، عطیہ کے طور پر (بخوشی) ادا کر دو۔ اس کے بعد اگر وہ تمہیں مہر میں سے کچھ خوشی خوشی دیدیں تو اسے کھاؤ، خوشگوار ہو، اور انگ لگے (۴)

تفسیر

صَدُقٰت: (مفرد) صداقٌ۔ مہر۔ نِحۡلَةً: بخشش، عطیہ، تحفہ۔ اللہ کا انعام۔ (شوہر کا تحفہ)

ھنیئاً مریئاً: (عرب محاورہ) خوش گوار ہو۔ خوب ہضم ہو۔ کھاتے وقت کی دعا، جیسے اردو میں کہتے ہیں۔ "نوشِ جاں، شیر مادر"، یا ـــ "انگ لگے"۔

مہر کی حقیقت

آیت میں مہر کے بارے میں دو نکتوں پر توجہ دلائی گئی ہے۔

۱- مہر ادا کرنا واجب ہے، اور مہر، قیمت یا معاوضہ اور احسان نہیں، بلکہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ انعام ہے۔ اور انعام میں کمی زیادتی کا خیال نہیں کیا جاتا بلکہ انعام دینے والے کی نیت، انداز

اور حسن عمل کو دیکھا جاتا ہے۔ نکاح ایک اچھا عمل ہے۔ اس میں اللہ نے اپنی حکمت کے مطابق "مہر" واجب کیا ہے۔

مہر۔ شرعی طور پر باہمی رضامندی، دونوں کے معیار، نصب العین اور باہمی الفت و محبت کے ساتھ طے ہونا چاہئے۔ جب کوئی رقم، یا املاک یا کوئی حلال و مباح شئے معین ہو جائے تو مرد اسے فوراً، یا عندالطلب پیش کر دے۔ مہر شوہر کی طرف سے "ہدیہ و تحفہ" کہا گیا ہے، محبت کی یادگار، پاک صاف زندگی گزارنے کے معاہدے کی ضمانت۔

مہر کے احکام و آداب میں قیمت کا تصور ہرگز موجود نہیں، بلکہ مہر میں کمی کی سفارش، اس کے اخلاقی اور خلوص محبت کی علامت ہونے کا اشارہ ہے۔ اسلام کے اس معاشرتی نظام کے مقابلے میں بے قید و بند جنسی آزادی کے نظام کو پسند کرنے والے افراد، ذاتی طور پر احساس کمتری کا شکار بن کر جو کچھ کہتے ہیں وہ فلسفۂ اسلام سے ناواقفیت کی بنا پر ہے۔ مزید بحث کے لئے دیکھئے میرا ترجمۂ اردو "حقوق زن در اسلام"، تالیف شہید مرتضیٰ مطہری۔

۲۔ بیوی اپنا مہر اپنے شوہر کو ہبہ کر سکتی ہے۔ محبت اور یگانگت میں اضافہ اور باہمی تعلقات میں یک دلی اللہ کو پسند ہے۔ اگر اس سلسلے میں بیوی اپنی خوشی سے اپنے شوہر کو کچھ دے تو شوہر اسے اپنی "انا" اور برتری کا مسئلہ نہ بنائے۔ جس جذبے سے بیوی کچھ دے اسی مسرت و احترام سے قبول کرنے میں باہمی مفاہمت بڑھنے کا امکان ہے۔ اس مسئلے سے بھی یہ بات سامنے آتی ہے کہ مہر کو قیمت سمجھنا غلط ہے۔

آیت کی شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ قبائلی نظام اور خاندانی رسم کے مطابق ـــ لڑکیوں کے ولی، بھائی، باپ، چچا، اور کبھی طلاق دینے والے شوہر۔ مہر کی رقم خود وصول کرتے اور خواتین کو اس ہدیے سے محروم کر دیتے تھے جو اس وقت یا مستقبل میں ان کے لیے کارآمد ہو سکتی تھی۔ آیت نے سماج کو اس ظلم سے روک کر، مہر کو براہ راست بیوی کے ہاتھ میں دینے کی پابندی لگائی اور اس کے ایک فلسفے پر روشنی ڈالی۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا

وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَن يَكْبَرُوا ۚ وَمَن كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۖ وَمَن كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝

ترجمہ

اور نا سمجھ لوگوں کو اپنے وہ سرمائے نہ دو جنھیں اللہ نے تمہاری زندگی کا سہارا بنایا ہے۔ لیکن، انھیں اس سے ان کے کھانے اور پہننے کو دو اور ان سے اچھی باتیں کرو (۵) اور یتیموں کی آزمائش (دیکھ بھال) کرتے رہو، یہاں تک کہ وہ (عمر) نکاح کو پہنچیں۔ اگر ان میں ہوشمندی دیکھ لو تو پھر ان کے سرمائے ان کے حوالے کردو۔ اور خبردار! وہ مال، حد سے زیادہ اخراجات اور جلدبازی میں نہ کھا جانا کہ وہ یتیم بڑے ہوجائیں گے (اور تم کو ان کا مال واپس کرنا ہوگا) اور جو (ولی) مالدار ہو وہ مال یتیم سے دامن کو پاک رکھے۔ اور جو غریب ہو وہ دستور کے مطابق ہی کھائے (صَرف میں لائے) اور جب ان کے مال ان کے سپرد کرو تو اس پر لوگوں کو گواہ بنالو۔ اور حساب لینے کو اللہ کافی ہے (۶)

تفسیر

۵۔ ولا تؤتوا السفہآء ......

معانی سفہ : السفہآء : (مفرد) سَفِیۡہٌ - رشید کی ضد -
سَفہ : عقل میں کمی - نادانی - اُلٹ پلٹ کام کرنا - مال کا بے فائدہ خرچ - لہو لعب و محرّمات میں دولت خرچ کرنا - شراب پینا - امام جعفر صادقؑ کی حدیث ہے : " کل من یشرب الخمر فھو سفیہٌ " (تفسیر عیاشی - درضمن تفسیر آیۂ مذکورہ)

اصطلاح فقہ میں : " سفیہ : وہ شخص جس میں اپنے مال اور حال کی حفاظت و نگہداشت کا شعور نہ ہو - بے موقع مال صرف اور ضائع کرنے والا — کاروبار میں ذہانت اور خسارے سے بچنے کی صلاحیت سے بے بہرہ - کاروبار میں دھوکا کھانے کی پرواہ نہ کرنے والا " (تحریر الوسیلہ، کتاب الحجر، از امام روح اللہ خمینی)

عقل سے محروم کا مال

اللہ عزّ اسمہ نے مال کو سیدھا کھڑے ہونے کا سبب بنایا ہے - لہٰذا اپنا مال نادان یتیموں کے حوالے نہ کرو، ہاں، ایسے یتیموں کو ان کے مال سے ضروریات زندگی مہیا کرتے رہو اور ان سے معقول طریقے پر گفتگو اور سلوک کرو - تاکہ ان میں اعلیٰ صلاحیتیں ابھر آئیں -

حکم شرع

آیت کے باعجاز کلمات و ترکیب، جامع قانون کی حیثیت رکھتی ہے - اور اس سے فقہا نے متعدد مسائل اخذ کیے ہیں - فقہ میں " حجر " کے احکام ملاحظہ فرمائیے - یہاں چار باتیں عرض ہیں :-

۱- مال کو اللہ نے فرد اور معاشرے کی زندگی قائم رکھنے کی اساس بنایا ہے اور افراد کا حق ملکیت تسلیم کیا ہے -

۲- سفیہوں کو مال نہ دینا چاہیے -

۳- اگر مال کا مالک سفیہ ہو تو اس کے مال سے اس کے ضروریات زندگی کا انتظام کرنا چاہیے، اور بقیہ مال محفوظ رکھنا واجب ہے -

۴۔ ناقص العقل لوگوں کو شیریں زبانی سے رام اور حسن کلام سے تربیت دینا چاہیئے۔ ان کی ذہنی توانائی کو بروئے کار لانا چاہیئے۔ تلخ کلامی و ترش روئی سے اشتعال ہو سکتا ہے۔ جس سے ان کی سفاہت کم نہیں ہوتی۔

یہ چاروں باتیں افراد، خاندانی معاشرے، پھر اسلامی اور بین الاقوامی معاملات تک دائرہ بناتی ہیں۔ ناچار و بے سہارا افراد، جیسے یتیم اور اس کے مال کو بچاؤ اور اس کی تجارت یا کاشتکاری، دام پروری جیسے معاملات ہیں تو اسے جاری رکھو اور اسے بڑھاؤ۔

یتیم عقل انسان سے ہمدردی کرو۔ اس کا مال ضائع نہ ہونے دو اس کے مال سے اس کے لباس و طعام کا انتظام کرو، اس کا علاج کرو۔ اسی طرح، شراب خوار یعنی "سفہا" کو سرمایہ دینا غلط ہے۔ خواہ وہ حکومتیں ہوں یا معاشرے۔

اسلامی حکومت سفیہ کا مال ضائع ہونے سے بچانے کے لئے اسے اپنی تحویل میں لے کر سرکاری طور پر سربراہی کرے۔

روایاتِ ائمہؑ

امام محمد باقر علیہ السلام سے " ولا تؤتوا السفہاء اموالکم " کا مطلب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

شرابیوں اور عورتوں کو مال نہ دو۔

امام جعفر صادقؑ سے علی بن حمزہ نے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو امامؑ نے فرمایا: یتیموں کو ان کا مال اس وقت تک نہ دو جب تک ان کا شعور پختہ اور عقل کامل نہ ہو جائے (نور الثقلین)

۶۔ وابتلوا الیتمٰی حتّٰی اذا بلغوا ۔۔۔۔۔۔

یتیم کے نگران کو زیرِ نگرانی یتیم کی ذہنی تربیت کرنا چاہیے وہ ان سے کچھ ذمہ دارانہ کام لے اور ان کے نتائج دیکھے۔ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں۔ سن و سال کے ساتھ عقلی بلوغ بھی پیدا ہو جائے۔ وہ اپنی ذات اور اپنے مال کا دانشمندانہ استعمال کرنے لگیں تو ان کا اثاثہ باقاعدہ تحریر و گواہ کے ذریعے ان کو واپس کردے۔ لکھت پڑھت، رسید اور کاغذی قانونی کاروائی باہمی اطمینان کے لئے ضروری ہے۔ یتیم کے بالغ و راشد ہونے کے ڈر سے اس کی کمسنی و نادانی میں اس کے سرمائے کا بے دریغ استعمال

اور اس کی اہم ضرورتوں کے علاوہ زائد خرچ یا جلدی جلدی اخراجات کہ دولت ختم ہو جائے۔ یتیم بالغ ہو جائے گا اور مال ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ یہ رویہ غلط اور خلاف قانون ہے۔

سرپرست اگر ذاتی طور پر خوشحال ہے تو اس کی خودداری اسی میں ہے کہ مال یتیم سے دامن بچائے، اور نگرانی کے فرائض انجام دینے کا معاوضہ نہ لے۔ البتہ، سرپرست اگر غریب ہے اور یتیم کا مال، زمین، جانور اور املاک کی دیکھ بھال، دوڑ دھوپ اور محنت چاہتی ہے تو اپنی خدمت کی موزوں و مناسب اجرت لے سکتا ہے مگر اخلاق، شریعت اور دستور کے مطابق۔

پہلی آیت میں ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا حکم اس یاد دہانی پر تمام ہوا۔ ان اللہ کان علیکم رقیبا یقین رکھو، اللہ تم پر نگراں ہے۔ لکھت پڑھت اور حساب کتاب کی بات۔ وکفیٰ باللہ حسیبا۔ پر تمام ہے یعنی نیت و عمل کی نزاکتوں کے وقت اللہ کو حسیب و رقیب سمجھو گے تو فکری اور عملی غلطی سے بچ سکو گے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝

ترجمہ

والدین اور قریبی رشتے دار جو کچھ چھوڑ جائیں، مردوں کا اس میں حصہ ہے۔ اور عورتوں کا بھی، اس میں حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتے دار چھوڑ جائیں۔ ترکہ، تھوڑا ہو یا زیادہ۔ حصہ مقرر کیا ہوا ہے (۷) اور جب تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم و مسکین لوگ آجائیں تو کچھ ان کو بھی دے دو اور ان سے اچھی طرح بات کرو (۸)

تفسیر

۷۔ للرجال نصیب مما ترک ۔۔۔۔۔۔

میراث اور خواتین

متعدد قوموں کی طرح عرب میں بھی عورتوں اور بچوں کو میراث سے محروم رکھا جاتا تھا۔ اسلام نے ان دونوں کو میراث دے کر عورتوں کی مالکیت اور اختیارات منوائے اور عائلی زندگی میں اس کے حقوق مرد پر عائد کیے۔ بلکہ میراث میں اس کی محرومی کو ختم کرنے کا اعلان کیا۔

عورت مرد برابر

دنیا کے بڑے سماج میں عورت، خصوصاً بیٹی میراث سے محروم تھی، اسلام نے اسے یکسر ختم کیا، اور دنیا بھر کے مفاد پرست افراد کو اس ظلم سے روکا۔ اور قانون فطرت یاد دلایا کہ جب بیٹا اور بیٹی والدین کے صفات کے برابر سے وارث ہوتے ہیں تو مال کے وارث کیوں نہ ہوں۔ میراث کا حق کوئی سفارش یا رعایت نہیں فرض و قانون ہے۔ اس سے عائلی نظام میں اقتصادی ہمواری پیدا ہوگی اور بڑا سرمایہ تقسیم ہوگا، یعنی ایک ملکیت مختلف افراد میں بٹ جائے گی۔

شانِ نزول

اَوس بن ثابت انصاری کی بیوہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی کہ اس کے شوہر کی املاک میں سے اَوس کے دو چچا زاد بھائیوں نے مال بانٹ لیا اور مجھے اور متوفی کی دونوں لڑکیوں کو محروم کر دیا ہے۔ بیوہ کی شکایت کے ضمن میں یہ آیت اتری، اور ایک جامع قانون جاری کر دیا گیا۔

۸۔ واذا حضر القسمۃ اولوا القربیٰ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مرنے والے کے وارثوں کو چاہیئے کہ جنازے پر آنے والے دور قریب کے عزیز، غریب رشتے دار اور یتیم و بیوہ افراد خاندان کو معاشرتی احترام اور مالی امداد سے محروم نہ کریں، انھیں کچھ ہدیہ و سوغات دیں، شیریں زبانی اور خوش کلامی سے رکھیں اور رخصت کریں۔ کیونکہ اسلام اپنے اخلاقی نظام میں معاشرے کے ہر گروہ کا احترام سکھاتا ہے۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً
ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا
إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ
فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا

ترجمہ

اور ان کو ڈرنا چاہئے کہ اگر وہ اپنے بعد کمزور بچے چھوڑ جاتے تو وہ ان کے بارے میں (ضرور) فکرمند ہوتے۔ لہٰذا، اللہ سے ڈرو، اور صحیح بات کہو ⑨ بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ہضم کرتے ہیں وہ آگ کھاتے (اور اس سے) پیٹ بھرتے ہیں اور جلدی بھڑکتی ہوئی آگ میں جلیں گے ⑩

تفسیر

۹۔ ولیخش الذین لوترکوا۔۔۔۔۔۔۔

یتیموں پر پوری توجہ رکھنے اور ان کی پرورش میں خود ان کے جذبات کا حوالہ دیا جارہا ہے کہ اگر تم اپنے بعد ننھے اور لاوارث بیٹے بیٹیاں چھوڑ کر مرنے والے ہوتے تو کیسا اہتمام کرجاتے اور لوگوں سے کیا کیا توقع رکھتے۔ آج یہ ذمّہ داری تم پر دوسرے بچوں کی آپڑی ہے تو ان سے اپنی اولاد جیسا سلوک کرکے انھیں احساسِ محرومی سے بچاؤ، میٹھی بات اور محبّتانہ رویہ اختیار کرکے، خوفِ خدا اور تقوے کے آداب پورے کرو۔

۱۰۔ انّ الذین یاکلون۔۔۔۔۔۔۔

جس طرح ان سے معاشرتی زندگی میں محبت برتو، اسی طرح ان کے مال کو ضائع ہونے سے بچاؤ یتیموں کا مال کھانا، آگ سے پیٹ بھرنا ہے۔ پھر دنیا کے وبال ہی پر اکتفا نہ ہوگی آخرت میں اس کی سزا جہنم ہے۔ (خلاصۂ حدیث، مذکور، در نور الثقلین)

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ

ترجمہ ۱۲

مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ
أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ
مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ
لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ
أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ
فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا
أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ
لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ
تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً
أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ
فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ
وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ وَ
اللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝

ترجمہ

اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں تاکید (فہمائش) کرتا ہے - ایک لڑکے کا حصہ

توحید ۱۳

دو لڑکیوں کے حصے جیسا (دو) ، اب اگر دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو ان کے لئے اصل میراث کا دو تہائی حصہ ہے ۔ اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کا حصہ ترکے کا نصف ہے اور متوفیؔ کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ۔ بشرطیکہ متوفیؔ کی اولاد ہو۔ لیکن اولاد نہ ہو اور اس کے وارث والدین ہوں تو مرنے والی کی ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے۔ پھر اگر متوفیؔ کے بھائی ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا ۔ مگر مرنے والے کی کی ہوئی وصیت کی تعمیل اور ادائے قرض کے بعد ۔ تمہارے باپ دادا ، اور بیٹے پوتے ۔ تم نہیں جانتے کہ ان میں نفع رسانی کے لئے کون زیادہ نزدیک ہے ۔ اللہ کی طرف سے فریضہ (مقرر شدہ) ہے ۔ بے شک ، اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے (۱۱) اور تمہارا آدھا حصہ ہے جو تمہاری بیویاں ترکہ چھوڑیں ، بشرطیکہ ان کی اولاد موجود نہ ہو ۔ اور اگر ان کی اولاد موجود ہو تو تمہارا چوتھا حصہ ہے ان کے ترکے سے ۔ جو وصیت وہ کر جائیں اس کی تعمیل اور ان کے قرضہ (کی ادائیگی) کے بعد ۔ اور بیویوں کا (حصہ) چوتھائی ہے جو تم چھوڑ جاؤ ، اگر تمہاری اولاد نہ ہو۔ لیکن اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہارے ترکے میں سے ان کے لئے آٹھواں حصہ ہے ۔ قرضے اور جو وصیت تم نے کی ہے ۔ اسے پورا کرنے کے بعد ــــ اور اگر کوئی (مرنے والا) ایسا ہو کہ "کلالہ" (مادر جلو ، بہن بھائی) اس کے وارث ہوں ، یا (متوفیہ) عورت اس کا ایک (اخیافی) بھائی یا بہن ہو ۔ تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے ۔ پھر اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو ۔ اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو کی گئی ہو ۔ اور اداءِ قرض کے بعد ۔ ایک تہائی میں وہ سب شریک ہیں ۔ بشرطیکہ وصیت وارثوں کے لئے نقصان رساں نہ ہو ۔ یہ اللہ کی طرف سے تاکید ہے ۔ اور اللہ عزّ اسمہٗ سب کچھ جاننے والا اور بُرد بار ہے (۱۲)

تفسیر

۱۱۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

وصیّت: عہد، سفارش، حکم، تاکیدی بات، نصیحت۔ مرنے والے کی طرف سے زندہ و معین شخص یا اشخاص کو اپنے مرنے کے بعد ایک یا زیادہ باتوں کا ذمہ دار بنانا۔

عرب میں شریعتِ ابراھیمیؑ کے جن قوانین پر رسم و رواج کی گرد بیٹھ چکی تھی۔ ان میں سے ایک میراث کا قانون بھی تھا۔ جاہلیّت کے عرب اور زمانۂ بعید کے ہندو اور یہودیوں کا حوالہ کیا آج بھی دنیا کے تاریخی ادیان و دساتیر میں، بیویاں، بیٹیاں، اور قریبی رشتے دار اور بعض قوانین میں شوہر میراث سے محروم رکھے جاتے ہیں۔

اسلام نے اس سلسلے میں معقول اور منطقی ضابطے جاری کئے۔ چنانچہ زیرِ نظر آیت میں اولاد اور والدین کے حصص کا بیان ہے اور یہی دونوں نسبی وارثوں کے پہلے طبقے میں ہیں۔

شانِ نزول

تفسیر عیاشی میں ہے کہ حضرتِ فاطمۂ زہرا سلام اللہ علیہا جب فدک کا مطالبہ کرنے گئیں ابوبکر نے کہا، اللہ کا نبی کسی کو وارث نہیں بناتا، جواب میں سیّدۂ عالمیّہ نے یہی آیت پڑھی تھی اور حاکم جواب نہ دے سکا۔

۱۔ بیٹوں کو بیٹیوں سے دوگنا حصہ ہے۔ گویا بیٹی کی میراث اصل ہے۔ اسی کے تناظر میں بات کی جا رہی ہے۔

۲۔ اگر متوفّیٰ کی اولاد میں دو یا اس سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو اصل مال کا دو تہائی انھیں ملے گا۔ اب بھی لڑکے کا تذکرہ نہیں آیا۔

آیت کے "الفاظ فان کن نساءً فوق اثنتین ۔ ۔ ۔ "سے یہ شبہ کہ دو لڑکیوں کا حکم بیان نہیں ہوا غلط ہے، کیونکہ" اختصار " کا یہ اسلوب قرآن سے مخصوص ہے۔ اور امت کا سلف سے اس پر اتفاق ہے کہ دو لڑکیوں کا بھی حکم یہی ہے۔ دیکھئے حقائق التاویل، سید رضی)

لڑکے کا دوگنا حصہ اور لڑکی کا اکہرا حصہ۔ مرد و زن کی جنسی کمتری یا برتری کی بنیاد پر نہیں۔ اس کا

سبب اسلامی معاشرے میں دونوں کی ذمہ داریاں ہیں۔

۳۔ اگر ایک بیٹی ہو تو اسے کل ترکے سے نصف حصہ بطور فرض ملے گا اور بقیہ بطور رد ملے گا۔

۴۔ متوفیٰ کے ماں باپ بھی پہلے طبقے کے وارث ہیں ان کے حصے دو قسم کے ہیں:

(الف) ماں باپ اگر اولاد کی موجودگی میں ہوں تو دونوں کو چھٹا چھٹا حصہ ملے گا۔

(ب) ماں باپ ہوں۔ اولاد نہ ہو، یعنی، وراثت میں یہی دونوں ہوں تو ماں کا حصہ معین ایک تہائی ہے۔

(ج) ماں کو اس وقت چھٹا حصہ ملے گا جب متوفیٰ کے حقیقی یا پدری بہن بھائی موجود ہوں اگرچہ وہ خود دوسرے طبقے میں ہونے کی وجہ سے حصہ نہیں پائیں گے۔

میت کو اپنی ملکیت کے ایک تہائی میں جائز وصیت کرنے کا حق ہے۔ تقسیم ترکہ سے پہلے واجب ہے کہ متوفیٰ کے ذمے واجب قرض اور وصیت سے متعلق مال منہا کر کے ترکہ بانٹا جائے قرضہ ادا کیا جائے اور وصیت پر عمل ہو۔

— آباؤکم وابناؤکم — آباء و اولاد کے حصص کا یہ تعین، حکمتِ خداوندی کی بنیاد پر ہے، اللہ عزاسمہ، کو علم ہے کہ ان دونوں میں آباء اپنی اولاد کے لئے زیادہ فائدہ رساں ہیں یا اولاد اپنے آباء کو زیادہ فائدہ پہنچاتی ہے۔

خلاصہ

والدین و اولاد میں " اقرب لکم نفعاً " کون ہے؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے، مگر ہیں دونوں وجود و بقائے نسل کا ذریعہ۔

وراثت کے نسبی طبقات میں پہلا طبقہ، بیٹا، بیٹی اور ان کی غیر موجودگی میں ان کی اولاد یا اولاد در اولاد وارث ہوگی۔

پوتے نواسے، اپنے چچا، پھوپھی کی موجودگی میں میراث کے مستحق نہیں

اسلام میں مسلمانوں پر جو مالی حقوق واجب الادا ہیں ان کے حقدار دو قسم کے لوگ ہیں (الف) نادار و ضرورتمند خواہ وہ سال بھر کے کھانے کا آذوقہ نہ رکھتے ہوں، جیسے غیر سید حضرات، زکوٰۃ کے لئے اور سادات خمس کے لئے یا وہ لوگ جو عارضی طور پر محتاج ہو گئے ہوں جیسے ابن السبیل یعنی مسافر، جس کے لئے ممکن ہے کہ اپنے ذاتی...

بن مال دار ہو ۔ (ب) شرعی طور پر لوگ فقرا ہیں اور زکات و خمس دینے والا انھیں ان کا حق ادا کرنے کا پابند ہے ۔

لیکن خمس میں ، اللہ ورسول و امام کا حق ، فقر کی بنا پر نہیں ، اعزاز وولایت کی بنا پر ہے ۔

(ب) وہ حق دار لوگ جو اس شخص کے ساتھ نسبی یا سببی قرابت کا اعتبار رکھتے ہوں ، مثلاً، نان ونفقہ جو بیوی کے لئے شوہر پر اس کی زندگی میں واجب الادا ہے ۔ اس اعتبار میں بیوی کی مالی حیثیت ملحوظ نہیں ہے ۔ ایسا ہی واجب الادا حق "میراث" ہے جو بعد موت ہوتی ہے ۔ اس کا تعلق اس شخص کے نسبی یا سببی رشتے سے ہے ۔ اس حق واستحقاق کی بنا پر اس فطری رجحان اور معاشرتی پہلو کی ہمت افزائی ہوتی ہے جو خاندان کہلاتی ہے ۔ آدمی چاہتا ہے کہ اپنے قرابت داروں سے محبت کرے اور ان سے خود فائدہ اٹھائے اور ان کو فائدہ پہنچائے ۔ وہ اپنی حاصل کردہ املاک غیروں کے پاس جانا عموماً ناپسند کرتا ہے ۔ اسلام نے اوسطاً معتدل فطرت رکھنے والے افراد کے نفسیات کے مطابق قانون نافذ کئے ہیں ۔

جو لوگ اس اعتدال کے خلاف ہیں اور نفسیاتی طور پر وہ قرابت کو پسند نہیں کرتے ان کے لئے اپنی زندگی میں ہبہ اور وقف کا دروازہ کھولا اور اس کے ضابطے بنا دیئے ۔ نیز نسبی وسببی استحقاق رکھنے والوں کی شرکت کے ساتھ ایک تہائی مال میں وصیت کی اجازت بھی دی ہے ۔

میراث میں استحقاق کا دارومدار ، صرف قرابت پر ہے ۔ ان کی ذاتی حیثیت ، غربت وامیری کا دخل نہیں ہے ۔ دو عزیز ہوں ۔ ایک غریب اور دوسرا دولت مند ، لیکن دولت مند رشتے میں زیادہ قریب ہو تو اسے میراث سے اس کا حصہ ملے گا اور غریب جو رشتے میں پہلے سے دور ہو وہ صاحب استحقاق نہ ہونے کی وجہ سے صاحب فرض نہ ہوگا ۔ جیسے دولت مند بیٹا یا بیٹی اور نادار پوتا یا نواسہ

اسی وجہ سے کسی شخص کا غریب پرور ہونا اس کی بیٹی یا بیٹے کو جائداد سے محروم کرنے کی دلیل نہیں بن سکتا ۔ "ذوی الفروض" کے حصے اس فلسفے پر مبنی ہیں ہی نہیں ۔

رشتے داروں کی غربت کا حل صلۂ رحم ہے ۔ یعنی ، دولت مند اپنا مال غریب رشتے دار کو دے سکتا ہے (سورۂ احزاب / ۶)

454

" واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللّٰہ، من المؤمنین والمھاجرین اِلّا ان تفعلوا الیٰ اولیائکم معروفاً۔ "
دستور کے مطابق، اصل وارثوں کو محروم کئے بغیر آدمی اپنے پسندیدہ غریب رشتے داروں کو وصیت وہبہ کے ذریعے مال دے دے کوئی ہرج نہیں ہوگا۔

۱۲ - ولکم نصف ما ترک .....

بیوی کی موت پر شوہر کو نصف ترکہ ملے گا بشرطیکہ مرنے والی اولاد نہ چھوڑے۔ اولاد موجود ہونے کی صورت میں شوہر کو چوتھائی حصہ ملے گا۔ لیکن شوہر کی وفات کے بعد بیوی ہو اور بیٹا، بیٹی نہ ہوں اس کا حصہ ایک چوتھائی ہے اور اگر اولاد موجود ہو تو آٹھواں حصہ (اگر کئی بیویاں ہوں تو اسی آٹھویں حصے میں سب برابر کی شریک ہوں گی)
مرنے والے کے ذمے قرض اور اس کی وصیت سے متعلق رقم نکالنے کے بعد مذکورہ حصے دیئے جائیں۔
شوہر و زوجہ ہر طبقے میں دوسرے وارثوں کے ساتھ اپنا حصہ لیں گے۔ علما نے فقہ کے باب فرائض میں تفصیلی احکام مرتب فرمائے ہیں جن کا مطالعہ ضروری ہے۔

بیوی زمین کی وارث نہیں

جاگیرداری، سرمایہ داری اور سوشلزم کے الگ الگ فلسفے ہیں، اسلام ان سے الگ نظام اور جداگانہ فلسفۂ انقلاب و ترقی لایا ہے، زن، زر، زمین کسی فکر کے مرکز ہوں اس سے بحث نہیں کہ اسلام کا مرکز قوت واساس فکر اللہ ہے۔ اور سب انسان اس کی حکمت و خلق میں یکساں ہیں۔ اس قانونی مقاصد مفاد بشر پر مبنی ہیں اور ان کی نگرانی کے لئے نبی خاتمؐ اور معصوم ائمہؑ ہیں۔ اس نظام کی رو سے میراث کے اصول نسب اور سبب پر قائم ہیں۔ نسب کے تین طبقے اور سبب کے پانچ درجے ہیں جن میں۔ زوجہ، شوہر، معتق، ضامن جریرہ اور امام داخل ہیں۔ ان میں سے زوجہ و شوہر نسبی طبقات میں ہر ایک کے ساتھ شریک وارث ہیں۔
البتہ، احادیث کی رو سے بیوی کو زمین سے حصہ نہیں دیا جاسکتا۔

۱. عبدالملک بیان کرتے ہیں، امام محمد باقر علیہ السلام نے حضرت علی علیہ السلام کی کتاب منگوائی، آپ کے فرزند امام جعفر صادقؑ ایک کتاب لائے جو بند زانو کے برابر تھی۔ امام نے اسے کھولا تو یہ حکم درج تھا۔ بیویوں کا ان کے متوفیٰ شوہروں کی زمین میں حصہ نہیں ہے۔
امام نے اسے ملاحظہ فرما کر کہا: خدا کی قسم! یہ حضرت علیؑ کی تحریر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لکھوایا ہوا حکم ہے۔

۲. بیاع زطی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے بیویوں کی میراث کے بارے میں سوال کیا، تو امام نے فرمایا: انھیں، اینٹوں، عمارتی لکڑی، اور ملبے کی قیمت سے حصہ ملے گا۔ لیکن مکان کی زمین اور دوسری آراضی میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ راوی نے کہا۔ اور بیٹیوں کی میراث؟ فرمایا: وہ زمین سے اپنا حصہ پائیں گی۔ راوی نے پوچھا: بیٹی کو پورا حصہ کیسے ملا؟ اور بیوی کو اس کا بڑائے نام چوتھایا آٹھواں حصہ کیوں؟ امام نے فرمایا: زوجہ کا مرنے والے شوہر سے نسبی تعلق نہیں جس کی وجہ سے اس کا اصل ترکے میں وارث ہونا ضروری ہو۔ وہ ان لوگوں میں باہر سے آئی ہے اور یہ حکم اس لئے ہے کہ وہ کہیں اور شادی کرنے میں آزاد ہے، پھر اس کا نیا شوہر یا اس کی اولاد جو دوسرے خاندان سے ہو، وہ اس شوہر کے خاندان کی زمین و مکان میں دخیل ہو کر جھگڑے کا سبب بنے گی۔
(وسائل الشیعہ میں اور حدیثیں بھی ہیں)

بہن بھائی کا حصہ

- وان کان رجل یورث کلالۃ ــ کلالۃ: بہن اور بھائی۔
یہاں سوتیلے یعنی مادری بہن بھائی مراد ہیں (احادیث ائمہ علیہم السلام) ہیں جو میت کے اصول و فروع وارثین میں نہیں ہیں۔ مزید تفصیل اسی سورے کی آخری آیت میں آئے گی۔
اگر پہلا طبقہ موجود نہ ہو اور مرنے والا یا مرنے والی کی مادری بہنیں اور بھائی موجود ہوں تو
الف، اگر مادری بہن اور ایک بھائی ہو تو مرد و عورت کا حصہ فرض "سُدُس" (چھٹا حصہ) ہے۔
ب، اگر کئی سوتیلے بہن بھائی ہوں تو مال میت کا "ثلث" (ایک تہائی)
ان سب میں مساوی طور پر بانٹا جائے۔ (کلالہ کے لئے مزید دیکھئے آیت/۱۷۶)
ایک مرتبہ پھر تاکید ہے کہ مرنے والے پر جو قرض ہے وہ پہلے ادا کیا جائے اور متوفی کی وصیت

سے متعلق رقم الگ کر لی جائے، شرط یہ ہے کہ وصیت وارثوں کے لئے مضرت رساں نہ ہو، یعنی ثلث (ایک تہائی) مال سے زیادہ نہ ہو یا وصیت ایسے قرض کے بارے میں نہ ہو جو مرنے والے کے ذمہ واجب الادا نہ ہو۔

وصیۃً من اللہ۔ یہ فرائض و احکام، اللہ کی طرف سے ناصحانہ ہیں، ان کی بنیاد علیم و حلیم اللہ عز اسمہ کی حکمت و اصلاحِ مخلوق ہے۔

فرائض و سہام

تقسیم میراث کے اصول و فروع میں جو حکمتیں ہیں ان میں مرنے والے اور اس کے وارثوں دونوں کی بھلائی سب سے اہم ہے۔ یعنی مرنے کے بعد وہ شخص خاندان کا غیر یا قابل فراموش یا دشمن نہیں ہو جاتا۔ وارثوں کو ترکے میں کھل کھیلنے کا بھی حق نہیں ہے۔ زندوں کو مرنے والے کی ذمہ داری، قرض کا پابند کر کے معاشرتی حقوق کی اہمیت یاد دلائی۔ اور وصیت پر عمل کرنے کا حکم دے کر متوفی کا احترام سکھایا، اس کے جذبات کی قدر دانی فرمائی۔ ادھر وصیت کرنے والے کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ عزیز وارثوں کو نقصان پہنچانے کا انتظام کرے۔ حلمِ الٰہی اور علم خدا کا خیال رکھنا ہر مومن کی ذمہ داری ہے۔

عول و تعصیب

قرآن کی تصریح کے مطابق ذوی الفروض کے فرض اور سہام معین کئے جا چکے اور وارثوں کی درجہ بندی اور طبقے بھی بتا دیئے گئے۔

پہلا طبقہ: ماں، باپ، اولاد اور اولاد کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد۔ نزدیک کے ہوتے ہوئے دور کا رشتہ دار محروم ہوگا۔

دوسرا طبقہ: بھائی۔ بہن۔ دادا۔ دادی۔ نانا۔ نانی اور ان میں بھی الاقرب و الابعد کا اصول ہے۔

تیسرا طبقہ: چچا۔ پھوپھی۔ ماموں اور خالہ۔ یہ قرابت دادا، دادی اور نانا، نانی کے حوالے سے قائم ہوتی ہے۔ ان میں بھی وہی قانون وکلیہ الاقرب فالاقرب پیش نظر رہے گا۔

عَصَبَہ

(الف) اولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض۔

ترجمہ: رحم کا رشتہ رکھنے والے ایک دوسرے سے برتر ہیں۔

(ب) للرجال نصیب مما ترك الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترك الوالدان والاقربون مما قلّ منه اوکثر نصیباً مفروضاً۔

ترجمہ: والدین اور قرابت داروں کے ترکے میں مردوں کا حصہ ہے۔ اور والدین اور قرابت داروں کے ترکے میں سے عورتوں کا حصہ ہے وہ ترکہ کم ہو یا زیادہ اور یہ حصہ "فرض" ہے۔

ان آیات سے یہ کلیہ معلوم ہوا کہ جو وارث قرابت میں قریب تر ہوں انھیں میراث کا استحقاق ہے۔ خواہ وہ لوگ صاحبانِ فرض ہوں یا صاحبانِ سہام۔ پدری رشتے دار ہوں یا مادری، مرد ہوں یا خواتین۔ لہٰذا، قریب تر موجود ہوں اور ان کا فرض بھی ہو تو ان کا حصہ (فرض) انھیں دینے کے بعد جو مال بچے گا وہ اسی کلیۂ الاقرب فالاقرب کی بنا پر انہی کو لوٹا دیا جائے گا، ان کے ہوتے ہوئے عَصَبَہ یعنی دور کے رشتے داروں کو بقیہ مال دینا حکم قرآن کے خلاف ہے۔

ان آیات سے یہ کلیہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ اصولِ قرابت میں مرد و عورت کی تفریق نہیں، لہٰذا اقرب کو چھوڑ کر عَصَبَہ کو میراث دلوانا اور اقربیت کے باوجود اِناث کو محروم کرنا خلافِ حکم قرآن ہے۔

مثال: مرنے والے نے ایک بیٹی اور ایک بہن چھوڑی۔ بیٹی پہلے طبقے میں ہے۔ لہٰذا دوسرے طبقے کی بہن کا حصہ نہیں ہے۔ اب قرآنی ضابطے کے مطابق بیٹی کا فرض "نصف" ہے جو اسے دیدیا جائے گا باقی نصف مال بھی" اولوا الارحام بعضهم اولٰی ببعض" کی بنا پر بیٹی ہی کو ملے گا۔ غیر جعفری فقہ میں نصف بقیہ بہن کو دیا جائے گا حالانکہ اس کا کوئی حصہ نہیں وہ لوگ اسے "تعصیب" کہتے ہیں۔

عصبہ کا دوسرا قانون یہ بنایا گیا ہے کہ غیر ذوی الفروض قرابت داروں میں اگر ایک ہی طبقے کے وارث مرد بھی ہوں اور عورتیں بھی۔ تو عَصَبَہ کی بنیاد پر حصہ مردوں کو دیں گے، عورتیں محروم رہیں گی۔ ظاہر ہے کہ "للرجال نصیب" کے مقابلے میں "للنساء نصیب" کا قانون اس کی رد کرتا ہے اور بعض علماء کے بقول یہ قانون جاہلیت کی رسم ہے، اور اسی حق تلفی کے خلاف خواتین کے لئے قرآن نے قدم اٹھایا ہے۔

ثوّل

فقہ جعفری میں کلیہ ہے "من له الغنم فله الغرم" مثلاً بیٹی، بیٹیوں، بہن، بہنوں کو بعض

صورتوں میں وارثوں کے حصے دینے کے بعد بقیہ ترکہ ردّاً ملے گا۔ لیکن ایسی صورت بھی ہو سکتی ہے جہاں اس کے ساتھ اور ذوی الفروض بھی ہوں اور سب کو ان کے مفروض حصے نہ مل سکیں ایسی صورت میں احناف کے یہاں سب کے حصے کم کر دیئے جائیں گے۔ اس طریقے کو عول کہتے ہیں جو ہمارے نزدیک باطل ہے۔ فقہ جعفری میں سب مفروض حصے پورے دیئے جائیں گے اور لڑکی کا حصہ مفروضہ میں کمی ہو جائے گی۔ عول کی ضرورت نہیں اس کا سبب وہی قاعدہ "من لہ الغنم فلہ الغرم" جسے فائدے کا حق ہے اسی کو نقصان بھی اٹھانا چاہیئے۔

مثال: متوفیہ نے چار وارث چھوڑے۔ ماں۔ باپ۔ بیٹی۔ شوہر ـــ ان میں ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ۔ بیٹی کو آدھا ترکہ۔ اور شوہر کو چوتھائی ترکہ ملنا چاہیئے۔ لہٰذا فریضہ بارہ ہوگا۔ بارہ کا چھٹا حصہ دو ہے۔ تو دو، دو حصے ماں، باپ کے ہوئے۔ بارہ کا آدھا ہے چھ، وہ ہوا بیٹی کا حق۔ اور بارہ کا چوتھائی ہے تین جو شوہر کو ملنا چاہیئے۔ اب حصے ہوئے تیرہ اور فریضہ ہے بارہ۔ لہٰذا بیٹی کے حصے میں ایک سہم کم کر کے اسے پانچ سہم (حصے) دیئے جائیں گے۔

احادیث

تعصیب | امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا۔ ترکہ کس کا ہے؟ اقرب کا یا عَصَبَہ کا؟ حضرت نے فرمایا: مال، اقرب کو ملے گا۔ (خلاصۂ حدیث) (وسائل الشیعہ، باب ۸۔ بطلان التعصیب، حدیث اول)

عول | امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: سہام میں عول نہیں۔

(وسائل، باب ۶، بطلان العول، حدیث، اول)

خلاصہ یہ ہے کہ جب طبقات منطقی اور قرآنی ہیں اور فروض بھی کتاب سے ثابت ہیں۔ تو کمی اور زیادتی میں ایک طبقے کے ہوتے ہوئے دوسرے طبقات کی شرکت غیر معقول ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کے سہم زائد ہوتے ہیں اور بقیہ مال انھیں ردّاً بھی مل سکتا ہے تو دوسروں کے حصے میں، یا سب کے حصوں میں کمی کیوں ہو؟ ایک حصے کی کمی سے دوسروں کے حصے پورے ہوتے ہوں تو من لہ الغنم، جس کو غنیمت ملے۔ لہ الغرم وہ گھاٹا بھی اٹھائے مطابق انصاف یہی ہے۔ (تفصیل کے لئے کتب فقہ و میراث ضرور دیکھیں)

جناب مرتضیٰ حسین صدر الافاضل

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ نساء آیت ۱۳ - ۱۹

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾

ترجمہ

یہ اللہ کی سرحدیں ہیں ۔ اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گا اللہ اسے ان جنتوں میں داخل کرے گا جہاں

نیچے نہریں بہتی ہوں گی ۔ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے اور
یہ بڑی کامیابی ہے (۱۳) اور جو ، اللہ اور اس کے رسول کا
حکم نہ مانے گا اور اس کی سرحدوں سے آگے بڑھے گا ، اللہ اسے
دوزخ میں ڈال دے گا وہ ہمیشہ اسی میں رہے گا اور اس
کے لئے رسواکن عذاب ہے ۔ (۱۴)

تفسیر

۱۳ــــــــ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ - - - - -

حدود : (حد) سرحد ۔ آخری لائن ۔ وہ خط جو دو چیزوں ، دو زمینوں ، دو دائروں کو الگ اور متمائز کرے ۔ (حُدُوْدُ اللّٰهِ) وہ آخری لائنیں جن کے اندر دین اور اہل اسلام رہتے ہیں اور ان خطوط و سرحدات سے بڑھنے کا مطلب دین و دیانت کی سرحد سے نکلنا ہے ۔ اللہ کے حتمی فیصلے اور آخری قوانین بھی حدود اللہ ہیں اسلامی قانون کی روح ، عقیدہ حاکمیتِ الٰہیہ ہے ۔ ان قوانین کا نفاذ ہر شخص کی ذمہ داری ہے ۔ قوانین میراث اسی قسم کے حدود ہیں ۔ ان قوانین کی پابندی اور نفاذ و عمل کا مطلب ہے اللہ و رسول کی حاکمیت دل و جان سے ماننا ۔ اسلام کے معنے بھی یہی ہیں ۔ جو فرد یا معاشرہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سرگرم رہے ، اللہ اسے اپنی نعمتوں سے نوازے گا اور اپنی رضا عطا کرے گا ۔ مومن کا اصل مقصود و مطلوب یہی ہے کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے

۱۴ــــــــ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ - - - - - - -

جو شخص اللہ و رسول کی نافرمانی کرتا ہے وہ اللہ کی قائم کردہ سرحد کو عبور کرتا ہے ۔ ایسا شخص سزا کا مستحق ہے اور اس کی سزا دوامی قیدِ دوزخ اور ذلیل کن عذاب ہے ۔

دونوں آیتوں میں اللہ کی اطاعت کو رسول کی اطاعت کے ساتھ وابستہ کر کے آنحضرت (ص) کی حاکمیت مطلقہ پر روشنی ڈالی ہے یعنی بے اطاعتِ رسول ، خدا کی اطاعت کا خیال غلط ہے ۔

آج کے قانون ساز اداروں کو ضروری تنبیہ

سیاسی ضرورتوں کے پیش نظر اور ذاتی اغراض کی خاطر نام نہاد قومی مفاد کا نام لے کر جہاں جہاں میراث کے خدائی قوانین کے خلاف حکم یا قانون یا عمل رائج کیا جاتا ہے وہاں کے مسلمان جہنم کی سزا اور قرآن کی اصطلاح میں "حدود الہٰی" سے تجاوز کے مجرم ہیں ٹیکس ہو یا قومی تحویل میں ترکہ لینے کی بات (بیٹے بیٹی کے ہوتے ہوئے پوتے نواسے کی میراث ہو، یا لڑکی کی ترکے سے محروم کرنے کی رسم، اور بیوی کو زمین کی میراث دینے کا قانون سب اللہ کی سرحدوں کو پار کرنا ہے۔ جو کلمہ گو اور معتقد بہ قرآن کے لئے جائز نہیں۔ بلکہ اس سے حذر کرنا واجب ہے۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفٰحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰى یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۱۶﴾

ترجمہ

اور تمہاری عورتوں میں جو بدکاری کریں، تو ان کے خلاف اپنوں میں سے چار کی گواہی طلب کرو تو اگر وہ گواہی دے دیں، تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو۔ یہاں تک کہ موت انہیں پورا پورا لے لے یا اللہ عزّ اسمہٗ ان کے لئے کوئی راہ بنا دے (۱۵) اور تم میں جو دو شخص بدکاری کریں تو ان دونوں کو سزا دو، پھر اگر وہ

دونوں توبہ اور اصلاحِ حال کرلیں تو ان سے درگذر کرو ۔ بے شک
اللہ جلّ جلالہٗ توبہ قبول کرنے والا ، رحم کرنے والا ہے (۱۶)

تفسیر

۱۵ ــــــــ وَالّٰتِیۡ یَاۡتِیۡنَ - - - - - -

اسلام کی نظر میں جان اور عصمت بے بہا چیزیں ہیں ان کو ضائع کرنا بہت بڑا جرم ہے اسلامی معاشرے میں زنا اور اس جیسے جنسی عمل ناقابل برداشت گناہ ہیں ، جب مسلمان عورت پر یہ الزام لگایا جائے اور چار عینی گواہوں کی شرعی گواہی اسے مجرم ثابت کردے تو عدالت اسے عمر قید کی سزا دے ۔ وہ گھر میں مرتے دم تک بند رکھی جائے گی ۔ یا اسی حالت میں مرجائے یا اللہ کی طرف سے کوئی اور حکم آئے ۔ جیسے رجم ۔

۱۶ ــــــــ وَالَّذٰنِ یَاۡتِیٰنِہَا - - - - - -

غیر شادی شدہ زانی و زانیہ ، معاشرے میں خطرناک ناسور پیدا کرنے والے افراد ہیں انھیں سخت اور اذیت ناک سزا دی جائے تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں ، اس کے بعد ان سے توبہ و اصلاح حال و اخلاق کی امید کی جائے ۔ توبہ و اصلاح کے بعد ان لوگوں کو نظر انداز کردیا جائے ۔ کیونکہ قانونِ اسلام میں اللہ کی رحمت اور قبول توبہ کی ضمانت ، فلسفۂ قانونِ جزا و سزا کے رو سے نفسیاتی آسودگی کا سبب ہے ۔ اس سے آدمی کا ضمیر مطمئن ہوجاتا ہے ۔

عرب معاشرے سے زنا کے طوفان پر بند باندھنے کا یہ پہلا مرحلہ تھا اس کے بعد سورۂ نور میں ، کوڑوں اور سنگساری کا حکم آیا جو اس سے بھی سخت تھا ۔ اس طرح اس جرم کی مضبوط روک تھام عمل میں آئی ۔

اِنَّمَا التَّوۡبَۃُ عَلَی اللّٰہِ لِلَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السُّوۡٓءَ
بِجَہَالَۃٍ ثُمَّ یَتُوۡبُوۡنَ مِنۡ قَرِیۡبٍ فَاُولٰٓئِکَ یَتُوۡبُ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ ؕ
وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۱۷﴾ وَلَیۡسَتِ التَّوۡبَۃُ لِلَّذِیۡنَ

يَعْمَلُونَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِـيْمًا ○

ترجمہ

اللہ عزاسمہٗ کی بارگاہ میں توبہ کا حق ان کو ہے جو نادانستہ طور پر برائی کر گزرتے ہیں اور فوراً توبہ کر لیتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ بھی ایسے ہی لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے ۔ اور اللہ جاننے والا حکیم ہے (۱۷) اور ان لوگوں کی توبہ ، توبہ ہی نہیں جو (زندگی بھر) بُرے کام کرتے رہے ، آخرِ کار جب کسی ایک کے سامنے موت آکھڑی ہوئی تو کہنے لگا ۔ میں اب توبہ کرتا ہوں ۔ نہ توبہ ان لوگوں کی توبہ ہے جو کفر کی حالت میں مر گئے ۔ ایسے لوگوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۔ (۱۸)

تفسیر

۱۷ ــــــ اِنَّمَا التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ

انسان اپنی نفسیاتی کمزوری یا دوسرے کے بھڑکانے سے اور کبھی غفلت کے ہاتھوں گناہ کر بیٹھتا ہے ۔ نافرمانی کے بعد کبھی وہ شرمندہ ہوتا اور فوراً ندامت محسوس کرتا ہے یہ شخص فطرتِ سلیم وراہِ مستقیم پر ہے اس کی توبہ صحیح توبہ اور رجوع الی اللہ ہے ۔ اس کی رحم کی درخواست منظور ہو گی ۔

۱۸ ــــــ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ

فطرتِ سلیم وراہِ مستقیم سے منحرف ، عادی مجرم اور حسِّ نیک وبد سے محروم لوگ ، جو ظلم کرنا اپنا حق ، اور حق کو نہ ماننا دانشمندی سمجھتے ہیں ایسے لوگ جب موت کے شکنجے میں میں آتے ہیں تو اللہ کو پکارتے توبہ کرتے اور ان کے وارث بھی بڑی خیر خیرات اور دعا

مغفرت کرتے اور کرواتے ہیں ۔ اس آیت میں ایسے کافروں کی معافی سے انکار اور سخت ترین سزا کی تنبیہ حقیقی ہے ۔

توبہ

توبہ وانابت دراصل وہی ہے جو احساس غلط کاری وندامت ضمیر سے پیدا ہو امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا ہے :

اللّٰھم ان یکن الندم توبة الیك فانا اوّل النادمین و ان یکن الترك لمعصیتك انابة فانا اول المنیبین...

یا اللہ ، اگر ندامت " توبہ " ہے تو میں سب سے بڑا نادم اور اگر ترک نافرمانی " انابت " ہے تو میں میں پہلا " مُنیب " ، وانابت گذار ہوں ۔ یعنی توبہ ندامت پر اور انابت ترکِ نافرمانی کی بنیاد پر قائم ہے

اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے ۔ جب بھی کوئی توبہ کرے وہ قبول کرتا ہے ، بشرطیکہ توبہ کرنے والا اللہ کو حاکم ، رسول اللہ ؐ کو آقا مانتا ہو ، ائمہ ؑ کو ہادی ورہنما جانتا ہو ، مسلمان ہو ، مومن ہو ، محتاط ہو ، خوف خدا رکھتا ہو ۔ کافر چونکہ منکرِ حاکمیت الٰہیہ ہے اس لئے وہ ان فوائد سے محروم ہے ۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا۟ ٱلنِّسَآءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا۟ بِبَعْضِ مَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا وَيَجْعَلَ ٱللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا

ترجمہ

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے ! تمہارے لئے جائز نہیں کہ عورتوں

پر جبر کر کے ان کے وارث بنو ، نہ ان پر دباؤ ڈالو کہ جو انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ ہتھیالو ۔ مگر یہ کہ وہ کوئی کھلی بدکاری کریں ۔ اور ان کے ساتھ اچھی طرح گزر بسر کرو ۔ اور اگر تم ان کو ناپسند کرو (تو ضروری نہیں کہ وہ بری ہی ہوں) کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ جسے تم ناپسند کرتے ہو ، اللہ عزاسمہٗ اسی میں تمہارے لئے بہت خوبی قرار دے ۔ (۱۹)

تفسیر

۱۹ ــــــ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ الَا یَحِلُّ - - - - -

اسلام نے مختلف معاشروں میں خواتین کی توہین ، حق تلفی اور بے مائیگی کے خلاف قانون بنائے ، ایک ایسا معاشرتی نظام قائم کیا ، جس میں عورت کا وجود محترم سمجھا جائے ۔ اسے بیٹی کی حیثیت سے معزز بتایا ، اسے حق ملکیت دیا ، اسے شوہر کے انتخاب کا حق دیا ۔ لیکن بن بیاہی بیٹیوں کی نگہبانی و ولایت باپ کو دی تاکہ وہ زندگی کے پہلے خطرناک تجربے میں اپنے سب سے بڑے حامی اور چاہنے والے کے تجربے سے فائدہ اٹھائیں ۔ اس کے بعد اجازت پدر کی پابندی نہیں رہتی اسی طرح بیٹی اپنے حق مہر و ہدایا کی مالک قرار دی گئی ۔ عورت بحیثیت بیوی کے ایک باعزت و احترام شریک حیات بنائی گئی وہ شوہر کی ماما یا لونڈی نہیں ہے اس کے علاوہ بیٹی ہو یا بیوی میراث پدر و شوہر میں وارث اور اپنے حصے کی مالک قرار دی۔

شان نزول

امام محمد باقر ؑ نے فرمایا کہ آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ لوگ اپنی بیویوں سے شریک حیات کا سلوک نہیں کرتے تھے ۔ وہ ان کو سختی اور تنگی میں رکھ کر ان کی موت کا انتظار کرتے تھے کہ وہ ذہنی اور جسمانی اذیتوں کی تاب نہ لاکر مر جائیں اور یہ ظالم ان کے مال متاع پر قبضہ کرلیں ۔ (نمونہ بینات در شان نزول آیات از ڈاکٹر محمد باقر محقق)

آیت خود بھی حالات اور پس منظر واضح کرتی ہے کہ:۔

(۱) عورتوں کا زبردستی ترکہ حاصل کرنا ،ایک ظلم تھا ،قرآن کریم نے اسے ناجائز کردیا یہ ترکہ دو طرح کا تھا ، ایک صورت یہ تھی کہ بیوہ کو اس کے شوہر کی موت پر میت کے بھائی اور کبھی سوتیلے بیٹے اپنے قبضے میں کر لیتے اور یا خود نکاح کرتے کہ اس کی املاک پر قابض ہوں ، کبھی اپنی پسند کے آدمی سے بیاہ دیتے کہ اس کے عوض مال یا مہر وصول کریں۔ اسلام نے ان جیسے معاملات کو حرام کر دیا

(۲) یہ دستور بھی اسلام نے ختم کر دیا کہ عورت کو خود ہی بڑی رقم مہر میں دینے کے بعد اس کو مجبور کیا جاتا کہ وہ اپنی ملکیتی رقم و مال مہر سے اس شوہر کو کچھ دے اور شوہر اس پر سختی کر کے اپنا دیا ہوا کچھ مال اس سے واپس لے ۔

البتہ ،اگر عورت کوئی علانیہ بدکاری و بری بات کرے تو بطور سزا (مگر واقعی ثبوت جرم کے بعد) جرمانہ وغیرہ کیا جا سکتا ہے ۔ دیکھیں کتب فقہ ۔

(۳) نکاح و طلاق ، کھیل نہیں ہے کہ جب عورت پسند آئی بیوی بنا لی اور جب نا پسند ہوئی اسے چھوڑ دیا ۔قرآن مجید نے اس رشتے کو محترم قرار دیا اور کہا کہ زوجہ سے حُسنِ معاشرت اور اچھا رویّہ رکھو ۔اس کے بعد بھی اگر تم اس سے کراہیت محسوس کرو تو صبر و تحمّل سے کام لو ، جذبات کا شکار نہ بنو ، سوچو ، اور یقین رکھو کہ بہت سے معاملات اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جنہیں تم بُرا سمجھتے ہو مگر مستقبل میں وہی چیزیں اچھی اور کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔ نکاح ،ایک مقدّس پیمان ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس کے بہانے خیر و برکت دیتا ہے ۔اس لئے یہی بظاہر ناپسند بیوی ، اللہ کی رحمت سے خیرِ کثیر ہو سکتی ہے ، برکت اور بہتری کا سبب بن سکتی ہے ۔ جذبات کے بجائے ہمت و استقلال سے کام لے کر دیکھو ، آخر بُرے کو اچھا بنانا کیوں ناممکن سمجھو ۔ عائلی زندگی کو جو شخص خوشگوار نہ بنا سکے وہ بیرونی معاشرہ کو کیسے بہتر بنا سکے گا ۔ ہمت مرداں مدد خدا۔

***

جناب مرتضیٰ حسین صدر الافاضلؒ

تفسیر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۂ نساء : ۲۰-۲۳

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ

اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ

قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ

اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ

اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝

ترجمہ

اور اگر تم یہی ارادہ ، کر لو کہ موجودہ بیوی کے بجائے دوسری بیوی لاؤ ۔ اور اس بیوی کو (مہر میں) بڑی بھاری رقم دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو ۔ کیا تم وہ مال بہتان اور برملا گناہ کے ذریعے لے لو گے ؟ ﴿۲۰﴾ اور تم مہر کیسے لو گے ! حالانکہ تم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے

اوران عورتوں نے تم سے مضبوط پیمان بھی حاصل کرلیا ہے

﴿۲۱﴾

تفسیر

۲۰ ــــــــ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ . . . . .

قِنْطَار : سونے چاندی کا ڈھیر ، بوری بھر کر مال

میثاق غلیظ : پختہ عہد و پیمان اور بروایت امام محمّد باقر علیہ السّلام میثاقِ غلیظ سے مراد شوہر سے یہ معاہدہ ہے کہ "اِمساک بمعروف اور تصریح باحسان" کی پابندی ہوگی ، رکھے گا تو حسنِ سلوک کے ساتھ ، چھوڑے گا تو احسان کے ساتھ (نور ثقلین)

گذشتہ آیت میں " فَاحِشَةً مُّبَيِّنَة " ، کھلی برائی کو جرمانہ وصول کرنے کی ایک راہ بتایا ہے ۔ اس آیت میں اس کی پوری حقیقت بیان ہو رہی ہے ۔

مہر ، ھدیۂ محبت ہے واپس نہیں لیا جا سکتا ۔

ایک رسم تھی کہ پہلی بیوی کو طلاق دینے سے پہلے اس سے جتنا دیا ہوا مہر وصول کر سکتے تھے اینٹھ لیتے تھے ، پھر دوسری شادی کرتے تھے پھر وہی حاصل کردہ رقم یا اس میں کچھ ملا کر نئی بیوی کو مہر ادا کرتے تھے ۔ اس سلسلے میں اگر وہ عورت سختی کرتی تو اس پر نافرمانی ، بداخلاقی حتیٰ کہ بدکاری کا الزام لگانے سے گریز نہ کرتے تھے ۔ وہ عورت جان چھڑانے اور عزّت بچانے کی خاطر رد کا مطالبہ بادلِ ناخواستہ منظور کرلیتی تھی ۔ اسلام نے اس ظالمانہ رویہ کے خلاف عورت کی حمایت کی اور مردوں کو اس غلط کاری سے روکا ۔

جب ایک عورت تم سے شادی کرچکی اور تم نے اس کا حق دے دیا ، قانون نے اس پیمان کو جائز قرار دے دیا تو اب نکاح باقی رہے یا طلاق کی نوبت آجائے کسی شوہر

کو دیا ہوا مہر پورا یا جزوی واپس لینے کا حق نہیں۔ زبردستی اور الزام تراشی و بہتان طرازی کر کے لینا اور ظالمانہ برتاؤ کرنا جائز نہیں ہے۔ عورت اس لئے نہیں ہے کہ وہ ظلم کا نشانہ بنائی جائے۔ ہرگز یہ جائز نہیں۔ گناہِ عظیم ہے۔

۲۱ ــــــ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ ـ ـ ـ ـ

مہر، نذرانہ خلوص وفا ہے۔ اس کی واپسی کا خیال۔ مرد کی دون ہمتی اور خلاف دانش بات ہے، بھلا کوئی صاحبِ عقل وہوش پیام محبت اور باہمی اُلفت و موانست، لُطف اندوزی و یگانگت کے بعد جلوت وخلوت میں سب کچھ کر گزرنے کے باوجود، یوں آنکھیں پھرا سکتا ہے؟ اور باہمی عہد وپیمان اس طرح پامال کر سکتا ہے کہ ایک محبوب کو چھوڑتے وقت اس کی ملکیت سے کچھ حاصل کرے اور بندھن توڑنے کے لمحے اس قدر ہلکے پن پر اُتر آئے۔ اسلام اور انسانیت ایسے فرد کو ہرگز قبول نہیں کرتی۔

پہلی آیت میں "اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ"، اور دوسری آیت میں "وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ"، بڑی نفیس تعبیریں ہیں۔ جن کا ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ شوقیہ بیوی بدلنے کا ارادہ ہے پھر بھی پہلی رفیقۂ حیات کے مال پر نظر ہے۔ کتنی بُری بات ہے۔

اور مہر پر نظر اس وقت لگی، جب تنہائیوں میں سب کچھ کرتے رہے، دل وجان ایک ہونے کے بعد، یہ سوچنا کس قدر گھناؤنا کام ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۟

ترجمہ

اور نکاح نہ کرو ان عورتوں سے جن سے تمہارے باپ

(دادا) نے نکاح کئے ہوں ۔ مگر وہ جو پہلے ہو چکے یہ عمل
بے ہودہ اور غضب الٰہی کا باعث اور بُرا راستہ تھا (۲۲)

تفسیر

یہ رسم بد بھی قابل گرفت تھی کہ بیٹے اپنے باپ دادا کی منکوحہ سے نکاح کر لیتے تھے ۔ چنانچہ مدینے میں ایک ایسے معاملے کی آں حضرتؐ کو اطلاع دی گئی ۔

شانِ نزول

ابو قیس بن سلت انصاری فوت ہوئے تو ان کے بیٹے نے اپنی سوتیلی ماں کبیشہ بنت معن سے نکاح کرنے کی ٹھانی ، کبیشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر کہا کہ اسے نہ تو شوہر کی میراث سے اس کا حصہ دیا گیا ہے نہ گھر والے آزادی دیتے ہیں ، ابو قیس کا بیٹا تو اس سے نکاح کرنے پر تُلا ہوا ہے ۔ اس پر یہ وحی آئی ۔

حکم ہوا کہ سوتیلی ماں (ہو یا دادی ، نانی) سے خبردار نکاح نہ کرنا ، اس سے معاشرتی اور عائلی خرابیاں جنم لیتی ہیں ۔ فحش کام ہے کہ باپ کی ہتک حرمت کی جائے ۔ نفرت و غضب کا باعث ہے ، ایسے رشتے کے فرزند کو " مقیت " کہا جاتا تھا ۔ یہ عمل بے راہ روی ہے

حُرِّمَتْ
عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ
وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ
اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ
نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ
اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ

وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۙ

ترجمہ

تم پر حرام کی گئی ہیں: تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں۔ اور بھائی کی لڑکیاں اور بہن کی لڑکیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری وہ مادر جلو لڑکیاں جو تمہاری گودیوں میں تمہاری ان بیویوں سے ہوں جن بیویوں سے تم نے ہم بستری کی لیکن اگر تم نے ہم بستری نہیں کی تو ان کی لڑکیوں سے (نکاح میں) کوئی گناہ نہیں۔ اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں۔ اور دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا۔ مگر جو ہو چکا وہ ہو چکا بے شک اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔ (۲۳)

تفسیر

مَحۡرَم عورتیں :-

خواتین کو نکاح کرنے نہ کرنے کے لحاظ سے دو ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ نامَحۡرَم۔ اور مَحۡرَم۔ محرم وہ عورت جس سے عقد حرام ہے۔ جمع ہے مَحَارِم۔ اس ایک آیت میں محارِم کو جمع کردیا گیا ہے۔ گذشتہ آیات میں جائز نکاح اور غلط انداز طلاق، پھر سوتیلی ماں سے حرمتِ نکاح کا بیان تھا، اب یہ بتایا جارہا ہے کہ وہ عورتیں کون ہیں جن سے نکاح نہیں کیا جاسکتا محارم کی مجموعی صورت دیکھ کر ان کی منطقی تقسیم یوں کی گئی ہے :

(۱) ——— ولادت ——— نسبی رشتہ۔

(۲) ——— دودھ شریک ——— رضاعی رشتہ۔

(۲) ـــــ ازدواج ـــــ سببی رشتہ ۔

(۱) ـــــ نسبی رشتے کی بناپر درج ذیل عورتوں سے نکاح حرام ہے ۔

(الف) ـــــ اُمَّہَاتُکُم :۔

(i) خود اس شخص کی ماں اور ماں کی ماں ۔ (ii) دادی ، پردادی ، سکڑدادی اوپر تک ۔ ۔ ۔ (iii) نانی ، پرنانی ، سکڑنانی اوپر تک ۔

(ب) ـــــ بَنَاتُکُم :۔

(i) اس شخص کی بیٹی ۔ (ii) نواسی ، کوانسی نیچے تک ۔ (iii) پوتی ، پروتی نیچے تک ۔

(ج) ـــــ اَخَوَاتُکُم :۔

(i) حقیقی بہن ۔ (ii) پدری بہن ۔ (iii) مادری بہن ۔

(د) ـــــ عَمَّاتُکُم ۔ پھوپھیاں :۔

i باپ کی حقیقی بہن ۔ ii باپ کی پدری بہن ۔ iii باپ کی مادری بہن ۔ اوپر تک ۔

(ھ) ـــــ خَالاَتُکُم ۔ خالائیں :۔

(i) ماں کی حقیقی بہن (ii) ماں کی پدری بہن (iii) ماں کی مادری بہن ۔ اوپر تک ۔

(و) ـــــ بَنَاتُ الاَخِ ۔ بھتیجیاں :۔

(i) بھائی کی لڑکی (ii) بھتیجی کی لڑکیاں ۔ نچلی کڑی تک (iii) بھتیجے کی لڑکی ، نچلی کڑی تک ۔

(ز) ـــــ بَنَاتُ الاخت ۔ بھانجیاں :۔

(i) بہن کی لڑکیاں (ii) بھانجیوں کی لڑکیاں ۔ آخری کڑی تک (iii) بھانجے کی لڑکیاں ، نچلی کڑیوں تک

② ___ دودھ شریک = رضاعت :-

وہ رشتے جو دودھ پینے پلانے کے ذریعے قائم ہوتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حدیث مبارک ہے :-

يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ ۔

دودھ پینے کے رشتے سے بھی وہی محارم ہیں جو نسب سے محارم ہیں ۔

رضاعت

دودھ پلانا ۔ اصطلاحِ فقہ میں : کسی ایسی خاتون کا کسی بچے کو دودھ پلانا جس کے موجود شوہر سے اسے حمل ہو یا اس کا بچہ آغوش میں ہو۔ اس شوہر سے نکاح دائم ہو یا منقطع ۔

بچہ اتنا دودھ پیئے کہ اس کی ہڈیاں مضبوط اور گوشت پیدا ہو ۔ دودھ پینے والا بچہ دو سال یا اس سے کم ہو ۔ لیکن یہ گفتگو صرف تعارفی ہے ۔ اصل احکام و حدود کتبِ فقہ میں دیکھنا ضروری ہے۔

رضاعت شرعی ثابت ہونے کے بعد :-

① ___ امہاتکم اللاتی ارضعنکم :-

دودھ پلانے والی ماؤں سے نکاح حرام ہے ۔ اس سلسلہ میں نسبی ماں کا سلسلہ دیکھئے ۔

② ___ واخواتکم من الرّضاعۃ تمہاری رضاعی بہنیں یعنی نسبی اور رضاعی دونوں طرح کی بہنیں ، اور ان کی اولاد حسب تفصیل کتب فقہ ۔

③ ___ ازدواجی رشتے :-

اس سلسلے میں چار قسموں کا تذکرہ ہے ۔

(الف) ___ وامہات نسائکم :-

بیویوں کی مائیں ۔ بیوی نکاحی ہو یا متاعی ۔ ہم بستری کی ہو یا نہ کی ہو ، ماں رضاعی ہو یا نسبی حسب تفصیل کتبِ فقہ ۔

(ب) ــــــــ وَرَبَائِبُكُم :-

بیویوں کی لڑکیاں ۔ یعنی پہلے شوہر کے صلب کی لڑکی ، اس لڑکی کی لڑکی نچلی کڑی تک ۔ پہلے شوہر کے لڑکے کی لڑکی نچلی کڑی تک ۔

ــــــــ من نسائکم الّٰتی دخلتم بھنّ : ــــــــ

یہ حرمت اس وقت نافذ ہوگی جب اس بیوی سے ہم بستری کی ہو ۔ بہ تصریح بعد :

ــــــــ ان لم تکونوا دخلتم بھنّ : ــــــــ

اگر ان سے ہم بستری نہ کی ہو تو ان رشتوں پر پابندی نہیں ہے

(ج) ــــــــ حلائل ابنائکم :

اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں ، پوتے کی بیویاں ، نواسے کی بیویاں ۔ اسی طرح نچلی کڑیوں تک ۔ اس طرح منہ بولے بیٹے کی بیوی کے لئے حکم حرمت نہیں ہے ۔

(د) ــــــــ وَاَنْ تجمعوا بین الاُختین

ایک وقت میں دو بہنوں کو نکاح میں لانا اور زوجیت میں رکھنا ۔ دونوں بہنیں ، حقیقی ہوں ، یا پدری یا مادری یا رضاعی ۔

ــــــــ اِلاَّ مَا قَدْ سَلَفَ ، ــــــــ

اس قانون سے پہلے جو ہو چکا اسے نظر انداز کر دیا گیا ۔ یہ اس لیے کہ قانون جاری کرنے والا حاکم ، اللہ عزّ اسمہٗ غفور و رحیم تھا اور ہے ۔

جناب مرتضیٰ حسین صدر الافاضل

تفسیر

سورہ نساء آیت نمبر ۲۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کِتٰبَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِہٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِہٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا

ترجمہ

شوہر والی عورتیں حرام ہیں۔ مگر وہ عورتیں جو تمہارے قبضے میں آجائیں۔ یہ اللہ کا تم پر حکم ہے۔ اور ان کے سوا سب عورتیں جائز ہیں بشرطیکہ بدکاری کے لئے نہیں بلکہ پاکدامنی کے ساتھ اپنے مال کے بدلے نکاح کرنا چاہو، ہاں، جن عورتوں سے تم نے متعہ

کیا ہو انھیں معین کیا ہوا مہر ادا کر دو اور مقررہ مدت تمام ہونے
کے بعد اگر تم باہمی رضامندی سے کچھ طے کر لو تو کوئی گناہ نہیں۔
بے شک اللہ خوب اچھی طرح باخبر اور مصلحتوں کو جاننے والا ہے (۲۴)

تفسیر

۲۴۔ ــــــ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاۗءِ .....

مُحْصِنٰت : (مادہ ح۔ ص۔ ن۔) حِصن : قلعہ۔ اِحصان : بچانا۔ غیر سے محفوظ رکھنا
مُحْصِنٌ : بچانے والا۔ پاک دامن مرد اپنی شرمگاہ کو غیر عورت سے بچانے والا۔ (مؤنث) مُحْصِنَۃ:
عفیفہ، پاک دامن عورت۔ وہ عورت جس کا شوہر موجود ہو۔ جمع محصنات

کِتٰبَ اللہ : مفعول مطلق، مصدر۔ کتب اللہ علیکم کتاباً۔ کَتَبَ: اس نے
فرض کیا۔ حکم دیا۔ لازم کیا ۔ کتاب اللہ۔ اللہ کی طرف سے عائد شدہ احکام۔ مُسَافِحِ : بدکار
سِفَاح : ضد نکاح۔ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ۔ وہ عورتیں جن کو تم نے ملکیت میں لیا جنگ
میں قید ہو کر آنے والی کافر عورتیں۔

اِسْتَمْتَعْتُمْ : طَلَبْتُمُ الْمُتْعَۃَ : تم نے متعہ کرنا چاہا۔ یہی مصدر بخاری و مسلم
کی صحیحین میں یوں آیا ہے " انہ قد اذن لکم ان تستمتعوا۔ اللہ کی طرف سے تمہیں
متعہ کرنے کی اجازت دی جا چکی ہے لہٰذا متعہ کرو۔ (صحیح بخاری پارہ ۲۱۔ کتاب النکاح، باب
نہی رسول اللہ عن نکاح المتعۃ اخیراً۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب نکاح المتعۃ، ج ۱ ص ۵۳۵
طبع عیسیٰ البابی، مصر۔

دائمی طور پر حرام عورتوں کا قانون بیان کرنے کے بعد ان عورتوں کا تذکرہ جن سے عارضی طور
نکاح حرام ہے۔

الف : اس عورت سے نکاح جائز نہیں جس کی بہن پہلے سے عقد میں ہو۔ یعنی ایک
شخص کی تزویج میں دو بہنیں ایک ساتھ نہیں رہ سکتیں۔

ب : شوہر دار عورتیں جو دو قسم کی ہیں :۔

۱۔ وہ عورتیں جو اپنے مسلمان شوہروں کے عقد میں ہوں۔
۲۔ وہ عورتیں جو کافر شوہروں کے عقد میں ہوں، مگر غزوہ و جہاد میں قید ہوجائیں اور مسلمان انھیں گرفتار کرلائیں۔ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُم کا بالاتفاق یہی مطلب ہے یعنی کنیز اور لونڈی سے مباشرت جائز ہے، بشرطیکہ وہ اسی شخص کی ملکیت میں ہو۔

پہلی قسم کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔ البتہ پہلے شوہر سے طلاق کے بعد بشرط اسلام جائز ہے۔

دوسری قسم کی عورتوں سے ایک طُهر، یا وَضعِ حمل کے بعد بطور کنیز جنسی تعلقات جائز ہیں۔

اُحِلَّ لَكُم مَا وَرَاءَ ذٰلِكُم۔ بیان شدہ عورتوں کے علاوہ دوسری عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ حکم حلّت کا مطلب، عیاشی و بدمستی نہیں، بلکہ حفظِ عفت اور بے راہ روی سے بچنا اور فطری ضرورت کا لحاظ رکھ کر جائز اولاد کا نتیجہ حاصل کرنا ہے۔ متعدد شادیاں سماجی ضرورت اور فعل حرام سے بچنے کی تدبیر ہے۔

حلّت متعہ :-

فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهٖ مِنْهُنَّ ___ ان جائز عورتوں میں جن کے ساتھ تم متعہ کرو ___ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ___ ان کے طے کردہ مہر بطور واجب انھیں ادا کردو ___ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرَاضَيْتُم بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ___ مہر مقرر ادا کرنے کے بعد اور مدت کے تمام ہوتے ہوئے اگر زن و شوہر دونوں عقد دائم یا توسیع مدت پر راضی ہوجائیں تو، بقیہ مدت کے دن ہبہ کرکے دائمی نکاح بھی کرسکتے ہیں اور دوسری مرتبہ متعہ بھی۔

متعہ کیا ہے ؟

متعہ، نکاح دائم اور کنیزی کے درمیان ایک کڑی ہے۔ جسے اللہ نے حلال فرمایا ہے

اور فقہ شیعہ میں اس حکم کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

صحیح بخاری طبع دہلی کے حاشیے پر مولانا احمد علی سہارن پوری کے الفاظ ہیں:

"هو النكاح المؤقت بيوم ونحوه وفراقها يحصل بالقضاء الأجل من غير طلاق"

"مولانا عبدالحق حقانی نے اپنی تفسیر میں گویا اس عبارت کا مطلب یوں لکھا ہے:-

"متعہ ایک قسم کا نکاح ہے جس میں مرد، عورت کو کسی مقدار معین مال سے ایک مدّت معین تک اپنے پاس رکھے اور ایجاب و قبول اس میں بھی شرط ہے۔ پھر اس کو رنڈی بازی کہنا فضول ہے" تفسیر حقانی، طبع دہلی۔ آیہ زیر نظر)۔

سید روح اللہ خمینی نے تحریر الوسیلہ میں تحریر فرمایا ہے:-

"نکاح منقطع و متعہ و نکاح مؤجل۔ مسئلہ: نکاح منقطع، دائم کی طرح ایسے عقد کا محتاج ہے جس میں ایجاب و قبول کی دو لفظیں ہوں۔ فقط فریقین کی جذباتی رضامندی یا معاملہ بندی یا تحریر یا اشارہ کافی نہیں۔ (تحریر الوسیلہ، عربی، کتاب النکاح، طبع عراق)

اسلامی فرقے اور فقہاء، متعہ کی تعریف و حدود پر متفق ہیں یہ بھی طے ہے کہ مدت کے اجزا و شرائط ہیں: مثلاً:

۱۔ مہر: (قرآن مجید میں متعدد آیات میں مہر کے لئے اجر و اجور کا استعمال ہوا ہے۔

۲۔ مدّت کا تعیّن

۳۔ عقد: ایجاب و قبول۔ (جس کے صیغے کتب فقہ میں موجود ہیں)

۴۔ مُدّتِ عقد گزرنے یا معاف کرنے سے جدائی فریقین۔ یعنی مدت کا تمام ہونا حکم طلاق میں ہے۔

۵۔ عِدّہ

۶۔ عدم میراث

۷۔ جواز اثبات نسب برائے اولاد

ادلۂ جواز کا تعارف

احکام شرع ہمیشہ کتاب و سنّت اس کے بعد اجماع و عقل سے ثابت ہوتے ہیں ۔
جواز متعہ پر بھی یہ دلائل موجود ہیں ۔

۱۔ قرآن کریم :۔

سورہ نساء کی زیر نظر آیت بہ تصریح محدّثین و مفسرین و فقہا حلّت متعہ پر دلیل ہے
ائمۂ اہل بیت علیہم السلام نے اسی آیت کو ہمیشہ سند جانا ہے ۔ اور فقہاء امامیہ و مفسرین
آیت کو منسوخ یا مقید نہیں مانتے ۔

۲۔ سنّت یعنی احادیث :۔

کتاب کے بعد ہم ذخیرۂ احادیث کی طرف رجوع کرتے ہیں تو مجامیع میں بکثرت روایات
ہیں جن میں سے ہم چند احادیث نقل کرتے ہیں :۔

۱۔۔۔۔۔۔۔۔ ابو بصیر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے متعہ کے بارے
میں پوچھا تو حضرت نے فرمایا : متعہ کی اجازت قرآن کریم میں موجود ہے : فما استمتعتم
الی آخر الآیۃ ۔ (الکافی، حدیث صحیح ، در ابواب متعہ)

۲۔۔۔۔۔۔۔۔ زرارۃ کہتے ہیں، عُبید بن عُمیر لیثی امام محمد باقرؑ
کی خدمت میں آیا اور متعۃ النساء کے بارے میں سوال کیا ، امام نے فرمایا : اللہ نے قرآن
میں حلال فرمایا اور رسول اللہؐ نے زبانی جائز کہا ، لہٰذا وہ قیامت تک حلال ہے ۔ (الکافی ،
روایت صحیح ، اور ذرا مفصل ہے)

۳۔۔۔۔۔۔۔۔ وسائل الشیعہ میں صدوقؒ کی سند سے روایت ہے کہ
حضرت علی علیہ السلام نے کوفے میں بنی نہشل کی ایک خاتون سے متعہ فرمایا (وسائل ، کتاب
النکاح ۔ باب المتعہ ص ۴۴) ۔

۴۔۔۔۔۔۔۔۔ جمیل بن صالح کہتے ہیں ، ایک صاحب نے حضرت
امام جعفر صادقؑ کے حضور عرض کیا کہ مجھے متعہ کے بارے میں کچھ شُبہ ہوا ، اور میں نے قسم

کھالی کہ متعہ کبھی نہ کروں گا۔ امامؑ نے فرمایا، اگر تم اللہ کا حکم نہیں مانتے تو گنہ گار رہو (وسائل باب استحباب المتعہ ص ۴۴۵)

۵ ــــــــــ ہماری قدیم تفسیر بالحدیث، تالیف ابونضر العیاشی سمرقندی نے بذیل آیت یہ روایت لکھی ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جابر بن عبداللہ نے کہا: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک فوجی مہم (غزوہ) میں تھے وہاں آنحضرتؐ نے حلت متعہ کا اعلان فرمایا اور اسے حرام نہیں کیا۔ اور حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اگر عمر پیش قدمی نہ کرتے تو صرف معدودے چند افراد ہی زنا کرتے۔ اور ابن عباس نے کہا قرآن میں ہے:

"فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً"

اور یہ لوگ انکار متعہ کرتے ہیں درآں حالے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے حرام نہیں فرمایا (التفسیر، ج ۱۔ ص ۲۳۳)

اگر کوئی شرعی تکلیف کتاب وسنت سے ثابت ہوجائے تو اجماع وعقل وغیرہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مگر ضمناً عرض ہے کہ ائمۂ اہل بیتؑ کا حلت اجماع، سب مانتے ہیں اور عقلی طور پر بھی، صحت، فراوانی نسواں، جنگ یا دوسری معاشرتی، انتظامی، شخصی یا اجتماعی ضرورتیں، جہاں عورت یا خواتین کی قانونی دستگیری سے بدکاری کا سدباب ہو، وہاں یہ قانونی جواز اپنی اہمیت اور واضح کرتا ہے۔

فقہی بحث میں برادران اہل سنت نے قدیم زمانے میں جو غیر معیاری زبان اور لہجہ استعمال کیا تھا حیرت ہے کہ آج کے افاضل بھی اسی طرح بدکلامی سے بات کرتے ہیں مثلاً ایک بزرگ کے ترجمہ وحواشی مختصر مطبوعہ تاج کمپنی لاہور، بے تاریخ۔ میں آیت کا ترجمہ ہے "پھر جس طریق سے تم ان عورتوں سے منتفع ہوتے ہو، سو ان کو ان کے مہر دو جو کچھ مقرر ہو چکے ہیں"۔ پھر حاشیہ دیا ہے۔ اس کے عموم میں زنا اور متعہ سب داخل ہو گیا حالانکہ قرآن کریم میں فحشاء کا داخل کرنا سلب ایمان کا سبب ہے۔ ہم نے متاخرین کے ان

حملوں کے جواب میں جو استدلالی نوٹ لکھا تھا وہ اسلوب تفسیر کے پیش نظر اس سے نکال کر الگ چھاپ دیا ہے۔ (متعہ اور قرآن۔ کاظمیہ بک ڈپو۔ لاہور) لہٰذا جواب و بحث کے لئے اسے ملاحظہ فرمائیں۔

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا — بیان شدہ احکام، علیم و حکیم اللہ کے وضع کردہ ہیں اس کے علم و حکمت کا یقین رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ قوانین فطرت بشر و فلسفۂ قانون اور اصلاح معاشرہ کے حقائق پر مبنی ہیں اس لئے ان میں شک کی گنجائش اور عمل نہ کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ

الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ

وَاِذَا کَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ

جناب مرتضیٰ حسین صدر الافاضل ؒ

تفسیر

سورہ نساء آیت نمبر ۳۲—۳۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۚ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

اور اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسروں کے مقابلے میں جو کچھ زیادہ دیا ہے اس کی تمنا نہ کرو۔ مردوں کو حصہ ملتا ہے جو وہ حاصل کریں اور عورتوں کو حصہ ملتا ہے جو وہ حاصل کریں اور اللہ سے اس کے فضل و کرم کا سوال کرو۔ یقیناً، اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے (۳۲)

تفسیر:

مفسرین نے نزول آیت کے ضمن میں دو روایتیں لکھی ہیں:
ام المومنین ام سلمہ رضوان اللہ علیہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کی: مردوں پر

جہاد ہے۔ عورتوں کو جہاد کی اجازت کیوں نہیں؟ عورتوں کو میراث میں مردوں کے حصے سے آدھا کیوں دیا گیا ہے؟ ہم مرد ہوتے تو جہاد میں جاتے۔ معاشرے میں برابر کا درجہ حاصل کرتے۔

جب آیت اتری اور لوگوں کو حکم معلوم ہوا تو مردوں نے کہا جس طرح دنیا میں ہمارا حصہ دوگنا ہے اسی طرح آخرت میں ہوتا تو کیا اچھا تھا۔ اور خواتین نے کہا کہ جیسے میراث میں ہمارا حصہ کم ہے کیا ہی کہ ویسا ہی سلوک آخرت میں ہو اور مردوں کے مقابلے میں ہمیں وہاں سزا بھی کم ملے۔

آیت میں ان سوالوں کا جواب بھی جو بیان ہوئے اور ایسے مسائل پر بھی روشنی پڑتی ہے جو فکر بشر میں پیدا ہو رہے ہیں یا آئندہ سامنے آئیں گے۔

ـ ولاتتمنّوا ما فضّل اللّٰہ ......

کائنات میں بلندی و پستی، کمزوری و شہ زوری کا وجود عام ہے۔ کوئی چیز سخت ہے کوئی نرم، کوئی خطہ سرد ہے کوئی گرم، کبھی رات ہے کبھی دن، کوئی کالا ہے کوئی گورا، کوئی جوان ہے کوئی بوڑھا کوئی مرد ہے کوئی عورت۔ درجوں کا یہ فرق اور مخلوقات کی یہ جہتیں، سائنسی نظام اور حیاتیاتی انتظام پر قائم ہیں۔ ان کی تہہ در تہہ حکمتوں تک پہنچنے کی کوششیں جاری ہیں۔ ابھی تک اس بارے میں علم بشر نارسا ہے۔ جبکہ علم و حکمتِ خالقِ کائنات ہر شئے پر محیط ہے۔

خود جسمِ انسانی میں، دماغ مرکزِ ادراک و احساسات ہے۔ آنکھیں روشنی کا خزانہ، کان آوازوں کو سمیٹنے کا آلہ، زبان لذت آشنائی کا مرکز، اور اظہارِ مافی الضمیر کا ذریعہ۔ سر بلند ہے، پیر زمین سے لگتے ہیں، ہاتھ اونچے ہیں، سینہ جسم کا بالائی اور شکم حصۂ زیریں ہے۔ اسی فرق میں ہر حصے کے معقول وظائف و نتائج کار و حصولِ خوراک پر غور کر لیجیے، بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے اور کہنا پڑے گا کہ اللہ نے جسے جہاں خلق کیا ہے وہی صحیح ہے اور کسی جزو بدن کو دوسرے کی جگہ آنے کی خواہش یا کسی کی جگہ بدلنے کی سعی غیر منطقی اور یقیناً نقصان دہ عمل ہے۔

انسانی معاشرے میں، مرد و عورت، ذہین و کند ذہن، تندرست و بیمار، شہری و دیہاتی جیسے فرق موجود ہیں۔ ان طبقات میں جو بھی دوسرے کو اپنے سے بہتر سمجھتا ہے اسے اسی نسبت سے اپنی ذمہ داریاں، اپنے فرائض کا احساس ہونا اور اس کے مطابق عمل کرنا چاہیئے اور جو اپنے آپ کو

کمتر و محروم جانتا ہے اسے رشک و حسد، لوٹ مار کے بجائے اپنے فرائض اور نظام تمدن و معاشرہ و حیات انسانی میں اپنے حصے کا کام کرنا اور اس میں کمال حاصل کرنا چاہیئے۔ یہ درجے استثمار و ظلم کے لئے استعمال نہیں ہو سکتے، اللہ نے ان کے لئے جو قوانین بھیجے ہیں کسی کو ان سے تجاوز کا حق نہیں ہے انسانوں میں فضل و شرف کا دارومدار تقوے پر ہے۔

— للرّجال نصیب ممّا اکتسبوا . . . .

مرد و زن کا تخلیقی، جبلّی، فطری اور دائرۂ کار کا فرق، نظام انسانیت کی بقاء و ترقی کے لئے استحصال و استثمار کے لئے نہیں۔ دونوں کے الگ الگ فرائض و حقوق ہیں، جو اپنے فرائض ادا کرے گا۔ اسے اس کے کسب و کار کا صلہ عدل و انصاف و مساوات کے مطابق دیا جائے —

دونوں تجارت کریں، دونوں آزاد اور اپنے اپنے منافع کے مالک ہیں۔ دونوں محنت مزدوری کریں ان کی اجرت کارکردگی کے اعتبار سے دی جائے گی دونوں اپنی کمائی کے مالک، دونوں عبادت کریں، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کریں دونوں کو اجر مساوی ملے گا۔ نان و نفقہ، حمل و تربیت، حصہ میراث، دائرۂ کار اور زندگی کے بعض حصوں میں جنسی فرق کو بنیاد بنایا گیا ہے کہ اس فرق کے بغیر انسانی زندگی اور معاشرتی ڈھانچہ بگڑ جائے گا۔

— وسئلوا اللہ من فضلہ —

فضل: برتری۔ عطیہ و احسان۔ رحمت و انعام۔ روزی اور خوشحالی کے معنوں میں مستعمل ہے۔ اس آیت میں فضل کے معنے ہیں انتظار فرج (طبری)، عبادت و ثواب۔ نیز رزق و روزی جیسا کہ سورۂ جمعہ میں ہے .... فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیع ذٰلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون ۝ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ ...."

جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو ذکر الٰہی کیلئے تیزی سے جاؤ، یہ تمہارے لئے اچھا ہے اگر تم صاحب علم ہو۔ اور جب نماز تمام ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور فضل الٰہی (روزی) کی جدوجہد و تلاش میں نکلو۔

آیت زیر نظر میں تعلیم یہ ہے کہ دوسروں کی برتری دیکھ کر، حسد اور خیالوں میں الجھنے،

احساس کمتری میں مبتلا ہونے کے بجائے کسب و کار، محنت و کوشش کرو۔ اور جو مال و اعزاز شرعی طور پر حاصل کر سکتے ہو وہ حاصل کرو۔

۔ انّ اللہ کان بکلّ شیئٍ علیماً ــــ یہ بات پیش نظر رہنا چاہئے کہ اللہ عزّ اسمہ دلوں کے بھید، سعی و عمل کی راہوں اور مقاصد سے کما حقہ عالم ہے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا

مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٣٣﴾

ترجمہ:

اور ہم نے ایسے وارث مقرر کر دیئے ہیں جو والدین اور رشتے داروں کا ترکہ لیں۔ اور جن لوگوں سے تم نے عہد کیے ہوں، ان کا حصہ ادا کرو۔ اللہ ہر چیز کا شاہد و ناظر ہے (۳۳)

تفسیر

موالی : جمع مولیٰ ، وارث۔

الاقربون : اقرب، زیادہ قریبی عزیز، اس سے وارثوں کے لئے کلیہ بنا " الاقرب فالاقرب"

ــ لکلٍ جعلنا موالی ممّا ترک الوالدان ـ والدین کے ترکے میں چھوڑی ہوئی چیزوں کے لئے ہر شخص کا وارث اللہ نے مقرر کیا ہے ـ "لکل" میں آنحضرت ؐ بھی داخل ہیں لہذا ان کی وراثت ان کی دختر کو از روئے قرآن ملنا واجب ہے۔

آیت میں وارثوں کی مجموعی تقسیم کی گئی ہے :

۱۔ والدین ، جن میں ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی اوپر کی پیڑھی تک ــ یہ لوگ اولاد

یا در اولاد کے وارث ہوں گے ۔ اور ان کے وارث ۔

۲- اقربین ، اولاد ، ان کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد نچلی پیڑھی تک بھائی ، چچا ، خالہ ...

۳- والذین عقدت ایمانکم ۔ "عقدِ یمین" معاہدہ ، داھنے ہاتھ کی گرہ ۔ اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے بعد ائمہ علیہم السلام آتے ہیں کہ وہ اس کے وارث ہیں جس کا کوئی وارث نہ ہو ۔ نیز ، عقد یلک عقدِ ضامن جریرہ ۔

ضامنِ جریرہ ، وہ شخص ہے جس سے یوں عقد واقع ہو :

عاقدتک علیٰ ان تنصرنی وانصرک وتعقل عنّی واعقل عنک وترثنی وارثک " اس کے جواب میں فریق ثانی کہے ، "قَبِلْتُ " یعنی میں تم سے پیمان کرتا ہوں کہ میری مدد کروگے میں تمہاری مدد کروں گا ، تم میرے جرمانے ادا کروگے میں تمہارے جرمانے ادا کروں گا تم میرے وارث ہوگے ، میں تمہارا وارث ہوں گا ۔ دوسرا شخص کہے : میں نے قبول کیا ۔

تفصیلات "وِلاء" کے لئے دیکھئے کتبِ فقہ ۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ۔ اللہ عزّ اسمہ ہر معاملے کا حاضر ناظر ہے اس لئے مسلمانوں کو اطاعت میں سرتابی اور اداءِ حقوق میں کوتاہی نہ کرنا چاہئے ۔ جس کا جو حصہ ہے وہی ادا کرتے ہیں بھلائی اور حصولِ رضاء الٰہی ہے ۔

ٱلرِّجَالُ قَوَّٰمُونَ عَلَى ٱلنِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ ٱللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَآ أَنفَقُوا۟ مِنْ أَمْوَٰلِهِمْ ۚ فَٱلصَّٰلِحَٰتُ قَٰنِتَٰتٌ حَٰفِظَٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ ٱللَّهُ ۚ وَٱلَّٰتِى تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَٱهْجُرُوهُنَّ فِى ٱلْمَضَاجِعِ وَٱضْرِبُوهُنَّ ۖ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا۟ عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ

عَلِيًّا كَبِيرًا ﴿٣٤﴾ وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا
حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا
يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ﴿٣٥﴾

ترجمہ

مرد، عورتوں پر ذمہ دار سربراہ ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر برتری (وفضیلت) دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ لہٰذا صالح عورتیں وہ ہیں جو اطاعت گزار ہوتی ہیں۔ جو تحفظات اللہ نے ان کے ذمے کئے ہیں، پیٹھ پیچھے ان کا تحفظ کرتی ہیں۔ اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو، انھیں سمجھاؤ۔ اور خواب گاہوں میں ان کو الگ رکھو۔ اور انھیں مارو۔ اب اگر اطاعت کرنے لگیں تو پھر ان پر دست درازی کی راہ نہ ڈھونڈو یقیناً، اللہ برتر، بزرگ (کبریائی والا) ہے ﴿٣٤﴾ اور اگر تم میاں بیوی میں پھوٹ کا اندیشہ ہو تو ایک ثالث مرد اور ایک ثالث عورت کے رشتے داروں میں سے معین کرو۔ اگر وہ دونوں اصلاح (حالات) چاہیں گے تو اللہ، ان دونوں میں موافقت کی صورت پیدا کرے گا۔ یقیناً اللہ جاننے والا ہے، باخبر ﴿٣٥﴾

تفسیر:

٣٤ ـــــــ الرّجال قوّامون . . .

قوّام: مبالغہ کا صیغہ ہے ــ زیادہ سے زیادہ دیکھ بھال کرنے والا۔ معاملات کو روبراہ رکھنے والا۔ کفالت کرنے والا۔ سربراہ ـ نگرانِ اعلیٰ۔ حاکم۔

عورت، فطرتاً اور نفسیاتی طور پر مرد سے قوت محسوس کرتی ہے۔ اسے مرد کی نگہبانی درکار رہتی ہے۔ حفظِ ناموس اور جنسی خواہش کے لئے۔ اس کے علاوہ زمانۂ حمل اور عملِ تولید کے قبل و بعد۔ امورِ معاش و خانہ داری میں اور معاملات کی تدبیر و مشورہ و سربراہی کے وقت، عورت کو شوہر کے وجود سے

تقویت اور نفسیاتی سکون ملتا ہے۔

میاں بیوی کے تعلقات

مرد، کسب و کار، ضبط و نظم، دیکھ بھال میں ذہنی اور تخلیقی بنا پر برتری رکھتا ہے۔ اس کی طرف ایک معجزانہ اشارہ سورۃ البقرآیت ۲۲۷ میں ہے۔

اللہ جل جلالہ نے عائلی زندگی اور معاشرتی ڈھانچے کو مضبوط بنانے کے لئے مردوں کو عورتوں پر حاکمیت و سربراہی عطا کی۔ اور اس کی دو حکمتیں اس آیت میں بیان فرمائیں۔ ایک یہ وجہ، خلقت، فطرت اور اندرونی بیرونی طور مرد چند ایسے خصوصیات کا حامل ہے جو خواتین میں موجود نہیں۔ دوسرا سبب ہے، مرد کا عورت پر روپیہ پیسہ خرچ کرنا۔ یہ واقعہ و مشاہدہ ہے کہ عورت کے اخراجات مرد سے زیادہ ہوتے ہیں۔ مختلف کھانوں میں مختلف غذائیں اور لباس میں اس کی ضرورت اور پسند، زیور اور گھر کی زیب و زینت اور جسم کو آراستہ و معطر رکھنے کی ہر آن نئی خواہش ایسی بات ہے جس کے لئے محنت و کوشش اور کمائی بھی درکار ہوتی ہے اور مال خرچ کرتے وقت ایک بالا دست سرتاج کا مشورہ، فیصلہ اور کبھی کبھی حکم بھی ضروری ہوتا ہے اسی مفہوم کی وسیع ترادائیگی کے لئے " قوامون علی النساء " کے الفاظ اور جملہ بڑا اعجازی نوعیت رکھتا ہے۔

حاکم یا سربراہ، کفیل اور سرپرست، ہر وقت نگرانِ کار کے معنے، بادشاہ، آمرِ مطلق، جابر فرماں روا نہیں، بلکہ ذمہ دار بالادست، خدمت گزار مراد ہے۔ ایسا حاکم، جو عائلی زندگی کو خوش و خرم رکھے گھر کا ضبط و نظم قائم کرنے میں مدد دے، غلطی پر روکے ٹوکے۔ ضروریاتِ زندگی فراہم کرے اور مستقبل پر ہوشمندانہ نظر رکھنے والا۔ جو تربیت کے معاملے میں، ذہنی، فکری اور وسیع تر تجربوں کے مطابق صحیح راہ پر بیوی کو چلنے میں مدد دے۔

— فالصّٰلحٰت — مرد کی فضیلت کے بعد، عورت کی تعریف فرمائی ہے۔ صالح عورت نیکوکار بیوی — یعنی نیک رفتار، نیک گفتار، نیک کردار، صحیح عقیدے اور اللہ، رسولؐ و ائمہؑ کی اطاعت گزار شوہر کی خیر خواہ و پابند رضا بیوی (قانت - فرماں بردار، دعا گو)

ـ حافظات للغیب ـ بما حفظ اللہ ـ اللہ عزّ وجل نے عائلی زندگی میں زن و مرد کے لئے جو تحفظات و حقوق مقرر کئے ہیں ان میں معزز بیوی وہ ہے جو شوہر کی غیر حاضری میں اپنی ذات و ناموس، شوہر کے احترام، گھر کے راز اور بچوں کی نگہداشت اور، روپے پیسے کے استعمال میں ایسا رویہ رکھے جو شریعت و اخلاق کے مطابق ہو۔ ایسی بیویاں احترام کے قابل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اسلام کے بعد دوسرا اہم فائدہ مسلمان کا یہ ہے کہ اسے وہ مسلمان شریک حیات ملے کہ جب اسے دیکھے تو خوشی ہو، جب کہے تو وہ بات مانے، جب وہ گھر میں نہ ہو تو بیوی اپنی ذات اور شوہر کے مال اور اللہ کے دیئے ہوئے تحفظات کی نگہداشت کرے (صافی)

ـ والاتی تخافون نشوزھن ـ قابل تعریف و احترام بیویوں کے بعد ان ازواج کا تذکرہ ہے، جو بحیثیت بیوی کے غیر ذمہ دار ہوں۔ ایسی بیویاں بد اخلاقی اور سرکشی کرتی ہیں، شوہر سے ہم آہنگی چھوڑ کر گھریلو زندگی میں خلفشار پیدا کرتی اور اپنی نفسیاتی افتاد کو تیز کردیتی ہیں۔ ایسی بیویوں کے لئے قانونی طور پر تین اقدام کیے جاسکتے ہیں۔ تنبیہ و فہمائش۔ ابتدائی سزا، ترک ہم بستری ـ مار۔

۱۔ فعظوھن : ایسی سرکش بیویوں کو سمجھاؤ۔ خوف خدا یاد دلاؤ اسے آخرت کے عذاب و ثواب، گھر کی تباہی، زندگی کی مشکلات جیسے حوالے دو، غرض اس کو سرکشی و علیحدگی سے روکو۔ زبان اور دلیل سے بات بناؤ۔ اگر پھر بھی حالات قابو میں نہ آئیں تو ثالثی کرو، جس کا بیان آگے آرہا ہے۔

۲۔ واھجروھن فی المضاجع ـ مضجع، لیٹنے کی جگہ۔ مراد ہے وہ جگہ جہاں میاں بیوی ساتھ سوتے ہیں ـ ھجر۔ چھوڑنا۔ دوسرا قانونی قدم یہ ہے کہ نافرمان اور ساتھ نہ دینے والی بدمزاج بیوی کے ساتھ سونے میں اس کی طرف پشت کرلیا کرو (حدیث امام باقر علیہ السلام) اس کے بستر سے دور رہو۔ اس سے نفسیاتی سزا اور غصے کا اظہار مقصود ہے اور ایک غیرت دار بیوی کے لئے یہ قدم سخت ہوگا۔

۳۔ واضربوھن ـ تیسری سزا۔ مار ہے۔ قانون شکنی، جرم میں شدت اور ذمہ داریوں کی توہین ہے۔ عائلی زندگی کو زہرناکی سے بچانے کی آخری اصلاحی کوشش بدنی سزا ہے کہ اس سے

نفسیات میں تبدیلی، غیرت میں جوش اور غلطی کا احساس ابھر سکتا ہے۔ یہ حکم بالکل انصاف و حکمت پر مبنی ہے۔ توہین زن کا سبب اس کا "نشوز" ہے۔ اس کا اپنے احترامات و فرائض کو پامال کرنے اور دو سزاؤں کے بعد بھی اصلاح احوال نہ کرنے کی یہ سزا قانون کی سائنس کے عین مطابق ہے۔ مارنے کے لئے مسواک کے برابر چھڑی کے استعمال کی نصیحت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمائی ہے۔ اور اس کی آخری حدود ہے جہاں ہڈی نہ ٹوٹے۔ جلد پر نشان نہ پڑے نقصان دہ نہ ہو۔

یہ سب باتیں طلاق سے پہلے بحالی تعلقات کی خاطر ہیں کیونکہ اسلام عائلی زندگی کا شیرازہ توڑنے کا حامی نہیں ہے، اسی لئے واضح تاکید فرمائی ہے کہ ۔ اگر بیویاں بات مان لیں اور اطاعت شعار بن جائیں تو ان کے خلاف رویہ اختیار نہ کیا جائے اور شوہر الزام تراشیاں اور تجاوز نہ کریں۔ یاد رہے کہ اللہ، بلندی و کبریائی کا مالک ہے۔

۳۵ ـــــ وان خفتم شقاق بینھما . . .

میاں بیوی باہمی مفاہمت نہ کر سکیں اور صورت حال جدائی کے خطرے سے دوچار ہو تو اسلام کی نظر میں دونوں خاندانوں کی ذمہ داری ہے کہ آگے بڑھیں، شوہر اپنے خاندان کا ایک دانا بینا، بالغ و تجربہ کار، ثالث نامزد کرے اور ایک ثالث بیوی اپنے خاندان سے مقرر کرے ۔اس طرح نفسیاتی جذباتی اور خاندانی مفادات کا تحفظ ممکن الحصول ہوگا، ایک گھر کا اجاڑ، مزید دو گھروں پر اثر انداز ہونے کے خطرے سے دوچار ہو کر سب کو مفاہمت اور آبرومندانہ حل پر مجبور کرے گا۔ اور اگر دونوں ثالث مخلصانہ جدوجہد کے لیے تیار ہو گئے تو علیم و خبیر اللہ، تعلقات کی بحالی کی راہ دکھائے گا۔

قرآن مجید کی یہ رہنمائی فطرت انسانی اور معاشرتی بھلائی، سماجی اصلاح اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کے لئے کس قدر اہم ہے، اسے علم نفسیات کے ماہر سمجھ سکتے ہیں۔

مثلاً :

قانونی عدالتیں اور قاضی کے سامنے دعوے اور قانون کے تقاضے ہوتے ہیں، وہ قانون

کے نفاذ اور فیصلۂ مقدمہ کا پابند ہوتا ہے، وہ نجی معاملات سے دلچسپی نہیں رکھ سکتا۔

عام عدالتوں میں جنسی جھگڑے بڑی عجیب روش اختیار کر لیتے ہیں۔ پہلے تو میاں بیوی کے ایک دوسرے کے خلاف بیان نجی معاملات اور خلافِ حیا باتوں اور رازوں کے پردے چاک کرتے ہیں پھر ان پر جرح اور غیروں کی دل لگی سے جگ ہنسائی اور رسوائی کے اسباب فراہم ہوتے ہیں، دو آدمیوں کی لڑائی دو خاندانوں بلکہ پورے معاشرے کو بدنام کرتی ہے۔ اس کے علاوہ ایسے مقدموں کے اخراجات اور اس سلسلے میں دوڑ دھوپ مستقل عذاب ہے۔

اسلام کے نظریۂ ثالثی میں اول تو یہ جرح اور مذاق نہیں، دوسری بڑی بات، رازداری ہمدردی اور مفاہمت و مصالحت کے عزیز دارانہ جذبات اور اپنوں کی بات ماننے منوانے کے امکانات کے جیسے متعدد روشن پہلو سب کے سامنے ہوتے ہیں۔ سب سے بڑی بات اللہ کی رضا اور حصول ثواب کی نیت اور اللہ کے علیم و خبیر ہونے کا عقیدہ ساتھ ہوتا ہے۔

تجربے گواہ ہیں کہ ایسی ثالثی عموماً اچھے نتائج دیتی ہے۔ اور گھر آباد ہو جاتے ہیں۔ نیز دیکھئے آیات ۱۲۷ بعد۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا
وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى
وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝۳۶

ترجمہ:

اور تم سب اللہ کی عبادت کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اور ماں باپ سے حسنِ سلوک کرو نیز، قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور قریبی پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پہلو نشین اور مسافر اور جو تمہاری ملکیت میں ہوں ان سے

حسن سلوک کرو) بیشک اللہ، کسی ایسے کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں اکڑنے والا اور شیخی خورا ہو۔ (۳۶)

تفسیر

عائلی زندگی سے خاندان، خاندان سے معاشرے اور عام انسانوں سے نیکی و حسن سلوک کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔ تعلقات اور معاشرتی آداب سے پہلے یہ بات یاد دلائی ہے کہ انسانیت کی ابتداء اور فکری رفتار کا آغاز نیز عملی رویّوں کا اہم ترین نظریہ و عقیدہ اللہ کی اطاعت و بندگی ہے اور اللہ عزّ اسمہ کو وحدہ لاشریک جاننا اور ماننا ہے۔ اس عقیدے کے بغیر ایسے کام کرنے والا خود فریب و مغرور ہے۔ اللہ ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا، گویا اس کے یہ احسان حسنِ عمل ہی نہیں ہیں

آیت میں جن لوگوں پر احسان و حسنِ سلوک کا تذکرہ ہے وہ یہ ہیں:

والدین ــــ جن کی محنت، محبت اور احسان کی بدولت آدمی کسی قابل بنتا ہے۔ ماں اور باپ کے احترام اور ان کی اطاعت اور ان سے احسان کا سلوک بار بار یاد دلایا ہے۔ مادّی و جسمانی پرورش و پرداخت کرنے والوں کے ساتھ روحانی نگہداشت و رہنمائی کرنے والے بھی اس حکم کے اہم ترین مصداق ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: "میں اور علیؑ اس امت کے دو باپ ہیں" (تفسیر عیاشی)

رشتے دار ــــ جن کی محبت، تعاون اور نسلی سلسلے سے ایک قسم کی معاشرتی اکائی جنم لیتی ہے اور خاندان جیسے اہم حلقے کو قوت ملتی ہے۔

یتیم ــــ بن باپ کے بچے، قرآن مجید اس گروہ پر خاص توجہ دلاتا ہے۔ اس طبقے کی دلدہی، اس سے حسنِ سلوک اللہ کو بہت پسند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنی دو انگلیوں کو بلند کر کے فرمایا تھا، یتیم کی کفالت کرنے والا، اور میں جنت میں یوں ہوں گا ــــ یعنی پہلو بہ پہلو ــــ

مسکین ــــ محتاج، وہ لوگ جو ضروریاتِ زندگی سے محروم ہوں۔

قریبی پڑوسی ــــ حدیث میں ایک گھر سے متصل چالیس گھروں تک پڑوس کہا گیا ہے اور اللہ نے ان کے حقوق کی اتنی تاکید فرمائی کہ لوگ سمجھنے لگے تھے کہ میراث کی شرکت کا حکم بھی آئے گا۔

۔ الجار ذی القربیٰ ۔۔ کے لفظی معنی تو قریب کے ہمسایہ ہیں لیکن قریب سے مراد عام ہے۔ مکانی قرب ہو یا نسبی یا دینی قربت۔ سب اس کلمہ میں داخل ہیں، کیونکہ اس کے بعد جار الجنب ۔ دور کے پڑوسی کا تذکرہ ہے۔

جار الجنب ۔۔ دور کا پڑوسی، یہ دوری مکان، عقیدے اور نسب سب کو شامل ہے۔ وسیع مفہوم کے پیش نظر، مرد مومن کے احسان کا دائرہ قریب اور دور کے پڑوسیوں تک ہونا چاہیے۔

پاس یا پہلو کا ساتھی ۔ الصّاحب بالجنب ۔ جنب ۔ پہلو کو کہتے ہیں۔ یعنی رفیق کار درس کا ساتھی ۔ ہم سفر اور پہلو نشین ۔

مسافر ۔ دور از وطن ۔۔ جو تمہارے گھر، بستی یا قرب جوار میں آجائے یا گزرتے ہوئے ٹھہرے۔ اس سے حسنِ سلوک بھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے ۔

لونڈی، غلام ۔ تمہارے خادم اور زر خرید بھی احسان کے مستحق ہیں ۔ آنحضرتؐ اور ائمہؑ نے ان افراد کے ساتھ احسان کی مثالِ بے مثال پیش کی ہے۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ اللہ عزّ اسمہٗ جن لوگوں پر احسان کی تاکید فرمائی ہے ان میں غلاموں اور کنیزوں کا نام اسی طرح رکھا ہے جس طرح والدین اور رشتے داروں کے نام ہیں ۔

۔ انّ اللہ لا یحبّ مختالاً فخوراً ۔۔۔ مختال، اپنی دولت پر اترانے اور اپنی ذات پر گھمنڈ کرنے والا ۔ اپنے پندار میں مبتلا ۔ فخور ۔۔ بڑھ چڑھ کر اپنی دولت مندی اور بڑائی جتانے والا ۔ شیخی خورا ۔ ناشکرا ۔

اللہ عزّ اسمہ، اس سے محبت کرتا ہے جو اس کے حضور عاجزی کرے ۔ اور بندگانِ خدا سے جھک کر ملے ۔ ان کے حالات سے ہمدردی برتے، دوسروں کے کام آئے ۔ خود پسند و مغرور شخص اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے ۔ (نیز دیکھئے سورۃ البقرہ آیت/ ۱۷۷)

ٱلَّذِينَ يَبۡخَلُونَ
وَيَأۡمُرُونَ ٱلنَّاسَ بِٱلۡبُخۡلِ وَيَكۡتُمُونَ مَآ ءَاتَىٰهُمُ
ٱللَّهُ مِن فَضۡلِهِۦۗ وَأَعۡتَدۡنَا لِلۡكَٰفِرِينَ عَذَابٗا مُّهِينٗا

وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ۝ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ۝

ترجمہ

وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل کا حکم دیتے ہیں۔ اور اللہ نے اپنے فضل وکرم سے جو انھیں دیا ہے، اسے چھپاتے ہیں۔ اور ہم نے کفران نعمت کرنے والوں کے لئے رسواکن عذاب مہیا کر رکھا ہے (۳۷) اور جو لوگ اپنا مال لوگوں کو دکھانے کی خاطر خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ یوم آخرت پر۔ اور جس کا ساتھی شیطان ہو اتو برا ساتھی ہو (۳۸) ان کا کیا بگڑتا ۔ اگر اللہ اور قیامت پر ایمان لے آتے اور اللہ تعالیٰ نے جو انھیں دیا اس میں سے خرچ کر دیتے ۔ اور اللہ ان سے خوب واقف ہے۔ (۳۹)

تفسیر

۳۷ ــــ الذین یبخلون و یأمرون ....

انفاق : اللہ عز اسمہ جن خود فریفتہ و متکبر اشخاص کو ناپسند فرماتا ہے ان میں یہ صفت بھی ہوتی ہے کہ وہ لوگ خود تو کنجوس اور مال دوست ہوتے ہی ہیں، اس سے زیادہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کو بھی مال بچانے اور ضرورت مندوں پر خرچ نہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، وہ اللہ کے انعامات و کرم مال، علم اور دوسرے امکانات کو لوگوں کے لئے استعمال نہیں کرتے ۔ ان منکرین حق اور دین کے باغیوں بلکہ کافروں کے لئے رسواکن عذاب کی خبر ہے ۔

سورۃ البقرہ کی آیت ۷۷ میں، اللہ، قیامت، ملائکہ اور آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کے ساتھ ایمان کی شرط عزیز مال کا ضرورت مندوں پر خرچ اور انفاق بھی ہے۔ جو انفاق نہیں کرتے وہ ایمان سے دور ہیں ۔

۳۸ ـــــ والذین ینفقون .....

کچھ لوگ ایسے ہیں جو " انفاق " ـ مال خرچ ـ کرتے ہیں، لیکن اپنے پروپیگنڈے اپنی برتری اور اپنی نمود ونمائش کے لئے اللہ جل جلالہ کی رضا اور اس کے حکم کی تعمیل کے مقابلے میں اپنی ذات اور اپنے ارادے کو اولیت دے کر طاغوت بن بیٹھتے ہیں۔ ایسے آدمی نہ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں نہ قیامت کا اعتقاد رکھتے ہیں، در اصل ان حقائق کا منکر کافر ہے، ان کا ساتھی شیطان ہے اور شیطان کا ساتھی بدترین نتائج سے دوچار ہوتا ہے۔

۳۹ ـــــ وماذا علیھم لو آمنوا .....

یہ لوگ اگر حقائق کو مان لیں، اللہ پر ایمان اور قیامت کا یقین پیدا کرلیں۔ تو ان کا کیا نقصان ہوگا؟ یہ عقیدے تکمیل انسانیت کے لئے ضروری اور فطرت سلیم کے مطابق ہیں۔ دلائل عقل اس کے حق میں ہیں، انبیاء کی تعلیم اور قرآن کریم جیسی عظیم کتاب کی دعوت ہے۔ اس سے دنیا و آخرت میں فائدے ہی فائدے ہیں ـــ وانفقوا مما رزقھم اللہ ـــ دولت رہنے والی چیز نہیں ہے۔ اگر انسان، ایمان باللہ اور ایمان بہ قیامت یعنی اسلامی عقیدے کے ساتھ انفاق مال کرے گا، تو اس کے بہتر نتائج حاصل ہوں گے۔ اللہ، ان کے اعمال و افکار انفاق و ضیاع مال کے جزئیات و کلیات کا علم کامل رکھتا ہے وہ علیم بالذات ہے۔ اس سے کسی چیز کے چھپنے چھپانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نیز دیکھئے، البقرہ آیت ۳ و ۲۷۲ و ۲۷۳ وغیرہ

جناب سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل رحمہ

تفسیر

سورہ نساء آیت نمبر ۴۰ — ۴۳

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿٤٢﴾

ترجمہ:

بلا شبہ، اللہ عز اسمہ کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔ اگر کوئی نیکی کرے تو اللہ اسے دوگنا کرتا ہے اور پھر اپنی طرف سے بڑا اجر عطا فرماتا ہے (۴۰) دسوچو) اس وقت کیا حالت ہوگی، جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے محمدؐ) آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے (۴۱) اس دن — جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور رسول کی نافرمانی کی، یہ چاہیں گے کہ وہ پیوند خاک ہو جاتے، وہ اللہ جل جلالہ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے (۴۲)

تفسیر:

۴۰۔ ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ ....

راہ خدا میں مال خرچ کرنے، اور بھلائی کے کام کرنے والوں کو اطمینان رکھنا چاہئے کہ اللہ عز اسمہ، رحیم ورحمٰن ہے وہ کسی کو اس کے عمل کا بدلہ کم نہیں دیتا، کسی پر ذرا سا ظلم روا نہیں رکھتا وہ ہر عمل خیر کا بدلہ بڑھا چڑھا کر دے گا۔ پھر اپنے حضور سے مزید بڑے بڑے ثواب مرحمت فرمائے گا

۴۱۔ فکیف اذا جئنا من کل امۃ ....

میدانِ حشر میں ساری مخلوق موجود ہوگی اس وقت کے لئے کچھ اعمالِ صالحہ جمع کر لینا چاہئے وہ سفر کی آخری منزل اور جزا و سزا کا طویل ترین لمحہ ہوگا، ہر ایک کا اعمال نامہ اس کے ہاتھ میں اور رسول، نبی یا امام اپنی امت کے ساتھ حضور الٰہی میں لایا جائے گا۔ اور ان سب معصوم گواہوں پر حضرت خاتم الانبیا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطور گواہ کل سب کے آگے ہوں گے، ان کے پیچھے امتِ وسط کا ایک معصوم گروہ یعنی ائمۂ اطہار علیہم السلام، ان کے عقب میں مسلمان امت ان کے عقب میں انبیاء و مرسلین اپنے اپنے عہد کے لوگوں کو لئے ہوں گے۔

شفیع و شہید

سورۃ البقرہ، آیت ۱۴۳، النحل/۸۹، الحج/۷۸، النساء/۶۹ اور آل عمران کی آیت ۸ سے جو باتیں واضح ہوتی ہیں ان میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بارہ امام اعمال امت سے ہر وقت باخبر رہتے ہیں اور ان کے شہید ہونے کا مفہوم بھی یہی ہے اور اسی بنیاد پر انہیں حق شفاعت عطا ہوا ہے۔

حدیث

الکافی میں ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے "فکیف اذا جئنا من کل امۃ ....." کی تفسیر میں فرمایا: یہ آیت امتِ مسلمہ کے بارے میں اتری ہے، اس امت کے ہر دور میں ہم میں سے ایک امام ہوگا وہی امت کا شاہد ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ہم پر گواہ ہوں گے۔

اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمؤمنون" توبہ آیت/۱۰۵ کی

تفسیرِ واضح یہی ہے کہ خاص مومن یعنی ائمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی مسلم ہے

۴۲ ۔ یومئذ یود الذین کفروا .....

حشر کے دن گناہوں کی فہرست اور گواہوں کی صورت دیکھ کر، اللہ کے منکر اور پیغمبر کے نافرمان کہیں گے، زمین پھٹے اور وہ اس میں چلے جائیں، زمین انھیں یوں چھپالے کہ نشان قبر باقی نہ رہے تاکہ کھلی رسوائیوں سے بچ جائیں۔ مگر یہ خیالات ان کو مزید دکھ دیں گے، اب وہ کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔ نامۂ اعمال میں ان کے شرک و کفر و نافرمانی کا کچا چٹھا لکھا ہوگا، گواہ سامنے ہوں گے، عالم الغیب والشہادۃ اللہ عزّوجل محاسب ہوگا۔ مردِ مومن، ہمہ وقت ایسے لمحات کی یاد میں توبہ اور اللہ سے رجوع رکھتا ہے۔ یہی طریقِ تقویٰ اور راہِ نجات ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا
الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا
إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ
أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً
فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ
كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿۴۳﴾

ترجمہ:

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے ہو! نماز کے قریب نشے کی حالت میں نہ جاؤ تاکہ تم کو یہ معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اور نہ جنابت کی حالت میں مگر یہ کہ سفر کررہے ہو یہاں تک کہ غسل کرلو۔ اور اگر بیمار ہو یا مسافر یا بیت الخلا سے فارغ ہوکر آئے ہو۔ یا بیویوں سے مباشرت کی ہو، پھر تم کو پانی نہ ملے۔ تو پاک مٹی کا قصد کرو۔ اور مسح کرو۔ اپنے چہرے اور ہاتھوں کا۔ یقیناً اللہ معاف کرنے، بخشنے والا ہے (۴۳)

تفسیر

لا تقربوا الصّلوٰۃ و انتم سکاریٰ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نماز دین کا ستون ہے، اس بنا پر اس فریضے کی انجام دہی میں اہتمام واجب ہے۔ اس اہتمام میں ایک بات یہ ہے کہ نشے کی حالت میں نماز ادا نہ کی جائے۔ نشہ ممنوع ہے کہ نماز میں اظہار بندگی، اقرار توحید اور سراپا عاجزی کا بیان اگر زبان کے ساتھ عقل و فکر کی ہم آہنگی نہ ہو تو نماز کا مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ نماز میں جو کچھ کہنا اور پڑھنا ہے وہ بقائمی ہوش و حواس پڑھنا چاہیئے کہ تزکیہ نفس و حصول قرب کا مدعا حاصل ہوسکے۔ یہ آیت حرمت شراب کیلئے سند ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت دو سو انیس میں شراب کو مذمت میں ہونے کا شریک کیا اور سورۃ المائدہ ۹۰/ میں شراب سے اجتناب کو واجب اور حرمت شراب کو حتمی کردیا۔

حلبی نے امام سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو امام نے "سکر" کے معنی بتائے "سکر النوم" مطلب یہ ہے کہ اونگھ اور نیند کی زیادتی تمہیں تکبیر و رکوع و سجود میں سمجھنے نہیں دیتی کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ یہ خیال غلط ہے کہ مومن شراب میں مست ہوسکتے ہیں۔ مومن تو نشہ آور چیز نہ پیتا ہے نہ وہ نشے میں رہتا ہے۔ (تفسیر عیاشی)

الکافی میں ایک باب ہے " انّ الخمر لم تزل محرّمۃ" شراب ہمیشہ حرام رہی ہے اس ضمن میں کلینی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد احادیث نقل کیے ہیں۔ اور ڈاکٹر فرانسس ویکفیلڈ نے شواھد اسلامیہ و مسیحیہ و یہودیہ میں تورات و انجیل کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ شراب گزشتہ امتوں میں حرام تھی۔ نیز دیکھئے کتاب "امثال سلیمان نبی۔ کتاب "اشعیا نبی" اور "انجیل لوقا"

ـــ ولا جنباً الّا عابری سبیل ـــ اس سے فقہا نے دو حکم معلوم کئے ہیں۔

(الف) جنب کی حالت میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، ایسے شخص پر نماز سے پہلے غسل کرنا واجب ہے۔

(ب) جنابت کی حالت میں مسجد کے اندر داخلہ حرام ہے ـ لا تقربوا ـ یعنی ـ ولا تدخلوا جنباً فی الصلوٰۃ الّا عابری سبیل ـــ اور صلوٰۃ سے مراد مسجد ہے اصلاً اور حقیقتاً یا مظروف سے ظرف یعنی نماز سے مکان نماز مراد ہے۔ تفسیر کا یہ نکتہ حدیث سے ثابت ہوا ہے۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ مسجد نبی میں کھلنے والے سب دروازے بند کرنے کا حکم آنحضرتؐ نے جاری فرما دیا صرف اپنا اور حضرت علیؑ کا دروازہ کھلا رہنے کی اجازت دی کہ اللہ عزّوجل کی رضا یہی تھی۔

۔ حتیٰ تغتسلوا ۔ جو شخص جُنُب ہو وہ سفر کی حالت میں بھی بلا غسلِ جنابت کئے نماز نہ پڑھے۔ یا مجنب افراد غسلِ جنابت کرنے کے بعد ہی مسجد سے گزر سکتے ہیں۔ دیکھئے المائدہ/۶

آیت میں ۔ صلوٰۃ ۔ ایک جملے میں دو معنوں میں استعمال ائمہ اہل بیتؑ اور دوسرے مفسرین کی توضیح و تعیین کی بنا پر جائز ٹھہرا ہے۔

۔ وان کنتم مرضیٰ او علیٰ سفر ۔ نماز پڑھنا ہو اور بیماری کی بنا پر پانی کا استعمال نقصان دہ ہو یا سفر میں پانی دستیاب نہ ہو ان صورتوں میں تیمم کی اجازت ہے۔

۔ او جاء احد منکم من الغائط ..... رفع حاجت کر کے آنا۔ نہایت اعلیٰ استعارہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وضو یا غسل کی حالت تھی اور رفع حاجت کی ضرورت پڑی یا لمسِ نساء ۔ مباشرت کر لی اس کے بعد نماز کا وقت آ گیا اور نماز پڑھنا چاہی، لیکن رفع حاجت کرنے والے کو وضو کے لئے اور مباشرت کرنے والے کو غسل کے لئے پانی میسّر نہ ہو تو ان دونوں کو تیمم کی اجازت ہے۔

تیمّم

۔ فتیمّموا صعیداً طیّباً، فامسحوا بوجوھکم ۔

تیمم، لغت میں "قصد کرنا" اور اصطلاحِ شرع میں معیّن طریقے سے ہاتھ اور چہرے پر مٹی سے مسح کرنا ہے۔

۔ صعید ۔ خاک یا سطحِ زمین۔

"بوجوھکم" میں "ب" کچھ اور بعض کے معنوں میں ہے۔ یعنی چہرے اور ہاتھوں کے بعض حصے۔ یہ بعض حصے حدیث سے معیّن ہوتے ہیں۔ تیمم کے بارے میں پوری گفتگو سورۂ مائدہ کی چھٹی آیت میں ہو گی۔ یہاں، تیمم کے طریقے کا سادہ بیان درج ہے۔

نیت کے ساتھ، دونوں ہتھیلیوں کو انگلیاں ملا کر خاک پر مارنا، پھر خاک جھاڑ کر، بالوں کے اُگنے کی جگہ سے بھووں اور دونوں کنپٹیوں کے درمیان یوں پھیرنا کہ پوری پیشانی پر دونوں ہتھیلیوں کے آخری حصّے مسح کریں، اس میں ناک کا بالائی حصہ بھی آجائے۔ پھر داھنے ہاتھ کے گٹے سے لے کر ناخنوں کے سرے تک پشت دست اور اس کے بعد سیدھی ہتھیلی سے الٹے ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر کلائی سے ناخنوں کے کنارے تک مسح کرے۔ مسح کے وقت پیشانی اور جس ہاتھ کا مسح کرنا ہے اسے ہلنا نہ چاہیئے۔

ـــ انّ اللّٰہ کانَ عفوّاً ... ـــ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے وہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے، بندے کو اس کے عفو و غفران سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔

غبار آلود، ہاتھ اور منہ عاجزی کا بہترین اظہار ہے۔ پیشانی پر خاک علامت ہے کہ بندہ حضور الٰہی میں رحمت طلبی کو حاضر ہے۔
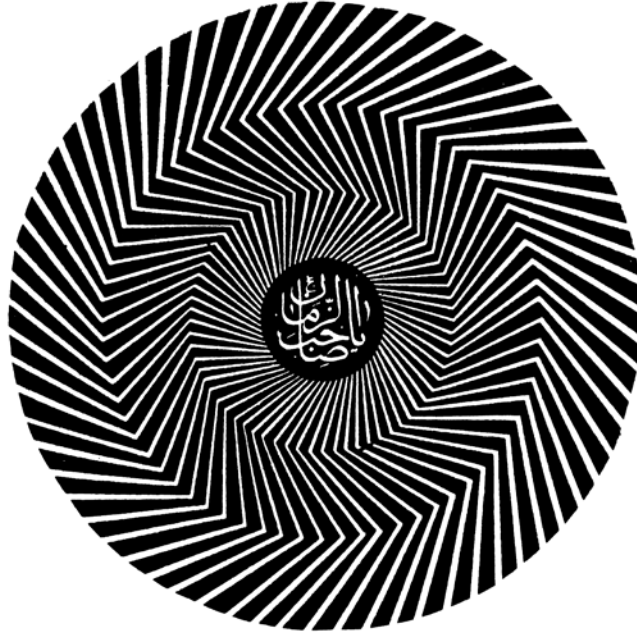
جناب مرتضیٰ حسین صدر الافاضل

تفسیر

سورہ نساء آیت نمبر ۴۴ — ۵۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ
يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

ترجمہ

کیا ان لوگوں کو تم نے نہیں دیکھا، جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا، وہ گمراہی مول لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بے راہ ہو جاؤ۔ (۴۴) اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور سرپرستِ کامل اللہ، اور مددگارِ مکمل اللہ ہی ہے (۴۵)

تفسیر

۴۴- الم تر الی الذین اوتوا نصیباً......

تنبیہ و تعجب کے ملے جلے انداز معجز نما میں یہود و نصاریٰ کے رویے کا بیان ہے۔ ان

لوگوں کو تورات و انجیل کا ایک حصہ ملا، لیکن ان لوگوں نے اسے فائدے کے بجائے نقصان کے لئے استعمال کیا اس کی رہنمائی کے برعکس راستہ چلے اور یہ فکر رہی کہ تمہیں بھی اپنی الٹی تعلیم سے متأثر کر کے صراط مستقیم سے منحرف کر دیں۔

تورات

"کتاب کا کچھ حصہ" ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں یہودیوں کے پاس صرف ایک جزو تورات موجود تھا، باقی کتاب جو وہ لوگ پڑھتے پڑھاتے تھے وہ خود ساختہ تھی۔ جیسا کہ اس آیت میں اور آیت نمبر ۱۷ کا دن میں ہے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ جو حصہ ان کے پاس تھا اس میں بھی غلط تاویلیں کرتے اور چونکہ عبارت پر اعراب نہ تھا لہٰذا لفظوں اور معنوں میں الٹ پھیر ان کا روزمرہ تھا۔ ان کا مقصد تھا کہ عوام کو ان کے اسلام کی طرف مائل نہ ہونے دیں اور ہو سکے تو مسلمانوں کو یہ حوالے دے کر گمراہ کر دیں۔ آج بھی ان کا یہ عمل جاری ہے۔ نیز دیکھیے سورۂ آل عمران آیت/۹۳

۴۵ - واللہ اعلم باعداءکم ....

مسلمانو! اللہ اور صرف اللہ پر بھروسہ کرو، وہی کافی و غالب ہے۔ یاد رہے کہ اسے تمہارے دشمنوں کا علم ہے اور یہود و نصاریٰ تمہارے دوست نہیں ہیں، ان سے بچنا عقل و دانش کا تقاضا ہے۔

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ وَلَٰكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٤٦﴾

ترجمہ

وہ لوگ جو یہودی بن گئے ہیں ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کلمات کو ان کی جگہ

(وضع ومحل سے ہٹادیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں: "سمعنا وعصینا" اور اِسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ" اور "راعنا"۔ زبان کو مروڑ کر اور دین پر نیش زنی کے طور سے۔ اور اگر وہ کہتے، "سمعنا واطعنا" اور "اِسمع وانظرنا" تو ان لوگوں کے لئے بہتر اور راست بازی کی بات تھی۔ لیکن ان پر تو ان کے کفر کی بنا پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ ان میں صرف چند آدمی ہی ایمان لائیں گے (۴۶)

تفسیر

سرور کائنات ﷺ سے یہود کی بے ادبی

تورات میں یہودیوں کی تحریف کا ایک طریقہ یہ تھا کہ وہ الفاظ کو بے محل استعمال کرتے اور آواز یا لہجہ بدل کر لفظ کو کچھ سے کچھ کر دیتے تھے، یہ عادت اور شرارت یہاں تک بڑھی کہ رسول اللہ کی گفتگو کے دوران، آوازیں بلند کر کے کہتے تھے "سمعنا" ۔۔ ہم نے سنا۔ اور "عصینا" ہم نے کہا نہ مانا۔ اور "راعنا"۔ ہماری رعایت کریں۔ یہ کلمے اصل لفظوں کی صوتی کیفیت بدل کر ادا کرتے۔ دراصل وہ ظاہر کرتے تھے کہ محاورے کے مطابق "سمعنا و اطعنا۔" ہم نے سنا، ہم اطاعت گزار ہیں۔ کہہ رہے ہیں۔ مگر حقیقت میں ۔۔ اطعنا ۔۔ کو "عصینا" کہتے تھے۔ یعنی دل کی آواز سناتے اور حضرت کا مذاق اڑاتے تھے۔ ہم نے سنا، ہم نہیں مانتے۔ (نعوذ باللہ)

اسی طرح ۔ اِسْمَعْ ۔۔ سنیئے ۔۔ اور پھر لہجہ بدل کر کہتے ۔۔ غَیْرَ مُسْمَعٍ ۔۔ جس کے عام معنی تو یہ ہیں کہ آپ کے خلاف کوئی بات نہیں سنائی جاسکتی۔ مگر وہ مطلب لیتے تھے کہ آپ اس قابل نہیں کہ آپ کو کوئی بات سنائی جائے یا پھر خدا بہرا کر دے۔ یہی بات ۔۔ راعنا ۔ کی تھی کہ اچھے معنے تو اس کے یہی ہیں کہ ہماری رعایت فرمائیے۔ مگر وہ اس سے مراد لیتے تھے۔ ہمیں احمق بناؤ یا دوسرے لہجے میں۔ ہمارے چرواہے۔ (نعوذ باللہ)

دراصل ان لوگوں میں ایمان کی حس باقی نہیں رہی، بس تھوڑے سے آدمی اسلام قبول

کرلیں تو کرلیں ۔ آج بھی ان قوموں کا یہی انداز ہے ۔
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے حضور آتا ئے گفتگو اگر کچھ کہنا ہے تو سمعنا و اطعنا ۔
ہم نے سنا، ہم نے مانا ۔ اِسْمَعْ ۔ سنیے، اور ۔ انظرنا ۔ توجہ فرمایئے ۔ کہنا چاہیئے
آوازیں بدلنا اور آوازے کسنا بے ادبی اور دین کا مذاق اڑانا ہے ۔ اس سے پرہیز واجب ہے ۔
نیز، دیکھیے البقرۃ آیت ۱۰۴ ۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا
مَعَکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤی اَدْبَارِهَاۤ
اَوْ نَلْعَنَهُمْ کَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

ترجمہ

اے وہ لوگو جن کو کتاب دی گئی ہے ۔ تم اس کتاب پر ایمان لے آؤ جو ہم نے (اب)
نازل کی ہے ۔ اور جو کتاب اس کی تصدیق کرتی ہے جو تمھارے پاس پہلے سے تھی ۔
اس سے پہلے (ایمان لے آؤ) کہ ہم چہرے مٹا کر پیچھے پھیر دیں، یا ہم اسی طرح لعنت
کریں ۔ جیسے ہم نے "سبت والوں" پر لعنت کی تھی ۔ اور اللہ کا حکم تعمیل شدہ
ہوتا ہے ﴿۴۷﴾

تفسیر

یہودیوں کو ہفتے کے دن مچھلی کے شکار سے منع کیا گیا تھا مگر وہ نہ مانے آخر اللہ نے انھیں
مسخ کر دیا وہ بندر ہو گئے اور اسی عذاب میں ان کی جان گئی ، دیکھئے سورۃ البقرہ آیت / ۶۵
نیز الاعراف والمائدہ ۔
زیر نظر آیت میں فہمائش ہے کہ ماضی سے عبرت حاصل کر کے ، احکام خدا اور تعلیمات پیغمبرؐ
پر عمل کرنا چاہیئے ۔ ورنہ سرتابی کا نتیجہ برا ہوتا ہے ۔ اللہ کی طرف سے لعنت ہوتی ہے اور

اصحاب سبت پر عذاب جیسا عذاب نازل ہوا کرتا ہے۔ اللہ کے حکم کا نفاذ ہو کے رہتا ہے اور اس کی دی ہوئی سزا کوئی ٹال نہیں سکتا۔

إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِۦ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِٱللَّهِ فَقَدِ ٱفْتَرَىٰٓ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿٤٨﴾

ترجمہ

بلاشبہ اللہ اسے نہیں بخشے گا جو اس کا شریک مانے اور بخشے گا اس کے علاوہ جسے چاہے۔ اور جس نے اللہ کا شریک بنایا اس نے بہت بڑا گناہ گڑھ لیا (۴۸)

تفسیر

امید آفریں آیت (توبہ)

محدثین و متکلمین، مفسرین اور عام مسلمانوں کے لئے یہ آیۂ مبارکہ بہت سے فوائد والنوار کا سرچشمہ ہے۔ آیت کا سیاق و سباق بتاتا ہے کہ اہل کتاب، تعلیمات انبیاءؑ کے برخلاف بت پرستی و شرک میں مبتلا ہو چکے تھے کسی کا عقیدہ ہے کہ وہ فرزندانِ خدا ہیں، کوئی مسیح کو ابن اللہ کہہ کر "تین میں ایک" کا فلسفہ لئے بیٹھا ہے اور مریمؑ و مسیحؑ کی تصویریں اور مجسمے پوج رہا ہے۔ آیت نے ان جیسے عقائد رکھنے والوں کو سخت ترین تنبیہ کی اور اعلان فرمایا۔ اللہ عز اسمہ، ہرگز شرک کا گناہ معاف نہیں کرتا، یہ شرک من گڑھت بات اور بہت بڑا جرم ہے۔ اس سے فوراً توبہ کر کے توحید خالص کا عقیدہ اختیار کر لینا چاہئے۔ مشرک یہود و نصاریٰ، مجوس و صابئی اور دوسرے عقائد چھوڑ کر اسلام کا حلقہ بگوش ہونا مغفرت کا ذریعہ ہے۔

یغفر ما دون ذالک ـــــ شرک کے علاوہ ہر گناہ بخشا جائے گا۔

احادیث میں بکثرت یہ مضمون وارد ہے کہ اللہ عز و جل کی رحمت پر بھروسہ کرنا چاہئے اور حسن ظن باللہ مومن کی صفت ہے۔ اہل تقویٰ جہاں اللہ کے عدل و غضب سے ڈرتے ہیں وہاں اس کی رحمت و تفضل پر اعتماد بھی رکھتے ہیں۔

علم کلام میں "توبہ" کی بحث اور حبط اعمال و عطاء مغفرت پر جو گفتگو ہے اس کا مرکز بھی قرآن کی یہ آیت اور اسی مفہوم کی دوسری آیتیں اور حدیثیں ہیں۔

شرک

قرآن مجید میں شرک سے متعلق آیات پر غور کرنے سے، شرک کے تین اقسام معلوم ہوتے ہیں:۔

۱۔ تخلیق میں شرک ـــ سورۂ انعام / ۱۰۰

میں اشارہ ہے کہ لوگ دنیا کے الگ الگ خالق مانتے ہیں۔ ان میں شہرت قدیم ایران کے اس عقیدے کی ہے کہ یزدان کو خالقِ نور و خیر۔ اور اہرمن کو خالق ظلمت و بدی مانا جاتا تھا سورۂ انعام / ۹۱ میں اس فلسفے کی تردید ہے۔

۲۔ تدبیر عالم میں شرک ـــ یونان و عربستان کی قدیم قومیں عقیدہ رکھتی تھیں کہ جنگ اور امن، علم اور دولت وغیرہ کے دیوتا اور دیویاں ان چیزوں کی خالق ہیں، افریقہ اور ایشیا میں اس عقیدے کو بہت تفصیل کے ساتھ آج بھی ہندو اقوام میں دیکھا جا سکتا ہے روم و مصر بلکہ چین میں بھی ان سب کو سمیٹ کر "تین" دیوتاؤں میں جمع مانا جاتا تھا۔ ہندو مندروں میں "تری مورتی" موجود ہے۔ یہ تین دیوتا ہیں۔ وشنو، شیو، اور برھما۔ اسی کی ایک تعبیر ہے "اقانیم ثلاثہ" باپ، بیٹا اور روح القدس، یہ عقیدہ عیسائیوں کے یہاں عام ہے۔

ستارے، درخت، دریا۔ دیو، جن اور بھوت جیسی مخلوق بھی مدبّر عالم مانی جاتی تھی۔ قرآن کریم نے ان کو بھی غلط و مہمل قرار دیا اور اللہ کو خالق و مدبر و مالک مطلق ثابت کیا ہے۔

۳۔ عبادت میں شرک ـــ لوگ اللہ عزّوجلّ کی عبادت کے بجائے دیوی، دیوتاؤں ہی کی پوجا کافی سمجھتے تھے، جیسے آج بھی سورج، درخت، پتھر، بلکہ آدمی بھی معبود سمجھے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ، فرعون، نمرود، چاند، ستارے، سورج، گائے، بیل اور گوسالہ کی پوجا کے حوالے ہیں اور ان پوجاؤں کی شدید مذمت ہے۔

اسلام، توحید خالص کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے فلسفۂ حیات کی بنیاد مذکورہ اقسام شرک کی نفی ہے۔ اسلام کا اعلان اور مسلمانوں کا نشان ہے لا الٰہ الّا اللہ ـ اور ـ ایّاک نعبد

وایاک نستعین ۔ عبادت ، وحدہ لاشریک اللہ کی اور قوت واقتدار صرف اللہ ہی کو حاصل ہے اس لئے امداد و رجوع بھی اسی سے متعلق ہے ۔ دیکھئے اسی سورے کی آیت/ ۹۳ و ۱۱۶ و ۱۱۷

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝۴۹ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۵۰

ترجمہ

کیا تم نے ان پر غور نہیں کیا جو اپنے آپ پاک ذات بنتے ہیں ؟ دراصل اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے اور بال برابر بھی ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا (۴۹) دیکھو۔ وہ لوگ اللہ پر کیسے کیسے جھوٹے طوفان باندھتے ہیں ؟ اور یہی بات کھلے (واضح) گناہ کے لئے کافی ہے (۵۰)

تفسیر

۴۹ ـــ الم تر الی الذین یزکون ....

یزکون : مادہ زکو ہے ۔ زکواۃ کے معنی ہیں نشوونما پانا ، بڑھنا ، پھیلنا ، پھولنا ۔ زکیٰ ، یزکیٰ ۔ فعل متعدی ہے ۔ معنی ہیں بڑھانا ، یزکون ، وہ لوگ اپنے تئیں بڑا جتاتے ۔ پاک باز بنتے بناتے ہیں ۔ دیکھیے آیت ستتر ۔

فتیل : کھجور کی گٹھلی یا چیر سے نکلنے والا باریک ریشہ ، دو انگلیوں کے درمیان کی گھائی میں جمی ہوئی میل کی بتی ۔

سورۂ بقرہ کی آیت ایک سو گیارہ میں ان لوگوں کا تذکرہ گزر چکا اور یہود و نصاریٰ کا دعویٰ کہ وہ برتر مخلوق یا فرزندان خدا ہیں جھٹلایا جا چکا ۔ اس آیت میں اس احساس کی مذمت کے ساتھ ، ہر قسم کی پاکیزگی کو اللہ عز اسمہ نے اپنے لئے مخصوص کیا ہے ۔ وہی جسے چاہتے قابل مدح قرار دے ، اور جسے وہ ممدوح بناتا ہے وہ اپنے فضائل خود بیان کرنے کا رویہ چھوڑ دیتا ہے ، اس کا عالم تو یہ ہو جاتا ہے کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں اپنے نفسیات کو یوں بیان کرتا ہے :۔

"ولا ترفعنی النّاس درجۃ الّا حطَطتنی عند نفسی مثلھا ولا تحدث لی عزّا ظاھرا الّا احدثت لی ذلّۃ باطنۃ عند نفسی بقدرھا۔" (دعاء مکارم الاخلاق)

یا اللہ! لوگوں میں جو بھی بلندیِ درجات مجھے دینا، اسی قدر میرے ضمیر میں مجھے گھٹا دینا۔ اور جو بھی ظاہری اعزاز مجھے عطا فرمانا اتنی ہی میرے دل میں میری حقارت پیدا کر دینا۔ (امام زین العابدینؑ)

خودستائی کا نتیجہ طاغوتیت اور فروتنی کا نتیجہ تقویٰ ہے۔ سورۃ النجم میں اسی فلسفے کو اللہ نے یوں بیان کیا ہے۔

"فلا تزکّوا انفسکم ھو اعلم بمن اتّقی" خودستائی نہ کرو، اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے کہ اس سے تقویٰ رکھنے والا کون ہے۔

انسان وانسانیت کا کمال تقویٰ ہے۔ خودستائی نہیں ہے۔

۵۰۔ انظر کیف یفترون علی اللہ ......

انسان میں خوبی نہ ہو اور وہ اپنی بڑائی جتائے اور خدا کی عطا بتائے، اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتا ہے۔ اسی کو کھلم کھلا گناہ کہتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾

ترجمہ

کیا تم نے ان پر توجہ نہیں کی، جن لوگوں کو کتاب کا تھوڑا حصہ دیا گیا تھا، وہ جبت اور طاغوت پر یقین رکھنے لگے اور کہنے لگے کفر کرنے والوں کے لئے یہ تو ایمان لانے والوں سے زیادہ راہ راست پر ہیں (۵۱) یہی وہ لوگ ہیں

جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کرے اس کا مدد گار کسی کو نہ پاؤ گے (۵۲)

تفسیر

۵۱ــــ الم تر الی الذین اوتوا نصیبا . . . .

جبت: بت، شیطان، جادو، جادوگر، ٹونے ٹوٹکے، بے فائدہ چیز۔ کہتے ہیں کہ حبشی زبان میں "جبس" ہے۔

طاغوت: اللہ تعالیٰ سے سرکشی کرنے والا۔ حدودِ قانونِ الٰہی کو پیچھے چھوڑنے والا شیطان۔ بت بے عقیدہ و بے کردار لوگ کبھی اپنی بات دوسروں سے منوا کر من مانی قیادت سنبھال لیتے ہیں، اور جب اپنی تدبیروں میں ناکام ہوتے ہیں تو ادنیٰ اور غلط افکار و افراد کی بڑائی تسلیم کر کے حق کی توہین اور حق پرستوں کو مرعوب کرنے کی ناکام کوشش سے باز نہیں آتے۔

جنگ احد میں یہودیوں نے مسلمانوں کی تباہی کا خیال پختہ کر رکھا تھا۔ جب یہ آرزو پوری نہ ہوئی تو کعب بن اشرف اور حی بن اخطب مسلمانوں کے خلاف ساز باز کرنے ابوسفیان کے پاس گئے، طویل گفتگو کے نتیجہ میں ان دونوں نے مشرکوں کے بتوں اور ان کے عقائد کی تائید اور مسلمانوں کے تعلیمات کی تردید کی۔ بت پرستوں کو توحید پرستوں سے بہتر قرار دیا۔

قرآن کریم نے اس رویے کی مذمت کر کے یہ اصول سمجھایا کہ اسلام کے مقابلے میں دوسرے افکار کی تائید جرم ہے۔

۵۲ ــــ اولٰئک الذین لعنھم اللہ . . . . .

اسلام کے مقابلے میں دشمنانِ اسلام کو بہتر سمجھنے والوں کی سزا، اللہ کی طرف سے ان پر لعنت اور اس کے نتیجے میں ہر قسم کی امداد سے محرومی ہے۔ یہودِ مدینہ نے اس کا مشاہدہ بھی کر لیا، اور مشرکینِ مکہ ان کو مدد نہ دے سکے۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿۵۳﴾
اَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلٰى مَا آتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ آتَيْنَا

آلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ
مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِیْرًا ﴿۵۵﴾

ترجمہ

کیا حکومت میں ان کا کوئی حصہ ہے ؟ اگر (حصہ) ہو تو لوگوں کو جھنجی کوڑی بھی نہ دیں (۵۳) کیا یہ لوگ ان سے اسی لئے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل (نبوت و امامت) سے نوازا ہے ؟ تو ہم نے آل ابراہیمؑ کو کتاب وحکمت عطا کی اور انھیں عظیم ملک دے دیا (۵۴) پھر، ان میں سے کچھ ایمان لے آئے اور کچھ لوگوں نے اس سے منہ پھیر لیا، اور ان کے لئے دوزخ کی بھڑکتی آگ کافی ہے (۵۵)

تفسیر

۵۳ — ام لهم نصيب من الملك . . . .

نقیر : نقر، کوٹنا، سوراخ کرنا، بگل بجانا، کھجور کی گٹھلی کا چھوٹا سوراخ، ناکارہ و بے قیمت ۔ جیسے کیڑا لگی گٹھلی بے کار ہوتی ہے، اسی طرح سوراخ دار اور اوپر سے ٹوٹی کوڑی بھی بے قیمت ہوتی تھی یہ ان دنوں کی بات ہے جب کوڑی چلتی اور گٹھلی بکتی تھی ۔ آج اس سے مراد حقیر و بے قیمت چیز ۔

اسلام دشمنی میں یہودی یوں فیصلہ کر رہے ہیں جیسے ان کو اقتدار مل گیا ۔ حالانکہ یہ قوم اپنے کردار کی بنا پر ایسی ہے کہ اگر انھیں اقتدار مل جائے تو کسی کو ذرہ بھر بھی فائدہ نہ اٹھانے دیں، یہ لوگ بڑے خود پرست ہیں ۔

۵۴ — ام يحسدون الناس . . . .

اصل میں نہ یہ حاکم ہیں نہ قاضی ان کو جلن اور حسد ہے، یہ اللہ کے اس انعام سے چراغ پا ہیں کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو نبوت و امامت انبیاء کیوں بخشی ۔ حالانکہ انھیں اولاد ابراہیم علیہ السلام کو امامت دیئے جانے کا علم ہے، ہم نے فرزند ابراہیمؑ کو اسی

ضابطے کی بنا پر کتاب و حکمت و ملک عظیم عطا کیا ہے۔ یہ بات موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام سب کو بتا چکے ہیں، تورات و انجیل میں موجود ہے۔

کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور حقائق دین سے آگاہی و کمالِ معرفت الٰہی کو حکمت کا نام دیا گیا ہے "ملک عظیم" سے مراد، دنیا کی امامت و رہنمائی اور اقوامِ عالم پر قائدانہ اقتدار ہے جو قرآن کے علم کامل اور حکمت قرآن کے مطابق عمل کرنے والے حضرات کو اللہ نے عطا کیا ہے۔

امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کی احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ۔ "ناس" سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی ذریت طاہرہ ہے، آل ابراہیم علیہ السلام ہم ہیں، ہمیں علم کتاب و حکمت اور ملک عظیم دیا۔ ہم "محسود" ہیں۔

۵۵۔ فمنہم من اٰمن بہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

منکروں میں کچھ لوگ دلائل کی وجہ سے قرآن پر ایمان لے آئے اور کچھ لوگوں نے حسد سے کام لیا اور بات نہ مانی ان اسلام قبول نہ کرنے والوں کی سزا جہنم کا خوفناک عذاب ہے۔

حسد، بجائے خود جہنم ہے۔

انسانی جذبات و اخلاق میں ایک حس ہے جس کا نام "جلنا" یا حسد، یعنی کسی کو خوشحال، باکمال و با اقتدار دیکھ کر پیچ و تاب کھانا، اس کے خلاف برے خیالات قائم کرنا اور یہ آرزو کہ اس شخص کا یہ حال نہ رہے۔ حسد کا سبب آدمی کا احساسِ کمتری ہے۔ جب آدمی اپنی شخصیت اور اپنی صلاحیتوں کو ہیچ سمجھ لیتا ہے، تو وہ دوسرے کی عزت دیکھ کر نفسیاتی بیماری اور ذہنی مرض میں مبتلا ہو کر اپنی قوتوں کو تباہ کر دیتا ہے اور دوسرے کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا قرآن کریم و احادیث میں اس بری عادت سے بچنے کی تاکید ہے۔ بے حسد آدمی خوشحالی اور ذات و صفات و حالات کی بہتری و ترقی کے اچھے رویوں کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے وہ خود بھی بڑا بنتا ہے اور دوسروں کو بھی بڑا دیکھنا چاہتا ہے۔ اس سے معاشرے میں اچھی قدریں ابھرتی ہیں۔ اس کے خلاف حسد سے، اچھائیاں کم ہوتی ہیں اور یہ جذبہ آدمی کو یوں ہلاک، خاک کر دیتا ہے جیسے آگ لکڑی کو، کوئلہ اور راکھ بنا دیتی ہے۔

*

جناب مرتضیٰ حسین صدر الافاضلؒ

تفسیر

(سورہ نساء آیت نمبر ۵۶-۵۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الَّذِیْنَ

کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ
جُلُوْدًا غَيْرَھَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْھٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَھُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُھُمْ ظِلًّا
ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾

ترجمہ

جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو نہ مانا، یقیناً انھیں ہم جلد ہی آتش جہنم میں ڈالیں گے
جب ان کی کھال جل بھن جائے گی تو ہم دوسری کھال بدل دیں گے تاکہ وہ
عذاب (کی سختی) چکھیں اللہ بڑی قدرت کا مالک، حکمت والا ہے (۵۶)

اور جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے، ہم ان کو جلد ہی ایسے باغوں میں داخل کردیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں وہ دوامی طور پر رہیں گے، وہاں ان کے لئے پاک طاہر بیویاں ہوں گی اور ہم ان کو خوشگوار گھنے سائے میں داخل کریں گے ﴿۵۷﴾

تفسیر

۵۶۔ ان الذین کفروا بایٰتنا..............

نَصْلِی: اِصْلا، آگ میں تپوانا۔ آگ میں ڈالنا۔ **نَضِجَ**: پک جانا۔ بھن جانا۔

چوالیسویں آیت سے ان دونوں آیتوں تک یہود بلکہ نصاریٰ اور مشرکوں کے رد بہ ان کی سازشوں، اسلام دشمنی اور دلائل حق کے انکار کی بات ہو رہی ہے۔ اس سلسلۂ بیان کے آخر میں سزا کی خبر اور جزا کی بشارت دی جارہی ہے۔

اسلام کے پیام کو نہ ماننے والے یقین رکھیں کہ آیات و دلائل کے بعد بھی جو لوگ ایمان نہ لائے انھیں چند روزہ زندگی کے بعد دوزخ میں جلنا ہوگا، وہاں کھال جلتی جائے گی اور اس کی جگہ دوسری جلد بدلتی جائے گی۔ چونکہ حسِ لامسہ، ٹھنڈک اور گرمی محسوس کرنے کی قوت ظاہری جلد سے زیادہ تعلق رکھتی ہے لہٰذا یہ نہ سمجھا جائے کہ آگ میں گئے تو ایک مرتبہ جلے اور کام تمام ہوا بلکہ عذابِ جہنم میں جلد پر جلد آتی اور شدت اذیت برابر محسوس ہوتی رہے گی۔ اللہ چونکہ قادر و حکیم ہے لہٰذا یہ سب اس کے حکیمانہ اختیار میں ہے۔

آیت میں ۔ صلی ۔ اور ۔ نَضِجَ ۔ کا استعمال بڑی لطافت بیان رکھتا ہے۔

۵۷۔ والذین آمنوا وعملوا الصّالحات.......

منکروں اور کافروں کے مقابلے میں دوسرا گروہ، بات سمجھنے اور دلیل ماننے والوں کا ہے یہ لوگ ایمان لے آتے ہیں، پھر جو حقائق مان لیتے ہیں ان کے نتیجے میں صالح اعمال بجالاتے رہتے ہیں ایسے مومنوں کو جسمانی و روحانی راحت و رحمت کے مسکن ملیں گے، آرام وہ محل، ہرے بھرے باغ اور ان میں حسین پانی کی نہریں اور شریک زندگی طاہر و پاکیزہ ساتھ ہوں گے۔

دونوں آیتوں سے واضح ہوتا ہے کہ جزا اور سزا کا تعلق اسی جسم وجان سے ہوگا، فقط روح کی لذت و الم والی بات غلط ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا ۙ وَ اِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمۡ بِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ﴿۵۸﴾

ترجمہ

اللہ، تم (مسلمانوں) کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کے سپرد کر دو۔ اور جب لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ اللہ، جس بات کی تمہیں نصیحت کرتا ہے وہ بہت ہی اچھی ہے۔ بے شک اللہ عز اسمہ سننے اور دیکھنے والا ہے (۵۸)

تفسیر

۵۸۔ ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا ....

یہود کی خیانت کاریوں کے پس منظر میں مسلمانوں کو انحراف سے روکنے اور اسلامی تعلیمات کو مسلسل و مؤثر رکھنے کے اس آیت میں دو ضابطے بیان ہوئے ہیں (۱) امانت کی بحفاظت واپسی (۲) عدل پر مبنی فیصلے

امانت

فکری امانت۔ اعتقاداتِ توحید و عدل نبوت و امامت و قیامت۔

علمی امانت۔ کتاب و سنت، تاریخ و فلسفۂ اسلام، ثقافت اور اسلامی علوم و تعلیمات و آثار۔

عملی امانت۔ اسلامی رویے اور معاشرتی تعاون و معاملات۔ اموال۔ ذخائر۔ منصب اور ذمہ داریاں اور اخلاق۔

ہر قسم کی امانت کی حفاظت اور ادائیگی کرنا واجب ہے۔ امانت جس طرح دی گئی ہے اسی طرح اسی حالت میں واپس کرنا لازم ہے۔

اسلام، اللہ عزوجل کی امانت ہے۔ قرآن و اہل بیت رسول اللہ کی دی ہوئی امانتیں ہیں۔ دنیا میں ان کی نگہداشت ہم پر فرض ہے قیامت میں مسلمانوں سے ان کا محاسبہ ہوگا

سیرتِ نبیِ اعظم

قبل از اعلانِ اسلام و بعدِ اعلانِ رسالت، مشرکینِ مکہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنی امانتیں رکھواتے تھے، ہجرت کے وقت حضور وہ امانتیں اپنے ساتھ مدینہ لے جا سکتے تھے۔ مگر امین و صادق رسول نے یہ نہ کیا۔ امانتیں اپنے بھائی اور وصی علیؑ کو دیں جنھوں نے وہ چیزیں ان کے مالکوں کو واپس فرمائیں اور کسی مکی نے کبھی یہ نہیں کہا کہ حضورؐ نے امانت میں تصرف کیا ہے، اور علی ابن ابی طالب نے ہماری چیز بدل کر دی۔

بعدِ فتح مکہ، آپ نے درِ کعبہ کی کنجی طلب فرمائی، دروازہ کھولا، علیؑ کے ساتھ بتوں کو توڑا، باہر آئے تو کنجی حضرت علیؑ یا عباسؓ، کو دینے کے بجائے عثمان بن طلحہ کو واپس کر کے ادائے امانت کی بلند ترین مثال قائم کی۔

بروایتِ الکافی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: "**المجالس بالامانۃ**" مجلسیں امانت پر مبنی ہوتی ہیں۔ یعنی معاشرے میں ایک دوسرے کے حقوق اور عزت و ناموس کی نگہداشت کرو۔ اجتماعی احترامات ضائع نہ کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں: بات کرے تو جھوٹی۔ وعدہ کرے تو منحرف ہو جائے۔ امانت رکھے تو خیانت کرے۔

اور حد یہ ہے کہ حضرت زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: تم پر امانت کی ادائیگی فرض ہے۔ اگر قاتلِ امام حسینؑ میرے پاس وہ تلوار امانت رکھے جس سے امامؑ کو قتل کیا، تو میں وہ تلوار اسے واپس کر دوں۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: اگر امیر المومنینؑ کا قاتل میرے پاس کوئی امانت رکھتا یا مجھ سے مشورہ

طلب کرتا اور میں اسے قبول کر لیتا تو پھر اس کا حق ادا کرتا (نور الثقلین)

اسی ضمن میں یہ تفسیر بھی اہم ہے کہ ائمہ علیہم السلام نے فرمایا کہ "امانت" سے مراد امامت ہے کہ رسول اللہؐ نے یہ امانت حضرت علیؑ کو دی پھر ہر امام اپنے بعد ہونے والے امام کو یہ امانت دیتا رہا امانت سے مراد محبت رسولؐ و آل رسولؐ ہے جو ہر مسلمان کو ان حضرات کے سپرد کرنا لازم ہے۔

فیصلے میں عدل

اسلام نے مقدمے اور فیصلے میں مدّعی اور مدّعیٰ علیہ کو حق دیا ہے کہ وہ پورے اطمینان سے اپنا معاملہ عدالت میں پیش کریں اور قاضی کو پابند کیا ہے کہ وہ دونوں فریقوں کی بات یکساں توجہ سے سنے، گواہوں کو پرکھے اور انصاف و غیر جانبدارانہ فیصلہ کرے جو شریعت کے مطابق ہو۔ اس سلسلے میں شخصی اثر و رسوخ یا مالی رشوت ہرگز قبول نہ کرے۔ قاضی کا یہ عمل عبادت ہے لہٰذا اس کے پیش نظر صرف اللہ کی رضا ہونا چاہئے۔ امانت داری ہو یا مبنی بر عدل و انصاف فیصلہ کرنا اللہ کی بہترین نصیحت ہے، وہ ہر شخص اور ہر بات کا علم کامل رکھتا ہے وہ سمیع ہے وہ بصیر ہے۔

جناب سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل

تفسیر

سورہ نساء آیت نمبر ۵۹ — ۶۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾

ترجمہ

اے وہ لوگ، جو ایمان لا چکے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اور اطاعت کرو رسول و اولی الامر کی جو تم میں ہیں۔ اس کے بعد اگر کسی بات پر تم میں جھگڑا ہو، تو اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو۔ اگر تم اللہ عزوجل اور قیامت پر یقین رکھتے ہو یہی سب سے بہتر اور انجام کے لحاظ سے اچھا ہے ﴿۵۹﴾

تفسیر

۵۹ - یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ .... --

حاکمیت اعلیٰ

اللہ عزوجل چونکہ مالک ہے اس لئے اس کی فرماں برداری واجب ہے۔ اور مومن دل وجان سے اس کی اطاعت کا پابند ہے۔ واطیعوا الرسول۔ اللہ ہی کا حکم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہر مومن پر واجب ہے۔ واولی الامر منکم۔ اور ان حضرات کی فرماں برداری بھی اطاعت رسول کی طرح واجب ہے۔ یہ حضرات انھیں مومنین میں سے ہیں، فاسق نہیں، غیر مسلم نہیں۔

اولی الامر

آیت میں اسلامی حکومت کی بنیاد یہ بتائی ہے۔ اصل ولیِّ امر وحاکم تین ہیں:
ایک خود ذات باری تعالیٰ کہ اس نے اپنی اطاعت کو اوّلیت دیتے ہوئے "اطیعوا"۔ تم سب حکم بجالاؤ۔ کو دوسرے حاکموں کی فرماں برداری کے حکم "اطیعوا" سے الگ رکھا پھر "و" حرف عطف سے دوسری مرتبہ "اطیعوا" ارشاد ہوا۔ واو۔ حکم اوّل سے اس کا عطف و ربط واضح فرمایا۔ اور اطیعوا کے متعلق دو شخص بتائے ایک رسول اللہ، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ دوسرا شخص "ولیِّ امر" جس کی جمع اولی الامر ہے دوسری لفظوں میں پہلا اطیعوا، اطاعت مطلقہ ذات الٰہی میں منحصر کرتا ہے اور دوسری اطاعت کو اسی اطاعت کے ضمن میں ثابت کرتا ہے۔ اس سے بلابحث و ابہام واضح ہوا کہ دوسرے مطاع بھی اللہ کی نگاہ حکمت میں کسی قسم کے متضاد حکم نہیں دینگے ان کی اطاعت بھی اللہ ہی کی اطاعت ہوگی۔ اور جو مومن حکم اطاعت الٰہی کا پابند ہے وہی مومن ان دونوں حضرات کی اطاعت کا پابند ہے جس طرح پیغمبر علیہ السلام کا قول وفعل، اللہ کی مشیّت وقانون نافذ کرنے والا ہے اسی طرح ولی امر کا قول وفعل نافذ ہے۔ ترتیب حکام کا لحاظ پیش نظر رہنا ضروری ہے۔ اللہ، اوّل ہے مگر دیکھنے میں نہیں آتا لہٰذا رسول جو مومنین کے اندر رہیں ان کے معاشرے میں ان کا حکم مانا جائے تو اصل میں نیابت خداوندی کی بنیاد پر یہی بات اسی سورت کی دو آیتوں میں یوں ارشاد فرمائی ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ جو رسول کی اطاعت کرتا ہے اس نے اللہ کی اطاعت کی (۸۰) اور۔ وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (۶۴) ہم نے جو پیغمبر بھیجا وہ اللہ کے حکم سے واجب الاتباع ہو یعنی رسول کی فرمانبرداری اللہ کی فرمانبرداری ہے اولی الامر کی اطاعت رسول کے بعد

اگر بعینہ اور بہمہ وقت عین اطاعت رسول و اطاعت خدا نہیں تو حکم میں تضاد اور حاکم و حکومت میں اختلاف یقینی ہوگا۔ اسلام قیامت تک رہنے والا انتظام و قانون ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد اولی الامر کی اطاعت کا حکم اس صاحب منصب کی علمی، عملی، فکری ہمہ جہت بصیرت میں عصمت اور کج روی سے دوری کی ضمانت ہے۔ اللہ جل جلالہ نے اپنی حکومت و تعلیم کو غلط کار انسانوں کی دستبرد سے بچانے کے لئے یہ انتظام فرمایا۔ کہ رسول خدا آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم کل اور معصوم مطلق بنا کر بھیجا اور ان کے بعد "اولی الامر" کا یکے بعد دیگرے خود انتظام فرما کر علم کتاب و علم سنت و عصمت کبریٰ کی خصوصیت مرحمت فرمائی اور خود ان کی حکومت کی توثیق اور رسول سے ان کی نامزدگی کروائی اس سے طاغوت، فاسق و فاجر یا شیطان اور گمراہ کرنے والے کی فرماں روائی کا راستہ بند ہو گیا آیت نمبر اسی ہے۔ واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطٰن الا قلیلا۔ اور جب امن یا جنگ کی بات انھیں معلوم ہو جاتی ہے تو وہ اس کا پروپیگنڈا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر اسے اللہ کے رسول اور اولوالامر کی طرف لوٹا دیتے اور ان سے رجوع کرتے

تو یقیناً اس کا صحیح علم ان لوگوں کو ہو جاتا جو اس بات کی تہ کو پہنچتے اور اس کا سرچشمہ معلوم کرتے ہیں۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل و رحم نہ ہوتا تو تم سب شیطان کے پیروکار ہوتے، بس چند مخلص افراد ہی اس گمراہی سے بچے رہتے۔

اولوالامر حقیقتوں کا ایسا ادراک رکھتے ہیں جس کا تعلق اللہ سے ہوتا ہے۔ وہ حق و باطل میں امتیاز کرنے کی صلاحیت کاملہ رکھتے ہیں وہ رسول کے پہلو بہ پہلو ہیں، مگر رتبہ و منصب میں ان کے ماتحت ہیں۔

اولوالامر وہی لوگ ہیں جنھیں سورہ حمد میں انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین کہا گیا ہے۔

حکومت اسلامی کا ڈھانچہ

آیت میں اسلامی نظام میں سربراہی کا ڈھانچہ اور فرد اعلیٰ سے معاشرے کی تمام کڑیوں کا سلسلہ باہم دگر اس طرح مربوط کیا گیا ہے کہ نہ فکری انتشار پیدا ہو سکتا ہے نہ راستے میں انحراف نہ منزل میں التباس کا شبہ۔ ایک حاکم ایک حکم، ایک فلسفہ ایک سیدھا راستہ اور ایک ساتھ حرکت و سفر۔

۱۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، قانون سازی و اطاعت کا حق صرف اسی کو حاصل ہے۔ بندے کا فرض ہے کہ وہ ایاک نعبد کہے اور اسی کی عبادت کرے۔ "ایاک نستعین"، اسی سے مدد مانگے اور اطاعت و عبادت میں خود کسی طاغوت کو نہ چن لے۔ اللہ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے صراط مستقیم فلسفۂ توحید پر چلنے کے لئے رسول و امام بھیجے وہ مستقل حیثیت نہیں رکھتے وہ اللہ کے نمائندے اور اس کی طرف سے مسلمانوں کے مددگار ہیں: یہی ان کا اعزاز لاجواب ہے۔

۲۔ قرآن کے احکام و رہنما اصول، روح بندگی اور نظام زندگی کی اساس اور اس کے تشریحات کے ضامن اور اجرا کے مختار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ہیں۔ آپ مومنوں میں سے ہیں۔ "رسولاً منھم" وہ معاشرۂ اسلام سے الگ نہیں۔ انھیں لوگوں میں ان کی رہن سہن اور میل جول ہے جن کے لئے وہ ہادی و رہنما ہیں۔ وہ بھی عرب یہ بھی عرب وہ بھی قرآن پڑھتے یہ بھی قرآن پڑھتے ہیں مگر ان پر وحی ہوتی ہے ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے ان کی کسی حرکت و سکون پر گرفت نہیں ہو سکتی وہ جو اشارہ کریں وہی مانا جائے گا۔ "ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا" وہ حکم دیں تو اطاعت کرو۔ وہ منع کریں تو رک جاؤ۔ کیونکہ وہ سرچشمۂ تعلیمات الٰہی و ترجمان مرضی اللہ ہیں۔ اسی لئے انھیں نور بنایا، شہید و برتر از ہمہ خلق کیا ان جیسا کوئی انسان نہیں۔

۳۔ رسول اللہ کے بعد اصول کی تعبیر اور آیات کی تفسیر احکام کے اجرا، نئے معاملات میں طریق کار، اور اختلاف آرا میں حرف آخر، کی ضرورت بہرحال رہے گی۔ یہ ضرورت اگر مسلمان مل کر پوری کرنا چاہیں تو بڑے خطرے ہیں۔ کیونکہ علم قرآن و بصیرت احکام میں سب لوگ برابر نہیں چند افراد جو ممتاز ہوں ان کا بیک وقت، بیک مسئلہ اور ایک جگہ جمع ہونا محال ہے، اور واقعی اعلم و اتقیٰ ایک یا چند آدمیوں کا موقع پر شریک نہ ہونے سے اختلاف کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ اور اس قسم کے اختلافات سے

انحراف اور انحراف سے اسلام کو ضرر پہنچنا واضح ہے اس خطرے سے بچانے کے لئے "اولی الامر" پیدا کئے، یہ لوگ آغوشِ نبی آخر الزمانؐ میں پلے بڑھے، انھیں معصوم خلق کیا، اپنے کرم سے علم قرآن اور فہم اسلام کا وہ درجۂ بلند عطا کیا جس تک کوئی شخص نہیں پہنچ سکا تمام امت ان کو ہمہ صفت موصوف ماننے پر مجبور تھی اور ہے۔ ان کی بات رسول کی بات اور رسول کی بات خدا کی بات قرار پائی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد ان کے لئے وصیت کی، قرآن کا ساتھی بتایا اور امت پر ان کی اطاعت واجب کی، ان کی ولایت عام اور ان کی خلافت کا اعلان کیا۔ آپ کے بعد یہی حضرات امام ہوئے۔

۴۔ چونکہ امام کی حکومت اللہ اور رسول کی طرف سے تصدیق حاصل کر چکی لہٰذا ان کی امامت ہر قسم کے معاملات میں تصرّف کا حق رکھتی ہے غدیر کے خطبے میں نبی خاتم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: ۔لوگو! کیا میں تمھارے نفوس پر تم سے زیادہ حق تصرّف نہیں رکھتا ؟ سب نے کہا کیوں نہیں ۔تو فرمایا: من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ جس جس کا میں مولا اور جس شخص کے نزدیک میں اس کے نفس پر ہر طرح کا حق تصرّف رکھتا ہوں علیؑ بھی اس پر وہی حق رکھتے ہیں اور اس کے "مولیٰ" ہیں۔ یہ ولایت وامامت بارہ افراد کو ملی۔ دو صدیوں تک ان کی محنت سے اسلام کے کلیات وجزئیات کو اصولی استحکام حاصل ہوا ان حضرات نے کتاب وسنت کے ایسے علما پیدا کئے جو مشکلات میں قابل اعتماد ثابت ہو سکیں۔ اس طرح اسلامی نظام انحراف کے خطرے سے آزاد ہو گیا

۵۔ ولی امر کا پہلا مصداق اور حقیقی مفہوم امامت وامام ہے اور ان کی غیر حاضری میں ان کے نزدیک قابل اعتماد وہ پاک ذات وپاک کردار ومتقی عالم ہے جو قرآن وسنت سے احکام کا یوں استنباط کر سکے اور امت کے معاملات کو یوں عملی بنا سکے جس میں کجی اور غلط روی کا گمان نہ ہو اس کا فتویٰ درست، اس کا فیصلہ نافذ، اور اس کا تدبّر وتصرّف صحیح ہو یہ "فقیہ اعظم" کہلاتا اور اس کو فقیہانہ ولایت حاصل ہوتی ہے اور یہ آیت اس کی ولایت وحکومت پر صاد کرتی ہے۔

۶۔ اطاعت رسول کے ضمن میں جن کی اطاعت واجب کی گئی ہے وہ "اولی الامر"، بادشاہ، امراء اور ڈکٹیٹر اس لئے نہیں ہو سکتے کہ نہ ان کا علمی پس منظر کتاب وسنت کا ایسا علم ہے جس کی بنیاد پر انھیں "راسخون فی العلم"، کہا جا سکے۔ نہ ان کی فکری تربیت ایسی ہوتی ہے کہ وہ سنت اللہ و

سنت رسول اللہؐ کی راہ ورسم کے بارے میں رائے دے سکیں نہ ان کا کردار بے داغ نہ ان کی روش انحراف سے محفوظ چونکہ ان کی مصلحت اندیشی قرآن وسنت سے جدا ہوتی ہے اس لئے ایسے افراد اسلامی نظام فکر وعمل وحکومت میں قابل قبول نہیں ہوسکتے ۔

(دیکھئے، البقرۃ ۳۱/ - ۴۳)

احادیث

اصول کافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے، حضرتؑ نے فرمایا:

"ان اللّٰہ یامرکم ان تؤدّوا الامانات الی اھلھا ..."

میں ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے ۔ ہر امام اپنے بعد ہونے والے امام کو کتب وعلم وسلاح دے دیا کرے، اور لوگوں کے فیصلے اس عدل وانصاف سے کرے جو اسے عطا ہوا ہے ۔

"یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم"

میں اہل ایمان کو خاص طور پر ہماری اطاعت کا قیامت تک پابند کیا گیا ہے ۔

عیون اخبار الرضا میں، امام رضا علیہ السلام کی ایک روایت ہے، حضرتؑ نے فضل بن شاذان کو تفسیر آیت میں سمجھایا کہ لوگوں کو جن قوانین وحدود کا اللہ نے پابند کیا ہے اگر اس کی نگہداشت کے لئے ایک امین کو مقرر نہ کرتا ہے، ان کا امام وقیّم نہ معین فرماتا تو لوگ اپنے مفادات کی خاطر، بدعتی اپنے مقاصد اور ملحد اپنے فلسفے کی بنیاد پر تبدیلیاں، کمی اور زیادتیاں کر کے دین کو بدل دیتے، احکام سنت میں تحریف کر کے فساد خلق کا سبب بن جاتے ۔

کمال الدین وتمام النعمۃ، میں جابر بنؓ عبداللہ کی روایت ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ۔ "اولی الامرؑ میرے خلفا اور میرے بعد مسلمانوں کے امام ہیں ۔ ان میں پہلے امام علی پھر حسن، حسین، علی بن حسین ۔ علیہم السّلام اور بارہ اماموں کے نام تعلیم فرمائے جو تفسیر نور الثقلین میں بہ تفصیل مذکور ہیں ۔

برادران اہل سنت کے متقدمین مفسرین بھی" اولی الامر" پر بحث کرتے ہوئے اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حقیقی مراد" امام عادل" ہے (طبری) تفسیر کشاف میں امراء جور کے لیے لکھا ہے کہ وہ نہ تو امانت ادا کرتے ہیں نہ عدل پر مبنی فیصلہ کرتے ہیں نہ کوئی مسئلہ کتاب وسنت کے مطابق بیان کرتے ہیں، وہ اپنی

خواہش کے پیرو اور "اولوالامر" کے صفات سے عاری ہوتے ہیں وہ اللہ و رسول کے نزدیک "اولوالامر" نہیں وہ "لصوص متغلبہ"۔ زبردستی قبضہ کرنے والے ڈاکو۔ کا نام پانے کے زیادہ حق دار ہیں۔ ابوحیان اندلسی نے تفسیر "البحر المحیط" میں لکھا ہے کہ آیت حضرت علی و ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے نیز علما اہل سنت کے روایات کے لئے "ینابیع المودۃ" ملاحظہ ہو۔

مگر طبری اور دوسرے حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) "اولو الامر" سے مراد امت پر حکومت کرنے والے تمام برّ و فاجر، عالم و جاہل ---- ہیں۔ سب کی اطاعت واجب ہے ہاں اگر وہ کوئی بات حق کے خلاف کہیں تو وہ بات نہ مانو۔ ستم یہ ہے کہ ان حضرات نے اس قسم کی باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ دین و احکام میں انحرافات و تضادات کو جگہ مل گئی ہر حاکم کو سند "ظل اللہی" سے سرفراز کیا گیا اور اسے خلیفہ رسول ٹھہرایا گیا لہٰذا قرآن و سنت معطّل اور دین مذاق بن گیا۔ معاشرے میں شریعت کا وقار نہ رہا۔

اختلاف کا حل

۔فان تنازعتم فی شیئ۔ کسی معاملے میں اختلاف ہو جائے تو خود فیصلہ نہ کرنا، خود کسی کو حاکم نہ بنا لینا، اپنی رائے سے اقدام نہ کر بیٹھنا، جب تک قرآن و رسول ہیں ان سے رجوع واجب ہے اللہ پر ایمان اور قیامت کے اعتقادات رکھنے والے اسی طریقے کے پابند ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ نہ ہوں تو "اولو الامر" سے رجوع کرنا۔ وہ حافظ و امین کتاب اللہ ہیں۔ اللہ نے انھیں "راسخ فی العلم" قرار دیا، امام امت بنایا۔ اور رسولؐ نے فرمایا: "انی تارک فیکم الثقلین.... میں تم میں دو وزنی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ کتاب اللہ اور میرے اہل بیت جب تک ان دونوں سے وابستہ رہو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ آیت نمبر ۸۳ کا حوالہ گزر چکا، مزید بحث وہاں ہو گی۔

ذالک خیر و احسن تاویلاً۔ یہی بہتر اور یہی اچھا مستقبل بنانے والی بات ہے اسی طرح صراط مستقیم پر سفر جاری رہ سکتا ہے۔ اور اسی طرح منزل آخر تک رسائی ممکن ہے۔ ورنہ راہیں الگ الگ ہو جائیں گی اور تم راستہ بھٹک جاؤ گے۔ کفر و شرک و الحاد کا غلبہ ہو جائے گا اور اسلام کا دامن ہاتھ میں نہ رہ سکے گا۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ

يَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَحَاكَمُوۡۤا اِلَى الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِهٖ ؕ وَيُرِيۡدُ الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ۝۶۰

ترجمہ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو گمان تو یہ کرتے ہیں کہ آپ پر جو (دین) نازل ہوا ہے اور جو آپ سے پہلے قانون اتر چکا اس پر ایمان لا چکے چاہتے یہ ہیں کہ طاغوت کے پاس سے باہمی فیصلے طلب کریں حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کو قبول نہ کریں۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں بے راہ کر کے دور تک گمراہ کر دے (۶۰)

تفسیر

طاغوت: وہ حاکم جو شریعت اسلام کے خلاف فیصلہ کرے۔

دیکھئے البقرۃ آیت ۲۵۶، نیز اسی سورۃ النساء کی آیت ۵۱

غیر شرعی عدالتوں سے رجوع

مدینے کے ایک مسلمان اور یہودی میں جھگڑا ہو گیا یہودی نے کہا کہ چلو ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیصلہ کرواتے ہیں منافق مسلمان نے جج کو اپنا بنانے کے خیال سے یہودی کاہن کے پاس چلنے پر زور دیا اس وقت یہ آیت اتری اور ایک دائمی ہدایت آئی۔

ایک آدمی جو بخیال خود مسلمان و مومن بنے، اللہ کو ماننے اور قرآن و کتب آسمانی کو برحق جاننے کا مدعی ہو اس کا "طاغوت" کے پاس جانا راہ حق سے انحراف ہے۔ صراط مستقیم اور حق سے ہمیشہ وابستہ رہنے کا اصول تو اللہ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ پر ایمان کو مستحکم رکھو،

طاغوت کا انکار کرتے رہو۔ البقرۃ/۲۵۶

اللہ، رسولؐ و علیؑ کا کلمہ پڑھنا اور غیر شرعی عدالتوں میں غیروں کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ حاصل کرنا ایمان کی مخالفت ہے ۔ یہ شیطانی منصوبے کی تائید ہے اور دشمنان اسلام تو مسلمانوں کو راہ اسلام سے دور لے جانے کے منصوبے بناتے اور کوشش کرتے ہی رہتے ہیں ۔ مسلمان اس جال میں پھنس کر منافق کیوں بنیں ؟ اسلامی نظام زندگی اور معاشرے میں یہ دو رخی بات کیوں رواج پائے ؟ مسلمانوں کو علانیہ اس کی مخالفت کرنا چاہئے کیونکہ وہ انکار طاغوت کے پابند ہیں ۔

دیکھئے اسی سورت کی آیت ۶۵

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا ۞ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ۞ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ۞

ترجمہ

اور جب ان سے کہا گیا کہ جو اللہ نے نازل کیا ہے اُدھر آؤ، اور رسولؐ اللہ کی طرف آؤ تو منافقوں کو تم نے دیکھا کہ وہ تم سے کس سختی سے روگرداں ہوتے ہیں (۶۱) پھر کیا حالت ہوگی جب ان کے ہاتھوں کی ہوئی مصیبت آپڑے گی۔ اس کے بعد وہ آپ کے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے آئیں گے کہ ہم تو فقط بھلائی اور ملاپ چاہتے تھے (۶۲) یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کے بھید اللہ خوب جانتا ہے، آپ ان کو اہمیت نہ دیں اور انھیں نصیحت کریں اور ان کے دل میں اتر جانے والی بات کہیں (۶۳)

تفسیر

۶۱۔ واذاقیل لھم تعالوا۔۔۔

۶۲۔ فکیف اذا اصابتھم مصیبۃ ۔۔۔۔۔

کج رفتاروں کو ایمان دار لوگ روکتے ٹوکتے ہیں انھیں قرآن اور احکام الہٰی کی اہمیت بتاتے اور رسولؐ و سنّت رسولؐ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اس کے جواب میں وہ اپنے رویے پر سختی سے جمے رہتے اور اسلام و شریعت کی بات ماننے پر تیار نہیں ہوتے ۔

ایک وقت وہ آتا ہے جب انھیں اپنے کرتوت پر پچھتاوا ہوتا ہے ۔ اور طاغوت کی سازش کھاتی اور ان کے تعاون کے نتیجے میں جب بلا آجاتی ہے اس وقت یہ اسلام کی طرف پلٹتے ہیں اور اپنے سابقہ کردار کی تاویل کرتے ہیں قسم کھا کھا کر کہتے ہیں۔ ہم تو ان سے حُسن سلوک کر کے تصادم سے بچنا بچانا چاہتے تھے اس کا مطلب ان کے قانون و فلسفے کو ماننا نہیں تھا ۔ ظاہر ہے یہ تاویل اہل حق کی دعوت کے بعد بے معنی ہے ۔

۶۳۔ اولٓئک الّذین یعلم اللہ ۔۔۔۔

اللہ، ان کے اصل مقصد کو جانتا ہے، آپ رحم و کرم سے کام لیں اور ان کی غلطیاں انھیں بتائیں نصیحت کریں اور حقائق ذہن نشین کرائیں تاکہ حجت تمام ہو جائے اور دوبارہ ایسی غلطی نہ کریں۔ آج کے حالات میں بھی اہل علم و صاحبان دین کا رویہ یہی ہونا چاہئے ۔

جناب سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل

تفسیر

سورہ نساء آیت نمبر : ۶۴ـ ۷۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِـيْمًا ۝۶۴

ترجمہ

ہم نے جو پیغمبر بھیجا وہ اسی لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اب اگر یہ اپنے اوپر ستم ڈھانے کے بعد آپ کے پاس آجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور پیغمبر بھی ان کے لئے معافی کی درخواست کرتا تو بلاشبہ اللہ کو توبہ قبول کرنے اور رحم کرنے والا پاتے ۝۶۴

تفسیر

اسلامی تعلیمات کے چند اصول آیت میں واضح فرمائے ہیں۔

(الف) اللہ نے جو پیغمبر بھیجا اسے حاکم مطلق بنا کر بھیجا اور تمام انسانوں پر بے چون وچرا اس کی اطاعت فرض کی، اس کی ادنیٰ مخالفت بھی جائز نہیں۔ کیوں کہ حکم اطاعت اثبات بعد نفی ہے
(ب) جو شخص پیغمبر کے علاوہ کسی غیر کی فرماں برداری کرتا ہے وہ مجرم ہے اسے توبہ کرنا چاہئے
(ج) اللہ یہ چاہتا ہے کہ مجرم خود تنہا توبہ کرنے کو کافی نہ سمجھے بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ کی طرف رجوع کرے اور سرکار کی بارگاہ میں اللہ سے معافی مانگے اور رسول اللہؐ بھی سفارش کریں اور اس شخص کے جرم کو معاف کرنے کی اللہ سے دعا کریں۔
(د) مجرم کی توبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے بعد اللہ عزوجل توبہ بھی قبول فرمائے گا اور رحم وکرم سے بھی نوازے گا۔

نبیؐ وامامؑ سے توسل ضروری ہے

سورۂ فاتحہ میں صراط مستقیم پر چلتے رہنے کے لئے آنحضرتؐ اور ائمہؑ کی امداد کو لازم قرار دیا اور اس آیت میں، انحراف وغلطی پر رسولؐ اللہ کی طرف رجوع کو لازم کیا۔ ظاہر ہے کہ بعد نبیؐ ائمہؑ بھی اسی کے حق دار ہیں۔ لہٰذا معصومینؑ کے وسیلے اور ان کے ذریعے بلکہ ان سے عبادت وطلب مغفرت کرنا عین ایمان ہے۔ اسے شرک کہنا اور سمجھنا خلاف تعلیم قرآن ہے۔ دیکھئے البقرہ ۲۵۵/ ۔ النساء ۸۵/
دراصل، دین کی مرکزیت رسولؐ وائمہ علیہم السلام ہی کو حاصل ہے۔ ان کا اتباع اللہ کی اطاعت اور ان کی رضا اللہ کی رضا، ان کا غضب اللہ کے عذاب کا آئینہ دار ہے
تفسیر نور الثقلین میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث ہے۔ امام نے فرمایا۔
جاؤک۔ میں آنحضرتؐ اور ان کے بعد حضرت علی علیہ السلام مراد ہیں۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ
حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا
فِيٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾

ترجمہ

تو نہیں، اور آپ کے رب کی قسم۔ یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے۔ جب تک یہ اپنے باہمی اختلاف میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، اس کے بعد آپ کے کئے ہوئے فیصلے پر دلوں میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں اور اسے یوں مانیں جو ماننے کا حق ہے (۶۵)

تفسیر

اسلام کے معنے ہیں، مان لینا، سر تسلیم خم کرنا، دین کی بنیاد ہے۔ غیر اللہ کو معبود نہ جاننا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہر فکری و عملی اختلاف میں رجوع کرنا اور حضورؐ کے فیصلے کو بخوشی تسلیم کرنا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے آیت کی تفسیر میں فرمایا۔ اگر کوئی گروہ، اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرے، نماز قائم کرے، زکوٰۃ دے، حج کرے، رمضان کے روزے رکھے مگر اللہ یا رسول اللہؐ کے حکم پر چون وچرا کرے یا دل میں تنگی محسوس کرے تو وہ گروہ مشرک ہو جائے گا (نور الثقلین) نیز دیکھیے اسی سورت کی آیت ساٹھ۔

اسی بنا پر ہم امامیہ، خلافت کو نص رسول صلے اللہ علیہ وآلہ ہی کی دلیل سے مانتے ہیں اور کسی گروہ کے فیصلے کو تسلیم نہیں کرتے۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّھُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّھُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝۶۶ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۶۷ وَّلَهَدَيْنٰھُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۶۸

ترجمہ

اور اگر ہم ان پر خودکشی واجب کر دیتے یا اپنی بستیوں سے نکل جانے کو واجب کرتے ۔ وہ اس پر عمل نہ کرتے مگر چند آدمی ۔ اور اگر جن باتوں کا انھیں حکم دیا گیا اس پر عمل کرتے تو ان کے لئے بھلائی ہوتی اور دین میں زیادہ پختگی کا سبب ہوتا (٦٦) اور اس وقت ہم ان کو اپنی طرف سے بہت بڑا اجر دیتے (٦٧) اور ہم انھیں صراط مستقیم دکھاتے رہتے (٦٨)

تفسیر

٦٦۔ ولو انا کتبنا علیہم......

مذکورہ بالا آیتوں میں مرد مومن کے نفسیات اور منافق کے رجحانات کی نشان دہی فرمائی گئی ہے ۔ مومن سے غلطی ہوتی ہے تو وہ معذرت کے لئے براہ راست آپ کے پاس یا آپ کے چیں کے حضور حاضر ہو کر معذرت کرتا اور اللہ سے معافی چاہتا ہے آپ کو شفیع بناتا ہے ۔ اختلاف میں آپ کے فیصلے کو حرف آخر مانتا ہے منافق کے احساسات اس کے خلاف ہوتے ہیں ان کے دعووں کا بھرم میدان عمل میں کھلتا ہے ، صورت تو یہ ہے کہ اللہ اور رسولؐ کا سادہ سا حکم ان پر گراں ہوتا ہے ۔ اگر کہیں ان سے یہ مطالبہ کیا جاتا کہ اپنے ہاتھ سے اپنے گلے کاٹ لو یا اتنی مدت میں گھر بار چھوڑ کر کوچ کرو ، تو یہ سب کے سب انکار کر دیتے اور اتنے بڑے مجمع میں چند آدمی ہی ثابت قدم اور پختہ عقیدے کے نکلتے

لوگوں کو سمجھنا چاہیئے کہ رحمٰن و رحیم اللہ اور مہربان و ہمدرد رسولؐ انھیں جو حکم دیتے اور جو تاکید کرتے ہیں اس کا نتیجہ ان کے حق میں اچھا اور ان کے دین و دنیا کے استحکام کا باعث ہوتا جنگ کی دعوت ہو یا ہجرت کی تاکید دونوں سے ان کے عقیدہ و عمل اور دین کی وسعت وقوت میں اضافہ ہوتا ہے ۔ آرام طلبی و ہوس پرستی سے آدمی کی فکری ترقی اور عملی قوت رک جاتی ہے ۔ دین انسانی قوتوں کو سرگرم عمل اور ترقی پذیر رکھتا ہے ۔

۶۷۔ واذاً لاٰتینٰھم من لّدنّا.......

۶۸۔ ولھدینٰھم صراطاً.......

یہ لوگ شک اور ہچکچاہٹ دور کر کے، خواہشات و آرام کی قربانی دے کر تو دیکھیں اللہ ان پر کیا کیا نعمتیں نازل کرتا ہے، ان کے معاملات بہتر سے بہتر ہو جائیں ان کا نظام مستحکم ہو جائے، ان کے ذہنی انتشار ختم ہو جائیں ان کا دین استوار اور ان کی دنیا شاندار بن جائے گی ذہنی انتشار اور معاشرتی تضاد کے خاتمے کے بعد یہ اس قابل ہوں گے کہ اللہ انھیں صراط مستقیم پر آگے بڑھتے رہنے اور ثابت قدمی سے سیدھی راہ چل کر منزل تک پہنچنے کی توفیق دے گا۔

آدمی کے دل میں طاغوت کا خوف یا عشق ہو اور زبان پر اسلام کی بات تو ظاہر ہے کہ نہ قدم استوار ہوں گے نہ نگاہ دور تک جا سکے گی۔ ہر آن لڑکھڑاہٹ کی بنا پر صراط مستقیم سے ہٹ کر انحراف کے علاوہ کیا رہے گا۔ اور جس انسان کو یقین کی ٹھنڈک حاصل ہونے کے بجائے اِدھر اُدھر بھٹکنے کی عادت ہو جائے اس کی زندگی میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔ ذکر خدا سے اطمینان اور اطاعت رسولؐ و ائمہؑ سے راہ و منزل کی صحیح سمت ملتی ہے اور یہی آدمیت کے ارتقا کا راستہ اور اسی میں سرخروئی و کامیابی کی ضمانت ہے۔

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴿٦٩﴾ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا ﴿٧٠﴾

ترجمہ

اور جس نے اللہ اور رسول کی فرماں برداری کی، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جن پر اللہ کے خاص انعام ہوئے، یعنی انبیا، صدیقین، شہدا، اور صالحین اور وہ اچھے رفیق ہیں (۶۹) یہ اللہ کا خاص فضل ہے اور یہی کافی ہے کہ اللہ علم کا مالک ہے۔ (۷۰)

تفسیر

۶۹۔ ومن یطع اللہ والرّسول.......

کچھ لوگ کہتے تھے کہ تقوے اور اطاعت کے باوجود ہم پیغمبرؐ کو نہیں دیکھ سکیں گے اور حضورؐ کی رفاقت نصیب نہ ہوگی۔ آیت نے ان کی دل دہی کی اور انھیں بشارت دی۔

(شیخ طوسی: التبیان۔ الطبری: تفسیر) طبرسی نے اس آرزومندِ زیارت و بے قرار از فراقِ رسولؐ کا نام "ثوبان" لکھا ہے جو حضورؐ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

نبی: اللہ کی طرف سے بندوں کو غیب کی بات یعنی اللہ کا حکم پہنچانے والا وہ معصوم شخص جسے اللہ نے دین کی تبلیغ اور شریعت کی تعلیم و حفاظت کے لئے بھیجا ہو۔ انبیاؑ میں آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

صدیق: وہ مومن جس کے عقیدہ و قول و فعل میں کبھی جھوٹ، شک، اور خلل نہ آیا ہو (معصوم) جیساکہ سورۂ مریم ۱۹/۴۱ میں حضرت ابراہیمؑ کو "انہ کان صدّیقاً نبیّاً" اور سورۂ مائدہ ۵/۷۵ میں حضرت مریمؑ کے لئے ہے "وامّہ صدّیقۃ"۔ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ صدیقہ تھیں۔ حضرت یوسفؑ اور حضرت ادریسؑ کے لئے بھی یہ صفت بیان کی گئی ہے۔ انبیاؑ کے بعد صدیقین کا تذکرہ بہت اہم ہے چنانچہ تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:-

اس آیت میں "نبیین" سے مراد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور "صدیقین"، "شہدا" سے ہم (ائمہؑ) اور "صالحین" سے مراد تم ہو۔

کافی میں بھی ایسی ہی حدیث ہے (نور الثقلین) گویا ائمۂ معصومین میں ہر امام صدیق و شہید کا فردِ اکمل ہے۔

شہید: اسلام کے عقیدۂ و عمل میں پختہ اور اس راہ میں جان دینے والے، جہاد میں سر کٹانے اور قیامت میں لوگوں کی گواہی دینے والے کا لقب ہے۔

سورہ حدید/۱۹ میں ہے۔" والذین آمنوا باللہ ورسولہ اولئک ہم الصدیقون والشہداء عند ربہم لہم اجرہم ونورہم...."

(نیز البقرہ/۱۴۳ ۔ النساء/۶۹ ۔ النحل/۸۹ ۔ الحج/۷۸ ۔ آل عمران/۸۱)

صالح: شائستہ ۔ فساد سے پاک ۔ فکری و عملی طور پر اللہ اور رسولؐ کا فرماں بردار اور حسن عمل رکھنے والا ۔

بشارت یہ ہے کہ اطاعت اللہ عز اسمہ اور فرماں برداری رسولؐ میں استوار مومن دنیا میں ایسے سلسلے سے وابستہ سمجھے جائیں گے جو انبیاء، معصومین اور شہیدوں کا گروہ ہوگا ۔ اور آخرت میں یہ لوگ ان مقربین خداوندی کے حلقوں میں ہوں گے جنت میں ان کے منازل قریب قریب ہوں گے اور انبیاء صدیقین شہدا و صالحین سے دور نہ رہیں گے ۔

۔ حسن اولئک رفیقاً ۔ یہ چاروں گروہ اور ان چاروں طبقوں کے لوگ بحیثیت رفیق و ہم نشین کتنے اچھے ہیں ۔ ان کے ساتھ سفر کرو تو سیدھی راہ پر چلیں، ان کے ساتھ اٹھو بیٹھو تو علم و حکمت میں اضافہ ہو ۔ ان کی رفاقت فرد کی تعمیر اور معاشرے کے وقار میں اضافہ کرتی ہے ان کے ساتھ رہنا معاشرے کو حسن اخلاق و حسن کردار سے سنوارنا ہے اچھا پاک و صاف معاشرہ انسان کو ذہنی اور جسمانی سکون مہیا کرتا ہے ۔

۷ ۔ ذالک الفضل من اللہ......

انبیاء صدیقین و شہداء و صالحین کی رفاقت ملنا دراصل اللہ کا انعام و فضل ہے اطاعت کا اجر نہیں، یہ فضل و احسان منافقوں کو نہیں ملتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم عین ذات ہے اور وہ بہت ہے اسے مومن کی فکری اور نفسیاتی حالت معلوم ہے وہ منافق کے عمل و عقیدے کو جانتا ہے لہٰذا جس پر فضل کرتا ہے عین حکمت اور جسے جو اجر دے گا وہ عین عدل ہوگا ۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا ﴿۷۱﴾

ترجمہ

اے لوگو جو ایمان لاچکے ہو! مکمل تیاری رکھو۔ پھر دستہ دستہ ہو کر نکلو یا سب مل کر کوچ کرو (۷۱)

تفسیر

حِذْر: خوف زدہ چیز سے بچنا، چوکسی، چوکنا رہنا۔ "حاذر" ہتھیاروں سے لیس، حملے کے لئے تیار شخص۔ تیاری کی حالت۔ "خذوا حِذرکم" آمادہ باش و مستعد جنگ حالت

ثُبات: مفرد۔ ثُبتہ۔ دستہ۔ یونٹ۔

آیت اس پس منظر میں اتری، جب اُحد لڑائی سے مسلمان پلٹے اور ارد گرد اسلام دشمن قبیلوں کی سرگرمیاں بڑھیں، مدینے میں طرح طرح کی افواہیں پھیلیں کہ فلاں قبیلہ حملہ کرنے والا ہے اور فلاں مسلمان فلاں علاقے میں قتل کر دیا گیا۔ اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے حکم آیا کہ یہ وقت اطمینان سے بیٹھنے کا نہیں یہ وقت حالت جنگ کا ہے۔ ہر وقت تیار رہو ہر شخص مستعد رہے اور یونٹ آمادہ رہیں حسب ضرورت و ہدایت اشارہ ملتے ہی ایک ایک دستہ یا بریگیڈ سرحد پر پہنچے اور دشمن کو دبوچ لے حکم ملنے یا وقت آنے پر ذرا سی دیر نہ ہونے پائے۔

آیت مستقل حیثیت سے بھی مسلمانوں کے لئے ضابطۂ حیات ہے یعنی مومنوں کو ہر وقت ہمہ صورت جنگی حالت میں رہنا چاہئے۔ دفاع پر آمادہ، اور جہاد پر تیار، دشمن کی نقل و حرکت پر نظر اور اپنے بچاؤ کا مکمل انتظام رکھے۔ یہ احساس و فکر سے وابستگی کو پختہ کرتا، قوت و بہادری کے جذبات کو ابھارتا ہے مومن اگر مستعد نہیں رہے گا تو کمزور ہو جائے گا اور کمزوری مرگ مفاجات ہے۔ شریعت نے انفرادی تیاری کے لئے نشانہ بازی، دوڑ اور سواری کے مقابلے اور اسلحہ و ممکنہ ضروریات جنگ کی فراہمی کا حکم دیا ہے۔ اجتماعی تیاری اور تجربے کے لئے "رباط" یا "مرابطہ" اور سرحدی پڑاؤ پر زور دیا ہے۔

اگر مسلمان اس ضابطے کے پابند ہو جائیں تو ان پر دشمن کوئی حملہ نہ کر سکے اور ان کی

جغرافیائی، فکری یا معاشرتی سرحدوں کو فتح کرنا ممکن نہ رہے مگر معاملہ برعکس ہے۔ دشمن چوکس ہے وہ خفیہ حملے کرتا رہتا ہے اور مسلمان امن وامان کی حالت سمجھے غافل بنا بیٹھا ہے اس کے ہاتھ سے متاع دین و دنیا نکلی جا رہی ہے اور اس نے دشمن کو دوست سمجھ لیا ہے۔

چوکس سپاہی کی طرح خطرے کو بھانپ کر ولیّ امر کے اشارہ پر ایک یونٹ کا جھپٹنا یا ایک بڑے دستے کا دشمن کے سامنے آجانا دفاع کا مؤثر طریقہ ہے۔ جب دستے الگ الگ اپنے فرائض سے باخبر ہوں تو اجتماعی قوت یکجا ہو جاتی ہے اور وقت آنے پر حسب مصلحت بڑا حملہ یا بڑا کوچ آسان ہو جاتا ہے۔ وقت آنے پر تیاری اور افراتفری شکست کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾

ترجمہ

تمہارے اندر کوئی ایسا شخص بھی ضرور ہے جو (جہاد سے) یقیناً ہچکچائے گا پھر اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچی تو وہ کہے گا، بے شک اللہ عزوجل نے مجھ پر احسان کیا کہ میں ان کے ساتھ (میدان میں) موجود نہ تھا (۷۲) اور اگر تم کو اللہ بزرگ و برتر کی طرف سے کوئی انعام ملا تو وہ ضرور کہے گا۔ جیسے تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی نہ تھی۔ کاش ان لوگوں کے ساتھ میں بھی ہوتا تو میں بھی بہت بڑی کامیابی حاصل کرتا (۷۳)

تفسیر

لَیُبَطِّئَنَّ : بُطُوْءٌ، سست رفتاری۔ لَیُبَطِّئَنَّ، لام تاکید بانون تاکید

وہ ضرور بالضرور سستی دکھائے گا خود بھی ہچکچائے گا دوسروں کو بھی سست بنائے گا۔

پہلی آیت میں ہمہ وقت مستعد رہنے اور حملہ و دفاع پر تیاری حکم ہے۔ ان دونوں آیتوں میں اندرونی دشمنوں کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے کہ مومن کو چاہیئے کہ احتیاط و مستعدی میں اپنے معاشرے کے ان لوگوں سے خبردار رہے جو عین موقع پر سستی دکھائیں گے اور وقت پر خود بھی رکیں گے اور دوسروں کو بھی آگے نہ جانے دیں گے۔ یہ منافقوں اور بدخواہوں کا گروہ ہے یہ گروہ تمہارے اوپر افتاد پڑنے سے خوشیاں منانے اور فتح و غنیمت ملنے پر رشک و حسد کرنے والا ہے۔ ایک مرتبہ کہے گا۔ شکر ہے کہ اس کی جان بچی، اگر ساتھ دیتا تو مصیبت اٹھاتا۔ دوسرے مرحلے میں ایسی باتیں کرے گا جیسے اجنبی ہو اور وہ کہے گا کہ اچھا ہوتا کہ ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے اور نفع میں شریک ہوتے۔ مال ملتا سرخرو ئی ہوتی مگر ہمیں خبر نہ ہوئی مسلمانوں کو ہر وقت ایسے افراد سے محتاط رہنا واجب ہے کیونکہ ایسے افراد ہر زمانے میں ہوتے ہیں۔

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَوٰةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۚ وَمَن يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٧٤﴾

ترجمہ

تو اللہ کی راہ میں ان لوگوں کو لڑنا چاہیئے جنھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچا ہے پھر جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑے گا اور قتل کیا جائے یا غالب آجائے تو ہم اسے اجر عظیم ضرور دیں گے (۷۴)

تفسیر

اپنی ذات، متعلقین اور نظریے کو دشمن کی زد سے بچانے کے لیئے حکم ہوا کہ "مستعد"

رہو، مقابلے کے لئے جو کچھ درکار ہے اسے تیار رکھو جب رسول حکم دیں فوراً آگے بڑھو اور منافقین پر نظر رکھنا، یہ خطرناک عنصر بہت نقصان رساں ہوتا ہے۔

جہاد ؟

اچھا تو اب جنگ کی اجازت ہے مگر یہ جنگ دوسری قوموں سے مختلف ہو۔ اس کا مطلب زمین اور افراد پر قبضہ کرنا نہیں ہے یہ قتال نظریہ پر مبنی ہے اس میں پہلے سپاہی کو اپنی فکر اور اپنے عقیدے کو پختہ کرنا چاہیئے وہ سوچ لے کہ دنیا اور مال و متاع، زمین و املاک سب ہیچ ہے، اصل آخرت ہے، اللہ کی رضا اللہ کی راہ میں جان دے کر جنت کا حصول اگر مجاہد اور اس کے ساتھیوں نے یہ نظریہ قبول کر لیا تو پھر فتح و شکست سے بے فکر ہو کر بسم اللہ کریں اور یقین رکھیں کہ شہادت ہو یا فتح دونوں صورتوں میں ناقابل تصور اور عظیم انعام و اجران کے لئے مقدر رہے جو اللہ جل و علا کی بارگاہ سے مل کر رہے گا۔

قرآن مجید کی اسی تعلیم نے مسلمان افواج کو ہمیشہ دشمن پر برتری بخشی ہے آج بھی ضرورت ہے کہ فوجی تربیت میں مسلمان سپاہی کو عقیدہ و فکر و عمل سے اچھا مسلمان اور دین کا مجاہد بنایا ہے۔ دنیا بھر کے نظریات، مسلمان کو یہ قوت نہیں دے سکتے نہ ان کی زندگی کو اسلام کے علاوہ کوئی جاودان مانتا ہے۔ اللہ عز اسمہ، صرف مسلمان کو فنا سے بچانے کی ضمانت دیتا ہے اسی بنا پر جہاد اور عام جنگ میں بہت فرق ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ﴿۷۵﴾

ترجمہ

تمہیں کیا ہو گیا۔ تم اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے حالانکہ مردوں، عورتوں اور بچوں میں

سے جنھیں کمزور بنا دیا گیا ہے، کہہ رہے ہیں کہ ہمارے رب! ہمیں اس شہر (مکہ) سے نکال، اس کے رہنے والے ظالم ہیں، اور ہمارے لئے اپنی طرف سے سربراہ مقرر فرما، اور ہمارے لئے اپنی طرف سے مددگار معین کر (۷۵)

تفسیر

مستضعفین : مُسْتَضْعَفٌ ۔ مفرد ۔ وہ شخص جسے ظلم وستم کر کے ضعیف و کمزور بنا دیا گیا ہو ۔ معاشرتی اصطلاح میں پسماندہ، ناخواندہ، اخلاق وعقیدہ، اقتصادی و تعلیمی، معاشرتی اور سیاسی طور پر کچلا ہوا شخص ۔ ایک وسیع تر مفہوم پر مشتمل کلمہ ہے ۔

قریہ : بستی، مراد مکہ (تفسیر طبری)

طویل مدت تک صبر و تحمل کا حکم رہا ۔ دشمنوں کے ہاتھوں جان اور مال، گھر بار لٹے نرمی اور اخلاق سے دین کے تعلیمات مہیا کئے، جب سب نے دیکھ لیا کہ دشمن صبر کو کمزوری اور تحمل کو بے چارگی سمجھتا ہے تو حکم جہاد آیا ۔ اور اس کی تاکید میں ارشاد فرمایا :۔

غیرت سے کام لو، سنو، مکے کے درماندہ اور قریش کے کچلے ہوئے عوام، مرد عورتیں، بچے فریاد کر رہے ہیں، اٹھو اور انھیں آزاد کراؤ ۔ آیت کا اسلوب چیلنج کا جواب مانگ رہا ہے، جنگ کے لئے جواز کی دلیل اور قوم کو اٹھنے کا حکم ہے، ہر دور میں جہاد واجب ہے، نبی وامام موجود ہوں تو حسب الحکم پیش قدمی اور فقہائے امت یا ولی فقیہ ہو تو اس کی صوابدید سے جہاد، ورنہ دفاع تو ہر حال میں لازم ہے اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے کتب فقہ

جہاد : اللہ کی حکومت کا قیام ۔ اللہ کی راہ میں اللہ کے بندوں کی دستگیری اور مظلوموں کو ظالموں کے ظلم سے رہائی دلانا ہے ۔

۔ واجعل لنا من لدنک نصیرا ۔ مرد مومن اللہ سے مددگار مانگ کر اپنے بنائے ہوئے ولی و مددگار پر عدم اعتماد کا اعلان کرتا ہے اصل ولی و سربراہ

وہی ہے جسے اللہ بنائے ۔

اَلَّذِينَ اٰمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٧٦﴾

ترجمہ

جو لوگ ایمان لا چکے وہ فی سبیل اللہ جنگ کرتے ہیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ "طاغوت" کی راہ میں قتال کرتے ہیں۔ تو شیطان کے دوستوں سے تم قتال کرو۔ یقیناً شیطان کا منصوبہ کمزور ہے (۷۶)

تفسیر

آیت میں فی سبیل اللہ کی ضد "فی سبیل الطاغوت" سے واضح ہوتا ہے کہ راستے فقط دو ہیں اور ان کے راہی بھی دو۔ ایک مومن اور دوسرا کافر و منکر۔

تیسری مرتبہ پھر تاکید ہے کہ جب معاملات اس حد تک پہنچ جائیں اور کمزور مسلمان طاغوت کے پنجے میں جکڑ جائیں تو قتال ہی اس کا حل ہے۔ آگے بڑھو اور دشمنوں سے فی سبیل اللہ، اصول اسلام اور قوانین شریعت کے مطابق قتال کرو کہ دین کا بول بالا ہو اور مظلوم مسلمانوں کو آزادی ملے۔ تم نہ لڑو گے تو دشمن، طاغوت، استعمار اور ظلم کی راہ میں جنگ کر کے شیطنت کو فروغ دیں گے۔

ایمان رکھتے ہو تو ارادہ مضبوط رکھو، طاغوت و شیطان کے منصوبے چونکہ فکر صحیح اور ایمان باللہ سے خالی ہوتے ہیں اس لئے ان کی حیثیت مکڑی کے جالے سے زیادہ نہیں ہوتی

جناب سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل ؒ

تفسیر

سورہ نساء آیت نمبر ۷۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾

ترجمہ

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جن سے کہا گیا (جنگ سے) ہاتھ روکے رہو اور نماز قائم کرو، زکات ادا کرتے رہو۔ پھر جب انھیں لڑائی کا حکم دیا گیا، تو ان میں سے ایک گروہ (تو) آدمیوں سے یوں ڈرنے لگا جیسے اللہ سے ڈرنا چاہئے۔ یا اس سے بھی بڑھ کر۔ اور انھوں نے کہا، ہمارے پروردگار! یہ ہم پر لڑائی کیوں فرض کر دی، تو نے ہمیں قریبی مدت کے لئے کیوں نہ

مہلت دی ؟ (ان سے) کہہ دیجیئے دنیا کی پونجی تھوڑی ہے۔ اور اللہ سے
ڈرنے والے کے لئے آخرت ہی بہتر ہے اور تم پر بال برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا (۷۷)

تفسیر

کُفُّوا : کفّ ۔ کَفَفَ : روکنا، کُفُّوا، تم رک جاؤ، کُفُّوا اید یکم : تم ہاتھ روک لو یعنی جنگ نہ کرو ۔ قرآن مجید میں کففتُہ میں نے روک دیا بچالیا اور "عسی اللہ ان یکف باس الذین" اللہ کافروں کا زور روک دے "

زکوٰۃ : زکیٰ، اکھوا بڑھا ۔ زکوٰ کا مادّہ پھپکنا، بڑھنا ۔ پاک ہونا ۔ صاف ہونا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔ اکھوا جب زمین سے نکلتا ہے تو اس میں یہ سب صفتیں پائی جاتی ہیں قرآن مجید میں زکوٰۃ "کے متعدد استعمال ہیں ۔ جب یہ مادّہ "نفس" کے ساتھ استعمال ہو تو اس کے معنے ہیں اپنے تئیں پاک باز، پاک دامن ۔ بڑا بتانا یا بنانا ہے ۔ دیکھئے آیت انچاس ۔ اور جب "نماز" کے ساتھ بطور "اسم" استعمال ہو تو اس کے ابتدائی معنیٰ مالی بچت صرف کرنا ۔ زائد مال خرچ کرنا لوگوں کی مالی امداد کرنا یعنی انفاق ۔ مدینے میں فتوحات و ملکیت اراضی کے بعد ۸ھ میں واجب ہوا اور محرم ۹ھ میں اس کے تفصیلی احکام آئے ۔

انفاق کی اہمیت

قرآن مجید میں بتیس ۳۲ مرتبہ "زکواۃ" کا تذکرہ ہے، اور عموماً "صلواۃ وزکواۃ ساتھ ساتھ ہیں ۔ زیر نظر آیت میں حکم جہاد نہ ہونے کی حالت میں حکم صلوٰۃ وزکوٰۃ کی اہمیت نمایاں نظر آتی ہے ۔ اس تناظر میں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ حکم بھی ایک طرح جہاد کا بدل تھا ۔

"صلوٰۃ" کے فلسفے اور اس کے واجبات و فرائض، سنن و لوازم پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ مسلمان کے لئے فرادیٰ نماز کی ادائیگی، جذبات، نفسیات، خواہشات اور نفس پر قابو رکھنے اور اسے راہ خدا میں استقامت کے لئے تیار کرنے کی ایک تربیت ہے پھر یہی نماز، مسجد اور جماعت، اور خاص دنوں میں مسجد کے گوشے میں بطور اعتکاف، عیدو

خوف واستسقا کے لئے میدان وصحرا میں نماز کی ادائیگی سے یہ حقیقت ابھرتی ہے، نوافل وتہجد کو بھی شریک کرلیا جائے تو بہ دلیل ثابت ہوتا ہے کہ نماز، طہارت ظاہر وباطن اور نفسیاتی وروحانی ارتقا کا سبب اور مومن کی معراج ہے۔ اس سے تعمیر ذات واصلاح معاشر ہوئی ہے اور جب نماز کے ساتھ "انفاق۔ اور۔ مال کا عوام یا ضرورت مند افراد پر خرچ کرنے کے عمل پر توجہ کی جائے تو فوجی ضابطے اور سپاہیانہ تربیت کا نظام سمجھ میں آتا ہے۔

مسلمان کو ہمہ وقت "تیار باش" اور "مستعدی کی حالت"، میں رہنا چاہئے۔ شیطان سے جنگ غلط خیالات وافکار سے جنگ "صراط مستقیم"، پر ثابت قدمی سے چلتے رہنا، تعب وتکلیف، جدوجہد ومشقت اٹھاتے رہنا خواہشات کو پامال کرنا، نصب العین پر نظر رکھنا اور قربت ورضاء الٰہی کے لئے جان پر کھیلنا انفرادی اور اجتماعی عمل ہے۔

زکوٰۃ۔ مال کا خرچ کرنا بھی جنگی تربیت کا ایک حصہ ہے کیونکہ جنگ میں جان ومال دونوں کا استعمال ہوتا ہے دونوں محبوب چیزوں سے ہاتھ دھونا ضروری ہوتا ہے، جان کو نصب العین پر ترجیح دینے والا بھی میدان جنگ میں بزدلی دکھاتا ہے اور مال سے محبت کرنے والا بھی چوٹ کھاتا اور پسپا ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں "نظریہ"، میں پختہ اور عقیدے میں مستحکم سپاہی یا فوج جان پر کھیلنے میں خوشی محسوس کرتی ہے اسلام اس خوشی کو جاودان اور ایسی موت کو حیات قرار دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جہاد اکبر میں نفس کشی اور سخاوت، اپنی اصلاح اور غیروں کی ضرورت پوری کرنا، جان ومال کو راہ خدا میں صرف کرنا اسلام کا اہم ترین حکم اور منصوبہ ہے جو گرم جنگ سے فوائد کے اعتبار سے کم نہیں ہے۔

شان نزول

مکّے میں ایک گروہ دین سے گہری وابستگی اور دشمنان دین سے بے زاری، نیز ظلم کے مقابلے میں جنگ پر اپنی آمادگیاں دکھاتا تھا وہ لوگ امن برقرار رکھنے اور جنگ نہ کرنے نماز پڑھنے اور راہ خدا میں مال خرچ کرنے پر لڑائی کو ترجیح دیتے تھے، بڑے دعوے کرتے اور

تیلریاں دکھاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اسلام سے پہلے ہم کبھی اتنی سختیاں نہیں جھیلیں، سختی کا کا جواب سختی اور اینٹ کا جواب پتھر سے دیا کرتے تھے، تلواروں اور خون ریزیوں سے ڈرتے نہ تھے۔ مسلمان ہوئے تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا پڑا۔

انھیں مکی مسلمانوں پر جہاد واجب ہوا تو بڑھ چڑھ کر باتیں بنانے والے مشرکوں کے خوف سے تھرتھرانے لگے اور اس حکم کو قبل از وقت کہنے لگے اس پر وحی آئی ــــ اور

ان سے آیت نے کہا یہ خوف تو خوف خدا بلکہ اس سے بڑھ کر ہے یہ خوف خدا اور دین کے سبب نہیں اس خوف کا سبب مال کی طمع اور غنیمت نہ ملنے کی فکر ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر نماز کے ذریعے تقویٰ حاصل کر لیتے تو آج تم پر انسانوں کی یہ ہیبت طاری نہ ہوتی اور جان پر کھیلنے سے نہ ہچکچاتے اور اگر انفاق کی عادت ڈال لیتے تو آج مال دنیا اور زندگانی دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دیتے۔ انھیں اب بھی یقین رکھنا چاہئے کہ اگر دین کی خدمت کریں گے تو ان کی محنت ضائع نہ ہوگی اللہ تعالیٰ اس کا اجر ضرور دے گا۔ خدا عادل اور رحمان و رحیم ہے وہ ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا، کسی کا عمل ضائع نہیں ہوگا

چند نکات

(۱) اسلام کی نظر میں جنگ نہ کرنے کی حالت، جد و جہد چھوڑنے اور جان و مال بچانے یا آرام کرنے سے عبارت نہیں ہے۔ جنگ نہ کرنے کی حالت، تربیت اور خدمت کی حالت ہے نماز کا قیام و تسلسل اللہ سے تقرب اور تقوے کی کوشش تیز کرنے کی تدبیر ہے اور زکات بندگان خدا کی امداد و دستگیری ہے یا ان کے فقر کا دفاع کرنے کا وقت ہے۔ دونوں عمل مقصدیت کے لحاظ سے جہاد کی طرح مفید و مطلوب خدا ہیں۔

(۲) جوش اور خواہش جنگ سے سرشار نظر آنے والے افراد دیکھ کر یہ خیال نہ ہو کہ حملے کا وقت آگیا لوگ جاں فروشی پر تیار ہیں جنگ شروع کر دی جائے تو بہتر ہے۔ جہاد، لوٹ مار یا خون خرابہ نہیں ہے، اس کا ادب قاعدہ اور خاص فلسفہ اور ضابطہ ہے، جو لوگ نماز کی زحمت اور دولت میں سخاوت کا حق ادا نہیں کرتے وہ جہاد میں آگے کیا بڑھیں گے

انھیں حکم جہاد دے کر دیکھ لیا کہ انھیں دعویداروں میں ان افراد کی تعداد زیادہ نکلی جو دشمنوں کی فوج دیکھ کر حد سے زیادہ خوف زدہ ہوئے۔

(۳) قتل و خوں ریزی میں دلیر آدمیوں کو جنگ سے روکا اور نماز و ایثار کا حکم دیا جائے تو چیں بجبیں ہوتے ہیں اور جب باضابطہ و با اصول جنگ یعنی خاص مطلوب خدا جہاد کا حکم ملتا ہے تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ ان کا مدعا تو وہ جنگ ہے جس میں اپنی جان بچائیں اور مخالف کا مال اڑائیں اور بس۔

(۴) بعض لوگ نماز، روزے اور داد و دہش میں بڑے مؤمن و پاک باز نظر آتے ہیں مگر جب انھیں کو جاں فروشی کا حکم دیا جائے تو ساری دینداری کا بھرم کھل جاتا ہے اور ان کے قدم ڈگمگاتے نظر آتے ہیں۔

(۵) دراصل اسلام ہر آن شہادت طلب ہے کبھی جان پر کھیلنے کا مطالبہ کرتا ہے کبھی خواہشات کی قربانی اور مال لٹانے کا مظاہرہ، مسلمان وہ ہے جو ہر مرحلے میں ثابت قدم اور راضی برضا ہو۔

ع۔ یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے ؛ لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

(۶) متاع دنیا قلیل ہے یعنی دنیا اور زندگانی کچھ نہیں، اصل چیز آخرت ہے اصل بنیاد تقویٰ اور انعام الٰہی ہے۔ اس کے رحم و کرم بے پایاں پر بھروسہ ہے تو آدمی موت کا خیر مُقدَم کرتا ہے۔

(۷) کفّوا ایدیکم۔ کا بہ اتفاق مفسرین یہی مطلب ہے کہ جنگ نہ کرو ہتھیار نہ اٹھاؤ دو ایک حضرات نے جواردو میں خود ساختہ معنی لکھے اور تفسیر بالرائے کی ہے وہ واضح طور پر غلط ہے "قتال" کے مقابلے میں "کف" ظاہر ہے کہ "ناجنگ" کے معنے ہی میں استعمال ہوا ہے، ہاتھ باندھنا، یعنی ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا یہاں کوئی ربط ہی نہیں ہے۔

(۸) آیت کا اطلاق اور اس کے دائمی انطباق کی توضیح میں ائمۂ اہل بیت علیہم السلام کی احادیث میں امام محمد باقر علیہ السلام کی یہ تفسیر انتہائی اہم ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا:

خدا کی قسم، امام حسن علیہ السلام نے جو رویہ اختیار فرمایا، وہ اس امت کے لئے

دلوں کی روشنی میں خیر و صلاح تھا ایسی ہی رفتار کے لئے یہ آیت ہے ۔ الم تر الی الذین ... کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ ان سے کہا گیا جنگ نہ کرو، نماز پڑھو، مال راہ خدا میں خرچ کرو ۔ یعنی امام وقت کی اطاعت اور ان سے ہم آہنگی رکھو ۔ اس کے جواب میں لوگوں نے مطالبۂ جنگ کیا ۔ فلما کتب علیہم القتال .... پھر جب امام حسینؑ کے دور میں جہاد کا حکم دیا گیا تو انھوں نے مستقبل تک اس حکم کے التوا کی خواہش ظاہر کی کہ امام مہدیؑ آئیں گے تو ان کے پرچم تلے جنگ کریں گے مزید احادیث کے لئے دیکھئے نور الثقلین ۔

جناب سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل ؒ

تفسیر

سورہ نساء آیت نمبر ۷۸ — ۹۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْھُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْھُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝۷۸ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۷۹

ترجمہ

تم جہاں کہیں بھی ہوگے موت تم کو پالے گی خواہ تم مضبوط برج (وقلعے) میں ہو۔ اور اگر انھیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ تمھاری وجہ سے ہے۔ کہہ دیجیے سب کچھ اللہ عزّ اسمہٗ ہی کی طرف سے ہے، تو اس قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ لوگ کوئی بات سمجھ ہی نہیں پاتے (۷۸) تم کو نعمت جو ملتی ہے وہ اللہ کی طرف سے اور جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمھاری ہی بدولت ہے اور ہم نے تم کو لوگوں کے واسطے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ عزّ اسمہٗ ہی گواہی کے لئے کافی ہے۔ (۷۹)

تفسیر

۷۸۔ اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ ۔۔۔۔۔۔۔۔

بُرُوْجٌ : برج، بڑے زمین داروں، سرداروں کے مکانات کے گرد چار دیواری کے اندر جگہ جگہ بلند اور سربند قسم کے گنبد نما ٹھکانے جن میں پہرہ دار دشمن کی نقل و حرکت دیکھتے اور حویلی گڑھی کوٹ، یا قلعے کی حفاظت اور اس کی دیکھ بھال کرتے اور جنگ کی صورت میں اس برج سے حملہ کرتے ہیں۔ نیز وہ مضبوط پناہ گاہ جس پر بم جیسے خطرناک اسلحہ کا اثر نہیں ہوتا۔

مُشَیَّدَۃٌ ۔ پختہ، مضبوط "بروج مشیدۃ" سے مراد حفاظتی مکان ہیں جو مختلف زمانوں میں مختلف ناموں اور طریقوں سے تعمیر ہوتے رہے ہیں۔

یہ آیتیں مسلسل تقریر اور مربوط جنگی درس کی صورت رکھتی ہیں۔

موت کے ڈر سے جنگ میں نہ جانا بے معنٰی ہے۔ مال دنیا ہیچ ہے اس دولت سے حفاظت جان کے لئے مضبوط ٹھکانے بنا کر رہو مگر موت وہاں بھی آکر دبوچ لے گی، میدان میں نہ سہی ہر لمحہ بستر پر بھی موت آسکتی ہے پھر مردانہ وار جان دے کر شہادت کیوں نہ حاصل کرو ۔

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ ۔۔۔۔۔ بزدل اور منافقوں کی باتیں فضول ہیں، انھیں کوئی فائدہ پہنچے یا ان کی پسند کی بات نظر آئے یا فتح حاصل ہو تو خوشیاں مناتے اور کہتے ہیں واہ، واہ اللہ نے کرم کیا اور اگر اسی موقع پر کبھی کوئی نامطلوب بات ہو جائے تو نبیؐ قائد پر الزام لگاتے ہیں کہ ان کی تدبیر اور منصوبے کی وجہ سے یہ نقصان ہوا۔ حالانکہ فتح و شکست نفع و نقصان کا مالک و مختار اللہ ہے۔ اس حقیقت سے آگاہ نہ ہونا اور بات کی تہہ تک نہ پہنچنا یہ ان لوگوں کی کمزوری ہے ۔

۷۹۔ مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ ۔۔۔۔۔

حَسَنَةٌ : خوش کن نعمت، دنیا سے اس کا تعلق ہو یا آخرت سے۔ کلمۂ "حسنہ" قرآن میں تقریباً اٹھائیس مرتبہ آیا ہے۔

آیت میں ایک کلیہ بیان ہوا ہے ۔ رحمت و انعام عطا کرنا اللہ کا کام ہے اور

زحمت و نقصان آدمی کے کرتوت کا نتیجہ ہے لہٰذا ہر لحہ صبر و شکر کرنا چاہیئے، خود فریبی سے آدمیت بدل جاتی ہے۔ فکری کجی انسان کی قدر و قیمت کم کر دیتی ہے۔ ہر وقت اپنی تعمیر و تہذیب، تقوے اور توجہ الی اللہ کی راہ سامنے رکھنا چاہیئے۔

_ وارسلنٰک للنّاس _ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کے احکام اور ان کے رویوں پر گفتگو میں یہ نکتہ ضرور سامنے رہے کہ حضورؐ، اللہ اور بندے کے درمیان واسطہ ہیں وہ اللہ کے پیغام لانے اور ان پر عمل کر کے دکھانے والے ہیں تم لوگوں کی پسند ناپسند کا معیار اور رحمت و زحمت کی پرکھ کا معیار ذات رسالت ہے اللہ کے ترجمان یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ کے جانشین، راحت و مصیبت کو شکر و آزمائش جانتے ہیں۔ وہ تعمیل و بجاآوری حکم کو بندگی کا فریضہ سمجھتے ہیں۔ تم بھی اس کی پیروی کرو۔

وکفیٰ باللہ شھیدا۔ اللہ، حاضر و ناظر ہے اور اس کا مشاہدہ اور اس کا منافق و مؤمن کے ظاہر و باطن کا گواہ ہونا کافی ہے، کیوں کہ جزا سزا اس کے ہاتھ میں ہے۔

امامؑ نے تفسیر میں فرمایا:

قرآن میں حسنات و سیئات دو طرح کے ہیں ① صحت و سلامتی۔ امن و وسعتِ رزق یعنی حسنہ ہے۔ اور ② مرض و خوف بھوک اور مشکلات کو "سیئہ" کہا ہے۔

جیسے: وان تصبھم سیّئۃ یطّیّروا بموسیٰ ومن معہٗ (الاعراف/۱۳۱)

اور جب مصیبتوں سے دوچار ہوتے ہیں تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کی بے برکتی بتاتے ہیں یہی فکری رجحان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ رکھنے والوں کا ہے جو زیر نظر آیت میں بیان ہوا ہے۔

حسنات کی دوسری قسم بندوں کے اچھے اعمال ہیں جیسے: من جاء بالحسنۃ فلہٗ عشر امثالھا، (الانعام/۱۶۰)

سیئہ کے دوسرے معنیٰ ہیں۔ بندوں کے وہ اعمال جن پر انھیں سزا دی جائے گی من جاء بالسّیّئۃ فکبّت وجوھھم فی النّار (النمل/۹۰) جو برا عمل کرے گا اسے منہ کے بل آگ میں جھونکا جائے گا۔ (نورالثقلین)

مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنۡ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ۞ وَيَقُوۡلُوۡنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوۡا مِنۡ عِنۡدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ غَيۡرَ الَّذِىۡ تَقُوۡلُ ‌ؕ وَاللّٰهُ يَكۡتُبُ مَا يُبَيِّتُوۡنَ‌ ۚ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ‌ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ۞ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ‌ ؕ وَلَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِيۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا ۞

ترجمہ

جو رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ اور جو سرتابی کرتا ہے تو ہم نے آپ کو پاسبان بنا کر نہیں بھیجا (۸۰) اور یہ لوگ فرمانبرداری کا دعوہ کرتے ہیں اور جب آپ کے پاس سے (اٹھ کر) باہر جاتے ہیں تو ان میں سے کچھ لوگ ان کئے ہوئے وعدوں کے خلاف مشوروں میں راتیں بسر کرتے ہیں اور اللہ ان کی رات بھر کی باتیں لکھتا ہے۔ آپ ان پر توجہ نہ کیجیے اور اللہ پر بھروسہ کیجیے اور اللہ جل جلالہ کارسازی کے لئے کافی ہے (۸۱) کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر وہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا۔ تو اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے (۸۲)

تفسیر

۸۰۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ۔۔۔۔۔۔"

سنت رسول حجت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت دراصل اللہ عزاسمہ کی فرمانبرداری ہے۔ یعنی اللہ وہی چاہتا ہے جو نبی اعظمؐ کہتے اور کرتے ہیں۔ آپؐ ہی اصل دین ہیں ان کی اطاعت سے اللہ کی محبت اور ان کی اطاعت سے اللہ کی حاکمیت قائم ہوتی ہے اگر کوئی آپؐ کا حکم نہیں

مانتا تو خود اپنے حقوق و انعام ضائع کرتا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام لوگوں کو جبراً روک کر اطاعت خدا کی طرف لانا نہیں ہے۔

۸۱ ـ ویقولون طاعة ......

بُيِّتَ : رات کو بنایا ہوا منصوبہ ۔ رات کا عمل

مفاد پرست لوگ آپؐ کے سامنے آپ کی باتوں پر ہاں میں ہاں ملاتے، مدد اور تعاون و فرمانبرداری کے وعدے کرتے ہیں مگر آپؐ کی محفل سے نکل کر اپنے ٹولے میں بیٹھتے اور رات رات بھر صلاح مشورے کرتے ہیں یہ لوگ آپؐ کی اطاعت میں پس و پیش کرتے ہیں ایسے بدعقیدہ یا منافق ناقابل اعتنا ہیں انھیں نظر انداز کر دیا کرو۔ ایسے آدمیوں کو ساتھ نہ لوگے تو کوئی مشکل پیش نہ آئے گی جس کا وکیل و وارث اللہ تعالیٰ ہے اسے کسی منافق کی ضرورت بھی کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان ناقابل اعتماد افراد کی مشاورت و شرارت پر نظر رکھتا ہے، ان کے اعمال نامے میں سب کچھ لکھا جارہا ہے قیامت کے دن سارا کچا چٹھا ان کے ہاتھوں میں دے دیا جائے گا اور وہ اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔

ابو جعفر محمد بن جریر طبری کے نزدیک یہ آیت قبل فرض جہاد نازل ہوئی تھی۔

۸۲ ـــ أفلا يتدبرون القرآن ....

دلیل اعجاز اور قرآن میں تدبر

ایک ایسی کتاب جو مختلف حالات اور طرح طرح کے واقعات میں آیت آیت کر کے نازل ہوئی کبھی کوئی ٹکڑا لکھوایا گیا کبھی کوئی حصہ، صلح اور دشمنوں کی سختیوں جنگ اور اس کی تیاریوں، میدان اور اس کے نرم و گرم احوال، بحث و نظر اور اس کے پس منظر، گزشتہ مذاہب و ادیان یا موجودہ شخصی اور اجتماعی مسائل، فلسفۂ اخلاق اور ضابطۂ فکر و نظر، مطالعہ کائنات یا مباحث ماوراء کائنات سیاست و ریاست یا داخلی اور خارجی معاملات و روابط۔ حیاتیات و انسان شناسی۔ معرفت خدا اور بیان عقائد، قانون اور اس کا اجرا،

فکراور اس پر عمل زندگی اور اس سے شاندار وابستگی، صحرائی اور مہذب، جاہل اور پڑھے لکھے انسانوں سے باتیں۔ سوال اور ان کے جواب، علوم وفنون اور ان کے ضابطے، ادب اور اس کے مادرائے امکان اسالیب، ماضی ومستقبل کے حوالے اور رہنمائیاں۔ مایوسی سے دور اور حرکت وتسلسل عمل کی بات خوف ورجاء آخرت اور ثواب وعذاب کی خبروں کے ساتھ ساتھ دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کی تشویق، غرض نظام حیات وزندگی کے تمام اطراف وجوانب پر گفتگو کرنے والی کتاب کا مطالعہ کرنے سے کم ازکم یہ بات توبہر حال واضح ہوجاتی ہے کہ یہ کلام صرف اور صرف حکیم قادر، اللہ کا کلام ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کے تعلیمات وبیانات میں یک رنگی وہم آہنگی ہے۔ گہرائی اور سادگی ہے۔

نہ فکری تضاد ہے نہ تعلیمات میں اختلاف نہ حقائق میں ٹکراؤ ہے نہ اصولوں میں تصادم نہ واقعات میں شک ہے نہ بیانِ نتائج میں الجھاؤ۔

"ولو كان من عند غير الله" اور اگر ایسی کتاب کوئی ادیب ومفکر لکھتا تو اس میں اختلاف، مضمون کی تبدیلی کے ساتھ بیان کے حسن میں کمی اور عدم توازن ضرور ہوتا پھر ایک شخص کو ایک ہی مسئلے پر خصوصی مہارت وکمال ہوتا ہے۔ اتنے زیادہ موضوعات ومسائل پر یکساں قدرت ممکن نہیں۔

دلیل اعجاز وصداقت قرآن کا حوالہ اس لئے قابل توجہ ہے کہ اتنی بڑی دلیل حقانیت کے بعد رسول آخر الزماں ؐ کی اطاعت نہ کرنا دانشمندی کے خلاف ہے۔

وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِۦ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰٓ أُولِى الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنۢبِطُونَهُۥ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُۥ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَـٰنَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٣﴾ فَقَـٰتِلْ فِى سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ ۚ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ عَسَى اللَّهُ أَن يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنكِيلًا ﴿٨٤﴾

ترجمہ

اور جب ان کے پاس امن یا جنگ کی کوئی خبر آتی ہے تو اس کو اچھالتے ہیں حالانکہ اگر اسے رسول اللہؐ یا خود ان میں جو اولی الامر (سربراہ) ہیں ان تک پہنچا دیں، تو جو لوگ (رسول و ولیّ امر) بات کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں وہ اس بات کی حقیقت سمجھ لیں۔ اور اگر تم پر اللہ جلّ وعلیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند افراد کے علاوہ تم سب شیطان کے پیچھے ہو لیتے (۸۳) تو اے رسولؐ) آپؐ، اللہ کی راہ میں جنگ کیجیے۔ اور آپ اپنی ذات کے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں ہیں اور مومنوں کو جہاد پر ابھاریئے۔ اللہ، کافروں کی ہیبت (جنگ) کو عنقریب روک دے گا اور اللہ کی ہیبت سب سے زیادہ اور اس کی سزا بہت سخت ہے

تفسیر

۸۳۔ واذا جاءھم امر ....

اولی الامر

زیر نظر آیت کے ساتھ آیت نمبر ۵۹ اور اسّی ۸۰ میں "اولی الامر" اور "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ"، یعنی آنحضرتؐ کی اطاعت مطلقہ ہے اس کے بعد امت کو حکم ہے کہ سنی سنائی بات کا پروپیگنڈہ نہ کرو۔ جنگ ہو گی یا نہیں، خطرہ ہے یا امن ہے ہر جگہ خیال آفرینی منع ہے رسول موجود ہوں تو ان سے پوچھو وہ نہ ہوں تو "اولی الامر" سے بات کرو۔ اولی الامر کی صفت یہ ہے کہ وہ علم کے سرچشموں سے فیضیاب ہیں وہ علم کے ایک نکتے سے ہزار نکتے دریافت کرتے ہیں وہ کتاب کے وارث اور حکمت الٰہی کے امین ہیں۔

خلیفۂ بلا فصل

انسٹھویں آیت میں یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ اختلاف کے وقت "اولی الامر" کو چھوڑ کر

اللہ ورسولؐ کی طرف رجوع کا حکم بتاتا ہے کہ اطاعت کے لیۓ اولی الامر کی حیثیت بنیادی نہیں ہے پھران کا قول وفعل حجت کیسے مانا جائے ؟ اس کا جواب اسی بحث کے ضمن میں دیا جاچکا ہے لیکن اس آیت میں براہ راست اسی کا بیان ہے یعنی رسولؐ کے بعد" ردّ و رجوع" (وہی الفاظ) اولی الامر کی طرف کرنا ضروری ہے کیونکہ اولی الامر اپنی علمی جامعیت کبریٰ اور امکانات صادقہ کی وجہ سے استنباط حکم صحیح کرتے ہیں ۔

حدیث میں ہے یہاں اولی الامر سے مراد ہم اہل بیت وائمہ معصومینؑ مراد ہیں ۔ اسی بنا پر حضرت علی علیہ السلام کو ولی اللہ اور خلیفۂ بلافصل رسولؐ کہا جاتا ہے ۔

خبروں کی اشاعت

اس آیۂ مبارکہ میں اعجاز کا یہ پہلو بھی ملاحظہ ہو، کہ جس زمانے میں نشر و اشاعت کی موجودہ اہمیت لوگوں پر عیاں نہ تھی قرآن مجید پہلی مرتبہ اس پر فلسفیانہ نفسیاتی اور سائنسی بات کرتا اور تحریک میں خبروں کی اشاعت پر پابندی کا حکم دیتا ہے ۔ جسے جو خبر ملے وہ رسول اللہؐ یا " اولی الامر" تک پہنچائے ۔ اولی الامر خبر کے بارے میں سرچشمہ (source) سے چھان بین کی قوت رکھتے ہیں ان کی صوابدید کے بغیر خبر کی اشاعت ممنوع ہے ۔

رسول و اولی الامر کی اجازت کے بغیر، سرد یا گرم خبر کی اشاعت ممنوع ہونے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہر شخص ذریعہ خبر و اخبار بن کر مرکزیت حاصل کر کے مسلمانوں میں انتشار نہ پیدا کر سکے گا

خبر بنانا، اسے مشتہر کرنے کا لہجہ، انداز اور وقت بڑی اہم چیزیں ہیں ، اس سے نفسیات جذبات، کردار اور قانونی فتح وشکست حاصل کی جاتی ہے، خبر کی اشاعت سے نظریاتی جنگ کا رخ موڑا اور حریف کا زور توڑا جاسکتا ہے ۔

خبر سننے والوں کو قرآن نے ہدایت کی " یایہا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنباءٍ فتبینوا " مومن ہوشیار رہیں ، جب کوئی بدکار خبر لائے تو اس کی چھان بین کرلیں (الحجرات/ ۶)

نشر و اشاعت کے اداروں کی رہنمائی ، جنگ اور صلح کی فضا پر نظر رکھنے والوں ۔

فکری تبلیغ کے محاذ پر خبری حملوں سے چوکسی کی تنبیہ کے علاوہ ان آیات سے فنّ درایت و روایت حدیث کے اصولوں پر بھی اشارات ہیں

خلاصہ: کوئی صورت حال ہو، خبر سنتے ہی شہرت نہ دو۔ افواہوں کی روک تھام رکھو۔ ہر خبر، رسولؐ و امامؑ سے رجوع کے بعد قابل توجہ سمجھو۔ وہی اسلام اور فلسفہ، زندگی اور رویّوں کی سمت معین کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ ان میں اصلی مصادر کے جاننے والے علماء دین استنباط کے بعد جو کہیں وہ کرو۔

۔ **ولولا فضل اللّٰہ علیکم** ۔ شیطان کی قیادت اور طاغوت کی حکومت پلک جھپکتے میں آدمی کو پیچھے لگا لیتی ہے اور آدمی فطری صلاحیتوں سے دست بردار ہو کر خواہشات کا کھلونا بن جاتا ہے۔ صرف قادر و حکیم خالق کی نگاہ فضل و کرم کا صدقہ ہے کہ اس نے رحمت کے ذریعے انسانوں کی ایک نسل کو گمراہی سے بچالیا۔ ورنہ اسلام لانے کے بعد یہ سب کافر ہو جاتے اور گنتی کے آدمی ثابت قدم رہتے۔

۸۴ ــ **فقاتل فی سبیل اللّٰہ .....**

حَرَض : بے کار۔ فاسد۔ تحریض : بے کاری دور کرنا۔ فساد ختم کرنا۔ جنگ پر ابھارنا۔ حَرِّض، فعل امر ہے

عسٰی اور لَعَلَّ کلمات ترجّی ہیں۔ قرآن مجید میں ان کے معنی ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ امید ہے۔ اگر اسباب و مقدمات مہیا کر لئے گئے تو ایسا ہو گا۔

عسٰی اللّٰہ ان یکف... (۸۴)

شاید۔ بندوں کو امیدوار بنانے کے معنی بھی دیتا ہے۔

تفسیر ابی السعود کے بقول: عسٰی۔ لعلّ اور سوف شاہانہ گفتگو میں "قطعی" اور "حتمی" کے معنوں میں مستعمل ہیں اس سے مراد متکلم کے وقار کا اظہار ہے۔

یکُفّ : کافروں کا حملہ روک دے، ان کی ہیبت کا اثر روک دے، زور توڑ دے۔ دیکھئے تفسیر آیت ۷۷ و ۹۱۔

بأس : ہیبت، قوت، شجاعت اور زور کے معنی ہیں۔ مجازاً جنگ بھی مراد لیتے ہیں۔

تنکیل: نکول۔ ڈر سے ہچکچانا منہ موڑنا۔ تنکیل نکیل ڈالنا سزا دینا۔

سابقہ پس منظر میں جنگی ماحول اور سیاسی امور کی نشان دہی واضح ہوچکی اسی ذیل میں یہ آیت تین بڑے فیصلے کر رہی ہے۔

۱۔ میرے محبوب، آپ کسی کی فکر نہ کریں آپ تن تنہا اپنی ذمہ داری انجام دیں۔ ابوسفیان کے الٹی میٹم کی تاریخ قریب ہے آپ اکیلے آمادہ جنگ رہیں، ہر اسلامی قائد کا یہی فریضہ ہوگا کہ وہ خود پر اعتماد اور اللہ پر توکل رکھ کر قدم آگے بڑھاتا رہے۔

۲۔ مومن اور ہم فکر و ہم عقیدہ افراد کو آمادہ رہنے اور ساتھ چلنے کا پیغام دیجئے۔

۳۔ آپ خود ثابت قدم رہیں گے اور باعزیمت ساتھی بھی خدا پر بھروسہ کرکے آگے آئیں گے حالات سازگار ہوں گے تو اللہ دشمن کا زور توڑے اور ان کے منہ موڑے گا اور کافر طاقت آزمائی نہ کرسکے گا۔

چوتھا نکتہ، فکری طور پر ہمہ وقت مستحکم رہنے کا درس ہے۔ اللہ کی قدرت، اس کی سخت ترین گرفت سے کوئی بھاگ نہیں سکتا منافق ہو یا کافر کتنا ہی زور لگائے اللہ عزاسمہ کی حکمت وقدرت سے مقابلہ نہیں کرسکتے۔ مومن کو اللہ کی گرفت کے عقیدے سے مزید سہارا ملتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ذوالقعدہ میں بدر صغریٰ پہنچے۔ حضرت علیؑ کو عَلَم لشکر دیا اور مجاہدین احد کے ستّر آدمیوں کے ساتھ وعدہ گاہ پہنچے، مسلمانوں کی یہ عزیمت دیکھ کر ابوسفیان راستے ہی سے واپس چلا گیا یوں کافروں کو ایک اور زک پہنچی۔

مَن يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُن لَّهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا ۖ وَمَن يَشْفَعْ شَفَاعَةً

سَيِّئَةً يَكُن لَّهُ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا ﴿٨٥﴾

ترجمہ

جو شخص اچھی سفارش کرے گا اس میں اس کا بھی حصہ (ثواب) ہوگا۔ اور جو

بُری سفارش کرے گا اس میں اس کا بھی حصہ (عذاب) ہوگا۔ اور اللہ عزّ اسمہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۸۵)

تفسیر

شَفَاعَۃٌ: شفع، وتر کی ضد۔ ایک کا ساتھی۔ جفت۔ سفارش، دعا۔

کِفل: کولہے کا نچلا حصہ۔ سواری کی پشت کا پچھلا حصہ جس پر سوار کو تکلیف ہوتی ہے۔ بُرا حصہ۔ حصہ۔

مُقِیتٌ: مادہ "قُوۡت" ہے جس کے معنی ہیں اتنی خوراک جس سے آدمی زندہ رہ سکے۔ مُقِیت، اسم فاعل، وابھی غذا دینے والا زندگی کا ضامن و محافظ۔ توانائی و قدرت والا باریک اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر نظر رکھنے والا۔ محاسب

آیت اپنی معنوی جہتوں سے سیاسی و اخلاقی، انفرادی اور اجتماعی تعلیمات کی حامل ہے۔

سفارش

معاشرتی زندگی میں قرآن مجید "بِرّ و تقویٰ میں تعاون" کی تاکید کرتا ہے۔ ایک دوسرے کے کام آنا کبھی کی ضرورت میں مدد کرنا، معاملات میں رائے اور مشورہ دینا یا سفارش کرنا ضروریات زندگی میں ہے۔ قرآن حکیم اس ضرورت کی تائید کرتا ہے اللہ چاہتا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد اور سفارش کرے۔ مگر اخلاقی اور فکری یعنی اسلامی و انسانی قدروں کے احترام کے ساتھ۔ یعنی:

سفارش کرتے اور مشورہ دیتے وقت اس عمل و مقصد کو دیکھ لینا چاہئے اگر وہ بات حسنہ ہے اسلام اس کو بُرا نہیں کہتا تو ضرورت مند کی سفارش کرو۔ غلط اندیش کو امر بالمعروف کرو مجبور کے لئے دعا کرو۔ راہ خدا میں جہاد و سعی، دوڑ دھوپ اور جانفشانی کرنے والے کا ہاتھ بٹاؤ بھائیوں میں اصلاح احوال کے لئے آگے بڑھو۔ اللہ اصل نیکوکار کو جو ثواب دے گا اس میں شفیع کا حصہ بھی رہے گا۔

ہاں جو شخص اسلامی ضابطۂ اخلاق و قانون نیک و بد یا ممنوع و غیر ممنوع کی دیکھ بھال کئے بغیر بُرائی کا ساتھ دیتا ہے۔ فی سبیل اللہ جان یا مال یا وقت صرف کرنے والے کے خلاف بات کرتا یا کافر و فاسق کا ہم نوا بنتا ہے۔ منکرات کا راستہ بتاتا اور اسلام کی خدمت کرنے سے باز رکھنے والوں کی طرح بُرے مشورے دیتا ہے تو وہ معاف نہیں کیا جائے اسے مجرم قرار دیا جائے گا اور سزا ملے گی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو امر بمعروف یا نہی عن منکر کرتا ہے بھلائی کی راہ دکھاتا اور اچھائی کا مشورہ دیتا ہے وہ شریک عمل ہے اور جو برائی کی راہ دکھاتا یا برا مشورہ دیتا ہے وہ بھی شریک کار ہے (نور الثقلین)

اللہ عز اسمہ قادر و توانا ہے وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور ہر ایک کا محاسبہ کرنے والا ہے لہذا برائیوں کے حامی ضرور سزا پائیں گے اور بھلائیوں کے فروغ دینے والوں اور ان کے مددگاروں کو یقیناً جزا ملے گی۔

شفاعت

جائز اور مباح کام میں سفارش کی تاکید ہے آخرت میں سفارش کا نام شفاعت ہے (دیکھئے البقرہ ۲۵۵/ - النساء ۸۴/) - جب گناہ کی وجہ سے رحمت الٰہی رخ موڑنے والی ہوگی تو قیامت میں حق شفاعت رکھنے والے اپنی ہدایت و ولایت کی بنیاد پر حضور باری میں رحم کی اپیل کر کے بارش عفو و رحمت کا وسیلہ بنیں گے۔ اسی وسیلے سے وابستگی کا سورہ مائدہ میں اہل ایمان و تقویٰ کو حکم دیا گیا ہے، دیکھئے آیت ۳۵/ -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا خصوصی اعزاز ہے کہ وہ شفیع محشر ہوں گے - ان کے علاوہ ملائکہ اور اہل ایمان متقی ماں باپ اپنی اولاد اور اولاد اپنے والدین کی بھی شفاعت کر سکیں گے - (دیکھئے صحیفہ کاملہ)

بحار الانوار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے:

ثلاثة يشفعون الى الله عزّ وجلّ، فيشفّعون: الانبياء، ثمّ العلماء ثمّ الشهداء -

انبیاء، علماء اور شہدا حضور الٰہی میں شفاعت کریں گے - اور ان کی شفاعت قبول ہوگی۔

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿٨٦﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ

لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ
وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٧﴾

ترجمہ

اور جب تمھیں کوئی احترام سے سلام کرے تو اس کو اس سے بہتر جواب دو یا (پھر) وہی کہہ دو، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے ﴿۸۶﴾ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تم کو اس قیامت کے دن ضرور یکجا کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک ہے ہی نہیں۔ اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہو سکتا ہے ﴿۸۷﴾

تفسیر

تَحِيَّه : زندگی کی دعا بقاء حیات چاہنا سلام علیکم کہنا۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: تحیۃ، سلام اور ہر قسم کی نیکی اور ربر ہے

محبت و عقیدت کا جواب محبت احسان

راہ خدا میں ثابت قدمی و جاں فشانی کے جواب میں اللہ عزاسمہ جنت کی منزل پائیں گے اور تحیۃ و سلام سے استقبال ہوگا۔ الفرقان/۷۵، میں ہے:

"اولئك يجزون الغرفة بما صبروا ويلقون فيها تحية وسلاما"

امام حسنؑ کی لونڈی نے حضرتؑ کی خدمت میں ایک پھول پیش کیا، امامؑ نے اس کے جواب میں اسے آزاد کر دیا کسی نے اس احسان عظیم کی وجہ پوچھی تو امامؑ نے فرمایا:

"اذا حييتم بتحية فحيوا باحسن منها"، کے مطابق بہتر جواب تحیۃ کنیز کے لیے یہی تھا۔

سلام محبت کا پیام

سابقہ آیات کے پس منظر میں دیکھئے تو حکم کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے تربیت یہ دی جا رہی ہے

کہ مخلص دوست ہوں یا ظاہر داری برتنے والے جب جو آدمی بھی ہنس کر ملے خوش ہو کر سلام و دعا سے پیش آئے گا اسے اپنا بنانے اور اخلاقی قدروں کو زندہ رکھنے کی خاطر۔

احترام کا جواب اس سے زیادہ خندہ پیشانی سے دے گا تو دلوں میں جگہ پائے گا اور سماج میں سلامتی پھیلائے گا۔

۲۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

السَّلامُ تَطَوّعٌ والجواب فریضۃ ۔

سلام کار ثواب ہے جواب سلام واجب ہے ۔

دوسری جگہ فرمایا:

جو شخص سلام سے پہلے بات شروع کر دے اس کی بات کا جواب نہ دو۔

آنحضرتؐ سلام میں سبقت فرماتے اور سب کو سلام کرتے تھے، بچوں کو سلام کرنا بھی آپ کی سنت تھی۔

۳۔ سلام کا پہلا درجہ ہے کسی سے ملنا ہو یا کسی گھر میں حتیٰ کہ اپنے گھر میں جانا ہو تو اپنے ہی اوپر سہی سلام کر کے داخل ہو یہ عمل اللہ کی طرف سے مبارک تحیہ ہے (نور / ۶)

سلام علیکم۔ کا جواب ہے علیکم السلام ورحمۃ اللہ۔

سلام علیکم ورحمۃ اللہ کا جواب۔ علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اور اس آخری سلام کا جواب کم از کم اسی جواب کا اعادہ ہے۔

۴۔ سلام علیکم کے معنی ہیں۔ سلام اللہ علیکم۔ تم پر اللہ کی طرف سلامتی ہو۔

۵۔ سورۂ الانعام کی آیت چوّن میں حکم ہے:

واذا جاءك الذين يؤمنون بآياتنا فقل سلام عليكم،،

جب ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے آپ کے پاس آئیں تو۔ سلام علیکم،، کہئے۔

۸۷ ۔ اللہ لا الٰہ الا ھو۔۔۔۔۔۔

اللہ، وحدہٗ لاشریک ہے، کوئی دیوی دیوتا یا انسان اس کی عظمت و قدرت کا حریف بن ہی نہیں سکتا۔ اس کے وعدے سچے اس کے احکام درست اس کی تعلیم حق ہے۔ قیامت

کے دن وہ ماننے اور نہ ماننے والوں کو جمع کرے گا اور ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا تم دنیا میں کسی سے ترش روئی کیوں کرو۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ﴿۸۸﴾

ترجمہ

یہ تمہیں کیا ہوا، منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو گئے ہو۔ حالانکہ اللہ عزّ وعلا نے ان کے کرتوتوں کی بنا پر انھیں الٹ دیا۔ کیا تم ان کو سیدھے راستے پر لانا چاہتے ہو، جس پر اللہ نے گمراہی کا حکم لگا دیا، اور جسے اللہ گمراہ قرار دے پھر اس کے لئے راہ نہ پاؤ گے۔ ﴿۸۸﴾

تفسیر

احد کے بعد مدینہ کے لوگوں میں جو کچھ ہو رہا تھا اسے صحیح خطوط پر رکھنے کے ہدایات اور ہر زمانے میں ضابطے کی باتیں ہیں۔

۱- اچھے معاملات میں بہتر امداد و سفارش کرنے سے اچھا حصّہ ملتا ہے، برے پہلوؤں کا ساتھ نہ دو۔

۲- اگر کسی شخص یا فریق کی طرف سے ہنسی خوشی کی بات اور صلح کی پیش کش یا کسی بھلائی کا پیام آئے تو اس کا بہتر یا مناسب جواب دو سلامتی کا جواب سلامتی ہونا چاہیئے۔

۳- توحید کا عقیدہ اور قیامت میں سب کے ایک ساتھ زندہ ہوتے اور محشر میں جمع ہونے کے کے بعد جزا و سزا کی منزل سامنے آنے والی ہے۔

فمالکم فی المنافقین۔ رکسٗ: الٹ دینا۔

جب بتایا جا چکا کہ بری سفارش اور غلط امداد جرم ہے تو پھر منافقین کے بارے میں غلط

حمایت کر کے لوگ دو دھڑوں میں کیوں بٹ گئے ہیں ایک رائے دیتا ہے کہ ان سے لڑنا چاہیئے دوسرا گروہ کہتا ہے نہ لڑنا چاہیئے حالانکہ موضوع بحث وہ افراد ہیں جن کے اعمال و افکار اتنے غلط تھے کہ اللہ نے بطور سزا انھیں سابقہ حالت (کفر) میں واپس مان لیا، اللہ جل وعلا کے فیصلے کے بعد لوگوں کا ان کو مسلمان بنانے یا ماننے کی بات بے معنیٰ ہے، ان لوگوں کے ہدایت کی راہیں بند ہو چکی ہیں:

ختم اللہ علیٰ سمعھم.....

شانِ نزول

آیت کے پس منظروں میں سے ایک یہ ہے کہ چند افراد مکے سے مدینے آئے اور اسلام قبول کیا، اس کے بعد مکے واپس جا کر مشرکوں سے مل گئے مشرکوں نے انھیں کچھ مال دیا جسے لے کر ان لوگوں نے یمامہ کا رخ کیا۔ اس واقعے کی اطلاع پا کر مدینے میں دو گروپ بن گئے ایک کہتا تھا کہ ان سے جنگ ضروری ہے، دوسرا مشورے دیتا تھا کہ نہیں آیت نے اس اختلاف پر تنبیہ کی اور ایسے معاملات کے لئے ضابطہ بتایا کہ ان مجرموں کی حمایت نہ کی جائے۔ اور ان غلط کار لوگوں کو تنبیہ کرنا چاہیئے، اگر وہ دشمن کے کیمپ سے قطع تعلق کر کے فی سبیل اللہ تمھارے پاس آجائیں تو خیر ورنہ ان سے جنگ کرو۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے یہی مروی ہے۔

وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٨٩﴾

ترجمہ

وہ چاہتے ہیں کہ تم ویسے ہی کافر بن جاؤ جیسے وہ کافر ہیں پھر تم سب برابر ہو جاؤ، لہٰذا، ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ، یہاں تک کہ وہ موجودہ منزل سے اللہ کی طرف نہ آجائیں پھر اگر یہ بات نہ مانیں تو انھیں پکڑ لو اور جہاں پاؤ قتل کر دو

اور انھیں دوست اور مددگار نہ بناؤ ۔ (۸۹)

تفسیر

یہودیوں کی سازش پسندیوں نے مدینے سے مکے تک خفیہ تنظیمیں بنانے کی مہم چلا رکھی تھی، منافقوں کا ایک بڑا ٹولہ مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو ان کے قبول کردہ نظریات سے منحرف کرنا چاہتا تھا ۔ آج بھی اسلام دشمن قومیں اور ادارے ایسے منصوبے بنانے رہتے ہیں ۔ آیت نے اس سلسلے میں ضابطہ بنایا ۔ مکے میں اسلام کا دم بھرنے اور مشرکوں سے تعاون کرنے والوں کو تنبیہ کردی جائے کہ وہ شہر چھوڑ کر مدینے آجائیں اور مسلم معاشرہ اور مسلم ماحول میں مسلمانوں کے ساتھ رہیں ۔ یوں ان کی حفاظت بھی ہوگی اور اعتماد بھی بڑھے گا ۔ بصورت دیگر کوئی ڈھیل نہ دی جائے جو جہاں ملے اسے وہاں مارو اور ان کے خلاف فوجی کاروائی کرو ۔ ان سے دوستی اور امدادی معاملات ختم کردو ۔

شان نزول

حدیبیہ کے سفر میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبیلۂ اشجع کی آبادی سے گذرنے والے تھے اسی کے قریب بنوضمرہ کی بستی تھی، بنوضمرہ کو حضورؐ نے کچھ رعایتیں دے رکھی تھیں لیکن مسلمان ساتھیوں نے ان کے خلاف شکایتیں کیں کہ یہ لوگ مدینہ سے ہماری غیر حاضری میں گڑبڑ نہ پھیلائیں اور قریش مکہ سے رابطہ نہ کرلیں، ان سے دو ہاتھ ہو جائیں تو بہتر ہے ۔ حضورؐ نے فرمایا بنوضمرہ کا قومی کردار اچھا ہے یہ لوگ والدین کے حقوق ادا کرتے ہیں ۔ کنبہ پرور ہیں ۔ عہد پورا کرنے والے ہیں ۔

بنواشجع اور بنوضمرہ میں "ناجنگ معاہدہ تھا ان دنوں یہ لوگ قحط سے پریشان ہوکر بنوضمرہ کے یہاں گئے جو خوشحالی اور اچھی پیداوار ہونے کی وجہ سے مطمئن تھے اس سفر کی سیاسی نوعیت اچھی نہ تھی لہٰذا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بنواشجع کو بنوضمرہ کی طرف جانے سے روکنے کے لئے بڑھے کیونکہ بنوضمرہ سے آنحضرتؐ کا معاہدہ تھا ۔

بنو اشجع نے صورت حال دیکھ کر اپنے سردار مسعود بن رجیلہ کو بھیجا، سات سو آدمیوں کا نمائندہ شعب سلع میں رسول اللہؐ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ نے اسید بن حصین کو طلب کر کے ہدایت فرمائی کہ اپنے آدمی لے کر جاؤ اور ان کا عندیہ معلوم کرو۔ اسید تین آدمیوں کے ساتھ مسعود سے ملے، اس سے آنے کا سبب پوچھا۔ مسعود نے بڑے اخلاق سے ملاقات کی سلام کیا اور کہا۔ ہم، محمد (صلی اللہ علیہ و آلہٖ) سے معاہدۂ امن کے لئے آئے ہیں اسید بن حصین نے واپس جا کر آنحضرتؐ کو گفتگو سے مطلع کیا۔ آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے یہ لوگ ہماری قوت سے مرعوب ہو گئے ہیں، ان سے معاہدہ کیا جائے اور دس اونٹ کھجوروں کے انھیں بھیجے۔ اس کے بعد ان سے معاہدہ ہوا اور وہ لوگ ایک دن قیام کے بعد واپس چلے گئے تو آیت اتری۔

"اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍ ......" (تفسیر قمی)

اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَہُمْ مِّیْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْکُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُہُمْ اَنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَہُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَسَلَّطَہُمْ عَلَیْکُمْ فَلَقٰتَلُوْکُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ عَلَیْہِمْ سَبِیْلًا ﴿۹۰﴾

ترجمہ

البتہ وہ لوگ حکم قتال سے مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسے قبیلے سے جا ملیں جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے یا وہ تمہارے پاس آئیں، اور وہ لوگ تم سے یا اپنی قوم سے جنگ کرنے میں دل تنگ ہوں اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلّط کر دیتا پھر وہ تم سے ضرور جنگ کرتے، لہٰذا اگر وہ تم سے دور رہتے اور نہیں لڑتے اور صلح کی پیش کش کرتے ہیں تو اللہ عزّوعلا نے تمہارے لئے ان کے خلاف کارروائی کی کوئی راہ نہیں رکھی۔ (۹۰)

تفسیر

ابھی یہ حکم پڑھا جا چکا کہ ان مفسدوں کو معاف نہ کرو، جو کفّار و مشرکین کو چھوڑ کر مدینے نہ آئیں اور دشمنوں میں رہ کر تمھارا نام لیں اور کام تمھارے خلاف کریں اس قسم کے لوگوں سے ہر قسم کا تعاون ختم کر دو۔

اس آیت میں مذکورہ حکم سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو واجب القتل فسادی ہوں اور ایسی کافر قوم کے یہاں پناہ لے چکے ہوں جس کا اسلامی حکومت سے معاہدہ ہو کیونکہ حکومت اسلامی اپنے معاہدہ کے احترام کی خاطر اپنی حلیف قوم کے حدود میں قدم رکھنا خلاف ضابطہ سمجھتی ہے۔

صلح پسندیدہ ہے.

آیت پر غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ اگر کوئی اسلام دشمن فسادی، ایسی قوم سے جا ملے جو مسلمان حکومت کی حلیف ہو تو مسلمانوں کو اپنے معاہدے کے احترام میں دشمن کے خلاف وہ فوری کارروائی نہ کرنا چاہئے جس کا انھیں، عام حالات میں حق حاصل ہے یا کہ صورت حال دیکھنا ضروری ہے۔

۲۔ دشمن کی افرادی قوت ایسی ہے کہ وہ جنگ میں تم پر غالب آسکتا تھا مگر وہ جنگ سے برداشتہ خاطر ہے اور صلح کی تحریک کرتا ہے۔ تو مسلمان حکومت کو صلح کر لینا چاہئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام ممکن حد تک جنگ، قتل اور قید و بند سے مسلمانوں کو دور رکھنا چاہتا ہے مگر جب مفسد کسی طرح نہ مانے اور اسلام کو نقصان پہنچانے پر کمر بستہ رہے تو مجبوراً آپریشن کا حکم بھی دیتا ہے۔

سَتَجِدُونَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ

وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ

وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿٩١﴾

ترجمہ

تمھیں کچھ اور لوگوں سے سابقہ ہوگا جن کی خواہش یہ ہوگی کہ تم سے بھی محفوظ رہیں اور اپنی قوم سے بھی بچے رہیں پھر جب جب فساد کا موقع ملے تو فوراً اس میں جھپٹ پڑتے ہیں۔ یہ لوگ اگر تم سے دور نہ ہوں اور امن کی تجویز نہ پیش کریں (قتل وفساد سے) ہاتھ نہ روکیں۔ تو جب قابو میں آئیں قید کرلو اور جہاں پاؤ قتل کردو۔ ایسے لوگ وہ ہیں جن پر ہم نے تم کو واضح قانونی بالادستی دی ہے۔ (۹۱)

تفسیر

مشرکوں میں کچھ لوگوں کی پالیسی یہ تھی کہ مدینہ آتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارادت کا اظہار اور اسلام لانے کا دعویٰ کرتے، مسلمان سمجھتے کہ یہ ان کی برادری میں آگئے جب اپنے قوم و قبیلے میں جاتے تو ان جیسے بن جاتے تھے مقصد یہ تھا کہ ان کی ذات اور مفادات کو نقصان نہ پہنچے۔ درحقیقت یہ لوگ خلفشار چاہتے تھے کہ فتنہ اٹھے اور یہ اپنا اصلی روپ دکھائیں۔ ان میں ایسے افراد بھی تھے جو درحقیقت اسلام چھوڑ کر مرتد ہو چکے تھے ان کی کوشش تھی کہ مسلمانوں کو ختم کردیا جائے آیت نے ان مرتدوں کو اخلاقی و قانونی طور پر قتل کا حق دے کر دشمن پر آخری ضرب لگائی ہے۔

جناب سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضلؒ

تفسیر

سورہ نساء آیت نمبر ۹۲ تا ۹۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ
مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ
اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۚ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ
لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ وَاِنْ كَانَ
مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ
اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ
عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ
جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ
عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

ترجمہ

کسی مومن کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے، لیکن بھول چوک ہو جائے، اور جو بھولے چوکے بھی کسی کو قتل کر دے۔ وہ ایک مومن غلام کو آزاد کرائے اور اس کے وارثوں کو پوری دیت ادا کرے۔ یہ اور بات ہے کہ وارث خون بہا بخش دیں، پھر اگر مقتول اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور مقتول مومن ہو۔ تو ایک مومن کو غلامی سے آزاد کرے۔ اور اگر مقتول اس کافر قوم سے ہو جس سے تمہارا معاہدہ ہو تو اس مقتول کا کفارہ وارثوں کو پورا خون بہا دینا، اور ایک مومن کو غلامی سے آزاد کرنا ہے۔ پھر جو قاتل غلام نہ پائے، وہ دو مہینے پے درپے روزے رکھے۔ اللہ تعالیٰ سے معافی کے طور پر۔ اور اللہ علیم و حکیم ہے (۹۲) اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم اس میں ہمیشہ رہنا ہے اور اللہ عزوجل کا غضب ہوا اور اس کی لعنت ہوئی اور اللہ نے اس کے لئے بڑا عذاب مہیا کیا ہے۔ (۹۳)

تفسیر

۹۲۔ "وما کان لمؤمن ان یقتل.............."

شان نزول

ابوجہل کا مادری بھائی، عیاش بن ربیعۃ المخزومی، مکے میں مسلمان ہوا تو ابوجہل اور حارث بن یزید اسے اذیتیں دینے لگے، ہجرت کے بعد عیاش مدینے چلے گئے، ایک دن مدینہ کے باہر انھیں حارث نظر آگیا عیاش سمجھے کہ حارث کافر ہے انھوں نے اسے قتل کر دیا حالانکہ وہ مسلمان ہو چکا تھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جارہا تھا۔ لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی تو یہ آیت اتری۔

قتل کا جرم :۔ قتل کسی مومن کا عمل نہیں کیونکہ اسلام خوں ریزی کو منع کرتا ہے۔ حدیہ ہے کہ مسلمان

"قتل خطا"، میں بھی سزا سے نہیں بچ سکتا آیت میں قتل کو خطرناک اور قابل مواخذہ جرم قرار دیا جارہا ہے قاتل کو قتل کی سزا کا مقصد زندگیوں کے تسلسل کو برقرار رکھنا اور دہشت گردی کو روکنا ہے۔ اور جہاد کا حکم جس احتیاط اور ضابطوں کے ساتھ وابستہ ہے اس کے مطالعے سے بھی یہی فلسفہ سامنے آتا ہے۔

قتلِ خطا

قانون اسلام میں "قتلِ خطا"، کی تعریف یہ ہے:۔

لا یقصد الفعل، ولا القتل، کمن رمیٰ صیداً او القیٰ حجراً فاصاب انساناً فقتله۔ ومنه، مالو رمیٰ انساناً مهدور الدم فاصاب انساناً آخر فقتله"، (تحریر الوسیلہ، سید روح اللہ خمینیؒ، کتاب الدیات)

یعنی عمل کا ارادہ نہ ہو، نہ قتل مقصود ہو۔ مثلاً بندوق ماری شکار کو یا پتھر پھینکا کسی طرف، اور کوئی آدمی نشانہ بن گیا اور اس کی موت واقع ہوگئی۔ یا۔ ایسے آدمی کو نشانہ بنایا جس کا خون بہانے کا حکم تھا اور زد میں آگیا دوسرا آدمی اور وہ قتل ہوگیا۔

قتل خطا کی سزا

آیت میں اس جرم کی تین نوعیتیں بیان ہوئی ہیں اور ہر ایک کی سزا الگ الگ بتائی گئی ہے۔

۱۔ اگر مقتول اور اس کے وارث مسلمان ہوں تو مجرم کو دو سزائیں دی جائیں گی۔ کفارہ یعنی ایک غلام یا کنیز مسلمان آزاد کرنا اور دیت اس ضمن میں وارثوں کو اجازت ہے کہ وہ خون معاف کردیں۔

۲۔ مقتول مسلمان اور وارث کافر حربی ہوں تو کفارہ ادا کیا جائے مگر دیت ساقط ہے۔

۳۔ مقتول، اگر ذمّی کافروں سے تعلق رکھتا ہو تو مجرم کفارہ اور دیت دونوں کا پابند ہے۔ فقہاءِ امامیہ کے نزدیک دیت کے وارث مسلمان پس ماندگان ہی ہوں گے۔

اگر مسلمان غلام یا کنیز دستیاب نہ ہو یا قیمتِ خرید ادا کرنے کی مقدرت نہ ہو تو مجرم پر واجب ہے کہ لگاتار دو مہینے روزے رکھے۔ یہ اللہ کی طرف سے رحم ہے۔ مگر دیت

واجب الادا ہوگی۔ بشرطیکہ مقتول کے وارث معاف نہ کریں،

کفارہ : وہ جرمانہ جو مجرم کی ذات پر (بطور اصلاح ذات) واجب الادا ہوتا ہے۔

زیر بحث جرم میں کفارہ کے دو پہلو ہیں، ایک اجتماعی و معاشرتی نقصان کی تلافی یعنی ایک آزاد کی کمی ہوئی جسے ایک غلام و کنیز بالغ و عاقل و مسلمان کی آزادی سے انجام دیا جائے گا۔ یعنی ایک جیتے جاگتے انسان کی کمی کا مداوا یہ ہے کہ اس کی جگہ ایک بے حق و استحقاق شخص کو غلامی کی موت آزادی کی زندگی دے کر فرد کی جگہ فرد کو لایا جائے۔

دوسرے اخلاقی نقصان جس کا علاج دو مہینے کے روزے ہیں۔

دیت : ۔ وہ جرمانہ جو جسم یا جان کو نقصان پہنچانے والے پر واجب الادا ہوتی ہے

زیر نظر جرم میں حدیث کے مطابق چار برس کی عمر کے تیس وہ اونٹ جن کی عمر چوتھے سال میں داخل ہو۔ تیس تیسرے سال میں داخل ہونے والی اونٹنیاں۔ بیس وہ اونٹنیاں جو دوسرے سال میں داخل ہوں۔ بیس وہ اونٹ جو تیسرے برس میں داخل ہوئے ہوں یہی روایت امام روح اللہ خمینی رہ کے نزدیک قوی ہے۔ دیکھئے کتب فقہ۔

دیت۔ انسانی جان کی قیمت نہیں بلکہ خاندان کو اس رکن کی کمی سے پہنچنے والے نقصان کی تلافی کا ایک طریقہ ہے۔

آیت مبارکہ میں دیت کی تفصیل نہیں ہے، یہ تشریح حدیث کے ذریعے کی جائے گی اور رقبہ کا فتویٰ یعنی مجتہد کا اجتہاد ضروری ہے۔

دیت میں مسلمان اور غیر مسلمان کا فرق، نظریاتی قانون اور فکری نظام کی وجہ سے ہے۔ جب کہ غیر مسلمان انسان کا احترام مجروح نہیں ہوتا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے، غلام و کنیز کی آزادی کا جہاں حکم آیا ہے وہاں کم سن کی آزادی بہتر ہے سوائے کفارۂ قتل کے، یہاں قرآن مجید نے "تحریر رقبۃ مومنۃ" کے ذریعے بالغ کی آزادی لازم کی ہے۔

۹۳۔ "ومن یقتل مؤمنا متعمداً ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

شان نزول : ہشام نامی ایک مسلمان کی لاش اس کے بھائی مقیس بن صبابہ کنانی کو محلہ بنی نجار

میں دستیاب ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مقیس نے شکایت کی۔ آنحضرتؐ نے قیس بن ہلال مہری کے ساتھ مقیس کو بنی نجار میں بھیجا اور حکم دیا کہ اگر قاتل کی شناخت ہو جائے تو اسے مقیس کے حوالے کر دیا جائے اور اگر قاتل نہ پہچانا جا سکے تو مقتول کی دیت ادا کی جائے۔ مقیس خون بہا لے کر قیس کے ساتھ واپس آرہا تھا۔ راستے میں اسے قدیم رسم یاد آئی کہ خون بہا لینا باعث بدنامی ہے لہٰذا بھائی کے بدلے بنی نجار کے اس آدمی قیس کو قتل کرنا بہتر ہے اس نے قیس کو قتل کر کے مکے کی راہ لی اور کافر ہو گیا۔

اس ضمن میں آیت یہ حکم لائی کہ مسلمان کو مسلمان عمداً قتل کرے گا تو اس کی سزا یہ ہے:

۱۔ خلود فی النار۔ دوزخ میں دائمی عذاب۔
۲۔ اللہ عزوجل کا غضب۔
۳۔ اللہ بزرگ و برتر کی لعنت۔
۴۔ عذاب عظیم کی تیاری۔

سورۃ البقرہ کی آیت ۱۷۸ و ۱۷۹ میں اس قسم کے قتل کی سزا کا بیان گزر چکا ہے۔ قرآن وسنت کے بموجب قتل عمد کی سزا قصاص بھی ہے اور دیت بھی جس کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھنا چاہیئے۔ زیر نظر آیت میں جرم قتل کی ایک جہت بیان کی گئی ہے۔

مسلمان قصد و ارادہ، بدنیتی اور قانون شکنی کا مرتکب ہوتا ہے۔ وہ قتل کر کے اسلام سے دست بردار ہو جاتا ہے۔ وہ اسلام کے قانون کا انکار کرتا ہے ایسے قاتل کو اس بنیاد پر علیم و قادر اللہ خاص طور پر اپنے قہر و غضب، لعنت و جہنم کے دائمی عذاب میں رکھے گا۔ وہ دنیا میں اگر قانون کے شکنجے سے بچ گیا تو آخرت میں اس کے بدلے سخت ترین سزا پائے گا۔

سخت ترین قانونِ سزا کے ضمن میں یہ بحث عجیب ہے کہ ایسا قاتل توبہ کر سکتا ہے اور اس کی توبہ قبول ہو گی یا نہیں؟ "خلود فی النار"، شرک کی سزا ہے اور اللہ نے اسی سزا کے حکم کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ ــ "یغفر ما دون ذالک" ــ اس کے علاوہ اللہ سب گناہ بخش دے گا۔

کلام و عقائد کی بحث میں توبہ ایک اہم مسئلہ ہے اور وہاں یہ آیت بھی استدلال میں آئی ہے

اس لئے توجہ کی ضرورت ہے۔
بات یہ ہے کہ شرک کی سزا میں خلود فی النار کا اعلان النسآء کی آیت نمبر اڑتالیس میں بہ این الفاظ گزر چکا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَشَآءُ
یعنی شرک تو ناقابل مغفرت گناہ ہے، اس کے علاوہ گناہوں کے لئے امکان مغفرت تو ہے مگر اس کا دار و مدار مشیت باری پر ہے۔

زیر نظر آیت کو اگر شان نزول کے حوالے سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ قاتل قتل کے بعد کافر بھی ہو گیا تھا اور کفار و دشمنان اسلام سے پناہ طلب کی تھی۔ اس لئے آیت میں خلود فی النار کی خبر ایسے قاتلوں کے لئے ہو سکتی ہے جو مرتد ہو جائیں لیکن غیر مرتد افراد کے لئے ممکن ہے کہ وہ توبہ کریں اور اگر اللہ چاہے تو قبول فرمائے۔ دیکھئے اسی سورے کی آیت ۴۸ و ۱۱۶ و ۱۱۷۔
احادیث کی روشنی میں یہ بات ملے ہے کہ قاتل نبی و وصی نبی کی توبہ قبول نہیں ہوگی اس کی سزا خلود فی النار ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ
لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰهِ
مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ
عَلَیْكُمْ فَتَبَیَّنُوْا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۹۴﴾

ترجمہ

ایمان لانے والو! جب تم اللہ کی راہ میں کوچ کرو، تو چھان بین کر لیا کرو۔ اور جو شخص تم کو سلام کرے اس سے یہ نہ کہہ دو۔ تم مومن نہیں ہو۔ تم زندگانی دنیا کی دولت ہی چاہتے ہو تو اللہ کے حضور بڑے فائدے (مال کے انبار) ہیں۔ تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے اس کے بعد اللہ نے تم پر احسان کیا۔ تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔ بلاشبہ

جو عمل تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ (۹۴)

تفسیر

عَرَضٌ : ناپائیدار چیز = مغنم (ج، مغانم) اسم زمان و مکان اور اسم مفعول ہے اس کے معنی وہ مال واسباب ہے جو دشمن کے ہاتھ آئے۔ مال و دولت۔ کار آمد چیز۔ غنیمت میں حاصل شدہ سامان۔

شان نزول

مسلمانوں کا ایک فوجی دستہ کسی مہم پر بھیجا گیا۔ راستے میں ایک مسلمان اپنی بستی سے باہر کہیں جارہا تھا، اس نے مسلمانوں کو آتے دیکھ کر ان کا استقبال، اپنے جانور یا مال و متاع سامنے سے ہٹا دیا فوجی دستے کے سردار نے اس شخص کے سلام اور اظہار اسلام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حملہ کر کے اس کو جانی و مالی نقصان پہنچا دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مسلمان کی جان کا احترام اور اسے نقصان پہنچانے کے بارے میں قانون وضع کرنے کے بعد مال کا احترام اور ایک آدمی کی زبان پر اعتبار اور آدمی کے دعوائے اسلام کے بعد بغیر تحقیق اس کے خلاف قدم اٹھانے کی ممانعت کی جارہی ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ جہاد کو جارہے ہو، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ راستے میں جو ملے اسے مارو، سامان لوٹو اور آگے بڑھ جاؤ۔ اللہ اس کی اجازت نہیں دیتا۔ ضابطے کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی سلام اسلام کرتا ہے تو اسے مسلمان جانو، وہ کلمہ پڑھتا اور اسلام کا دم بھرتا ہے تو اس پر ہاتھ نہ ڈالو۔ صرف مال غنیمت حاصل کرنا تمہارا مقصد نہ ہونا چاہئے کیونکہ مسلمان کے لئے دولت و کار آمد چیزوں کا ذخیرہ تو اللہ کے پاس ہے وہ انعام ضرور دے گا۔

تم کو اقدام سے پہلے اس آدمی کے بارے میں پوچھ گچھ کر لینا چاہئے اور تحقیق کے بعد جو حکم ہو وہ بجالانا درست ہوگا۔ سوچو تو کہ تم پہلے کیا تھے اور آج اسلام و ایمان و تقوے اور جہاد کے جس مرتبے پر پہنچے ہو وہ اللہ کے فضل کا نتیجہ ہے۔ سلام اسلام کرنے والا اور اپنے تئیں مسلمان

کہلانے والا ممکن ہے تمہارے معیار کا مسلمان نہ ہو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے مسترد کر دو یا آخر معاشرتی ضابطہ اور فکری درجے بس تو ہوتے ہیں۔ یہ شخص اگر اسلام کا دم بھرتا ہے کہ اسے مومن بننے کا موقع دو۔ اور معاشرتی طور سے اپنا بھائی مانو۔ اس طرح ہم خیالی کی راہ پیدا ہو سکتی ہے فوج اور سپاہی کو ان اخلاقی اور نظریاتی حقائق کی تعلیم سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام عقل و آدمیت کا کس قدر احترام کرتا ہے۔

اصل بات حسنِ تدبیر، اور حسنِ عمل ہے۔ مسلمان کو ہر وقت یہ دھیان رکھنا چاہئے کہ اللہ خبیر و بصیر ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٩٦﴾

ترجمہ

برابر نہیں ہیں مسلمانوں میں بلا عذر گھر میں بیٹھنے والے اور اپنے مال و اپنی جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے۔ اللہ عزوجل نے اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرنے والوں کو گھر بیٹھنے والوں پر اسی نسبت سے اعزاز دیا ہے۔ اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے اور مجاہدوں کو ان کی خدمت کے صلے میں گھر بیٹھنے والوں پر زیادہ ترجیح دی ہے (۹۵) اللہ تعالیٰ کی طرف سے درجے ہیں مغفرت اور رحمت ہے اور اللہ عز شانہ بڑا بخشنے والا اور رحم والا ہے (۹۶)

تفسیر

۹۵۔ "لا یستوی القٰعدون۔۔۔۔۔"

شان مجاہد

جہاد کے وقت ہر شخص کو لشکر اسلام میں حاضر اور میدان جہاد میں سر بکف ہونا چاہئے۔ سپاہ اسلام میں ہر مسلمان کا نام ہونا شرف ہے۔ لیکن اگر کوئی بیمار یا معذور ہے تو عام حالات میں وہ گھر میں رہ کر دوسرے دینی، حربی اور اقتصادی کام کر کے دین کی مدد کر سکتا ہے مگر اس طرح وہ مجاہد کے ہم وزن نہیں ہو سکتا۔

خانہ نشین اور میدان میں جانے والے برابر نہیں مجاہد کی شان اور اس کے درجے اور ہیں اور ایک مومن غیر مجاہد کا مقام اور ہے۔ کجا وہ مسلمان جو مال اور جان دونوں کی قربانی دے رہا ہے، کجا وہ مسلمان جو اپنے ٹھکانے بیٹھا جان بچا رہا ہے۔ دونوں کے کردار الگ اس لئے درجات الگ الگ ہیں۔ البتہ اللہ جلّ وعلا نے دونوں کو اجر دینے کا وعدہ فرمایا ہے مگر خانہ نشین کے مقابلے میں مجاہد کا اجر عظیم وکثیر ہوگا۔

یہاں جن خانہ نشین مسلمانوں کی بات ہو رہی ہے وہ ایسے خوش عقیدہ، پختہ فکر اور جاں نثار ہیں جنہیں واقعی اور شرعی عذر رکھنے کا سبب بنے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا۔

لقد خلفتم فی المدینۃ اقواما ما سرتم مسیرا ولا قطعتم وادیا الا کانوا معکم وھم الذین صحت نیاتھم ونصحت جیوبھم، وھوت افئدتھم الی الجھاد وقد منعھم عن المسیر ضرر۔ (الصافی عن الجوامع)

تم لوگ مدینے میں ایسے گروہ کو چھوڑ آئے ہو جو تمہارے ساتھ راستے اور گھاٹی سے گزرتے ہوئے تمہارے ساتھ تھے ان لوگوں کی نیتیں ٹھیک، سینے پر خلوص، دل فریفتۂ جہاد تھے مگر مشکلات نے انھیں روک دیا۔

حضرت علی علیہ السلام جنگ جمل سے واپس آرہے تھے کہ ایک ساتھی نے عرض کی اس وقت مجھے اپنا فلاں دوست یاد آرہا ہے کاش وہ اس فتح کو دیکھتا۔ امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا:
تمہارے اس دوست کا جذبۂ محبت وخلوص ہمارے ساتھ تھا؟

اس نے جواب دیا جی ہاں! آپ نے فرمایا :-

"لقد شهدنا في عسكرنا هذا اقوام في اصلاب الرجال و ارحام النساء سيرعف بهم الزمان و يقوى بهم الايمان "

ہمارے اس لشکر میں وہ قومیں موجود تھیں جو ابھی باپ کی پشت اور ماں کے شکم میں ہیں - زمانہ انھیں سامنے لائے گا اور ایمان ان سے قوت پائے گا (نہج البلاغہ)

مطلب یہ ہے کہ جذبۂ فدا کاری سچا ہو تو مجاہد کا ثواب بھی مل سکتا ہے . . .

۹۶- درجت منه و مغفرة و رحمة . . . . "

جب ولی امر دفاع یا جہاد پر لام بندی کا اعلان کرے اور اس میں ہر شخص کی حاضری لازم نہ قرار دے، اس وقت جہاد پر تیار ہو کر آنے والے بہر حال ان صحیح العقیدہ مسلمانوں سے بہتر ہوں گے - جو کبھی عذر اور معقول مجبوری کی وجہ سے لشکر میں تو حاضر نہیں ہو سکے مگر فکری و عملی ہمدردیاں مسلمان سپاہیوں کے ساتھ رکھی ہوں۔

درجات :- مغفرت اور رحمت کا مالک اللہ غفور و رحیم ہے جس کے یہاں حسن نیت پر بھی ثواب دیا جاتا ہے -

جناب مرتضیٰ حسین صدر الافاضل ؒ

تفسیر

سورہ نساء آیت نمبر ۹۷ تا ۱۰۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ
ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا
أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ
وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ
لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ
أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٩٩﴾

ترجمہ

بلاشبہ جن لوگوں کو ملائکہ نے آلیا جب کہ وہ اپنے اوپر ستم ڈھا رہے تھے، ملائکہ نے پوچھا: تم کس حالت میں تھے؟ ان لوگوں نے جواب دیا، ہم زمین میں دبے پسے ہوئے تھے ملائکہ نے کہا کیا اللہ کی زمین وسیع (کشادہ) نہ تھی کہ تم وہاں سے ہجرت کر جاتے۔ یہی لوگ ہیں جن کا

ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ آخری منزل بُری ہے (۹۷) عذاب سے مستثنیٰ ہیں وہ بے مقدور مرد اور عورتیں اور بچے جو (آزادی کی) نہ کوئی تدبیر کر سکتے ہوں، نہ وہاں سے نکلنے کی راہ پاتے ہوں (۹۸) تو ایسے لوگ امید رکھیں کہ اللہ جلّ و علا ان کو معاف کر دے گا۔ اور اللہ عزّ اسمہٗ بڑا معاف کرنے والا اور بڑا مغفرت کرنے والا ہے (۹۹)

تفسیر

۹۷۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُم۔۔۔۔"

تَوَفّٰی ھُم : انہیں پکڑ لیا۔ اٹھا لیا۔ یعنی فنا مراد نہیں بلکہ مطلب ہے ان کی روح کو ملائکہ نے قبضے میں لے لیا نیز دیکھئے البقرہ آیت ۷۷، آل عمران آیت ۵۵۔

شانِ نزول

جنگ بدر سے پہلے سرداران قریش نے اعلان کر دیا تھا کہ ہر شخص جنگ کے لئے تیار رہے، جو فوج میں حاضر نہ ہو گا اس کا گھر بار مال و متاع ضبط کر لیا جائے گا کم ہمت مسلمانوں کے چند افراد حکم کے مطابق مشرکوں کے ساتھ شریک جنگ ہوئے اور مارے گئے ان کے بارے میں وحی ہوئی۔

ہجرت

ترکِ وطن، ترکِ خانماں، اگر منصوبہ بندی اور باقاعدگی سے ہو تو نہایت مؤثر حربہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ہجرت کو ایک فلسفۂ حیات و جنگ، اندازِ تبلیغ و ترقی بنا دیا ابتدائے تبلیغ میں آپ نے حضرت جعفر ابن ابی طالب رضوان اللہ علیہما کی سرکردگی میں مسلمانوں کے ایک گروہ کو ہجرتِ حبشہ کا حکم دے کر قریش کو شکست اور ان کے منصوبوں کو ناکام بنا کر اپنے منصوبے کو منزل کامیابی تک پہنچایا۔ (میں اس موضوع پر ایک رسالہ لکھ چکا ہوں)

یہ ہجرت اللہ اور اس کے دین کے لئے تھی نتیجہ میں اسلام ایشیا سے افریقہ میں داخل ہوا اور مسلمانوں کو قوت حاصل ہوئی دوسری ہجرت دوسرے نئے منصوبے کے ساتھ مدینے کی طرف فرمائی جس نے دشمنان اسلام کی رہی سہی قوت ختم کر دی۔ اور اسی ہجرت سے اسلام کی تاریخ کا عنوان قائم ہوا۔

ہجرت جب دین کے لئے ہو خصوصاً جب اس کا حکم دینی حاکم کی طرف سے جاری ہو تو ترکِ وطن نہ کرنا اور اپنی کافر قوم یا گھر بار کی محبت میں اپنی جگہ محصور و معذور بلکہ دشمن کی نفری بڑھانے کے لئے

بیٹھے رہنا دینی نقطۂ نظر سے جرم ہے ۔ ایسے ہی مجرم مکے کے وہ مسلمان تھے جو بار بار بلاوے آنے کے بعد بھی مکے سے نہ نکلے اور دشمن کی فوج میں جانے پر مجبور ہوئے اور میدان میں کفار کے ساتھ مارے گئے ۔

ان کی قبض روح کے وقت ملائکہ نے بطور ملامت پوچھا کہ اچھے خاصے مسلمان ہو کر ہجرت کیوں نہ کی ؟ اس کے جواب میں ان کی صورت حال اور ان کے ذہن نے یہ عذر تراشا کہ ہم وہاں "مستضعف" بے دست و پا تھے ، دبے پسے تھے ۔ اللہ کے فرشتوں نے اس جواب کو مسترد کرتے ہوئے کہا ۔ غلط ہے تم اللہ کی زمین پر ہجرت کر سکتے تھے مگر نافرمانی رسول میں تم مکے اور کافروں میں رہے لہذا اب آخری منزل دوزخ میں جاؤ ۔

۹۸ ۔ الا المستضعفین من الرجال ۔ ۔ ۔ ۔ "

۹۹ ۔ فاولئک عسی اللہ ان یعفو ۔ ۔ ۔ "

حجت خدا رسول و امام کے حکم ہجرت کے بعد ہجرت نہ کرنے والے مجرم ہیں ، البتہ وہ لوگ مستثنیٰ ہیں اور قانون کا اطلاق ان پر نہ ہوگا جو اپنی کمزوری سے مجبور ہوں ایسے مرد ، عورتیں اور بچے جو نہ کوئی تدبیر کرسکتے ہوں نہ ہجرت کا انھیں کوئی راستہ بن پڑتا ہو ایسے انتہائی مجبور و بے بس افراد قابل معافی ہیں جب کہ اللہ معاف کرنے اور رحم کرنے میں کمی نہیں کرتا ۔

وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ
ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٠٠﴾

ترجمہ

اور جو شخص فی سبیل اللہ ہجرت کرے گا وہ (اللہ کی) زمین میں بہت سے سکون آفریں اور وسیع ٹھکانے پائے گا ۔ اور جو شخص اپنے گھر چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کو چلے اور اسے راستے میں موت آجائے تو اس کا عوض اللہ کے ذمے ہوگیا اور اللہ غفور و رحیم ہے ۔

تفسیر

ہجرت ۔ مراغم : مُرَغم ۔ ناک رگڑنے کی جگہ ۔ مراغم وسعت ۔ کہہ کر تشویق ہجرت کا فلسفہ سمجھایا اور شوق ہجرت دلایا ہے کہ جب دشمنوں کے رسواکن علاقے سے نکلو گے تو جہاں بھی جاؤ گے روزی پاؤ گے اور دشمن کو ذلیل کرو گے ۔ وہ تمھیں خوش حال دیکھ کر زمین پر ناک رگڑے گا ۔ غفور رحیم اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ ہجرت کی جائے شرط یہ ہے کہ ہجرت الی اللہ و الی الرسول ہو ۔ اس نصب العین کو لے کر جو ہجرت کرے گا اسے اللہ کی وسیع و عریض زمین میں راحت و آرام کے بہت سے ٹھکانے ملیں گے اور اگر اس سفر خیر میں وہ جاں بحق ہو گیا تو اس کا اجر اللہ عز اسمہ ادا کرے گا ۔

دراصل مسلمان کا فرانہ و مشرکانہ نظام میں رہنے کا مجاز ہی نہیں ہے جب ایک جگہ دین دار آزاد اور اسلام پر قدغن نہیں تو مسلمان وہاں کیوں نہ جائے سرزمین کفر و الحاد میں رہنے والوں کو اس صورت میں تو اجازت ہے کہ وہ اپنے معاشرۂ کفر و الحاد میں ایسی مہم چلانے کا امکان رکھتے ہوں جس سے اسلام کو غلبہ ہو جیسے انبیاءؑ و ائمہ اطہار علیہم السلام نے کیا ۔ یا پھر وہ مجبور افراد جو دارالکفر سے نکل ہی نہ سکتے ہوں ۔ ان دو صورتوں کے علاوہ اسلام کے قانون و معاشرے کی زمین سے دور رہنا مسلمان کے لئے مناسب نہیں ۔

دراصل اسلام کسی جغرافیہ و قوم و نسل کا دین نہیں ہے وہ آفاقی فلسفہ، علم و عمل و قانون آزادی بشر ہے لہٰذا وہ مہاجرت کو توسیع فکر اور تبلیغ پیغام حق کے لئے بہت اہمیت دیتا ہے اسلام کا تقویمی سال ہجرت سے منسوب ہونا اس اہمیت کی دلیل ہے ۔

احادیث میں ہے:

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:
جو شخص اپنا دین لے کر ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف گیا ، خواہ وہ تھوڑی ہی مسافت طے کرے ، جنت کا مستحق ہے اور وہاں اسے نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رفاقت عطا ہو گی ۔ (مجمع البیان)

۲۔ ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں کہ جب آیۂ ہجرت جندع یا جندب بن ضمرہ نامی مسلمان نے سنی تو اس نے

کہا، میں قوت وامکان بھی رکھتا ہوں اور راستے سے بھی واقف ہوں اس لئے حکم سے مستثنیٰ نہیں ہوں
انھوں نے اپنے بچوں سے کہا کہ دیکھو میں بیمار ہوں، مجھے مکے میں رات بسر کرتے ڈر لگتا ہے
کہ یہیں یہاں مر نہ جاؤں لہٰذا مجھے لے چلو لڑکوں نے انھیں پلنگ پر لٹایا اور مکے سے لے چلے
منزل تنعیم پہنچے تو فرشتہ اجل آگیا۔ اور وہ اس آیت کے مصداق اول ہوئے ۔ (مجمع البیان)

۳۔ زرارہ بن اعین نے اپنے فرزند عبیداللہ کو مدینے بھیجا کہ وہاں جاکر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور عبداللہ افطس کے بارے میں تفصیلات معلوم کر کے آئیں۔ بیٹے کی واپسی سے پہلے زرارہ نے رحلت کی۔ جب یہ خبر جناب محمد ابن ابی عمیر رضوان اللہ علیہ کو ملی تو انھوں نے کہا: زرارہ ان لوگوں میں میں تھے جنھوں نے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کی ۔ (العیاشی)

ان احادیث سے ہجرت کا فلسفہ سمجھ میں آتا ہے ۔ یعنی ظلمت سے نور، جہالت سے علم، دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف جانا، ہجرت کی روح ہے۔ اور مسلمان اس سفر کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ کیونکہ اللہ نے سورۂ نحل کی اکتالیسویں آیت میں وعدہ کیا ہے:

"جو لوگ ظالموں کے ظلم کے نتیجے میں فی اللہ ہجرت کریں گے ہم انھیں دنیا میں اچھی جگہ دیں گے"

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ
اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ

اور جب تم لوگ سفر کے لئے نکلو، تو اس میں تمھارے لئے کوئی گناہ نہیں کہ نماز میں قصر کرو۔ اگر تم کو اندیشہ ہو کہ کافر تم سے لڑائی جھگڑا کریں گے۔ یقیناً کافر لوگ تمھارے کھلے دشمن ہیں ۔

تفسیر

نماز قصر: نماز قصر کا حکم ہے کہ جب سفر بہ شرائط ہو تو چار رکعتی نماز کو سفر میں قصر کرو ۔ ظہر و عصر

عشا کی دو رکعتیں ہی پڑھو۔ دشمنانِ اسلام جو تمہارے کھلم کھلا دشمن ہیں ان کا خطرہ بھی نماز کے قصر کا ایک سبب ہو سکتا ہے۔ شرط قصر نہیں، کیوں کہ نماز خوف کا حکم الگ آ رہا ہے۔

حریز نے بیان کیا کہ زرارہ اور محمد بن مسلم رضوان اللہ علیہم نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا: سفر میں نماز کی کیفیت و تعداد رکعات کیا ہے؟ امامؑ نے یہی آیت تلاوت کی اور فرمایا: سفر میں قصر اسی طرح واجب ہے جیسے حضر میں تمام پڑھنا۔ صفا و مروہ کی سعی کے حکم میں لاجناح ہے۔

"فمن حجّ البیت او اعتمر فلا جناح ان یطّوّف بھما" (البقرہ ۱۵۸)

"یعنی جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ بجا لائے اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ دونوں پہاڑیوں میں سعی کرے"

تم نے غور نہیں کیا کہ سعی فرض و واجب ہے۔ قرآن میں اس کا تذکرہ اور آنحضرتؐ کا اس پر عمل ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر میں نماز قصر ہی پڑھی جیسا کہ قرآن مجید میں تذکرہ ہے۔

امام کے دونوں شاگردوں نے پوچھا کہ سفر میں چار رکعتیں پڑھنے والا نماز دوبارہ پڑھے گا یا نہیں؟ امامؑ نے فرمایا: اگر اس کے سامنے آیۂ قصر پڑھی گئی (اور اسے حکم خدا اور رسولؐ بتا دیا گیا ہے) تو چار رکعت پڑھنے والے کو نماز دوبارہ ادا کرنا ہوگی، نماز سفر میں بھی فرض ہے۔ مغرب کی تین رکعتیں ادا کی جائیں کہ آنحضرتؐ نے سفر و حضر میں تین رکعتیں ہی پڑھی ہیں اور چو رکعتی کی دو رکعتیں رہ جائیں گی۔

(تفسیر العیاشی)

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَن تَضَعُوٓا

أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٠٢﴾

ترجمہ

اور جب مسلمانوں میں خود آپ موجود ہوں اور ان کو نماز پڑھائیں اس وقت ان مسلمانوں کا ایک دستہ آپ کے ساتھ نماز پڑھے اور ہتھیار بند رہے پھر جب (دوسری رکعت فرادیٰ پڑھ کر دوسری رکعت کے) سجدے بجالا چکے تو تمھاری صفوں کے پیچھے جا کر کھڑا ہو جائے اور وہ دوسرا دستہ شریک جماعت ہو جس نے تمھارے ساتھ نماز (کی پہلی رکعت) میں شرکت نہیں کی یہ لوگ بھی اپنا احتیاطی سامان اور ہتھیار لئے رہیں کافر تو یہی چاہتے ہیں کہ آپ اپنے اسلحہ اور ساز و سامان سے غافل ہوں اور وہ آپ پر ایک بھرپور حملہ کر دیں اور اس میں تم لوگوں کے لئے کوئی مضائقہ نہیں کہ بارش کی زحمت ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے ہتھیار اُتار کر رکھ دو اور اپنی احتیاطی تدبیر برقرار رکھو، یقیناً اللہ تعالےٰ نے کافروں کے لئے ذلّت آمیز عذاب مہیّا کر رکھا ہے۔

تفسیر

نماز خوف کے بارے میں ایک اجمالی حکم سورۂ بقرہ کی آیت ۲۳۹ میں بیان ہو چکا یہاں نماز خوف با جماعت کا حکم بیان ہوا ہے۔

شانِ نزول

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ جاتے ہوئے حدیبیہ کے قریب پہنچے تو خالد بن ولید دو سو سپاہیوں کے ساتھ پہاڑیوں میں لڑنے کو تیار تھا۔ ادھر ظہر کا وقت آگیا، آپؐ نے بلال کو حکم اذان دیا اور خود نماز پڑھائی، خالد نے ساتھیوں سے حملہ نہ کرنے پر افسوس

کرتے ہوئے کہا کہ اب عصر کا وقت آنے والا ہے یہ نماز ان لوگوں کو بہت محبوب ہے، نماز میں انھیں کسی بات کی فکر نہیں ہوتی تیار رہو اس مرتبہ نماز ہی میں حملہ کرنا ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر علی ابن ابراہیم قمی)

نمازِ خوف

خلاصہ حکم قرآن یہ ہے کہ جہاد کا وقت ہو اور رسول اللہ ص خود قائد لشکر ہوں، نماز کا وقت آجائے اور دشمن حملے کو تیار ہو تو جماعت سے نماز خوف یوں پڑھی جائے کہ فوج کو دو یونٹوں میں بانٹ دیا جائے۔ ایک یونٹ اسلحہ سمیت جماعت میں ایک رکعت میں دونوں سجدوں تک آنحضرت کی اقتدا کرے پھر بنا بر حدیث دوسری رکعت فرادیٰ پڑھ کر اپنی دفاعی پوزیشن پر چلی جائے اور دوسری یونٹ اپنی جگہ سے ہٹ کر فوراً جماعت میں حاضر ہو، امام جماعت دوسری رکعت کو طول دیں کہ سپاہی نیت کرکے یہ رکعت حاصل کرلیں۔ یہ لوگ بھی احتیاطی تدبیروں اور اسلحہ کے ساتھ ہوں۔ یہ سپاہی امام کی اقتدا میں پہلی رکعت سجدوں تک ادا کریں امام تشہد میں طول دیں اور سپاہی دوسری رکعت پڑھ کر سجدوں کے بعد تشہد و سلام امام میں شریک ہو کر نماز تمام کریں۔

قابل توجہ یہ نکتہ بھی ہے کہ ہنگامی اور جنگی حالت میں جماعت کا اہتمام ہونے کے ساتھ رسول اللہ ص جیسے امام جماعت کو حصول شرف کے لئے مقتدی مجاہدوں کی خاطر نمازیں یکے بعد دیگر انتظار کرنے کا حکم ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جہاں پہلے یونٹ کی نماز کا تذکرہ ہے، وہاں ارشاد ہے کہ ہتھیاروں سے لیس رہیں اور نماز پڑھنے کے فوراً بعد جماعت کے پیچھے چلے جائیں اور اپنی پوزیشن سنبھال لیں اور دوسرے کی نماز میں وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ،، یعنی دو باتوں کی طرف توجہ دلائی احتیاطی تدبیر اور اسلحہ، گویا دشمن کے نفسیات کی طرف اشارہ کیا۔ دشمن ممکن ہے تمھاری عبادت کی حالت دیکھ کر دوسرے لمحے کوئی نیا منصوبہ بنا سکتا ہے لہٰذا دوسری یونٹ کو پہلے سے زیادہ ہوشیاری سے شریک جماعت ہونا چاہئے کافروں کو یہی تاک رہتی ہے کہ تم اپنے اسلحہ اور سامان رسد سے ذرا سے غافل ہو اور وہ اچانک جھپٹ پڑیں، اس لئے تم

چوکنا اور چوکس رہو۔

نماز خوف کی اس شکل کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد غزوات میں اور امیر المومنین علیہ السلام نے صفین وجمل اور امام حسین علیہ السلام نے روز عاشور جو نمازیں ادا کی ہیں نماز خوف کے مختلف حالات میں) ان نمازوں سے فقہا نے مختلف احکام معلوم کیے ہیں، جس کی تفصیل کے لئے کتب فقہ وحدیث ملاحظہ کریں۔

"ولاجناح علیکم ان کان بکم اذیً۔۔۔۔۔"

ہتھیار بندی مجاہد کا فرض ہے، لیکن اگر بارش کی وجہ سے مسلح ہونے میں اذیت ہو یا بیماری مانع ہو تو پوری احتیاط اور فوجی تحفظات کے ساتھ ہتھیار کھول بھی سکتے ہو۔

کافر واسلام دشمن یاد رکھیں کہ اللہ عزّ اسمہ نے ان کے لئے توہین خیز عذاب مہیا کر رکھا ہے وہ آخرت میں سخت سزا ضرور پائیں گے۔

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلٰى جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ ۚ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾

ترجمہ

پھر جب نماز تمام کر لو، تو اللہ کو یاد کرتے رہو، اٹھتے اور بیٹھتے اور لیٹتے (ہر حال میں) پھر جب دشمن کی طرف سے مطمئن ہو جاؤ تو (معمول کے مطابق) نماز ادا کرو بلاشبہ نماز تو مسلمانوں پر معین اوقات کے ساتھ واجب ہو چکی ہے۔

تفسیر

نماز خوف ادا کرنے کے بعد "ذکر" یعنی تسبیح وتہلیل، دعا اور تلاوت کرتے رہا کرو۔ اللہ کا ذکر اطمینان قلب کا باعث ہے۔ اس ذکر کے لئے کسی وقت وسمت وجہت کی شرط نہیں جس حالت میں ہو

اسے پکارتے رہو بستر پر ہو یا بیٹھے ہو کھڑے ہو یا حرکت میں اللہ کی حمد و ثنا نہ چھوڑو وہ تمھاری فتح و نصرت کا ضامن ہے سورۂ انفال میں ارشاد ہے:

یاایہا الذین آمنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون

"فوجی دستوں اور دشمن کی فوج سے مڈبھیڑ کے وقت ثابت قدمی کے ساتھ یادِ الٰہی کامیابی کی بشارت ہے۔

فاذا اطمانننتم ۔ جب ہنگامی اور جنگی حالت ختم ہوجائے، اپنی بستیوں اور گھروں میں پہنچ جاؤ تو بہ شرائط و آداب پوری نماز ادا کرو۔ نماز کی ادائیگی پابندی وقت کے ساتھ لازم ہے وقت کو نظر انداز کرکے نماز پڑھنا قرآن کی اصطلاح و تنبیہ میں "نماز کو ضائع کرنا" ہے اور مؤمن ایسا فعل نہیں کرتے۔

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾

ترجمہ

اور دشمن قوم کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرو، اور اگر تم کو دکھ پہنچتے ہیں تو ان کو بھی ویسے ہی دکھ پہنچتے ہیں جیسے تم کو دکھ پہنچتے ہیں۔ اور (بڑی بات یہ ہے کہ) تم اللہ عزّ اسمہ سے وہ آرزو رکھتے ہو جو امید ان کو نصیب نہیں اور اللہ عزّوجل علیم ہے حکیم ہے۔

تفسیر

نماز و ذکر الٰہی کے یہ معنی نہیں کہ تم کوشش اور جد و جہد چھوڑ دو۔ نہیں دشمن کے تعاقب اور اس کو مکمل شکست دینے میں کمی نہ ہونے پائے، رہیں اذیتیں چوٹیں اور جانی مالی نقصان؟

تو اس میں ہمت کی بات کیا ہے، آخر مقابلہ و جنگ فریقین کو دکھ جھیلنا پڑتے ہیں، اصل بات تو نصب العین اور نتیجۂ کار ہے تو اس میں تمہیں برتری حاصل ہے، تم اللہ کی راہ میں اس کی رضا حاصل کرنے نکلے ہو اور اس علیم و حکیم ذات سے اچھی امیدیں رکھتے ہو، یہ فکر و عقیدہ دشمن کو نصیب نہیں، فکر مستقیم سے دکھوں کا مداوا ہوتا ہے اور بے مقصد لڑنے والا ہمت ہار جاتا ہے

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ

بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾

ترجمہ

بلاشبہ ہم نے آپ پر قرآن مجید کو برحق نازل کیا تاکہ جس طرح اللہ نے آپ کی رہنمائی کی ہے اسی قانون کے مطابق آپ لوگوں (کے معاملات) میں فیصلہ کیا کریں۔ اور چوروں کے طرفدار نہ بننا ـــــ اور اللہ سے مغفرت مانگتے رہو یقیناً اللہ بہت بخشنے والا ہے بہت بڑا رحیم کرنے والا ہے۔

تفسیر

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ ....

مجرم کی طرفداری نہ کرو

ان آیات میں مدینے کے منافقوں کا ذہنی پس منظر اور ان کی ریشہ دوانیوں کی حقیقت صاف نظر آرہی ہے اور اس ماحول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے آیت کا خطاب دراصل حاضرین کی تنبیہ کے لئے ہے۔

قرآن مجید حقائق اور صداقتوں کی کتاب ہے رسول اللہ[۱] اسی کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق برحق فیصلہ کرنے کے پابند ہیں "اراک اللہ"، سے مراد وہ علم جامع وکلی ہے جو اللہ نے حضورؐ کو خصوصی طور پر عطا فرمایا ہے۔ دیکھئے البقرہ/۲۵۵ نیز النساء/۱۱۳

کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ چور اور خیانت کار افراد کا وکیل اور حمایتی بنے۔ خطاب حضورؐ سے ہے مراد سامعین ہیں ۔

وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ ......

مسلمان کو ہر وقت اللہ سے مغفرت مانگتے رہنا چاہئے اور اللہ مغفرت دینے اور رحم کرنے والا ہے ۔ مغفرت کی طلب اور توبہ کے لئے گناہ شرط نہیں بلکہ بندگی کا ادب چاہتا ہے کہ جلال عبودیت کے حضور توبہ و استغفار کو شعار بنا یا جائے ۔

جناب سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضلؒ

تفسیر

سورہ نساء آیت نمبر ۱۰۷ ۔ ۱۱۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۱۰۷ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَھُوَ مَعَھُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۱۰۸ ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَاۗءِ جٰدَلْتُمْ عَنْھُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْھُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۱۰۹

ترجمہ

اور آپ ان لوگوں کی حمایت نہ کریں جو اپنی ہی ذات (سے) خیانت کرتے ہیں یقیناً، اللہ، ان کو پسند نہیں کرتا جو چور اور بدکار و گنہ گار ہوں ۱۰۷ لوگوں سے تو (اپنے کرتوت) چھپا لیتے ہیں، مگر اللہ سے نہیں چھپا سکتے، وہ تو ان کے ساتھ اس وقت بھی ہوتا ہے جب وہ راتوں کو اللہ کی

مرضی کے خلاف منصوبے بناتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ تمھارے ہر عمل پر پوری طرح حاوی ہے (۱۰۸) دیکھو خبردار، تم (چند روز کی) زندگانی دنیا میں تو ان کی طرف سے جھگڑ لیتے ہو؟ مگر (یہ بتاؤ کہ) ان کی طرف سے قیامت کے دن اللہ سے کون بحث کرے گا؟ یا ان لوگوں کا وکیل کون ہوگا (۱۰۹)

تفسیر

۱۰۷ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ . . .

قبیلہ پرستی، پارٹی بازی یا مظلوم کی ہمدردی میں حق و انصاف چھوڑنے کا حق کسی کو نہیں ہے، چہ جائے کہ ایک آدمی واقعاً چور ہو اور کوئی شخص اس کی حمایت کرے، جب اللہ جلّ جلالہٗ خیانت و خیانت کار کو برا سمجھتا ہے تو پھر کسی کو اس کے خلاف رویہ اختیار کرنے کا کیا حق ہے۔

۱۰۸ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ . . .

چوروں کی حمایت کرنے والے منافق اور مفسد لوگ اپنی باطنی خباثت انسانوں سے تو چھپا سکتے ہیں، مگر اللہ عزّ اسمہ سے کسی بات کا چھپانا ممکن نہیں ہے وہ ہر وقت اور ہر جگہ ہے، جب ناپسندیدہ باتوں میں یہ لوگ راتیں گزارتے ہیں تو اللہ ان کے ہر ہر لفظ بلکہ ان کے عمل کے ہر قدم پر پوری طرح اطلاع اور گرفت رکھتا ہے لہٰذا خدا و رسول کو دھوکا نہیں دے سکتے اور ان سے منصوبے چھپانا ممکن نہیں ہے۔

۱۰۹ هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ . . .

مجرموں کے حامی ذرا سوچیں دنیا کی چند روزہ زندگی میں ان کی حمایت اگر فائدہ مند ہوئی بھی اور انھوں نے چور کو چھڑا لیا۔ جو نہیں ہو سکے گا۔ تو قیامت میں ان بدکاروں کی حمایت میں دلیلیں کون دے گا اور میزان عدل الٰہی کے سامنے ان کی وکالت کون کر سکے گا۔ وہاں تو مجرم کو بہر حال سزا اور عذاب ملے ہی گا۔

اس سلسلہ کی آیت نمبر تین پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چند افراد نے بیجا حمایت کر کے مجرم کو بچانے کا منصوبہ بنایا تھا، قرآن مجید نے ان کی سرزنش فرمائی اور قانون عام جاری کر دیا کہ مجرم کی حمایت ممنوع ہے، جو بھی یہ بات کرے یا کرنا چاہے وہ اللہ سے توبہ کرے۔ ممکن ہے کہ مجرموں کے حمایتی بخیال خود دنیا میں کامیابی حاصل بھی کرلیں تو انھیں یوم حساب سے ڈرنا چاہیئے وہاں بہرحال مجرم اور جرم کی حمایت کرنے والوں کو عذاب ملے گا۔

سازشی افراد کسی دور میں ہوں، ہوشیار رہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ان پر گرفت ہے وہ جب چاہے گا سزا ضرور دے گا۔

شانِ نزول

آیات کے شان نزول میں مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ چند چوراچکوں نے ایک مسلمان کے گھر سے چوری کی اور گرفتاری کے ڈر سے وہ سامان کسی شخص کو بطور امانت دے کر صبح کو اس کے گھر سے برآمد کرادیا۔ چور کے قبیلے والے اپنے آدمی کی حمایت کا پروپیگنڈا کرتے کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر بھی دباؤ ڈالنے آئے اور نعوذ باللہ، حضورؐ ۔۔۔۔ اس پر اللہ جلّ شانہٗ نے ان آیتوں کے ذریعہ اپنے حبیبؐ سے باتیں کیں

دیکھنا یہ ہے کہ یہ داستان یا روایت خود قرآن مجید کی آیتوں کی تعلیم کردہ درایتوں کے مطابق بھی ہے یا نہیں۔

نبی سے غلطی ناممکن ہے

قرآن مجید میں حکم عام ہے کہ ۔ اللہ کی قسم لوگ جب تک اپنے اختلافات میں رسولؐ کو حکم نہ بنائیں گے مومن نہ کہلائیں گے (النساء/۶۵) جب آپ کے پاس مقدمہ لائیں تو آپ کو اختیار ہے فیصلہ کریں یا مسترد کر دیں (المائدہ/۴۲) فیصلہ

کریں تو عدل کے ساتھ، اللہ عدل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے (المائدہ/۴۲) آپ لوگوں میں حق پر فیصلہ کریں، لوگوں کی خواہشات کے پابند نہ بنیں (صٓ/۲۶)

یہ بھی تصریح ہے کہ سرور دو عالمؐ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتے جبتک تک وحی نہ ہو، جو فرماتے ہیں وہ اشارۂ الٰہی کی ترجمانی ہے (نجم/۳)

اسی سورۂ مبارکہ میں آیت ایک سو تیرہ میں یہ تفصیل بیان ہے کہ رسولؐ کو کوئی راہِ حق سے نہیں ہٹا سکتا۔ وہ معصوم ہیں، آخری قانون حق و عدالت لانے والے ہیں، اگر نعوذ باللہ، وہی غلطی کر بیٹھے تو سارا نظام فکر و عمل اور ساری دعوتِ عدل و نجات باطل ہو جائے گی۔

لہٰذا شان نزول میں لکھی جانے والی داستان محلّ نظر ہے اور اپنے تفصیلات کے ساتھ قابل قبول نہیں ہے۔ شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی علیہ الرّحمہ نے تفسیر التّبیان میں اس خبر کو خبر احاد کہہ کر رد فرمادیا ہے۔

وَمَن يَعْمَلْ سُوٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُۥ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ يَجِدِ ٱللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١١٠﴾ وَمَن يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُۥ عَلَىٰ نَفْسِهِۦ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١١﴾ وَمَن يَكْسِبْ خَطِيٓـَٔةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِۦ بَرِيٓـًٔا فَقَدِ ٱحْتَمَلَ بُهْتَٰنًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿١١٢﴾

ترجمہ

اور جو بھی بُرا کام کرے یا اپنی ذات پر ستم ڈھائے اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تو اللہ کو غفور و رحیم پائے گا (۱۱۰) اور جو گناہ میں مُلوّث ہو وہ اپنی ذات کو اس سے نقصان پہنچاتا ہے اور اللہ کمال علم و کمال حکمت کا مالک ہے (۱۱۱) اور جو شخص غلطی کرتا یا گناہ کا کام کرتا ہے پھر اس جرم کو کسی بے قصور کے سر تھوپتا ہے، تو اس نے بہتان اور علانیہ جرم کا بوجھ اٹھا لیا (۱۱۲)

تفسیر

۱۱۰- وَمَنْ يَعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ....

اللہ عزّ اسمہ غفور و رحیم ہے، انسان کو اوّلاً تو اس کی نافرمانی کرنے کا حق نہیں لیکن اگر کوئی برائی یا گناہ ہو بھی جائے تو استغفار کرنے میں تاخیر نہ کرے۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، توبہ و ندامت غلطی کا مداوا ہے۔

۱۱۱- وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا.....

جو شخص گناہ کا ارتکاب کرتا اور غلطی بجالاتا ہے وہ اپنی ذات کے خلاف عمل انجام دیتا ہے۔ جبکہ اللہ اس کے عمل کو جاننے والا اور اس کی سزا میں صاحب حکمت ہے

۱۱۲- وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا .....

بہتان

اگر کوئی مسلمان غلطی یا گناہ تو خود کرتا ہے، پھر اُسے کسی بے جرم و پاک دامن کے سر تھوپ دیتا، اور بے گناہ کو نشانہ بناتا ہے تو وہ ایک تو بہتان کا بوجھ اٹھاتا، دوسرے کھلم کھلا اور علانیہ گناہ کرتا ہے۔ گویا نفسیاتی طور پر یہ حد سے بڑھنے کی جرأت کرتا ہے۔

گھر ہو یا مدرسہ، جلوت ہو یا خلوت اپنا جرم کسی غیر کے ذمہ لگانا اور کسی بے گناہ کو گناہ گار بنانا، غیر انسانی فعل ہے اس سے معاشرے میں فساد پھیلتا اور سماجی ڈھانچے میں رخنہ پڑتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"جب کوئی مسلمان اپنے برادر اسلامی پر بہتان لگاتا ہے تو اس کے ایمان کو وہ نقصان ہوتا ہے جو نمک کو پانی سے پہنچتا ہے،،

حسین ابن سعید اہوازی رح نے کتاب المومن کے آٹھویں باب میں حدیث لکھی ہے

معصومؑ نے فرمایا :-

غیبت: یہ ہے کہ تم اپنے دوست کے بارے میں وہ بات لوگوں کو بتاؤ جس کی اللہ نے پردہ پوشی کی ہے۔ لیکن برادر مومن کے بارے میں ایسی بات کہنا جو اس میں نہ ہو۔ بہتان ہے اس کے لئے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے :-

" فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا "

اس رکوع میں مجرم کی حمایت، جرم کے ارتکاب اور تہمت کے بارے میں قانونی اور اخلاقی طور پر مذمت کا تذکرہ تھا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ

اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، تو ان (منافقوں) کے گروہ کا ارادہ تو یہ تھا کہ آپ کو راستہ سے ہٹا دیں۔ حالانکہ وہ خود اپنی ذات ہی کو حق سے ہٹا رہے ہیں اور آپ کو تو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اور اللہ نے آپ پر قرآن و حکمت نازل کی اور آپ کو (ختم نبوت کی وجہ سے) وہ علم عطا کیا جو (بہ اعتبار ذات) نہیں جان سکتے تھے۔ اور آپ پر تو اللہ کا عظیم فضل ہے ﴿۱۱۳﴾

تفسیر

عصمت حضرت خاتم النبیینؐ

اعلانِ اسلام کے بعد مشرک سمجھتے تھے کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم جیسے

ہیں، ہم ان کو اپنے مسلک و مذہب پر ضرور لے آئیں گے، اس مقصد کے لئے انھوں نے
سب ہی کچھ کیا مگر ناکام رہے، حضور ہجرت کر کے مدینے آئے تو یہاں قبلے کی
تبدیلی سے لے کر معاملات اور غزوات تک یہود و نصاریٰ نے یہی ارادہ کیا، اس کے
تفصیلات تاریخ و سیرت اور اشارے قرآن مجید میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں، ان
میں سے سورۂ بقرہ کی آیت ۱۴۵ کے یہ کلمات :-

"وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ"

(اور جو علم (قرآن) تمھارے پاس آچکا ہے اس کے بعد بھی اگر تم ان کی
خواہش پر چلے تو البتہ تم نافرمان ہو جاؤ گے)

پھر سورۂ آل عمران کی انہترویں آیت ہے :

"وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ وَمَا يُضِلُّوْنَ ... "

اہل کتاب کا ایک گروہ تو یہ چاہتا ہے کہ تمھیں راستے سے گمراہ کر دے"

یہ بے شعور اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ اس کوشش کے نتیجے میں وہ خود
اپنے تئیں گمراہ کر رہے ہیں آپ لوگوں کا بے راہ کرنا ان کے لئے ممکن ہی نہیں۔
مدینے میں مسلمانوں کا گروہ منافقین بہت بڑا ہو گیا، ان کو بھی یہ سوجھی کہ بجائے اپنی
اصلاح کے مسلمان اور مومنوں کو بھی شکار بنائیں ان ملعونوں نے اسلام کے
لبادے اوڑھ کر احد میں جو کچھ کیا زیر نظر سورت اس کا آئینہ ہے
گزشتہ آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذمہ دار مسلمانوں کو مجرم کی حمایت پر
آمادہ کرنا چاہتے تھے بلکہ خود حضور ختم الانبیاء روحی لہ الفدا کے بارے میں یہ خیال
باطل باندھتے تھے۔

آیت اس پوری جدوجہد کے پس منظر میں حضرت رسالت مآب صلے اللہ علیہ و
آلہ وسلّم اور ان کے ذریعے ساری دنیا کو واشگاف انداز میں بتا رہی ہے کہ لوگ
آپ کو گمراہ کرنے کی بیہودہ کوشش کے نتیجہ میں خود گمراہ تر ہو رہے ہیں ان کی
کوشش کا آپ پر کوئی اثر ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ عزّوجلّ نے آپ پر اپنا فضل کر رکھا ہے

آپ کو علم دیا (البقرہ/۱۴۵) ولی امر بنایا، حاکم بنایا اور سب جہتوں کا جامع یعنی خاتم الانبیاء والمرسلین قرار دیا جو علم کامل و مکمل آپ کو اللہ نے عطا فرمایا اس کا تقاضا یہ تھا کہ دھوکا نہ کھائیں غلطی سے دور رہیں اور خلق عظیم پر فائز کیا کہ کسی قسم کے اخلاقی عیب کا تصور بھی آپ سے دور رہے فضل عظیم سے نوازا "ملکۂ مانع صدور فعل حرام و ناپسندیدہ" عطا کیا اور عصمت فکر و عمل بخشی اس کے بعد حضور کو کوئی چیز کوئی شخص یا کوئی تدبیر کیا نقصان پہنچا سکتی ہے۔

"وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ"

گزشتہ مقامات کی طرح اس آیۂ کریمہ میں عصمت کی دلیل اس علم جامع و کامل کو قرار دیا ہے جس کا سرچشمہ الکتاب یعنی قرآن اور الحکمۃ یعنی تحقیق علم و اتقان عمل کہ لوگ اعتماد کامل کے ساتھ آپ کی بات مانیں اور آپ کے عمل کی پیروی کریں۔ آپ خاتم الانبیاءؑ ہیں اگر آپ کسی کے بھٹکانے میں آنے والے مان لئے جاتے تو اصلاح غلطی کے لئے کسی اور نبی کی ضرورت پڑتی اور اللہ جلّ جلالہٗ نے اپنے کسی نبی کے لئے یہ امکان نہیں رکھا تو آخری کتاب لانے والے آخری نبی کے لئے یہ بات کیسے ممکن ہو سکتی تھی۔

"وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا"

علم نبیؐ آخر الزماں

اللہ، عالم و علیم و خبیر ہے یعنی اس کا علم عین ذات ہے اس کا علم معلومات پر موقوف نہیں۔ معلومات اس کی ذات یعنی صفت علم و قدرت کی نشانیاں ہیں یہ صفت کسی کو حاصل نہیں۔ نہ کوئی اس کے علم کا احاطہ کر سکتا ہے کیونکہ وہ ادراک بشر سے ماوراء ہے۔ لیکن وہ علم دو طرح سے تقسیم فرماتا ہے۔ ایک جاہل کی طلب و کوشش سے اسے عطا کرتا ہے یا طالب کو حصول علم کے نتائج سے نہیں روکتا اسے علم کسبی کہتے ہیں دوسرا علم وہ انبیاء

و مرسلین و ائمہ علیہم السلام کو عطا کرتا ہے اسے علم وھبی کا نام دیا جاتا ہے۔ علم وھبی کی حد اصلاً وہی جانتا ہے جسے یہ انعام دیا گیا۔ ہمیں تو اتنا معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ نے گہوارے میں عصمت مریمؑ کی گواہی، اپنی رسالت و کتاب و نبوّت کا اعلان فرمایا۔ اور حضرت یحییٰؑ کو کتاب اور حکم (حکمت) حالت صبی میں عطا کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کی حد بھی ہمارے ادراک سے باہر ہے آپؐ صاحب قرآن و معلّم قرآن ہیں قرآنی تعلیمات چونکہ تا قیامت رہنے والے ہیں اس لئے اس کا کامل علم اگر حضورؐ کے پاس نہ مانا جائے تو نعوذ باللہ آپ کتاب اللہ سے ناواقف قرار پائیں گے اور یہ نقص آپ کی ہدایت کاملہ پر آئے گا۔ جب کہ واقعہ اس کے خلاف ہے اور حق یہ ہے کہ اگر آپ کی ہدایت میں ذرّہ بھر نقص ہوتا تو آپ کو ختم نبوت کا منصب بے مثال نہ ملتا۔

زیر نظر آیتوں میں ایک جگہ ہے۔ ہم نے آپ پر برحق کتاب نازل کی تاکہ جو اللہ نے آپ کو دکھایا (اراک اللہ) رہنمائی کی ہے اس کے مطابق معاملات کے فیصلے کریں۔ اور یہاں ارشاد ہے: انزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ" اللہ نے آپ پر قرآن و حکمت نازل کی" وعلمک مالم تکن تعلم،، اور وہ علم دیا جو آپ کو حاصل نہ تھا ظاہر ہے یہاں تین علموں کا تذکرہ ہے ایک "الکتاب" جو خود علم ہے۔ دوسرے حکمت، جس کی تعلیم آپ کا منصب ہے" یعلمھم الکتاب والحکمۃ " اور حکمت کے بارے میں فرمایا" من یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیرا" جسے اللہ الحکمۃ عطا کر دے وہ خیر کثیر حاصل کر لیتا ہے ظاہر ہے کہ حکمت وہ حقائق و اطلاعات ہیں جن کا سرچشمہ حضورؐ کی ذات ہے، آپؐ شہر حکمت اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں،،

تیسرا علم بما اراک اللہ یا مالم تکن تعلم ہے۔ یہ آیات کبریٰ اور علم خاص وہ ہے جو کسب و نظر سے حاصل نہیں ہوتا یہ ذات کے لحاظ سے نہیں ملتا بلکہ یہ علم اس روح کے القا سے عبارت ہے جسے" روح نبوّت" کہا گیا ہے۔ جسے خلقت نوری و وجود مبارک حضرت خاتم الانبیاءؐ کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے یہ تمام علوم انبیاء

پر مستزاد ہیں، یہی علم حفظ کتاب کی اساس و بقاء نبوت کی بنیاد اور اسلام کو ہر عہد کے نئے تقاضوں میں انحراف سے روکنے کا مضبوط اور قطعی ذریعہ ہے۔ یہی علم خاص ہے جسے کبھی "شرح صدر" اور کبھی "فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ" اور پاک پروردگار جب حضورؐ کو شب معراج مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا تو سبب و نتیجہ سفر تھا "لنریہ من آیٰتنا"، دونوں آیتیں مکی ہیں۔ النجم و بنی اسرائیل دونوں سورتیں مکے میں نازل ہوئیں۔

ثابت ہوا کہ شرح صدر، عطاء کتاب، حکمت کی بخشش، پھر اراءتِ آیات اور جو وحی و اشارات اللہ کو کرنا تھے وہ بھی کر دیئے اس کے بعد کیا شک باقی رہ جاتا ہے کہ آپ کا علم ہمارے آپ کے ادراک اور عقل کی ہر پرواز سے آگے ہے۔ حضورؐ نے یہی علم اپنے بعد آنے والے امام کو عطا فرمایا اور ہر امام اسی علم کا وارث ہوتا رہا۔ اصول کافی میں علم انبیاءؑ اور ائمہؑ پر احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہے جو اس کی تائید کرتا ہے۔

نیز دیکھئے۔ البقرہ/۲۵۵

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ
أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ
فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١١٤﴾

ترجمہ

ان کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی، سوا اس کے جو خیرات یا نیکی یا لوگوں کے درمیان اصلاح کی بات کہے، اور جو بھی یہ کام اللہ کی رضا طلبی کے لئے کرے گا ہم اسے بڑا ثواب عطا کریں گے۔ (۱۱۴)

تفسیر

سرگوشیاں اور خفیہ میٹنگ : کچھ لوگ اپنی اہمیت جتانے کے لئے آنحضرتؐ سے

سرگوشیاں کرتے بعض افراد خفیہ صلاح ومشورے کرنے اور راتوں کو اندھیرے اور سناٹے میں میٹنگ کرنے کے عادی ہوتے ہیں آیت میں اس عادت پر روک ٹوک کی جارہی ہے۔

۱۔ یہ رسولؐ کے گوش مبارک میں بے فائدہ بات کہنے کی عادت یا آپس میں خفیہ نشستوں کا طریقہ عام طور پر کوئی اچھا عمل نہیں یہ حیلہ گروں کا طریقہ اور معتبری کے اظہار کا انداز ہے اس میں عام طور سے غیبت، سازش اور غلط منصوبے اور غلط فہمیاں پھیلانے کی باتیں ہوتی ہیں۔ شرارت اور شر کی بات چھپ کر کی جاتی ہے۔ اس لئے اس قسم کی انفرادی یا اجتماعی کوشش غلط ہے اور ایسی سرگوشیاں نہ کیا کرو مزید گفتگو کے لئے دیکھئے سورۃ المجادلہ۔

۲۔ چھپ کر جو بات کہنے اور خفیہ ملاقاتوں میں جو بات طے کرنے کی ہے وہ ہے کسی غیرت دار، حاجت مند فرد یا خاندان و گروہ کی ضرورتیں پوری کرنے کی بات باہمی لڑائی جھگڑے کو نپٹانے کا معاملہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر یا کسی آدمی کے اخلاق و افکار میں اصلاح لانے کا مسئلہ، یہ باتیں دوسروں سے بچ کر کی جائیں تو خوب ہے اس سے آدمی کی غیرت اور انا کو نقصان نہیں پہنچتا۔

۳۔ یہ بھلائی کی بات دنیا طلبی وخودنمائی کے لئے نہ ہو بلکہ قربۃً الی اللہ کئے جانے والے ایسے نیک کاموں کی جزا بہت بڑی ہوگی۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ

مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ

وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾

ترجمہ

اور جس شخص پر راہ حق روشن ہو چکی، اس کے بعد وہ رسول سے الگ (اور مخالف) ہو گیا اور مومنوں کے راستے کے خلاف چلا، جدھر وہ گیا ہم اسی طرف اس کو جانے دیں گے اور جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ واپسی کا برا ٹھکانا ہے ﴿۱۱۵﴾

تفسیر

یشاقق کا مصدر شقاق ہے جس کے معنی ہیں اختلاف باعداوت شق، جدا حصہ اور مخالف سمت

نولہ ما تولیٰ: ہم اسی کو والی وسرپرست رہنے دیں گے جیسے اس نے اپنا والی بنایا آیت الکرسی میں ہے کہ جو طاغوت کو اولیا میں شمار کرتے ہیں وہ انھیں روشنیوں سے اندھیروں میں لے جاتے ہیں، رسول کا اتباع کامل، اسلام و ہدایت ہے۔ اسی راستے پر مومن قدم سے قدم ملا کر چلتے ہیں جو شخص اسلام کی حقیقت سمجھ گیا اس نے کلمہ پڑھ لیا اور مومنوں کے ساتھ چلنے لگا۔ اسے انحراف سے بچنا چاہئے لیکن اگر کوئی حق سمجھنے اور اسلام لانے کے بعد رسولؐ سے مخالفت کرتا اور دشمنی کی راہ لیتا ہے مسلمانوں کے طور طریقہ چھوڑ دیتا ہے مرتد ہو جاتا ہے تو اللہ جلّ جلالہ بھی اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے وہ اپنے آقاؤں اور طاغوتوں کے ساتھ جس راہ پر جائے گا اس کی منزل آخر جہنم ہے اللہ اسے دوزخ کی آگ میں جھونک دے گا۔

اجماع مقابل سنّت

ہر مرحلے میں نقش کف پائے رسولؐ کی جستجو اور ہر عمل میں سند قول، فعل، و رضاء رسولؐ ہی راہ حق کا نشان ہے۔ مومنوں کا رویہ سلف سے اب تک یہی ہے، حضورؐ کے سامنے یا آپ کے بعد آپ کی نص ہوتے ہوئے کسی بات پر امت کے چند افراد بلکہ سب کا مل کر کسی معاملے میں فیصلۂ رسولؐ سے شقاق اور دین سے انحراف اور مومنوں کے راستے کو چھوڑنے کے سوا کچھ نہیں۔ آیت نے ایسے تمام نازک مرحلوں پر اہل ایمان کو روکا اور صحیح سمت کا اشارہ دیا ہے اسی لئے محدثین و فقہا کو جب سنّت کا حوالہ مل جاتا ہے تو اجماع و عقل و قیاس کی دلیلوں کو رد کر دیتے ہیں۔ ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ اور ما اٰتاکم الرسول فخذوہ۔ اصل و اساس دین ہے۔

دلیل ختم نبوت: یہ آیت اپنے دونوں ابتدائی جملوں "مَنْ یشاقق الرسول"، جو رسولؐ سے الگ ہو کر کسی کو نبی یا رسول مانتا یا مسلمان اور محمدی ہونے کے بجائے خود کو احمدی یا قادیانی جانتا اور مانتا ہے مومنوں کے جتھے سے الگ ہو کر دوسرے راستے پر چلتا ہے یعنی "ویتبع غیر سبیل المومنین" وہ بحکم آیت مرتد اور دوزخی ہے بلکہ اہل کتاب کی طرح مشرک اور نجس بھی ہے۔

جناب سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل

تفسیر

سورہ نساء آیت نمبر ۱۱۶ - ۱۲۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۱۱۶﴾

ترجمہ

بلا شبہ، اللہ اسے نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم جو ہو گا، اسے جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا اور جو اللہ کا شریک مانتا ہے وہ صراط مستقیم سے بہت دور جا پڑا ۱۱۶

تفسیر

شرک کی نفی

اسی سورت کی اڑتالیسویں آیت میں ہم نے لکھا ہے کہ شرک کی تین قسمیں ہیں۔ شرک فی التخلیق۔ شرک فی التدبیر۔ تیسرے عبادت میں شرک آیات میں تینوں

کو بڑی سختی سے رد کیا گیا ہے مثلاً سورۂ انعام/۱۰۱ میں اعلان ہے:

وخلق کل شئ وھو لکل شئ علیم

"اور اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہی ہر چیز کا عالم ہے"

اسی بات کو انعام/۱۰۲ ـ رعد/۱۶ ـ طٰہٰ/۵۰ ـ سجدہ/۷ میں واضح کیا ہے۔ جس سے شرک فی التخلیق کی تردید ہوتی ہے۔

تدبیر عالم میں نفی شرک بھی قرآن سے ثابت ہے۔ قرآن میں، مدبّر و منتظم کائنات صرف اللہ کو کہا گیا ہے۔ سورہ انعام/۱۶۳ میں ارشاد ہے:

لاشریک لہ وبذالک امرت وانا اوّل المسلمین

"یعنی اللہ کا شریک ہے ہی نہیں نہ تخلیق میں نہ انتظام کائنات و بندگی میں، اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں"

سورۂ رعد/۳۳ میں ارشاد ہے:

"انھوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں ان سے کہئے کہ ان کے نام بتاؤ ...."

اسراء میں فرمایا:

لم یتخذ ولداً ولم یکن لہ شریک فی الملک

"اس نے اولاد نہیں بنائی اور ملک و حکومت میں اس کا کوئی شریک نہیں"

اسی توحید ربوبیت کو بیالیس مرتبہ اللہ عزاسمہ کی ذات سے خصوصیت بخشی ہے۔ "رب العالمین"، ربّ سماوات و ارض کی حمد۔ خلق و امر اللہ ربّ العالمین کا ہے انتظام کائنات میں اس کا شریک کوئی نہیں۔ بعض آیات میں بعض مخلوقات کو بکار خاص انتظام کا عہدہ عطا کرنے کا اشارہ بھی ہے۔

عبادت میں شرک کے ذیل میں قرآنی مطالعہ سے مشرکوں کے خیالات ... یہ معلوم ہوتے ہیں کہ ان لوگوں کے معبود، نفع و نقصان پہنچاتے ہیں اسی لئے وہ آفتاب و ماہتاب کی پوجا کرتے تھے حصول نفع و دفع ضرر انسانی فطرت ہے۔ کچھ کہتے تھے کہ بت واسطہ شفیع ہیں۔ اللہ نے ان تمام عقیدوں کو باطل فرمایا:

سورۂ یونس/۱۸ میں ہے:
"اور وہ لوگ اللہ کے علاوہ ان کو پوجتے ہیں جو نہ انھیں نقصان پہنچاتے نہ فائدہ، پھر یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے حضور ان کے شفیع ہیں۔

اور الزمر میں فرمایا:
"اور وہ لوگ جنھوں نے اللہ کے علاوہ دیوتا بنا رکھے ہیں ان کا خیال ہے کہ وہ ان کی پوجا اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں ان کے اختلافات کا فیصلہ اللہ ضرور کرے گا

سورۂ ہود/۵۴ میں ہے کہ:
منکر نبوت نے حضرت نوحؑ سے کہا تھا "ان نقول الا اعتراک بعض آلهتنا بسوء ..." ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دیوتاؤں میں سے کسی نے تمھیں آسیب پہنچایا ہے"

قرآن نے ان بے ہودہ خیالات کی بکثرت آیات سے نفی کی اور کہا۔ قوت و عزت مکمل طور پر اللہ کی ہے۔ بقرہ/۱۶۵، نساء/۱۳۹ بلکہ اللہ کے علاوہ جسے یہ پکارتے ہیں وہ تم جیسے بندے ہیں" اعراف/۱۹۴ اور

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَسْمَعُوا وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ

اور اس سے بڑھ کر۔" یہ لوگ اللہ کے سوا جسے پکارتے ہیں وہ خلق نہیں کرتے وہ تو خود پیدا کئے ہوئے ہیں، وہ مردہ ہیں زندہ بھی نہیں، انھیں شعور نہیں کہ انھیں کب محشور کیا جائے گا" (النحل/۲۰ و ۲۱)

غرض قرآنی تعلیم کے مطابق تمام موجودات کا خالق و مدبر و معبود صرف واحد و یکتا اللہ ہے۔

بت پرستی کے خلاف قرآنی آیات میں یہ بھی نظر آتا ہے کہ بعض بت پرست اللہ کو خالق مانتے تھے، مرکز احترام و قدرت بھی جانتے تھے مگر عبادت میں اس کو معبود یکتا نہیں

سمجھتے تھے۔ سورۂ عنکبوت میں ہے:

"اگر آپ ان سے پوچھیں آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور کس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے "اللہ" نے (۶۱)

نیز سورۂ لقمان/۲۵ اور الزمر/۳۸۔ زخرف/۹ و ۸۷ سورۂ زمر کی تیسری آیت ہے۔

"شفعاء نا الیقربونا الی اللہ زلفی"، وجود خالق واللہ کے قائل ہونے کے باوجود شرک فی العبادۃ میں سخت تھے، پیغمبروں نے اس کی سخت مخالفت کی، مختلف سورتوں میں میں تصریحات موجود ہیں مثلاً:

"یاقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ"

متعدد انبیاء نے اپنی امتوں سے کہا، جناب ہودؑ نے بھی یہی کہا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہ مانو تو ان کی قوم نے کہا:

"أجئتنا لنعبد اللہ وحدہ"، کیا تم اس لئے آئے ہو کہ فقط اللہ ہی کی ہم عبادت کریں"

اور ونذر ما کان یعبد آباؤنا "(اعراف/۷۰)

ہم اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ دیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم و تبلیغ کا آغاز" قولوا لاالہ الااللہ تفلحوا" سے کیا۔ اندازہ ہوتا ہے انبیاء کے سامنے اکثریت ان قوموں کی رہی جو اللہ یا خالق کے وجود کو مانتے تھے مگر ربوبیت اور تدبیر کائنات میں دوسروں کو شریک اور معبود سمجھتے تھے، ان لوگوں کو تعلیم دی گئی کہ اللہ کو ہر جہت سے واحد و لاشریک مانو، اسی ایک کی عبادت کرو اسی ایک کو مدبر و حکیم و معبود مانو۔

جو قومیں یا گروہ وجود خالق کے منکر تھے قرآن حکیم نے ان کو دلائل وجود باری تعالیٰ سمجھائے۔ سورۂ النجم میں زبان کے اعجاز اور سادگی اور گہرائی کے محیر العقول انداز میں صفات باری تعالیٰ کا اثبات و بیان اور ضمناً غیر اللہ سے ان صفات کی نفی میں ارشاد ہے:

وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهَىٰ ﴿٤٢﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ ﴿٤٣﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ﴿٤٤﴾ وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ﴿٤٥﴾ مِن نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ﴿٤٦﴾ وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ الْأُخْرَىٰ ﴿٤٧﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ ﴿٤٨﴾

"یقیناً انتہا تمھارے رب کی طرف ہے، اور بلاشبہ وہی ہنساتا اور رلاتا ہے۔ اور بلاشبہ وہی مارتا اور جلاتا ہے۔ اور بلاشبہ اسی نے زوجین مرد و عورت کو پیدا کیا اس نطفے سے جو رحم میں ڈالا جاتا ہے اسی کے ذمے ہے حشر میں اٹھانا اور بلاشبہ وہی ہے بے نیاز اور عطا کرنے والا"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حمد خدا کے لئے سورۂ شعراء میں دیکھئے کہ انھوں نے فرمایا:

"میری خلقت و ہدایت اس کی طرف سے ہے وہی مجھے روزی دیتا ہے اور وہی سیراب کرتا ہے، وہی مجھے بیماری اور مجھے شفا دیتا ہے، اور مجھے موت دے گا پھر دوبارہ زندہ کرے گا۔ اور خود اللہ عزوجل کا فرمان "الا لہ الخلق والامر"۔ ان امور میں توحید اور ان کے خلاف شرک کے پہلو ہیں۔ مگر بات بہت نازک اور اچانک فیصلے کی نہیں ہے ہم انشاء اللہ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۳۵ میں مزید روشنی ڈالیں گے۔

اِن یَدعُونَ مِن دُونِہٖ اِلَّا اِنٰثًا

وَاِن یَدعُونَ اِلَّا شَیطٰنًا مَرِیدًا ﴿۱۱۷﴾ لَعَنَهُ اللّٰهُ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِن عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفرُوضًا ﴿۱۱۸﴾ وَلَاُضِلَّنَّهُم وَلَاُمَنِّيَنَّهُم وَلَاٰمُرَنَّهُم فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الاَنعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُم فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلقَ اللّٰهِ ۚ وَمَن يَتَّخِذِ الشَّيطٰنَ وَلِيًّا مِّن دُونِ اللّٰهِ فَقَد خَسِرَ خُسرَانًا مُّبِينًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُم وَيُمَنِّيهِم ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيطٰنُ اِلَّا غُرُورًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاوٰىهُم جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنهَا مَحِيصًا ﴿۱۲۱﴾

ترجمہ

وہ اللہ کے سوا نہیں پکارتے مگر دیویوں کو اور نہیں پکارتے مگر سرکش شیطان کو (۱۱۷) اس پر اللہ نے لعنت کی، اور شیطان نے کہا میں تیرے بندوں سے مقرر حصہ لے کر رہوں گا (۱۱۸) اور انھیں پھر گمراہ کروں گا اور ضرور تمناؤں میں الجھاؤں گا، اور انھیں ضرور حکم دوں گا، پھر وہ چوپایوں کے کان چاک کریں گے۔ اور انھیں ضرور حکم دوں گا پھر وہ اللہ کی خلق (کی ہوئی صورت) کو بدل دیں گے۔ اور جو بھی اللہ جل وعلا کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا سربراہ مانتا ہے وہ بڑا نمایاں گھاٹا اٹھاتا ہے (۱۱۹) وہ ان سے وعدے کرتا اور امیدیں بڑھاتا ہے۔ اور ان سے شیطان کے وعدے صرف دھوکا ہی ہوتے ہیں (۱۲۰) ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور انھیں اس سے بھاگنے کی گنجائش نہیں ملے گی (۱۲۱)

تفسیر

۱۱۷۔ اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ ۔۔۔۔۔۔۔

راہ توحید چھوڑ کر ان لوگوں نے جن بتوں کو معبود بنایا ہے ان میں چھ دیویاں ہیں لات وعزّیٰ جیسے بے شمار بت اور دیویاں جن کے لئے ان کا روز مرّہ تھا "انثیٰ فلاں" یعنی فلاں قبیلے کی دیوی، حد ہے کہ ملائکہ کو "بنات اللہ" کہتے تھے مادہ ناموں سے بتوں کو پکارنے کی رسم تمام بت پرست قوموں میں مدتوں سے جاری ہے۔ بھلا سوچنا چاہئے کہ صنف ضعیف جو خود اپنے سے زیادہ قوی کی محتاج ہے اس کو معبود ماننا کیسی نامعقول بات ہے۔ پھر دوسری قسم کے معبود وہ دیوتا ہیں جنھیں سرکشی اور بغاوت میں شیطان مانتے ہیں دراصل شیطان ہی کے یہ کرتوت ہیں۔

۱۱۸- لَعَنَهُ اللّٰهُ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ ......

جس اللہ کا یہ نام لیتے اور اسے دل سے جانتے ہیں اس معبود حقیقی نے شیطان پر لعنت کی ہے اور اس ملعون شیطان نے انسانوں کو قابو میں لانے اور گمراہ کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے یہ لوگ اس کے حصے اور قبضے میں کیوں آرہے ہیں ۔

۱۱۹ - وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ ......

شیطان تو کہہ چکا ہے کہ وہ انسانوں کو ضرور گمراہ کرے گا وہ تمناؤں میں الجھائے گا وہ عجیب و غریب باتیں کہے گا اور لوگ اس کے اشارے سے جانوروں کے کان شگافتہ کریں گے اس سے خیال خود وہ جانور مقدس ہو جائیں گے شیطان ان لوگوں سے خود ان کی صورتیں بدلوائیگا یہ لوگ اپنے چہروں پر شگاف ڈالیں گے، گودنے لگوائیں گے، ڈاڑھیاں منڈوائیں گے اور اللہ عزوجل کی صنعتِ بے مثال کو بگاڑ کر خوش ہوں گے ۔

صاحبانِ عقل و خرد سمجھ لیں کہ اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا ولی اور معبود ماننے والے بڑے گھاٹے میں رہیں وہ بلندی انسانیت عظمیٰ سے گر جائیں گے ۔ جانوروں میں شمار ہوں گے نہ سماجی شعور رہے گا نہ فکری ارتقاء۔

۱۲۰- يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ......

۱۲۱- اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَ .....

لوگ شیطان کے وعدے اور اس کے بہکاوے میں پھنس جاتے ہیں حالانکہ وہ دھوکے اور فریب دہی کے سوا کچھ نہیں کرتا۔ اور فریب خوردۂ شیطان، اللہ وحدہٗ لاشریک کی اطاعت چھوڑ کر اس گروہ کے ساتھ ہو جاتے ہیں جن کی منزلِ آخر جہنم ہے جہاں پہنچ کر کوئی چارۂ کار باقی نہ رہے گا ۔

وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا ﴿۱۲۲﴾

ترجمہ

"اور جو لوگ ایمان لاتے اور عمل صالح کرتے ہیں انھیں ہم ایسی جنتوں میں داخل کریں گے جن میں نہریں بہتی ہوں گی، اس میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے ابد تک۔ اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ اور اللہ عز اسمہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہے (۱۲۲)

تفسیر

عقل دشمن اور شیطان مرید لوگوں کے مقابلے میں وہ باعلم و عمل مومن ہیں جو اللہ وحدہٗ لاشریک کو مانتے اور سنت وسیرت رسولؐ پر عمل کرنے میں سرگرم رہے ان کا صلہ اللہ کے سچے وعدے کے مطابق جنت اور اس کی نعمتیں ہوں گی۔ یقین رکھو کہ برحق اور سچا وعدہ صرف اللہ کا وعدہ ہے۔

لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ

اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ

مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ

الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ

نہ تمھاری خواہشات پر جزا موقوف ہے نہ اہل کتاب کی خواہشوں پر۔ جو بھی برا کام کرے گا اس کی سزا دی جائے گی اور وہ اپنے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی خبر گیرا پائے گا، نہ مددگار (۱۲۳) مرد ہو یا عورت جو بھی صالح عمل بجالائے گا

اور ہو وہ مسلمان، تو ایسے افراد جنّت جائیں گے اور ذرہ بھر ان کی حق تلفی نہ کی جائے گی (۱۲۴)

تفسیر

۱۲۳۔ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ ......

۱۲۴۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ ......

جنّت بلا استحقاق نہیں ملے گی

صدیوں سے مختلف عقائد کا پرچار کرنے والے یہ دعوے کرتے چلے آئے تھے کہ جنت ان کے لئے بنی ہے وہ بہشت میں ضرور جائیں گے۔ سورۂ بقرہ میں یہودیوں اور عیسائیوں کے نعرے ہیں "جنّت میں یہودیوں اور نصرانیوں کے سوا کوئی داخل ہو ہی نہیں سکتا" (آیت ایک سو گیارہ) ادھر اس عہد کے مسلمان بھی کہنے لگے جنّت ہماری ہے سورۂ بقرہ کی آیت ایک سو چودہ میں ارشاد ہوا کہ:

"ماضی کی قوموں پر نظر ڈالو، ان کو جنّت یوں ہی نہیں ملی وہ خوش فہمیوں میں مبتلا ہو کر تباہ بھی ہوئے"

یہودیوں کی طرح یہ کہنا بھی غور طلب ہے کہ:

"لن تمسّنا النّار الّا ایّاما معدودۃ"

"ہمیں چند دنوں سے زیادہ آگ چھو ہی نہ سکے گی"

جو بھی قیامت، حشر و نشر اور جنت و دوزخ پر یقین رکھتا ہے اسے مرد و عورت کا فرق کئے بغیر سمجھ لینا چاہئے کہ جنّت کسی کی آرزو سے نہیں ملے گی برائی کا بدلہ اور نافرمانی کی سزا، اچھائی کا صلہ اور فرماں برداری خدا کی جزا ضرور ملے گی

اللہ عادل ہے۔ منکرین خدا و رسول وہاں بے والی و وارث ہوں گے۔ اور مومن کو پورا صلہ بلکہ کچھ فضل بھی عطا ہو گا۔ حق تلفی کا تو وہم بھی کرنا گناہ ہے۔

اسلام علم و عمل فکر و عقیدہ و حرکت و کارکردگی کا نظام ہے۔

اس میں مرد و زن عمل اور صلۂ عمل میں برابر قرار دیئے گئے ہیں:

"للرّجال نصیب ممّا اکتسبوا وللنّساء نصیبٌ ممّا اکتسبن"

نیز آل عمران / ۱۹۵ ۔ الاحزاب / ۳۵

جناب سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل رحمہ اللہ

تفسیر

سورہ نساء آیت نمبر ۱۲۶ — ۱۳۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ

اور اس شخص سے اچھا دین کس کا ہوگا، جو اپنا سر، اللہ عزوجل کے حضور جھکا دے، اور ملت ابراہیمؑ کی پیروی کرے جو باطل سے بچ کر چلتے تھے، اور اللہ نے تو ابراہیمؑ کو خلیل بنایا ہے (۱۲۵) اور اللہ ہی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ، ہر چیز پر محیط ہے۔ (۱۲۶)

تفسیر

۱۲۵- وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ ......

۱۲۶ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَكَانَ ....

دین

دین، نظام سیاست و ریاست۔ نظام معیشت و معاشرت کا نام ہے۔ آل عمران کی انیسویں آیت میں دین اور اسلام کو مترادف اور المائدہ کی دوسری آیت میں اللہ کی طرف سے کامل اور پسندیدہ قانون و آئین کہا گیا ہے۔ آل عمران کی آیت نمبر پچاسی میں تنبیہ ہے جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور راہ و روش پسند کرے گا اللہ اسے رد کر دے گا۔ اسلام ہی دستور ابراہیمؑ و صراط مستقیم ہے۔ اس لئے اچھا انسان وہی ہے جو اسلام کو اپنائے اللہ کے حضور سر جھکائے حسن عمل اور نیکوکاری کا ذخیرہ جمع کرے کہ یہی رویہ اور یہی دین، حضرت ابراہیمؑ کا راستہ ہے کجی سے محفوظ اور راہ باطل سے ہٹا ہوا، اسی دین میں قائدانہ کمال کی بنا پر حضرت ابراہیمؑ کو اللہ نے "خلیل" کا لقب دیا جو اس راہ پر چلے گا حبیب خدا ہو سکے گا۔

اللہ عزوجل کے حضور سر تسلیم جھکانے اور کمال بشری حاصل کرنے کا سبب یہ ہے کہ اللہ پوری مخلوق کا خالق و مالک ہے اس کے علم و قدرت کے دائرے سے کوئی چیز باہر نکل نہیں سکتی، لہٰذا سرکشی میں نقصان اور اطاعت میں رضوان ہے۔ نیز دیکھئے۔ بقرہ/۱۳۵، آل عمران/۶۷ و ۹۵، انعام/۱۹ و ۱۶۱۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللّٰهُ
يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِي يَتٰمَى النِّسَاءِ
الّٰتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ اَنْ تَنْكِحُوهُنَّ
وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَاَنْ تَقُومُوا لِلْيَتٰمٰى
بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيمًا ﴿۱۲۷﴾

ترجمہ

اور آپ سے لوگ عورتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دیجئے۔ اللہ ان کے بارے میں

تمھیں احکام بتلاتا ہے اور جو تم کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے قرآن میں، ان یتیم عورتوں کے لئے جن کے واجب شدہ حقوق تم نہیں دیتے، اور چاہتے یہ ہو کہ ان سے نکاح کر لو اور بے کس و بے بس لڑکوں کے لئے اور یہ کہ تم یتیموں کے معاملات میں انصاف قائم رکھو۔ اور تم جو بھلائی کرو گے اللہ اس عمل کا جاننے والا ہے (۱۲۷)

تفسیر

سورے کی بالکل ابتدائی آیتوں میں خواتین کے مسئلہ پر اسلامی تعلیمات و احکام کا تذکرہ ہو چکا، یہاں ایک سو ستائیسویں آیت اور اس کے بعد کی آیتوں کے پس منظر میں یہ ارشاد کہ حکم الٰہی پر سر جھکانے خوش اسلوبی کردار اور ملت ابراہیمؑ کے پیروکار سے بہتر کوئی نہیں۔ چند روز کی دولت کا کیا اعتبار اصل مالک ارض و سما تو اللہ ہی ہے۔ یہ سوال کہ عورتوں کے حقوق؟ ان کے مسائل کے بارے میں اللہ کا حکم اور اسلام کا رویہ کیا ہے؟

حقوق و احترام نسواں

اسلام چاہتا ہے کہ عورتوں کو بیان شدہ قانونِ وراثت کے مطابق ان کا حصہ انھیں فرور دیا جائے ان کی ملکیت اور تصرف میں کوئی مداخلت نہ کی جائے۔ اللہ نے "الکتاب" میں ان کا حصۂ میراث و حق ملکیت بتا دیا ہے۔

یتیموں سے رویہ

یتیم لڑکیوں کو میراث یا مہر سے محروم اور ان کے مال پر قبضے کے بہانے ان سے نکاح کرنے کا دستور غلط ہے۔ اور ایسی عورتوں کو ان کی بدصورتی یا کسی اور وجہ سے نکاح نہ کر کے اس نیت سے قابو میں رکھنے کا عمل بھی درست نہیں کہ وہ مر جائیں تاکہ ان کا مال ہضم کر لیا جائے قرآن بے کس و ناتواں یتیم بچوں کے بارے میں بھی تاکید کرتا ہے کہ ان کی میراث کو ان کی جائداد و

متروکہ مال پدری سے ہرگز محروم نہ کیا جائے مجموعی طور پر دو اہم نکتے نظر میں رہنا ضروری ہیں۔
(الف) یتیموں کے معاملات میں عدل و قسط یعنی صحیح انصاف کی پابندی۔
(ب) خیر و حسن سلوک کا رویہ، کیوں کہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے وہ عدل، داد و دہش اور رحم و کرم کا قدر داں اور اس کا بہتر سے بہتر صلہ دینے والا ہے۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾

ترجمہ

اور اگر کوئی زوجہ اپنے شوہر سے ڈرتی ہو اس کی زیادتی (بدمزاجی) یا بے رخی سے تو اس میں دونوں کا کوئی حرج نہیں کہ آپس میں باقاعدہ مفاہمت کرلیں۔ اور صلح اچھی چیز ہے۔ اور بُخل تو (نفسیاتی طور پر) ہر ایک کے ساتھ ہے۔ اور یہ کہ بھلائی کرو، اور پرہیزگاری سے کام لو، کیونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ تمھارے ہر عمل سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۱۲۸﴾

تفسیر

بَعْل: شوہر۔ نشوز: نَشَزَ کے معنیٰ ہیں اونچا ہوا۔ نشوز کے ایک معنیٰ ہیں بیوی کا شوہر کے احکام نہ ماننا۔ ایسی عورت "ناشزہ" کہلاتی ہے (دیکھئے النساء/۳۵) مرد کا نشوز ہے بیوی کو مارنا ظلم و زیادتی کرنا۔ مجمع البحرین لغت میں اس کے چار استعمال اور چار آیات درج ہیں۔

میاں بیوی کے تعلّقات

الشّح: بخل۔ تنگ دلی، کسی چیز کی زیادہ ہوس اور قلبی وابستگی۔ چونتیسویں، پینتیسویں آیتوں میں خانگی معاملات اور میاں بیوی کے ناخوشگوار تعلّقات پر حد بندیاں اور قانونی

رہنمائیوں کی بات ہوچکی، وہاں بیوی کے غلط رویّوں کا حوالہ تھا، یہاں شوہروں کے حوالے سے ارشاد باری ہے کہ:

(الف) اگر بیوی یہ محسوس کرتی ہے کہ شوہر کسی دوسری بیوی پر فریفتہ ہے اور اس سے بے رُخی زیادتی اور حق تلفی یا مار پیٹ تک پہنچ چکا ہے تو حوصلے سے کام لے اور باہمی مفاہمت صلح و سمجھوتے پر راضی ہوجائے اسے جو حقوق حاصل ہیں ان میں کچھ نرمی برتے، مثلاً ایک دو راتیں، نان و نفقہ میں رعایتیں دے کر شوہر کو راضی کرلے اور یہ سوچے کہ ہر ایک اپنی خواہش کو مقدم رکھنا چاہتا ہے۔ شوہر بھی اپنی عالی ظرفی کا مظاہرہ کرے۔ اس مرحلے پر قلبی احساسات اور نفسیاتی وابستگیوں کی بات آڑے آئے گی، ہم اپنا بستر کیوں دیں، وہ تین دن ہمارے یہاں کیوں نہ آئے۔ کسی کو ہمارے شوہر کی تنخواہ میں ہم سے زیادہ اخراجات کیوں ملیں؟ یہ بات اپنی جگہ ٹھیک ہے۔ مگر زندگی میں تا بحد امکان تسلسل رکھنا ضروری ہے اس کے لئے احسان، درگزر، خدا ترسی اور برداشت کا راستہ ہی اچھا ہے اس طرح ایک مدّت کا ساتھ نہیں ٹوٹے گا گھر نہ اُجڑے گا اور طلاق جیسی مصیبت سے دوری رہے گی

(ب) حُسن سلوک، مصالحت اور مفاہمت میں جھوٹ اور فریب نہ برتا جائے اور تقویٰ نیز اللہ کے علیم و خبیر ہونے کے یقین سے مدد لی جائے کہ ارادہ و عمل یا قول و فعل میں تضاد نہ ہو۔ دیکھئے بقرہ/۱۲۶

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوٓا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ ٱلنِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ ۖ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ ٱلْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَٱلْمُعَلَّقَةِ ۚ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٢٩﴾ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ ٱللَّهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهِۦ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ وَٰسِعًا حَكِيمًا ﴿١٣٠﴾

ترجمہ

بیویوں کے درمیان پوری طرح تم پوری برابری کر ہی نہیں سکتے چاہے تم کوشش بھی کرو۔ تو پھر ایک ہی کی طرف پوری طرح نہ جھک جاؤ۔ اور دوسری کو بیچ اَدھر میں لٹکتا نہ چھوڑ دو۔ تم اپنا رویہ درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے (۱۲۹)

اور اگر دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ عزّ وجلّ اپنی وسعتوں سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعتوں والا اور بڑی تدبیر والا ہے (۱۳۰)

تفسیر

۱۲۹- وَلَن تَسْتَطِيعُوا أَن تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ ....

تعدّدِ ازواج

آیت نمبر تین میں بشرط انصاف و عدل چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے زیر نظر آیت میں اس عدل کی ایک اور قانونی شق کا بیان ہے۔ وہاں حکم تھا کہ، راتیں، نان ونفقہ، فکر و خیال حمایت و حفاظت میں برابری رکھ سکو تو اپنی گنجائش کے مطابق دو چار شادیاں کر سکتے ہو۔

یہاں نکتۂ قانون یہ نکلا کہ "عدل" محبت، پسند نا پسند اور رغبت و بے رغبتی سے قائم نہیں ہو سکتا آدم زاد نفسیاتی طور پر بعض جذبات کو ختم نہیں کر سکتا۔

قرآن مجید نے تشریح فرمائی کہ "واقعتاً محبت میں سب کو برابر نہیں رکھ سکتے لہذا محبت و الفت میں سب بیویوں میں برابری واجب نہیں ورنہ تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ایک پر دل و جان فدا کر دو اور دوسری کو نہ اِدھر کا رکھو نہ اُدھر کا مثلاً بدصورت، بیمار، سن دار، بے اولاد، دولت مند، باقبیلہ یا غریب اور بے قبیلہ عورت کو نہ طلاق دو نہ بیوی سمجھو اور دوسری کے بندۂ بے دام بنے رہو۔ "ہوا میں معلق" رفیق حیات کی زندگی اجیرن کرنے کا حق ہرگز نہیں دیا جا سکتا۔ نہ وہ عدل واجب ہے نہ یہ ظلم جائز ہے ایسی صورت حال میں شوہر کو خوف خدا اور صلح پسندی برتنا چاہیے اور غیر ارادی یا چھوٹی موٹی غلطیوں پر اللہ کی رحمت و مغفرت طلب کرنا چاہیے۔

قدیم واقعہ

آج کے روشن خیال کہتے ہیں یہ آیت اگر تیسری آیت کے ساتھ دیکھی جائے تو تعددِ ازدواج کی

ممانعت کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ دراصل یہ کج بحثی کرنے والے ماضی بعید کی بات دہراتے رہتے ہیں
ہمارے قدیم مفسر علی ابن ابراہیم قمی نے آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:
ایک زندیق نے دونوں آیتوں کے حکم میں فرق کی وجہ پوچھنے اور بحث کرنے کے لئے ابوجعفر احول مومن طاق کا رُخ کیا مومن طاق اس سوال سے پریشان ہوئے۔ جب مدینے گئے تو امام جعفر صادق علیہ السلام سے مسئلہ پر گفتگو کی امامؑ نے فرمایا: تیسری آیت میں "فان خفتم الّا تعدلوا۔۔۔" کا مطلب ہے کہ اگر نان ونفقہ میں برابری نہ رکھ سکو تو دوسری شادی نہ کرو۔ اور زیر نظر آیت میں "ولن تستطیعوا ان تعدلوا" اور تم ہرگز عدل نہیں کر سکتے کا مطلب یہ ہے دو بیویوں سے ایک جیسی محبت کرنا ممکن نہیں ہے اور اس میں عدل و برابری واجب نہیں ہے۔

تاریخ اسلام کے اہم واقعے

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب ام المومنین خدیجہ رضوان اللہ علیہا سے اپنی محبت کا تذکرہ آخر عمر تک فرماتے رہے اس کے باوجود تمام ازواج کے حقوق میں برابری کا حق ادا کیا جو تمام انسانوں کے لئے مثالی ہے۔ یعنی زمانۂ علالت میں بھی آپؐ ہر زوجہ کے دن و رات اور واجبات وحقوق بے مثال طریقہ سے ادا کرتے تھے۔
حضرت علی علیہ السلام کی جب دو ازواج تھیں تو آپ دو وضو ایک کے گھر میں نہ فرماتے تھے (تفسیر نمونہ)

۱۳۰۔ "وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ ....."
جب دل ٹوٹ جائیں، مفاہمت ناممکن ہو جائے اور زندگی زہرناک بن جائے تو کسی کو مایوس نہ ہونا چاہئے طلاق سے بات ختم کر دو اور یقین رکھنا کہ اللہ کے خزانوں میں کسی طرح کی کمی نہیں ہے وہ بے نیازی دے گا اور محتاجی دور کرے گا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ ۚ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ

وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾

ترجمہ

اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور ہم نے تم سے پہلے جن کو کتاب دی تھی اور تم کو بھی نصیحت کی تھی کہ اللہ سے تقویٰ رکھنا۔ اور اگر تم نے کفر کیا تو سمجھ لو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے۔ اور اللہ جلّ عُلاؔ بے نیاز اور تمام خوبیوں کا مالک ہے (۱۳۱) اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کارسازی کے لئے کافی ہے (۱۳۲) اے لوگو! اگر اللہ چاہے تو تمھیں لے جائے (ہٹا دے) اور تمھاری جگہ کوئی اور قوم لے آئے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے (۱۳۳)

تفسیر

۱۳۱- وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا ...،،

اللہ کی قدرت بہت بڑی ہے وہ آسمانوں اور زمین کا مالک و خالق ہے۔ تم اگر اس کائنات کی وسعت کا اندازہ لگا سکو تو معلوم ہو کہ اللہ کی قدرت کتنی ہے۔

تقویٰ

اللہ نے ہر پیغمبر پر نازل کردہ کتاب میں انسانوں کو پابند تقویٰ رہنے کی ہدایت فرمائی اور ہم مسلمانوں کو بھی یہی حکم دیا ہے اب جو بھی حکم نہ مانے کفر کی راہ لے تو بے نیاز و رب مالک ارض و

سما کو اس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ اللہ تو قابل ستائش تھا اور ہے وہی صفات کمال و حمد کا مالک رہے گا۔

۱۳۲۔ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ،،

اللہ کارساز و سربراہ ہے اس کی کارسازی کا ثبوت یہ پوری کائنات ہے۔

دو آیتوں میں للہ مافی السمٰوات و الارض تین مرتبہ آیا اور ہر مرتبہ اس کا مدعا الگ رہا۔ پہلی مرتبہ وسعت و حکمت کی دلیل ہے دوسری مرتبہ تقویٰ کے حکم اور اس کی پابندی یا نافرمانی سے خود انسان کے فائدے یا نقصان کی طرف توجہ دلا کر فرمایا کہ اللہ بے نیاز ہے اس کی حمد کرنے والی مخلوق بہت ہے دونوں کا ثبوت زمین و آسمان کی ملکیت ہے۔ تیسری مرتبہ اللہ کی تقویٰ کی طرف رغبت دلانے کے لئے اپنی کارسازی کے حوالے میں بے انتہا امکانات کا تذکرہ فرمایا اور کائنات ارض و سما پر غور کرنے کی دعوت دی جس پر غور کرنے سے اس کی کارسازی کے راز کھلتے ہیں۔ اور

۱۳۳۔ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ ۔ ۔ ۔ ،،

تم کو اللہ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور قرآن و اہلبیتؑ کی نعمتوں سے نوازا ہے تمہاری عقل و انسانی کرامت کا تقاضا ہے کہ حکم خدا مانو اور اسلام پر کاربند رہو ورنہ اللہ کی مشیت جب چاہے وہ تمہیں ختم کرکے کوئی دوسری قوم تمہاری جگہ پیدا کر دے جو اللہ کی مطیع ہو۔ تاریخ عالم میں اللہ کی اس قدرت نمائی کی مثالیں موجود ہیں۔

ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے سلمان رضی اللہ عنہٗ کی پشت پر دست مبارک رکھ کر فرمایا کہ "قوم آخرین،، یہ اور اس کی قوم ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اسلام و تقویٰ، علم و عمل میں جب اہل حجاز کچھ نہ کر سکے تو عجم سے محدثین و فقہا، مفسرین و متکلمین، فلاسفہ اور مؤرخین سیاست و ریاست اور سائنس جاننے والوں کی ایسی قوم اٹھی جس نے تقدیر عالم بدل دی اور ہماری صدی، یعنی پندرہویں صدی ہجری میں سید روح اللہ خمینیؒ کے انقلاب اسلامی نے پھر اسلام کی قوت کا پرچم لہرا کر اسے اہل تقویٰ کی عنداللہ محبوبیت کا ثبوت فراہم کر دیا اللہ کی قدرت نمائی ہے کہ صدیوں عرب اپنی قوم و سیاست

وریاست پر شریعت اسلامیہ نافذ نہ کر سکے لیکن جمہوری اسلامی ایران میں عملاً شریعت نافذ ہو گئی ۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿١٣٤﴾

ترجمہ

جو شخص دنیا ہی میں ثواب چاہتا ہے تو اسے یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ عزوجل کے پاس دنیا و آخرت دونوں جگہ ثواب ہے ۔ اور اللہ سمیع و بصیر ہے ﴿١٣٤﴾

تفسیر

دنیا و آخرت دونوں

نماز ہو یا جہاد ، نکاح ہو یا طلاق ہر مرحلے میں دنیا و آخرت دونوں پر نظر رکھو ، فقط دنیا کے فوائد کو پیش نظر رکھنا یا صرف آخرت کے لئے دنیا چھوڑ دینا غلط ہے دنیا کا مالک بھی اللہ اور آخرت کا حاکم بھی اللہ ہے ۔ وہ لبوں کی بات سنتا اور دلوں کے بھید جانتا اور چھپے چوری اقدامات کو دیکھتا ہے ۔ لہٰذا صراط مستقیم و تقویٰ کو دستور دراہ و روش سمجھو گے تو دنیا بھی ملے گی اور آخرت بھی ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ
وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا
فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا
فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٣٥﴾

ترجمہ

اے ایمان والو! تم پوری طرح عدل قائم کرنے والے اللہ (کی رضا) کے لئے گواہ بنو خواہ تمہاری گواہی اپنی ذات یا والدین یا قرابت داروں کے خلاف ہی ہو، ــ وہ مالدار ہو یا محتاج ۔ کیونکہ اللہ عزّ اسمہٗ ان دونوں کا سہارا ہے ۔ عدل کے مرحلے میں خواہش نفس کے پیچھے نہ چلو اور اگر گھما پھرا کے گواہی دی یا گواہی میں حق سے منحرف ہو گئے تو (یاد رکھنا) اللہ تعالیٰ جو تم عمل کرتے ہو اس سے پوری طرح باخبر ہے (۱۳۵)

تفسیر

قیام عدل

اللہ اور قرآن، رسول خاتم ؐ کو ماننے والے کی قانونی ذمہ داری ہے کہ اپنی امکانی کوشش بھر سیاست و ریاست اور معاشرہ میں عدل قائم کرے خود حق و انصاف سے منحرف نہ ہو اور دوسروں کو عدل و صداقت کا پرستار بنائے یہ عمل حقوق اللہ سے ہے اور حقوق عباد کی بات ہے ان کے معاملات میں عدل و انصاف کی بنیاد پر گواہ بنا کر قانون کا غلط نفاذ نہ ہونے پائے ۔

گواہ عادل

قیام عدل کے لئے اللہ کا قانون آچکا، اس قانون کا نفاذ عوام کی ذمہ داری ہے معاشرے میں ناانصافی اور حق تلفی دیکھنے والے پر واجب ہے کہ مظلوم کی حمایت اور قانون شکن کے خلاف گواہی دے تاکہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو سچے فیصلے کرنے میں آسانی ہو ۔

گواہ کے لئے نفسیاتی رکاوٹوں کا انکار ممکن نہیں مگر اللہ والوں کے لئے یہ منزل آسان ہو سکتی ہے جب وہ گواہی قربۃً الی اللہ دینے کا ارادہ کر لیں اس گواہی سے خود ان کی ذات کو نقصان کا ڈر ہو، یا رشتے داروں کو، حتیٰ کہ والدین کے لئے بھی غیر منصفانہ گواہی نہ دیں ۔ گواہی

کے وقت غریب و امیر کا فرق بھی جائز نہیں۔ ان کی غربت و امارت کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو تم قیام عدل کے معاملے میں اپنے جذبات و خواہشات کے تابع نہ بنو جو سچ ہے وہ کہو اور جو انصاف ہے اس کا برملا اظہار کرو۔

گواہوں کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ انھوں نے بات چبا کے یا بات گھما کے کہی یا حق سے منحرف ہو گئے تو دانا و بینا اللہ ان کے رویے سے باخبر ہے وہ سزا دے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ

وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي

أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١٣٦﴾

ترجمہ

ایمان لانے والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور اس کے رسولؐ پر جو کتاب اللہ نے نازل فرمائی اور جو کتاب ان سے پہلے نازل کی ہے سب پر ایمان رکھو اور جو بھی اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں اور قیامت کا منکر ہوا وہ صراط مستقیم سے بھٹک گیا اور بہت دور جا نکلا ﴿١٣٦﴾

تفسیر

صراط مستقیم سے منحرفین

ایمان لانے کا مطلب فقط اللہ و رسولؐ کا زبان سے اقرار نہیں ہے اس اقرار سے "مومن" مسلم تو کہا جا سکتا ہے لیکن یہ ایسا ہی ہے جیسے زنگی و سیاہ فام کا نام کافور رکھ دیں۔ توحید رسالت، قرآن و قیامت ماننے کے اعلان سے کام نہیں بنتا، ایسے افراد اسلامی معاشرے

کے افراد نہیں بن سکتے۔ دراصل مومن وہ ہے جو اصول کی تفصیل اور تعلیمات پیغمبر کے جزئیات پر بھی یقین کامل رکھے وہ اللہ کی سب نازل کردہ کتابوں، اور ملائکہ پر بھی ایمان لائے۔

صراط مستقیم یعنی راہ خدا اور اسلام سے انحراف یہ ہے کہ نازل شدہ آسمانی کتابوں ملائکہ یا قیامت کا انکار کر دیا جائے، جیسے یہود و نصاریٰ جیسے گروہ کرتے ہیں۔ ایک فرقہ تورات کو مانتا ہے دوسرا ملائکہ کا دشمن ہے۔ نصرانیوں میں کوئی قیامت کو مانتا ہے کوئی نہیں مانتا پھر یہ سب رسول آخر الزماں اور قرآن کی حقانیت جاننے کے باوجود اسے نہیں مانتے تو ان جیسے بہت سے لوگ ہیں جو حقائق و تعلیمات اسلامی کی سچائی کا اقرار کر کے انحراف کرتے ہیں یہ انحراف انھیں منزل سے اس قدر دور نکال لے جاتا ہے کہ واپسی مشکل ہو جاتی ہے یہ لوگ منافق کافر یا مرتد ہو جاتے ہیں۔ اللہ، اس گمراہی سے بچائے اور اسلامی تعلیم پر یقین و عمل کی توفیق بخشے۔

شان نزول

عبد اللہ بن سلام و اسد بن کعب و اسید بن کعب جیسے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے ہم آپ کو اور آپ کی آسمانی کتاب، نیز موسیٰ و تورات و عزیر پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن سب پیغمبر اور سب کتابیں نہیں مانتے۔ اس پر فہمائش میں یہ آیت اتری۔ نیز یہود کی ملائکہ سے دشمنی اور اس کے بارے میں ان کے عقائد کی ہم خیالی سے بھی روکنے رکھنے کی تاکید رہے۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا

ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ءَامَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ٱزْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ ٱللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿١٣٧﴾ بَشِّرِ ٱلْمُنَٰفِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣٨﴾ ٱلَّذِينَ يَتَّخِذُونَ ٱلْكَٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ ٱلْعِزَّةَ فَإِنَّ ٱلْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿١٣٩﴾

ترجمہ

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے، اس کے بعد دوبارہ ایمان لائے پھر کفر اختیار کر بیٹھے پھر اپنے کفر میں اور اضافہ کر دیا اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ منزل تک پہنچائے گا (۱۳۷) آپ منافقوں کو یہ خوشخبری دے دیں کہ یقیناً ان کے لیے دردناک عذاب ہے (۱۳۸) کہ وہ لوگ کافروں کو اپنا سرپرست بناتے اور مومنوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ کیا وہ ان کافروں سے قوت (عزت) حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ تو (غلط سوچ ہے) ساری کی ساری عزت و قوت اللہ ہی کے پاس ہے (۱۳۹)

تفسیر

۱۳۷۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ....،

بے یقین آدمی

معاشرہ میں آوارہ ذہن اور قوت فیصلہ سے محروم افراد جس طرح خود ہر وقت غیر مطمئن رہتے ہیں اسی طرح اپنے اردگرد بے یقینی پھیلاتے ہیں۔ یہ لوگ ایک مرتبہ اسلام پر اعتماد کا اظہار کرتے ہیں دوسری مرتبہ انکار کر کے منحرف ہو جاتے ہیں، پھر کچھ دن بعد کہتے ہیں نہیں اسلام سچا دین ہے۔ اور چند مہینوں یا ہفتوں بعد رائے بدل کر یکسر مخالف و کافر ہو جاتے اور حد سے گزر جاتے ہیں یہ کچے ذہن اور کمزور عقل کے لوگ خود راستہ بدل کر دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں صدر اسلام سے اب تک ایسے لوگ نقصان رساں ہیں۔

"لم یکن اللہ لیغفر لھم"

اللہ عز اسمہ انھیں کبھی نہیں بخشے گا اور نہ ان کی رہنمائی اور منزل رسائی کرے گا مسلمانوں کو ان سے ہمدردی اور اہل ایمان کو ان کے میل جول سے دور رہنا چاہیئے۔ یہ اللہ سے دور اور صراط مستقیم سے مکمل طور پر منحرف ہو چکے۔

لم نفی جحد ہے اس سے وہ آیت سامنے آتی ہے جس میں اعلان ہے ان اللہ لا یغفر

ان یشرک بہ... ۔یہ راستہ شرک کا راستہ ہے اور اس کے راہی ہر زمانے میں ہوتے ہیں اسلامی معاشرے میں ان افراد کو شامل نہ کرنا چاہیئے۔

۱۳۸ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا .....،،

۱۳۹ اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ .....،،

منافق، معاشرے کا سرطان

مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرے کے قیام کے ساتھ ہی منافقوں پر کڑی نظر رکھنے کی ہدایت شروع ہوئی۔ ان لوگوں پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی گئی، ان کرداروں کی طرح طرح سے تشہیر کرکے مسلمانوں کو بار بار ہوشیار کیا گیا ہے۔

پہلے منافقوں کو دردناک عذاب کی خبر دی اور تنبیہ در تنبیہ یہ کہ انذار کو تبشیر و بشّر سے تعبیر کرکے منافقوں کے اس رخ پر طنز کیا ہے جس سے وہ مومن بنتے ہیں یعنی تم کو نوید عذاب و مژدہ جہنم ہو۔

عزّت: عربی زبان میں اس اقتدار اعلیٰ کو کہتے ہیں جس کے ساتھ احترام بھی ہو۔

اس خطرناک سرزنش کے بعد ان سادہ لوح مسلمانوں کو سمجھایا کہ مومن کی دوستی کافر سے، فلسفۂ اسلام ماننے والے کے روابط اسلام کی نفی کرنے والوں سے غلط ہے اگر کوئی سیاسی مدبّر یا معاشرے کا آدمی یہ سوچے کہ اس دوستی کا مقصد دشمن و برسرِ پیکار کافروں کے مقابلے میں قوت و اقتدار حاصل کرنا ہے تو بڑی غلط سوچ ہے۔ قوت و اقتدار، اللہ عزّوجلّ ہی کے لئے غلبہ و اعزاز اللہ سے مانگو: اللہ کا فیصلہ ہے۔ کافروں کو مسلمانوں پر بالادستی و اقتدار اعلیٰ عطا نہیں کرے گا،، دیکھئے آیت ۱۴۱